حجاب
قیمت=/60روپے شمارہ ۸ اگست ۲۰۱۷ رجسٹریشن نمبر-ایم سی ۱۲۰۸
aanchalnovel.com
aanchalpk.com

بیاد —— زینب النساء
فرحت آراء

مدیراعلیٰ —— مشتاق احمد قریشی

مدیرہ —— قیصر آرا

نائب مدیرہ —— سعیدہ نثار

مدیرہ معاونین —— نزہ رضوان

مدیر خصوصی —— طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	02
شمارہ	10
اگست	2017

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

ابتدائیہ

ذکر اس پری وش کا

رخ سخن

تبصرہ

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

آرٹیکل

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر، جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: بینش بخاری ...... آرائش: سلیک سیلون

عکاسی: ایم کاشف 0331-4546116

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: ''آنچل'' پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘
اگست ۲۰۱۷ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

اہل وطن کو قیام پاکستان کی سالگرہ مبارک ہو

میں اور میرے ساتھی ارکان آپ سب بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہیں کہ آپ نے عید کے حوالے سے بہت سے پیغامات اور مبارک باد دی‘ اللہ سبحان وتعالیٰ تمام بہنوں کو بہت سی خوشیوں، راحتوں سے نوازے آپ کی آرا ہمارے لیے نہ صرف حوصلہ افزائی کا باعث بنتی ہیں بلکہ ہمارے آگے بڑھنے کی راہ ہموار کرتی ہیں‘ وہیں ہمیں خوشی بھی ہوتی ہے جب آپ کو ہماری محنت پسند آتی ہے۔

ماہ اگست ہماری زندگی میں بہت اہمیت کا حامل ہے اگست کے مہینے میں ہی ہمارا پیارا وطن پاکستان معرض وجود میں آیا‘ یہ وطن عزیز بڑی قربانیوں کے بعد حاصل ہوا ہے، ہمارے لیے یہ اللہ سبحان وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے دنیا کے نقشے پر پہلا ملک ہے جو اللہ سبحان وتعالیٰ کے نام پر قائم ہوا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس عظیم ملک کو دنیا کی ہر بہترین نعمت سے نوازا ہے‘ حدود اربع کی کمی نہیں ہے‘ شاید اللہ سبحان وتعالیٰ اہل وطن کا امتحان لے رہا ہے یا پھر ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے کہ ہم پر ایک سے بڑھ کر ایک بددیانت حکمران مسلط کردیا جاتا ہے کیونکہ حکم الٰہی ہے کہ جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی تم پر حکمران مسلط کردیا جائے گا یقیناً یہ حکم الٰہی کے عین مطابق ہے کہ ہمارا حاکم ایک سے بڑھ کر ایک کاریگر آرہا ہے کوئی دودھ کا دھلا نہیں سب ہی گردن گردن بدعنوانی کی غلاظت سے لت پت ہیں کس پر انگلی اٹھائیں کس کی کمر پر ہاتھ دھریں کون ہے جو پاک صاف اور شفاف گریبان والا ہے‘ سیاست کے حمام میں تو سب ہی ننگے ہیں کس پر اعتبار کریں‘ کس کو اپنا وطن عزیز کا ہمدرد و مہربان سمجھیں ہر آنے والا جانے والے سے کئی گناہ بڑا کاریگر ہے۔ اب حالیہ دنوں میں ہونے والے انقلاب میں دیکھنا ہے کہ کون صاف شفاف کردار آتا ہے یا ویسے ہی رنگین چہرے ایک بار پھر مسند اقتدار پر قابض ہوجاتا ہے، فی الحال جن نام کا اظہار کیا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی صادق وامین کے دائرے میں نہیں‘ سب پر کالے داغ لگے ہوئے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ ہماری ہمارے وطن عزیز کی حفاظت کرے اور ہمیں آئندہ کے لیے درست فیصلے کی قوت عطا فرمائے، آمین۔

آئیے اب چلتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب:۔

صباء نور، ماوراطلحہ، نفیسہ سعید، سحرش فاطمہ، رمشا زینب، کنزہ مریم، آسیہ مظہر چوہدری، صباء عیشل، تمثیلہ زاہد، شاہدہ حسن، موناشاہ قریشی، نورین مسکان، فریدہ فرید، صباح رفیق چیمہ، اقرا حفیظ، عنزہ یونس، زیبا مخدوم۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو
قیصر آرا

حمد

تُو ہی بے کسوں کا ہے آسرا تری شان جل جلالہ
تُو ہی ہر بشر کا ہے مدعا تری شان جل جلالہ

ہے عیاں بھی تُو ہے نہاں بھی تُو ہے یہاں بھی تُو ہے وہاں بھی تُو
کہ تُو ہی تُو اپنا ہے خود پتا تری شان جل جلالہ

تُو ہی رب ہے تُو ہی کریم ہے تُو قدیر ہے تُو رحیم ہے
تُو ہی ہے خدا تُو ہی کبریا تری شان جل جلالہ

تری حمد ہو سکے کیا بیاں کہ تُو ہی ہے خالق این و آں
ترے ہاتھ میں ہے فنا بقا تری شان جل جلالہ

تری کنہ کوئی نہ پا سکا ہوا پست عقل کا حوصلہ
کہ ہے عقل کی بھی بساط تو تری شان جل جلالہ

بہزاد لکھنوی

نعت

کرم کے بادل برس رہے ہیں دلوں کی کھیتی ہری بھری ہے
یہ کون آیا ہے ذکر جس کا نگر نگر ہے گلی گلی ہے

یہ کون بن کر قرار آیا یہ کون جانِ بہار آیا
گلوں کے چہرے ہیں نکھرے نکھرے کلی کلی میں شگفتگی ہے

دیئے دلوں کے جلائے رکھنا نبی ﷺ کی محفل سجائے رکھنا
جو راحت دل سکونِ جاں ہے وہ ذکر ذکر محمدی ﷺ ہے

نبی ﷺ کو اپنا خدا نہ مانو مگر خدا سے جدا نہ جانو
ہے اہل ایماں کا یہ عقیدہ خدا خدا ہے نبی ﷺ نبی ﷺ ہے

نہ مانگو دنیا کے تم خزینے چلو نیازی چلو مدینے
کہ بادشاہی سے بڑھ کے پیارے نبی ﷺ کے در کی گداگری ہے

جناب عبدالستار نیازی

مریم عنایت

السلام علیکم! آنچل اسٹاف قارئین اور رائٹرز کو میرا پیار بھرا' پھولوں سے بھرا سلام قبول ہو۔ میرا نام مریم عنایت ہے' دہم (اے) کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ 14 مارچ 2002ء کو اس دنیا کو رونق بخشی۔ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہوں' اپنی امی سے بہت پیار کرتی ہوں' اللہ تعالیٰ میرے امی ابو کا سایہ تاقیامت میرے سر پر قائم رکھے' آمین۔ سادگی پسند کرتی ہوں اور خود بھی سادہ رہتی ہوں۔ میرا فیورٹ کلر بلیک اور بے بی پنک ہے' پھولوں میں گلاب اور موتیا بہت پسند ہے۔ فیورٹ ہابی پڑھنا اور لکھنا ہے' بارش سے عشق ہے' اب ذرا بات ہوجائے خوبیوں اور خامیوں کی تو سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ غصہ بہت آتا ہے اور خوبیاں تو بہت سی ہیں مثلاً ہر کسی کو معاف کردینا' خوش اخلاقی سے پیش آنا اور بہت ساری ہیں۔ فیورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مولانا طارق جمیل ہیں۔ آنچل اور حجاب مجھے بہت اچھے لگتے ہیں' میرا ایک چھوٹا سا کزن ہے ہنزلہ' وہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ دھنک کے رنگ بہت اچھے لگتے ہیں' کھانے پینے والی ہر چیز اچھی لگتی ہے مثلاً برگر' پزا' چاکلیٹ کیک' کورنیٹو آئس کریم اور بہت کچھ۔ میری فرینڈز میں ردا رحمان' مریم فدا' مومنہ کائنات اور عیشا کائنات شامل ہیں۔ حساس بہت ہوں چھوٹی چھوٹی بات پر رونا شروع کردیتی ہوں' فروٹ میں انار اور اورنج بہت پسند ہیں۔ ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں آپ میرے لیے دعا کیجیے کہ میں ڈاکٹر بن جاؤں' اگر آپ سکون چاہتے ہیں تو پانچ وقت کی نماز پڑھیں' ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں تو دیکھیے گا آپ کی ہر پریشانی دور ہوجائے گی۔ ایک اور بات یہ کہ تعلیم ضرور حاصل کریں' یہ مشکل وقت میں آپ کا سہارا ہے اگر تعلیم نہیں حاصل کروگے تو دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں گی۔ بارش جب بھی ہوتی ہے تو میرا دل اداس ہوجاتا ہے' اپنی فرینڈز کی بہت یاد آتی ہے۔ اب اجازت چاہوں گی' جہاں رہیں خوش رہیں' دوسروں کو خوش رکھیں کیونکہ دوسروں کے لیے جینا ہی اصل جینا ہے۔ شاہ زندگی کا انتقال ہوگیا بہت افسوس ہوا' اچھا اب اجازت دیں' اپنا خیال رکھیے گا اور مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیں' اللہ حافظ۔

الوینہ

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور قارئین کو میرا محبتوں بھرا سلام۔ میرا نام الوینہ ہے میں گجرات کے ایک چھوٹے سے گاؤں مہسم شریف سے تعلق رکھتی ہوں' ہم چھ بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں۔ گھر میں مختلف ناموں سے بلاتے ہیں جو زیادہ تر مجھے چڑانے کے لیے رکھے گئے ہیں' ایل ایل بی فائنل ائیر کی اسٹوڈنٹ ہوں' پڑھنا میرا شوق ہی نہیں بلکہ جنون ہے۔ 23 ستمبر کو اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی بقول امی کہ بہت بڑا احسان کیا اس دھرتی پر (ہاہاہا)۔ عروج' رامش (پاشی) نایاب (گلابو) اور اسوہ نور (رانی) میری پیاری بہنیں ہیں۔ شز راجہ' سائرہ' ربیعہ' آمنہ' سدرہ' مہوش' زینی' فضا اور شگفتہ (شگو) میری سویٹ فرینڈز ہیں۔ کزنز میں مجھے سب سے

اچھی شیبا آپی لگتی ہیں' آفتاب ماموں میرے فیورٹ ماموں ہیں۔ میں بہت موڈی ہوں' موڈ ہوتو جی بھر کے باتیں کرتی قہقہے لگاتی ہوں۔موڈ نہ ہوتو سنجیدہ بنی پھرتی رہتی ہیں' مجھے کانچ کی سادہ چوڑیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ سردیوں کی بارش بہت پسند ہے چائے میری فیورٹ ہے' فیشن کچھ خاص پسند نہیں لیکن تھوڑا بہت کر ہی لیتی ہوں' حساس بہت ہوں' رونا بہت جلدی آتا ہے۔دوستیں بنانا اچھا لگتا ہے' محسن نقوی میرے پسندیدہ شاعر ہیں' کتابیں پڑھنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔سفید اور کالا رنگ پسند ہے' فیورٹ پرفیوم چیچی ہے جو ہمیشہ میرا بھائی اسرار ہی مجھے لاکر دیتا ہے۔ مجھے اپنے اردگرد بکھرے ہر رشتے سے محبت ہے میں سوچتی بہت زیادہ ہوں' چھپکلی اور کاکروچ سے بہت ڈر لگتا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ عزیز مجھے میرے پاپا ہیں' میں ان سے بہت محبت کرتی ہوں' اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے' آمین۔ باتیں تو بہت ہیں لکھنے بیٹھوں تو ختم ہی نہ ہوں لیکن اس سے پہلے کہ اماں جی اپنی جوتی سے میرے سر کا نشانہ باندھیں' مجھے اجازت دیں' دعاؤں میں یاد رکھیے گا میرا تعارف کیسا لگا پڑھ کر ضرور بتایئے گا اس شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

تیرا عکس روشن ہے ان ویران آنکھوں میں
وگرنہ کیا رکھا ہے ان بے جان آنکھوں میں

اللہ نگہبان۔

بی بی اسماء سحر

گرمی کی آمد آمد ہے' بہاروں کی نوید سناتی پرندوں کی چہچہاہٹ زندگی کی امید دلاتی ہے۔ تعارف کیا یہ الجھے ریشم سے دھاگے ہیں شاید اگر سمجھ نہ بھی آئے تو حلقہ نظر میں مت لائیے گا کہ کتھارسس کی ایک کوشش سی ہے' میں یکم ستمبر کو پیدا ہوئی نام دادی جان نے ایک معتبر بزرگ کی کامل بیٹی اور سیدہ کے نام پر اسماء بی بی رکھا اور سحر ہم بس یونہی لکھ دیتے ہیں۔ابو جان اور امی محبت کے مینار ہیں' جنہوں نے اپنی بہت ساری ذمہ داریاں احسن طریقے سے پوری کیں اور کررہے ہیں۔ اللہ کریم میری والدہ اور بابا کو صحت سلامتی اور خوشیوں بھری زندگی عطا کرے' اپنی رحمت خاص میں سے کہ میرا کوئی عمل اس کی نعمتوں کے قابل نہیں۔ بہن بھائی زندگی کی راہوں کے ناتجربہ کار کم عمر مسافر ہیں' ان کے لیے ہمہ وقت دعا گو ہوں کہ ان کا یہ سفر صراط مستقیم قرب الٰہی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت سے مالا مال ہو۔ دنیا میں شاید کوئی بھی اپنی ذات سے اتنا لاعلم نہ ہو جتنی کہ میں۔ رنگ سب ہی اچھے ہوتے ہیں اور جو موقع پر میسر ہوا اپنا لیا۔ زیورات کا کوئی خاص شوق نہیں' خوب صورت بنانا دوسروں کو میری کمزوری ہے' رنگوں' کھانوں' لباس اور زیورات میں قناعت پسند ہوں یا شاید یہ میری اولیت نہیں ہیں۔ ادب' موسیقی' شاعری' تمثیل' فلم' مصوری غرض فنون لطیفہ کی ہر ہر شاخ کا جنون میری رگوں میں دوڑتا ہے۔ مطالعہ میرا شوق ہے یا شاید شوق کہنا بجا نہ ہوگا کہ کوڑے کے ڈھیر سے بھی اخبارات اٹھا کر پڑھ لیتی ہوں۔ تحریر اور اچھی تحریر میری اولین پسند ہے۔ رومی' جامی' بابا فرید' بلھے شاہ' میاں محمد بخش' شاہ حسین' امیر خسرو' غالب' میر' اقبال' حالی' شبلی' فیض'

فراز، پروین، نصیر الدین انصیر، محسن، وصی، مہر شاہ انیس غرض لاتعداد شعراء ہیں جن کی شاعری میری کمزوری ہے۔ فطرت رویے نفسیاتی لسانیات قومیت، سیاست تصوف یہ سب میرے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ تنقید اور تبصرہ بقول میری اماں کے تمہیں تو بولنے کا خبط ہے مگر صرف صوفی کے موضوعات پر علم میرا جنون ہے۔ دنیا کے ہر موضوع پر جاننے کا کریز ہے، متلون مزاجی حساسیت اور مروت اپنی ان عادات نے مجھے بے حد خوار کیا ہے، خبر نہیں یہ خوبیاں ہیں یا خامیاں بہر حال کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ یہ دل پتھر ہوجائے، ہزاروں لاکھوں ٹھوکریں سرد رویے بے اثر ہوجائیں گے (اللہ معاف فرمائے)۔ اپنے آنسوؤں سے میں سخت عاجز ہوں، ہدایت کی طالب ہونے کے بجائے پُر یقین ہوں کہ ہمہ وقت یہی میری ماں کی دعا ہے۔ مجھے اپنے کوتاہ بین ہونے کا سخت افسوس ہے، نا معلوم مالک کی کن کن نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے ہم محرومی کا رونا روتے ہیں، الفاظ اور زبانوں کا انجذاب میرے اندر بہت جلدی ہوتا ہے۔ مختلف زبانوں کو سیکھنا، ثقافتوں کو جاننا اور تاریخ کے اوراق کھولنا، دنیا کے مذاہب کے بارے میں جاننا خاص کر یہودیت اور بدھ ازم، ارض پاک کی محبت میری رگ رگ میں بھری ہے۔ میری نظریں پاکستان کا مستقبل بے انتہا شاندار دیکھتی ہیں۔ پاکستانیوں کا مستقبل روشن بلکہ بے حد روشن ہے۔ محبت میں جنون کی حد تک واحدانیت ہوتی ہے، یکسانیت سے بہت جلد اکتا جاتی ہوں۔ گمنام خاموش موت سے خوف سا آتا ہے مگر ہجوم سے بھی الجھن ہوتی ہے، وہ کیا شعر کا مصرعہ ہے

''آپ ہی جانتے ہو ہم کو کیا چاہیے'' رسمی تعلیمی سلسلہ کچھ تعطل کا شکار ہے ورنہ دیکھا جائے تو زندگی کا ہر لمحہ سکھاتا ہے، فطرت سادگی خوب صورتی اپنے وقار کے ساتھ ہمیشہ کشش کا باعث ہوتی ہے۔ میرے اندر کہیں بہت دور سے ایک مدہم ہے، نجانے وہ کون بلند بخت ہوتے ہیں جو اس کے قریب ترین ہوجاتے ہیں جن کا ہر مسام انا الحق پکارتا ہے۔ میرا مالک میرے محسنوں اور میری ماں کی دعا کے صدقے ان میں نہیں تو ان کے غلاموں میں شامل کردے، آمین۔ اجازت اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک ہمیں اپنی رحمت خاص سے عطا کرے کہ مانگتے ہوئے ہم نہیں جانتے کہ خالق کبھی اپنی تخلیق کو آگ میں نہیں ڈالتا اور بسا اوقات انسان کی طلب ہی آگ ہوتی ہے تو کیونکر وہ آگ میں ڈالے گا، فی امان اللہ۔

شازمہ رفیق

السلام علیکم! ڈیئر قارئین اور رائٹرز سب کیسے ہیں؟ امید ہے کہ فٹ فاٹ ہوں گے اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو ایسا ہی رکھے، آمین۔ میں پہلی بار شرکت کررہی ہوں اس لیے مابدولت کو خوشی خوشی تھوڑی سی جگہ دیں، امید ہے کہ مجھ سے مل کر اچھا لگے گا۔ اب تھوڑا سا تعارف ہوجائے، میرا نام شازمہ ہے گھر والے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ کزنز شازی یا شامہ کہہ کر بلاتے ہیں، قصور کے قریب گاؤں بھیڑ سوہڈیاں سے میرا تعلق ہے اور میں ایف اے کی اسٹوڈنٹ ہوں جہاں تک آنچل سے میرا تعلق ہے وہ بہت گہرا اور پرانا ہے اور میں آنچل کو بہت پسند کرتی ہوں۔ اس لیے مابدولت لکھنے کی جسارت کررہی ہیں، یہ سوچ کرکہ

آنچل یا حجاب میں جگہ ضرور ملے گی ناں۔ چلیں اب فیملی انٹروڈکشن ہوجائے۔ ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہے‘ فہد بھائی ہم سب سے بڑے ہیں اور ایسوسی انجینئر ہے اور بی ایس سی ماس کمیونیکیشن کررہے ہیں‘ دوسرے نمبر پر مابدولت میرا سب سے بڑا خواب رائٹر اور ڈیزائنر بننا ہے۔ دعا کیجیے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے کامیاب کرے‘ آمین۔ سب سے چھوٹی ہما یعنی میری سسٹر ہے‘ وہ بی ایس سی سائیکلوجی کررہی ہے‘ اللہ تعالیٰ نے ہم تینوں کو بہت ذہانت سے نوازا ہے‘ الحمدللہ۔ اب بات کچھ اپنے بارے میں ہوجائے‘ کھانے میں بریانی‘ شامی کباب‘ فش پکوڑے‘ گول گپے اور بہت سی اسپائسی چیزیں پسند ہیں۔ میں خود بھی بہت اچھی کوکنگ کرلیتی ہوں لیکن امی جی کے ہاتھ کا پکا کھانا میری کمزوری ہے‘ اللہ تعالیٰ انہیں تندرستی و صحت عطا فرمائے‘ آمین اور ہمارے سر پر ان کا سایہ قائم رکھے‘ آمین اور میرے بابا جانی بہت اچھے اور نیک انسان ہیں۔ منافقت اور جھوٹ سے نفرت ہے۔ بہت صاف گو ہوں‘ جو بات بری لگے اس کے منہ پر کہہ دیتی ہوں۔ اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف‘ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر کسی کا جلد اعتبار کرلیتی ہوں جس کا خمیازہ ہر حال میں مجھے ہی بھگتنا پڑتا ہے‘ خوبیوں کے بارے میں دوسرے ہی بتا سکتے ہیں اب اپنے منہ میاں مٹھو کیا بننا (ہاہاہا)۔ میری سب سے اچھی دوست اور کزن سدرہ تھی لیکن وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی لیکن ہمارے دلوں میں زندہ ہے‘ اللہ تعالیٰ اسے غریق رحمت فرمائیں اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے‘ آمین۔ میری اور بھی بہت سی فرینڈز ہیں میمونہ‘ حبیبہ‘ صوفیہ‘ کنول‘ بشریٰ اور نمرہ ہیں۔ میری کزنز ماریہ‘ آمنہ‘ صباء‘ آنسہ‘ کاشفہ‘ ادیبہ‘ توشیبہ‘ آمنہ‘ ثمرہ‘ اقصیٰ‘ عنیزہ‘ حمیرا‘ عطیہ‘ زینب‘ نمرہ سب بہت اچھی ہیں‘ ہم سب کزنز کا آپس میں بہت پیار ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ خوش ہی رکھے۔ میری اور بھی بہت سی کزنز ہیں اگر میں ان کے بھی نام لکھنا شروع کروں تو میرا تعارف ختم ہوجائے گا۔ میری فیورٹ رائٹرز نبیلہ عزیز‘ عفت سحر طاہر‘ اقرأ آپی‘ سمیرا شریف طور‘ سباس گل اور نازیہ کنول نازی۔ میری فیورٹ شخصیت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے‘ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے‘ آمین۔ فیورٹ شاعر پروین شاکر‘ قتیل شفائی‘ وصی شاہ احمد فراز اور محسن نقوی ہیں۔ فیورٹ سنگرز اے آر رحمان‘ راحت فتح علی خان‘ محمد رفیع‘ عاطف اسلم‘ ابرار الحق ہے۔ فیورٹ کلر وائٹ‘ ریڈ اور بلیک ہے ویسے تو میں ہر لباس میں خوب صورت لگتی ہوں (آہم) لیکن مجھے لانگ شرٹ‘ ٹراؤزر اور فراک‘ چوڑی دار پاجامہ پسند ہے۔ موسم سردیوں کا پسند ہے‘ چائے بہت شوق سے پیتی ہوں‘ میں جو چائے پکاتی ہوں وہ میرے اور آنسہ کے علاوہ کوئی نہیں پی سکتا۔ بڑی اعلیٰ قسم کی چائے پکاتی ہوں (سمجھا کریں نا) میرا خیال ہے کہ تعارف بہت لمبا ہوگیا ہے اس سے پہلے کہ آپ بور ہوجائیں‘ اللہ حافظ۔ تعارف کیسا لگا بتایئے گا اپنا خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

محمد فیاض ماہی

سوال: آپ کا تعارف، پیدائش، تعلیم، مشغلہ وغیرہ؟

جواب: میرا نام محمد فیاض ماہی ہے میں یکم فروری 1970ء کو شہر فیصل آباد میں پیدا ہوا، گھر کے مالی حالات کچھ زیادہ اچھے نہ ہونے کی وجہ سے میٹرک کا داخلہ بھیجنے کے لیے چالیس روپے نہ ہونے کی بنا پر میری تعلیم ادھوری رہ گئی لیکن ہمیشہ سے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق رہا اور یہ شوق ایسا تھا کہ ہم شہر سے سات آٹھ کلو میٹر دور لائبریری سے کتب لانے کے لیے سائیکلوں پر اور کبھی کبھار تو پیدل بھی چل پڑتے تھے تعلیم ادھوری رہ جانے کا جو قلق تھا وہ میں نے کتابیں پڑھ کر علم حاصل کرنے سے پورا کرنا شروع کر دیا تھا کیونکہ میرا ماننا ہے کہ تعلیم ڈگریوں کی محتاج ہے علم ڈگریوں اور کاغذوں اسناد کا محتاج نہیں ہوتا۔

سوال: آپ کے لکھنے کی ابتدا کس طرح اور کس عمر میں ہوئی؟

جواب: کہانیاں اور کتابیں پڑھنا میرا جنون تھا جو کہ اب بھی ہے اکثر دوستوں میں بیٹھ کر باتیں کرتا رہتا تھا کہ میں بھی کچھ لکھنا چاہتا ہوں لیکن لکھ نہ پاتا تھا اس دور میں میں ماہنامہ ''جواب عرض'' شوق سے پڑھا کرتا تھا وہ پڑھنے کے بعد احساس ہوا کہ ان لکھنے والوں سے تو اچھا میں لکھ سکتا ہوں اور کوشش کر کے اپنی پہلی کہانی بعنوان ''طاہرہ'' جواب عرض میں بھیجی جو کہ نومبر 1980ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تو خوشی کی انتہا نہ رہی اس کہانی کی پسندیدگی کے بہت سے خطوط مجھے موصول ہوئے اور اس طرح لکھنے کا حوصلہ بھی بڑھتا گیا۔

لیکن 1987ء سے ایک لائبریری خرید کر اس کے ریک میں لگی ہوئی کتابیں دیکھ کر سوچا کرتا تھا کہ ان کتابوں میں میری کوئی تصنیف ایسی ہو جو کتابی شکل میں ہونا چاہیے سترہ سال تک پہلا ناول لکھنے کی کوشش کرتا رہا اور بالآخر 2005ء میں میرا ناول ''ٹھنگر وار کشکول'' لاہور کے معتبر پبلشنگ ادارہ رابعہ بک ہاؤس سے شائع ہو کر مارکیٹ میں آیا تو خوشی سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

سوال: ادبی دنیا میں کن شخصیات سے متاثر ہیں؟

جواب: میں نے اپنی لائبریری میں موجود تقریباً چھ سے سات ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا اور بہت کچھ سیکھنے کی کوشش میں ان کتابوں کو تین تین بار پڑھا لیکن جن ادبی شخصیات کی تحریروں نے مجھے متاثر کیا ان میں ''جناب اشفاق احمد صاحب، مستنصر حسین تارڑ صاحب، ممتاز مفتی، حضرت واصف علی واصف صاحب سرفہرست ہیں ان عظیم شخصیت کی کتابیں ہی میری بہترین استاد ہیں۔

سوال: اب تک ادب میں کتنی کامیابیاں سمیٹیں اور کتنے ایوارڈز ملے؟

جواب: میں خود کو ابھی تک ادیب نہیں سمجھتا ہوں اسی لیے میرا انداز تحریر بہت سادہ ہے اور آسانی سے قاری کی سمجھ میں آ جاتا ہے لیکن شاید ایوارڈ حاصل کرنے کے لیے صدر، وزیر اعظم یا پھر ایوارڈ دینے والی جیوری کا منظور نظر ہونا بہت ضروری ہے اس لیے میری کسی بھی تصنیف کو کوئی ایوارڈ نہیں ملا ہاں مگر کالم نگاری میں مجھے ایوارڈ مل چکے ہیں۔

سوال: کیا ادبی سفر کے علاوہ آپ کسی اور شعبہ سے بھی وابستہ ہیں؟

جواب: پاکستان میں المیہ یہ ہے کہ آٹھ جماعتیں پاس اس ملک کا صدر بن کر پانچ سال تک اندھی گونگی اور بہری عوام پر حکومت کر سکتا ہے لیکن آٹھ جماعتیں پاس چودہ کتابوں کے مصنف کو کوئی بھی سرکاری اور غیر سرکاری محکمہ نوکری نہیں دیتا

کیونکہ اعلیٰ تعلیمی اسناد جو پاس نہیں ہوتیں، اس لیے مجبوری اور غربت سے لڑنے کے لیے لوڈر رکشہ چلاتا ہوں سبزی منڈی میں تین سو روپے دیہاڑی پر کام کرتا رہا ہوں گلیوں میں غبارے بھی بیچے اور چھلیاں بھی فروخت کیں لیکن اب بیماری اور نظر کی کمزوری کی وجہ سے گزشتہ ڈیڑھ سال سے بیروزگار ہوں۔

سوال: آپ کے خیال میں اچھا ادب کیا ہے؟

جواب: جو پڑھنے والے کے ذہن میں سوال پیدا کرے ادیب کی ذاتی زندگی اس میں نظر نہ آئے اس کا تجربہ الفاظ کی صورت میں نئی نسل کو اس جانب راغب کرے کہ انہوں نے اس تحریر سے بہت کچھ حاصل کرنا ہے جو قاری کو ذہنی آسودگی بخشے وہی اچھا ادب ہے۔

سوال: آپ کی نظر میں تخلیق کسے کہتے ہیں؟

جواب: اس کائنات سے بڑی خالق کائنات کی تخلیق سے ادیب اور مصنف کو بہت سے اسباق ملتے ہیں جس طرح اس کائنات میں ایسے ایسے رنگ بکھرے ہوئے ہیں جن کو انسان کی عقل سوچنے اور سمجھنے سے قاصر ہے لیکن رب کائنات کی تعریف کے لیے الفاظ ہیچ ہو جاتے ہیں اسی طرح انسان کو اپنی ادبی تخلیق کے لیے اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے سیکھ کر کچھ ایسا تخلیق کرنا چاہیے جو پڑھنے والے کے ذہنوں میں کئی سالوں تک اپنا اثر چھوڑے اور اس تخلیق کے لیے قاری کے پاس الفاظ نہ ہوں۔

سوال: آج کل کے ملکی حالات پر اپنی رائے کا اظہار کریں؟

جواب: ایٹمی طاقت بن جانا ایک خواب تھا جو اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا ہے اس کا کریڈیٹ ہر سیاستدان لینے کی کوشش میں ہے لیکن غربت، افلاس، تعلیم، صحت، رشوت ستانی، سفارش، منشیات اور دیگر بہت سے ضروری کام کرنے اور ان کو حقیقی معنوں میں عوام کی خواہشات کے مطابق حل کرنے میں کوئی بھی سیاستدان انٹرسٹڈ نہیں ہے۔

سوال: معاشرہ کسے کہتے ہیں اور کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں اسلامی معاشرے کا نفاذ ہو؟

جواب: مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کے دکھ کو بانٹنے کے لیے انسانوں کا امیر اور غریب ہونے سے قطع نظر سوسائٹی کو معاشرہ کہتے ہیں جب تک ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل نہیں کریں گے اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام اس ملک میں پنپ نہیں سکتا۔ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں مت پڑو۔ لیکن اس ملک میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ہم ابھی تک مسواک اور شلوار کے سائز پر ہی قوموں کو آپس میں لڑا لڑا کر ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کو ہی اسلام سمجھتے ہیں۔

سوال: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ انقلاب اب ہماری قوم کے لیے ناگزیر ہے؟

جواب: خون سے پاک ایک بہت بڑے انقلاب کی ہمیں اشد ضرورت ہے کیونکہ روٹی، کپڑا اور مکان کے نام پر آج تک لٹنے والے عوام کو اب شعور آ گیا ہے اور وہ ان چیزوں کی ڈیمانڈ کر رہے ہیں وہ وقت دور نہیں جب عوام سیاستدانوں کے کھوکھلے نعروں کو پورا کرانے کے لیے ان کے گریبانوں تک پہنچ جائیں گے۔

سوال: کیا آپ کو ملکی سیاست میں دلچسپی ہے؟

جواب: جی ہاں میں ملکی سیاست پر گہری نظر رکھتا ہوں کیونکہ میں ناولسٹ ہی نہیں ہوں ایک کالم نگار بھی ہوں اور حالات حاضرہ پر نظر رکھنا اور دلچسپی لینا میرے قلم کے لیے ضروری ہے۔

سوال: ادب کے فروغ کے حوالے سے تجاویز دیں۔

جواب: ملک بھر میں لائبریریوں کی تعداد بڑھائی جائے

کتاب کوسستا کیا جائے تاکہ طالب علم کی جیب پر کتاب خرید کر پڑھنا گراں نہ ہو، ادیبوں اور شعرا کی حوصلہ افزائی کے لیے حکومتی سطح پر ایسے اقدامات کیے جائیں جو غم روزگار کا کچھ تو ازالہ کریں کالجز یونیورسٹیز اور سرکاری لائبریریوں سے کتابوں کے اجرا کا طریقہ کار انتہائی آسان ہونا چاہیے سیمینار میں چھوٹے ادبا کو بھی مدعو کرکے ان کو نامور ادبا کے برابر جگہ دی جائے۔

سوال: کمپیوٹر کے آنے سے ادب پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟

جواب: لائبریریاں ختم ہوکر رہ گئی ہیں نئی نسل کتاب سے دور ہوکر سائنس کی اس ایجاد میں مگن ہوگئی ہے فحاشی اور عریانی کو فروغ ملا ہے کیونکہ اچھی اور پاکیزہ کتب تنہائی میں قاری کی بہترین اور مخلص دوست ہیں جبکہ کمپیوٹر تنہائی میں نئی نسل کے اخلاقیات کا قاتل ہے۔

سوال: زوال پزیر اور ترقی یافتہ معاشرے کے ادب میں کیا فرق ہے؟

جواب: ملکوں اور قوموں کی ترقی تعلیم اور ادب کی مرہون منت ہوتی ہے بنگلہ دیش جیسا ملک ہم سے تعلیم کے میدان میں بہت آگے ہے لیکن ادب کے میدان میں جو ادیب اور تخلیق کار پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں ان کا طوطی پوری دنیا میں بولتا ہے جبکہ ہم تعلیم کے میدان میں کئی ملکوں سے نہ صرف پیچھے ہیں بلکہ تعلیم کی آبیاری کے لیے کوئی بہترین انتظامات کرتے نظر بھی نہیں آرہے۔

سوال: آپ کے پسندیدہ شاعر اور ادیب کون سے ہیں؟

جواب: ادبا کا تذکرہ تو میں سوال نمبر ایک میں کرچکا ہوں ہاں البتہ شعرا کرام میں مجھے جن کی شاعری نے بہت متاثر کیا ان میں محسن نقوی، پروین شاکر، احمد شاکر، نوشی گیلانی، فیض احمد فیض اور استاد قمر جلالوی صاحبان شامل ہیں۔

سوال: کن ادبا کا کام سند کی حیثیت رکھتا ہے؟

جواب: جن کی تصانیف پڑھ کر ان سے ملنے کو دل چاہے اور دل چاہے کہ ان کی تصانیف کو بار بار پڑھا جائے جن کے کام پر مقالہ جات لکھے جائیں جن کو یونیورسٹیز اور کالجز میں اسٹوڈنٹس اپنی گفتگو میں ڈسکس کریں اور جن کا احترام قاری کے دل میں ہو۔

سوال: پرانے لکھاری نئے لکھنے والوں کو گائیڈ کرتے ہیں یا حوصلہ شکنی کرتے ہیں؟

جواب: میرا تو شخصی طور پر کوئی بھی استاد نہیں ہے یا پھر یوں کہہ لیں کہ بڑے بڑے نامور مصنفین کی بہترین کتب سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور جو لوگ آج لکھنا چاہتے ہیں میں اپنی ذات کی حد تک تو کہہ سکتا ہوں کہ ان کو اپنی کم علمی اور ناقص عقل کے مطابق اچھا گائیڈ کرتی ہوں دیگر لوگوں کا رویہ نیا

لکھنے والوں کے لیے کیا ہوتا ہے اس کا مجھے اندازہ نہیں ہے۔

سوال: ادیب کو اس معاشرے میں کیا مقام حاصل ہے اور کیا مقام ملنا چاہیے۔

جواب: اس کی بہترین اور زندہ مثال میں آپ کے سامنے ہوں، جس ادیب کے گھر میں کئی کئی دن کھانا نہ پکتا ہو اس کے بچے دوسروں کی اترن پہن کر خوش ہونے کی بجائے آسمان کی جانب دیکھ کر ٹھنڈی آہیں اور سسکیاں بھرتے ہوں وہ کیا تخلیق کرے گا یا اس بے حس معاشرے سے کیا توقع رکھ سکتا ہے، ہم سے اچھے وہ معاشرے ہیں جو ادیب کو باپ اور استاد کا درجہ دیتے ہیں اور ان کی ترقی کا راز یہی ہے کہ وہ لوگ ادب کے وارث ہیں حکومتی سطح پر ادیب کو جو پزیرائی ملنی چاہیے اس کا قحط یہاں پر ہے چند نام نہاد ادیب حکومتی افراد کے منظور نظر بن کر لاکھوں میں کھیل رہے ہیں یہ ناانصافی ختم ہونا چاہیے۔

سوال: دوست بنانے میں آپ کیسے ہیں، کیا آپ اچھے راز دار ہیں کوئی ایسا رشتہ جس کو دیکھ کر آپ کو زندگی کا احساس ہوتا ہو؟

جواب: میں اپنی کم عقلی کے باعث ہر کسی کو اپنا دوست سمجھنے لگتا ہوں اور متعدد بار دھوکا بھی کھا چکا ہوں میں اچھا راز دار نہیں ہوں اور سب سے بہترین رشتہ بیٹی کا ہے جس کو دیکھ کر مجھے زندگی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ امی جان کی وفات کے بعد میں نے خود کو اپنی بیٹیوں کے لیے ہی زندہ رکھا ہوا ہے۔

سوال: آپ کا اپنے ناولز میں سے کوئی پسندیدہ ناول اور وجہ؟

جواب: "عین شین قاف" اور "میرا عشق فرشتوں جیسا" میرے دو ایسے ناولز ہیں جو میرے دل کے بہت قریب ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کو تحریر کرتے وقت کئی بار قلبی واردات سے گزرا ہوں اور مجھے لگتا ہے کہ ان ناولز کے بہت سے پیرا گراف اور بیانیے مجھ سے نادیدہ قوتوں نے لکھوائے ہیں۔

سوال: ناول لکھتے وقت آپ کے ذہن میں کون سی بات ہوتی ہے اور آپ کا مقصد کیا ہوتا ہے؟

جواب: سب سے پہلے تو اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ جو بھی لکھنا چاہتا ہوں وہ میری بیٹی بھی بے فکر ہو کر پڑھ سکے اور اس تحریر سے اس کی تعمیری سوچ کو تقویت ملے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ نیا لکھنے والے اس سے کچھ نہ کچھ سیکھیں اور پڑھنے والے اس تحریر کو ایک ہی نشست میں پڑھ لیں۔

سوال: کیا لکھنا آسان ہے؟

جواب: اگر پڑھا ہو تو پھر لکھنا آسان ہے لیکن لکھے ہوئے کو سنبھالنا کافی مشکل ہے جیسا کہ قارئین کو اپنے لکھے ہوئے کسی بھی سوال کے تسلی بخش جواب دے کر مطمئن کرنا آتا ہو۔

سوال: تعلیم کے علاوہ کیا متاثر کرتا ہے؟

جواب: مہنگائی، گھر کا کرایہ، ماہانہ اخراجات، بچوں کی تعلیم و تربیت کے اخراجات اور یوٹیلٹی بلز کی ادائیگی نہ صرف متاثر کرتی ہے بلکہ ذہنی تکلیف کا باعث بھی بنتی ہے۔

سوال: آپ کو گہری نیند سے جگایا جائے تو کیا غصہ آجاتا ہے؟

جواب: میں بری طرح ڈر جاتا ہوں اور خوف سے اپنے اردگرد دیکھنے لگتا ہوں اور میری اس حرکت سے مجھے جگانے والا بھی ڈر جاتا ہے کہ کس بندے کو چھیڑ لیا ہے۔

سوال: رائٹر کے طور پر ایک رائٹر کو ملنے والے معاوضہ سے آپ مطمئن ہیں؟

جواب: اگر زمین ہوگی تو ہی بہترین گھر یا دکان تعمیر ہوتی ہے یہاں المیہ یہ ہے کہ بہترین ڈرامہ بہترین فلم اور بہترین ناول تو خریدا جاتا ہے لیکن بہترین پلاٹ اور بہترین کہانی دینے والے کو جو معاوضہ دیا جاتا ہے وہ اونٹ کے منہ میں زیرہ کے برابر ہے۔

سوال: کون سی ایسی ڈش ہے جو آپ ہر وقت کھانے کو تیار رہتے ہیں؟

جواب: میری بیگم قیمہ بہت اچھا پکاتی ہیں جو کہ ٹماٹروں کی ریسپی میں بنتا ہے وہ بہت لذیذ اور مزیدار ہوتا ہے اور دال چنا بھی میری فیورٹ ہے آم اور خربوزہ میرے فیورٹ فروٹ ہیں۔

سوال: اگر آپ کو پاکستان کا وزیراعظم بنایا جائے تو پہلا کام کیا کریں گے؟

جواب: موجودہ تمام سیاستدانوں میں سے کوئی بھی میری کابینہ میں نظر آنے کی بجائے منوں مٹی تلے ہوگا۔

سوال: آپ کے خیال میں خواتین اور مرد مصنفین کے ادب میں کیا فرق ہے جو اب تک لکھا گیا ہے؟

جواب: بڑی جرأت کر کے کہنا چاہتا ہوں کہ خواتین کا قلم صرف اور صرف خواتین کے مسائل کو ہی اجاگر کرتا ہے رونا دھونا ساس بہو کا جھگڑا طلاق حلالہ اور وغیرہ وغیرہ یہ ادب نہیں ہے۔ ادب وہ ہے جو مرد حضرات یعنی اشفاق احمد، قدرت اللہ شہاب اور ممتاز مفتی جیسے ادبا نے تخلیق کیا ہے۔

سوال: کس موضوع پر لکھتے ہوئے آپ کو لگتا ہے کہ آپ نے قلم کا حق ادا کردیا ہے؟

جواب: ابھی تک تو تقریباً ہر موضوع پر لکھ چکا ہوں لیکن قلم کی تشنگی نہیں بجھ سکی اور نہ ہی ابھی میں خود کو اس کام میں سرخرو سمجھتا ہوں۔

سوال: زندگی سے کوئی گلہ؟

جواب: کوئی گلہ نہیں ہے کیونکہ یہ تو واحد نعمت خداوندی ہے جس کی بدولت تمام رشتے آباد ہیں۔

سوال: آپ کی اب تک کتنی کتب مارکیٹ میں آچکی ہیں؟
جواب: گھنگھرو اور کشکول، گیلے پتھر، کاغذ کی کشتی، کانچ کا مسیحا، عین شین قاف، تاوان عشق، موم کا کھلونا، ٹھہرے پانی، میرا عشق فرشتوں جیسا، شیشے کا گھر پتھر کے لوگ، لبیک اے عشق، پیاسے آنسو، مجھے ہارنا ہی تھا۔
سوال: آپ کی فیملی میں کسی کو لکھنے کا شوق ہے؟
جواب: جی نہیں، اپنے بہن بھائیوں اور اب میری پانچوں بیٹیوں میں بھی کسی کو لکھنے کا شوق نہیں ہے کیونکہ جو میری عزت افزائی ہورہی ہے وہ اسی سے دلبرداشتہ ہیں۔
سوال: خواتین رائٹرز کو شادی کے بعد لکھنے میں کم سپورٹ ملتی ہے ایسے میں ان کو کیا کرنا چاہیے؟
جواب: پھر تو لکھنا ان پر قرض بن جاتا ہے کیونکہ کاغذ اور قلم نے جو عزت اور نام ان کو دیا ہوتا ہے وہ عزت اور شہرت اپنا حق مانگتی ہے اور قلم کی تشنگی بجھانے کے لیے دل کے کتھارسس کے ساتھ ساتھ کرنٹ ایشوز پر لکھنا لازمی ہے۔
سوال: کس جگہ سیر کرنے کو دل چاہتا ہے؟
جواب: اپنی مسز اور بیٹیوں کے ساتھ پورا پاکستان گھومنا چاہتا ہوں۔
سوال: آج کل سب ٹی وی کے لیے لکھ رہے ہیں آپ کے ناول پر ہم کب تک کوئی ڈرامہ سیریل دیکھ پائیں گے؟
جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستانی ڈرامہ انڈین ڈرامہ سے بہت آگے ہے مگر پاکستانی ثقافت کو اس طریقہ سے اجاگر نہیں کر پارہا جو ہماری تہذیب کا حق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کوئی وہ کچھ نہیں لکھ رہا جو لکھنا چاہیے کیونکہ اس فیلڈ میں رشوت اور سفارش خوب کام کررہی ہے میں کوشش کررہا ہوں کہ وہ سب کچھ ڈرامہ کی صورت میں پیش کروں جو کہ انوکھا موضوع ہو لیکن ابھی تک میری بات شاید کسی کی سمجھ میں نہیں آرہی۔
سوال: کیا کبھی مایوس ہوئے ہیں؟
جواب: جی ہاں زندگی کی کٹھن راہوں میں کئی مواقع ایسے آئے کہ میں زندگی سے کافی مایوس ہوگیا تھا لیکن میرے مہربان اور رحمان و رحیم رب نے ہمیشہ ہی کوئی باعزت راستہ نکالا اور مجھے مایوسی سے بچایا۔
سوال: نوجوانوں کے لیے کوئی پیغام یا کوئی نصیحت کوئی مشورہ؟
جواب: انٹرنیٹ، ٹی وی، موبائل بے شک سائنس کی جدید

ایجادات ہیں لیکن تنہائی میں آپ کی مخلص اور سچی دوست صرف کتاب ہے جو آپ کی توجہ اور وقت کے بدلے میں بھی نہ ختم ہونے والا نفع فراہم کرتی ہے اس نفع کی بدولت آپ دنیا کے ہر فورم پر پُراعتماد انداز میں کھڑے ہوکر کسی سے بھی ادب اور ثقافت پر بزنس کرسکتے ہیں۔
سوال: حجاب ڈائجسٹ کے لیے انٹرویو دینا کیسا لگ رہا ہے اور حجاب کے قارئین کو کیا کہنا چاہیں گے؟
جواب: بہت سے خوابوں میں سے ایک خواب ایسے بھی پورا ہوگیا کہ میرا انٹرویو حجاب جیسے مؤقر ماہنامہ میں شائع ہورہا ہے جو کہ میرے لیے اعزاز اور فخر کی بات ہے اور قارئین سے گزارش ہے کہ یہ آپ کا اپنا ڈائجسٹ ہے اس کی بہتر آبیاری کے لیے اپنے مفید مشوروں کے پانی سے اس کو ہمیشہ تر رکھیں اور اس کے ساتھ وابستہ رہیں تاکہ آپ اس کی چھاؤں زمانے کی کم علمی اور بے ادبوں کی کڑی دھوپ میں جھلسنے سے محفوظ رہیں آمین۔

بے رنگ پیا

امجد جاوید

"بے رنگ پیا" عشق کی بے رنگ تفسیر

جاوید چوہدری اسلام آباد۔(21فروری2017ء)

امجد جاوید کی تخلیق "بے رنگ پیا" عشق کی بے رنگ تفسیر ہے۔اس ناول سے نہ صرف امجد جاوید کے ہنر اور ذوق کا اظہار ہوتا ہے، بلکہ اس سے مجھے یہ لگا کہ ان کے دل میں بسا ہوا صوفی کس طرح سے دھونی رمائے بیٹھا ہے۔عشق اور تصوف میں رَچا ہوا انتہائی سادہ سے انداز میں کہا گیا فکر و فلسفہ، ہمارے معاشرے میں موجود حقیقی کرداروں کو لے کر بُنی ہوئی کہانی کا رچاؤ، ایک ایسا خوب صورت امتزاج ہے، جو عام طور پر کم ہی دکھائی دیتا ہے۔دراصل یہ نام "بے رنگ پیا" ہی توجہ لے لیتا ہے۔پہلا سوال ہی یہ ابھرتا ہے کہ یہ "بے رنگی" کیا ہے؟ تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔جس میں انسان سارے رنگوں کو ایک طرف رکھ کر صرف ایک ہی رنگ میں رنگ جانا چاہتا ہے، وہ رنگ جسے صبغت اللہ کہا گیا یعنی اللہ کا رنگ۔ (اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے) اللہ کا رنگ کیا ہے، یہ ناول دراصل اسی بے رنگی کی تشریح اور اس عملی پہلو کا بیان ہے، جسے انسان اپنا سکتا ہے۔انتہائی منفرد موضوع کو کہانی کے بیان میں خوب نبھایا گیا ہے۔

"بے رنگ پیا" کی شروعات، عام سے کرداروں کے ساتھ کیمپس کے ماحول سے ہوتی ہے۔بالکل اس طرح سے جیسے چشمہ پھوٹ پڑتا ہے۔کہانی کے بہاؤ کے ساتھ قاری بڑھتا ہے تو خود بہتا چلا جاتا ہے۔پھر قاری پر غیر محسوس انداز میں ایک نئی دنیا کھل جاتی ہے۔قاری اس کھوج میں لگ جاتا ہے کہ اس کا مطلوبہ بے رنگ پیا ہے کہاں پر؟ کہاں ملے گا، کس کردار سے جھانکے گا؟ بنیادی طور پر اس کہانی کے تین کردار ہیں، آیت النساء، طاہر حیات باجوہ اور سرمد، ان تین کرداروں کی تکون، طلب طالب مطلوب، عاشق، معشوق اور عشق پر جا کر منتج ہوتی ہے۔جب تک عاشق معشوق نہیں ہو جاتا اور معشوق عاشق نہیں بن جاتا، تب تک وہ مقام عشق پر فائز نہیں ہوتا۔یہ سفر بے رنگ ہوئے بنا طے نہیں ہو سکتا۔دراصل
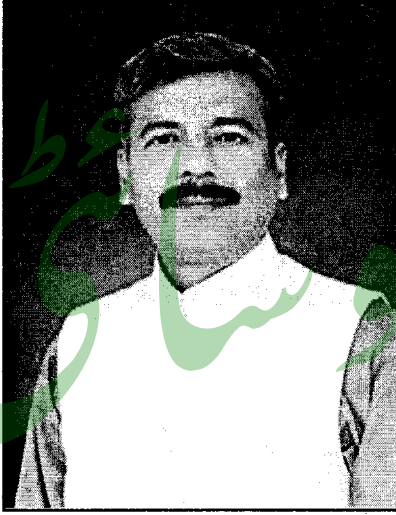
یہی وہ فلسفہ ہے، جو "بے رنگ پیا" کا محور ہے۔

"بے رنگ پیا" میں عشق کی تفسیر بالکل منفرد ہے۔آج کے جدید دور میں جب انسان خلاؤں تک جا پہنچا اور دوسری طرف انسان انسان ہی کے باطن کو سمجھنے کی تگ و دو میں ہے۔انسان کے بنائے جدید ترین آلات سے لے کر انسان کے سماجی علوم تک رسائی، کیا یہ سب کسی کے عشق کی داستان نہیں سناتے؟ کیا یہ بنا عشق ہی کے ہو گیا؟ ضروری نہیں کہ عشق کسی حسین عورت کی مرہون منت ہو۔عشق جہاں اس کائنات کو سمجھنے کے لئے قوت دیتا ہے وہاں انسان سے انسان کو جوڑنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔یہ تبھی ممکن ہوتا ہے جب انسان، انسانیت کے لئے کسی بھی منفی جذبے کو اپنے اندر نہیں رکھتا، وہ بے رنگ ہوتا ہے۔تبھی بے رنگ عشق کے ساتھ رسائیاں حاصل کرنے کی استعداد حاصل کر لیتا ہے۔عشق وہ نہیں جو دو لوگوں کو جوڑتا ہے، بلکہ عشق وہ ہے جو مرکز سے جڑ کر

کائنات کی وسعتوں میں پھیل جاتا ہے۔ناول کا ماحول حیات اور کائنات سے نبرد آزمائی کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔عاشق کہتے کسے ہیں؟ عاشق کیا ہوتا ہے؟ معشوق کسے کہتے ہیں؟ بے رنگی کیا ہے؟ بے رنگ عشق کیا ہے؟ اور بے رنگ پیا کی حقیقت بیان کرتا یہ ناول اپنی انفرادیت برقرار رکھتا ہے۔

اس ناول کا سب سے اہم پہلو سید ذیشان رسول شاہ کا کردار ہے، جس کے افکار بے رنگی کی تشریح کرتے ہیں۔عشق کے مراحل، رنگ، بے رنگ، صبغت اللہ میں مدغم ہونا، ذات کا عرفان حاصل کرنا۔اس کائنات میں انسان کے وجود کی اہمیت اور مقصد، اور سب سے بڑی بات انسان سے انسان کا تعلق۔ناول کے باقی کرداران کے افکار کی عملی تشریح کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔یوں لگتا ہے کہ ناول کی اصل جان یہی افکار ہیں۔ان افکار کو پیش کرنے کا انداز اور ہنر بہت خوب اور قابل تعریف ہے۔زبان و بیان کے گنجلک چٹخارے، تشریح و تشبیہات میں فکر کہیں گم نہیں ہوا۔سوال اٹھتے ہیں اور جواب بھی ساتھ میں ملتے ہیں۔یوں جیسے کسی بھی زندہ تحریر سے انسپائریشن ملتی ہے۔میرے خیال میں فکر کو خاص حلقوں سے نکال کر عوام تک رسائی دینے کی یہ ایک مقدس کوشش ہے۔نامعلوم سے معلوم تک کا سفر، کھوج اور بقا کا انسانی سرشت کے ساتھ تعلق ہونا فطری امر ہے، لیکن اس کا ادراک کیونکر ممکن ہے اور کیسے ممکن ہے۔

ناول یا کہانی کا سب سے اہم عنصر دلچسپی کا آخری لفظ تک برقرار رہنا۔"بے رنگ پیا" میں یہ عنصر پوری طرح موجود ہے۔عشق و محبت کو اپنی تمام تر خوب صورتی کے ساتھ بیان کرتا یہ ناول آج کے دور کی طوفانی محبت والے نوجوانوں کو عشق کا رنگ سمجھانے اس کی ذہنی سطح کے مطابق عام زبان و الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔میرے خیال میں یہ ناول سنجیدہ طبقے ہی میں نہیں، ہر اس متلاشی کے دل میں جگہ بنائے گا، جو حقیقت تک رسائی کی کوشش میں ہے۔

یہ ناول مایوسی نہیں حوصلہ دیتا ہے اور حوصلہ ہی وقت کی سچائی ہے۔

دھول کا پھول

صباء نور

گھر میں قدم رکھتے ہی ایک عجیب سی مہک نے ارم کا استقبال کیا۔ ایک ہی نظر میں گھر بھر کی ابتری عیاں تھی' امی سامنے ہی صحن کے تخت پر بیٹھی مغرب کی نماز کے بعد تسبیح پڑھ رہی تھی آہٹ پر مڑ کر دیکھا۔

''آ گئی بیٹی۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں ان کے نزدیک بیٹھ کر سینڈل کے اسٹریپ کھولنے لگی۔

''کیسا رہا آفس میں پہلا دن؟''

''آفس میں تو خیر بڑا سکون ہے ہر کیبن الگ اور ائیر کنڈیشنڈ ہے۔ کام بھی کچھ زیادہ نہیں الگ تھلگ بیٹھ کر فائلوں یا کمپیوٹر سے سر کھپانا ہے مگر راستوں کی تھکن مار گئی ہے اچھا خاصا فاصلہ ہے ٹرائل کے تین مہینے گزرنے پر ہی پک اینڈ ڈراپ مل سکے گی۔'' اس نے ایک ہی سانس میں ساری تفصیل سنائی۔

''اللہ خیر کرے گا' ان شاء اللہ۔''

''جی امی..... دعا کیجیے گا' سنا تو یہی ہے کہ باس کی مرضی کا کام نہ ہو تو بہت جلد پرچہ پکڑا دیتے ہیں' کئی لڑکیاں چھوڑ کے جا چکی ہیں۔''

''ہے..... ہے..... کیا بہت مشکل کام ہے؟'' انہیں ہول اٹھے۔

''مجھے تو کوئی ایسا مشکل نہیں لگا' خیر دیکھتے ہیں کیا بنتا ہے۔'' اس نے امی کا تفکر دیکھ کر بات اڑائی مگر وہ آزردہ ہوگئی تھیں۔

''یہ تمہارا کام تو نہیں کہ گھر سے باہر کمانے نکلو' نہ گزرتے تمہارے ابا یا پھر شاہد ہی اس قابل ہوتا تو کیا ضرورت تھی تمہیں یوں دھکے کھانے کی؟''

''امی..... ابا کے گزرنے یا بھیا کی بیماری میں بھلا ہمارا کیا قصور' پھر کسی نہ کسی کو تو گھر کی باگ ڈور سنبھالنی ہے ناں۔''

''دنیا تو نہیں سمجھتی ناں بیٹا' جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں انہیں گزرے ہوئے اور تمہیں گھر سے نکلنا پڑا' پہلے ہی تمہاری شادی میں دیر ہو رہی ہے اور اب تو صاف بیٹی کی کمائی کا طعنہ سمیٹتی پھروں گی۔''

''دنیا کو کسی کل قرار نہیں ہوتا امی' دنیا تو ہر حال میں کچھ نہ کچھ کہتی رہتی ہے۔ دنیا کی پروا نہ کریں۔''

''کیا چاؤ ہے مجھے تمہارا گھر بسے' تم ہنسی خوشی زندگی گزارو۔''

''افوہ امی' پھر وہی بات' معقول رشتہ نصیب ہوتا تو آپ کو شوق تھا کیا مجھے بٹھائے رکھنے کا اور کسی ہیڈ کلرک یا ٹیکسی ڈرائیور کے گھر رگڑتی زندگی سے تو یہ زندگی بہت بہتر ہے۔''

''بس' تمہارے یہی مزاج تمہارے سر میں دھوپ اتار رہے ہیں اور تمہیں خاک بھی پروا نہیں۔'' انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر اٹھنا چاہا تو ارم کو کچھ یاد آیا۔

''چولہے پر کچھ رکھا ہے کیا' یہ مہک کیسی ہے؟''

''اوہو میں تو بھول ہی گئی چنے رکھے تھے ابالنے' لگتا ہے وہی لگ گئے ہیں۔ سوچا تھا رات کھانے پر چنوں کا پلاؤ پکا لوں گی' تمہیں پسند ہے ناں' دہی بھی منگوایا تھا رائتے کے لیے۔''

''آپ بیٹھیں امی' آپ کے بس کا کہاں ہے چولہا چکی میں دیکھتی ہوں۔'' اس نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کیے کچن کا رخ کیا۔ چنے واقعی کچھ لگ گئے تھے' صبح ناشتے تک کے برتن دھونے کے لیے پڑے تھے اور کھانا پکانے کے لیے برتن ضروری تھے' آستینیں چڑھا کر برتنوں کا ڈھیر دھونے ہی میں تھکا ہارا وجود چیخ اٹھا تھا پھر پلاؤ دم دے کر رائتہ بنایا' سلاد تیار کیا اور اگلے روز کے لیے کپڑے پریس کر کے بستر پر لیٹی تو دوسرے دن کی خبر لائی۔

❋......❋......❋

''مر کے پیدا بھی ہو جاؤں تو وہ دن نہیں لوٹ سکتے' جو اکرام دین کی سنگت میں گزارے اور یہ صدمہ تو میں مرتے دم تک نہیں بھول سکتا کہ اپنے جگری یار کا آخری دیدار تک نہ کر سکا۔ کوئی تو مجھے خبر دے دیتا میں راتوں رات کراچی سے یہاں اڑ کر آ جاتا۔''

''سب نصیب کی بات ہے جناب۔'' بڑی آپا نے تسلی دی تھی۔ ''ورنہ حیدر آباد کچھ ایسا دور بھی نہیں۔'' عقب میں کھٹ پٹ پا کر بڑی آپا نے رخ موڑ کر دیکھا۔

''ارے حرا..... آؤ' آؤ' رک کیوں گئیں بھئی یہ اپنے ابا کے پرانے واقف کار غفران انکل ہیں ان سے کیسا پردہ' آ جاؤ۔'' غفران صاحب نے بڑی آپا کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا' سیاہ ڈالس والی سفید اوپن شرٹ پر سیاہ ربن لگا

دوپٹہ ماتھے تک جمائے وہ بے آواز قدموں سے چلتی سفید چاندنی پر بڑی آپا کے نزدیک بیٹھ گئی تو مانو یہاں سے وہاں تک اجالا ہی اجالا بکھر گیا۔ غفران صاحب نے نہایت پسندیدگی سے اسے دیکھا تھا۔ ایک عرصہ کی واقفیت تھی ان کی اکرام دین سے اور وہ اب تک اس کی فیملی تک رسائی نہ پاسکے تو یہ ان کی بدقسمتی ہی کہلائی جاسکتی تھی۔

"ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ...... کیوں بھئی خیر سے کتنی تعلیم حاصل کی ہے؟"

"جی' بی اے کیا ہے۔" اس نے نظر اٹھا کر اس بار بغور دیکھا' انگوری رنگ کی اونچی قمیص بڑے بڑے پائنچوں والی شلوار' چوڑی چوڑی قلمیں' کشادہ سرمئی آنکھوں پر موٹے فریم کی عینک تھی ابا کے دوست ایسے ہی ہوتے تھے۔

"واہ بھئی واہ' کیا کہنے حیدرآباد جیسے شہر میں بی اے تک تعلیم' بہت خوب۔"

حرا کو غصہ آ گیا' اب حیدرآباد اتنا بھی گیا گزرا نہیں تھا' ادھر حرا پر نظر پڑتے ہی ایک نیا خیال غفران صاحب کے ذہن ودل میں کوندا تھا' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلتا ہوں' عنقریب بیگم کو لے کر حاضر ہوں گا۔"

"بھابی کو میرا اسلام کہنا۔" بڑی آپا دروازے تک انہیں چھوڑنے گئیں۔

❀......❀......❀

عجیب طرح کی بے حسی و بے مروتی تھی وہاں کے در و دیوار اور لوگوں میں۔ سب اپنے کام سے کام رکھتے' اپنے وقت پر آتے' نکل جاتے جب بھوک لگی اپنے ہی کیبن میں کچھ منگایا کھالیا۔ کینٹین بلڈنگ میں ہی تھی' اشیاء قدرے سستی مگر بے ذائقہ۔ ارم افراتفری میں کبھی برگر' کبھی سینڈوچ تیار کرلیتی ورنہ آرڈر کرنا پڑتا جو فی الوقت اس کے بس سے باہر تھا۔ بگ باس کی شخصیت دبنگ تھی' سب ہی ان سے ڈرتے' اول روز ہی صدیقی صاحب نے ارم کو سمجھا دیا تھا کہ ان کے سامنے محتاط ہی رہنا ہے۔

اس کا واسطہ بھی صرف صدیقی صاحب سے تھا' وہ ان ہی کے کام میں سہولت اور آسانی کے لیے مقرر کی گئی تھی۔ صدیقی

صاحب اس ادارے کا ستون تھے مگر اب کام ان کے بس کا نہیں رہا تھا۔ تیس سال سے زائد کا عرصہ گزار دیا تھا اپنا عہدہ سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اور اس ہی کی عمر میں یہ سیٹ سنبھالی تھی وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

"میرے فادر کی بھی اتنی ہی عمر تھی اگر وہ رہتے تو اب تک اسی عمر میں ہوتے۔" وہ سادگی سے کہہ رہی تھی مگر ان کے چہرے پر کچھ ناگواری کے تاثر ابھر آئے مگر وہ پی گئے۔

"کتنا عرصہ ہوا ان کی وفات کو؟"

"جی آٹھ مہینے۔"

"گھر میں اور کون کون ہے؟"

"جی امی بڑے بھیا اور میں۔"

"بھائی کیا کرتے ہیں؟"

"ان کی صحت ٹھیک نہیں رہتی' پیدائشی دمہ ہے' میرے ابا کو بھی یہی مرض تھا۔"

"بس یہیں تو مات کھاتا ہے انسان' جب دوسرا اسے کھولنے کو ادھیڑنا شروع کرتا ہے اور وہ نادانستگی میں کھلتا چلا جاتا ہے اور کچھ لوگ دوسروں کی مجبوریوں کو اپنے مفاد کے لیے بھی تو استعمال کرتے ہیں۔" ایسا ہی وہ بھی سوچ رہے تھے۔

❀......❀......❀

"دیکھو حرا' کچھ عقل سمجھ سے کام لو' تم دیکھ رہی ہو گھر کے حالات کیا ہیں۔ ابھی ابا کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور بھائی لوگ ترکے کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں۔ انکل غفران ایک بڑے آدمی ہیں' لاکھ سے اوپر کی تنخواہ ہے۔ عمران ان کا اکلوتا بیٹا ہے' ساری بیٹیاں بیاہی جا چکی ہیں خیر سے اچھی جاب ہے عمران کی مگر وہ ہر طرح کی ذمہ داری لے رہے ہیں تو اسی پرانی قرابت داری کے سبب ناں۔"

"آپا...... میرا دل ڈرتا ہے اتنی دور کا فاصلہ......"

"ارے بائی روڈ آؤ تو تین گھنٹے بھی نہیں بنتے' اللہ تمہیں اپنے گھر میں خوش رکھے' دعا تو یہی ہے کہ میکے کی کبھی نہ یاد آئے۔" انہوں نے چھیڑا۔

"آپا...... انجان لوگوں میں سو سو سے ہوتے ہیں' مجھے بہت کچھ کھٹک رہا ہے۔"

"دیکھو حرا...... ہوتا تو وہی ہے جو مقدر میں لکھا ہو' شادی بیاہ کے معاملات میں اگر دھوکے بازی چلتی ہے مگر لوگ شادی کرنا چھوڑ تو نہیں دیتے ناں۔" آپا اس بار سنجیدہ ہو گئیں۔

"امی کی تم فکر نہ کرو' مکان بک جائے جس کا جو بنتا ہے دے دلا کر امی کو تو شاید میں اپنے ساتھ ہی لے جاؤں۔ ابا کی وفات کے بعد سے تو یہیں کی ہو کر رہ گئی ہوں' میرا اپنا گھر بار ہے' بچے ہیں مگر میرے نہ ہونے سے تم خود سوچو کتنا حرج ہو رہا ہوگا۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں آپا۔" وہ دھیمے سے بولی۔

"تمہیں جو کچھ کھٹک رہا ہے بے دھڑک مجھ سے کہو۔"

"آپا...... بھیا سب کچھ دیکھ کر آئے ہیں' مجھے حیرت ہے اتنی کافی تنخواہ پر وہ ایک چھوٹے فلیٹ میں رہتے ہیں۔ عمران اکلوتا بیٹا ہے تو اس کی تعلیم اتنی کم' اسے ویل ایجوکیٹڈ تو ہونا ہی چاہیے تھا باپ کی سیٹ تو ڈیزو کرے۔"

"اے بنو...... یہ جو پرانے لوگ ہوتے ہیں کنویں کے مینڈک ہوتے ہیں ان کی بیگم نے مجھے خود بتایا تھا عرصہ سے وہ لوگ وہیں مقیم ہیں۔ یہ محلہ ان کے دکھ سکھ کا ساتھی ہے' سب بیٹیاں بیاہ دیں اب یہ فلیٹ خود ان کے لیے کافی ہے۔ ہاں ان شاء اللہ فیملی بڑھے گی تو کوئی نیا یا بڑا گھر یا پھر ممکن ہے ادھر ادھر کا قریبی فلیٹ لے کر اسے ہی کشادہ کر لیں۔ انسان ترقی بھی تو آہستہ آہستہ ہی کرتا ہے ناں۔ عمران کے لیے وہ بتا رہی تھیں کئی بہنوں کا اکلوتا لاڈلہ بھائی تھا' نازنخروں میں پڑھائی سے گیا مگر پرائیوٹ فرم میں نوکری بھی کوئی معمولی بات نہیں۔"

"مجھے تو لگتا ہے یہاں بھی باپ کی سفارش ہی کام آئی ہوگی؟"

"اب یہ ہمارا دردسر تو نہیں ہے ناں' غفران انکل ہر کمی بیشی کا ذمہ اٹھانے کو تیار ہیں' ہمیں اور کیا چاہیے؟" حرا نے کچھ کہنا چاہا تو آپا نے مزید کہا۔

"اللہ نے مناسب وقت میں ایک اچھا رشتہ بھیجا ہے تو ہاتھ روک کر ناشکری مت کرو۔ ترکے کی رقم سے تمہارا جو بنے گا تمہاری شادی پر لگ جائے گا ورنہ ان بھاوجوں کو تم جانتی ہو۔" حرا خاموش رہ گئی' آپا کی بات ٹھیک ہی تھی۔

"تو پھر کہہ دوں سب کو تمہاری طرف سے ہاں ہے؟"

انہوں نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر اثبات میں گردن ہلائی تھی۔

❀......❀......❀

نہ نہ کرتے بھی آج تاخیر ہو ہی گئی تھی' جلدی میں لنچ بھی رہ گیا۔ اپنے کیبن میں نم بالوں میں برش پھیر رہی تھی' صدیقی صاحب کاریڈور سے گزرتے اپنے کمرے میں جاتے تو ارم

کی جانب پشت رہتی بعد ازاں جب وہ کسی کام سے اپنے کمرے سے نکلتے وہ تب اشارے سے سلام کرتی۔ وہ بھی اشارے سے ہی جواب دیتے مگر آج اس کے کیبن کے سامنے رک گئے تھے۔

"اوہو سولہ سنگھار ہو رہا ہے؟" نظروں میں ستائش لہجے میں مزاح تھا۔ اس نے جلدی جلدی برش پھیر کر بال سمیٹ لیے۔ وہ آج تھکے تھکے سے تھے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں وہ کام لینے گئی تو مزاج پرسی بھی کی۔

"رات بی پی کافی ہائی ہو گیا تھا مگر اب اوقات پر آ گیا ہے ویسے تھینک یو۔"

"آپ آرام کر لیجیے کام مجھے دے دیں۔"

"میرا کام کسی اور نے کر لیا تو میں گھر ہی نہ بیٹھ جاؤں؟" بلا کا اعتماد و تفاخر تھا' وہ ریوالونگ چیئر پر جھولتے اسے گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں آج" کھلے بال' کشادہ آنکھیں' گندمی رنگت۔" ارم کو ان کی نظریں چھیدتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وجود سمیٹ کر سر ڈھکا پھر بات بدلنے کو تنخواہ کی بابت دریافت کیا۔

"تنخواہ جوائننگ لیٹر ملنے پر ہی مل سکے گی' ویسے آپ کی ڈیمانڈ کیا تھی؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نے کہہ دیا تھا' جو بہتر سمجھیں۔" یہ ارم کا اپنا خیال تھا کہ تنخواہ بہتر ہی ہو گی' حسب قابلیت۔

"ہمم...... اگر ضرورت ہے تو......؟"

"نو سر...... اٹس او کے۔" وہ ضبط کر کے مڑ گئی' کچھ دن اور سہی۔ اسے امی کا فرمان یاد تھا' کبھی کسی پر خود کی مجبوریاں عیاں نہ کرنا۔ کچھ لوگ نوکری پیشہ لڑکی کو تر نوالہ سمجھ کر' گیش کرنے پر تل جاتے ہیں۔

اسی شام اسے جوائننگ لیٹر مل گیا' تنخواہ اس کے انداز سے دگنی ہی تھی' انہوں نے طلب کر کے مبارک باد دی۔

"شکریہ سر۔" وہ بھی سرشار تھی۔

"صرف شکریہ سے کام نہیں چلے گا' مٹھائی پکی؟"

"ضرور سر...... آپ میٹھا کھا لیتے ہیں؟"

"اگر کوئی اپنے ہاتھوں سے کھلائے تو۔" وہ لطیف سا مذاق سمجھ کر اڑا گئی پھر لوٹنے لگی۔

"مگر میں بازار کی کوئی چیز نہیں کھاتا' یاد رکھیے گا۔"

❀......❀......❀

"عجیب دستور ہے آپا...... شادی کے گھر میں مہمانوں کی موجودگی میں دلہا دلہن سے کلام تک نہیں کر سکتا۔"

"بات تو ٹھیک ہے آئے گئے یا بزرگوں کی شرم و لحاظ بھی تو کوئی چیز ہے۔"

"ایسی بھی کیا حیا' شرم و لحاظ' وہ آیا سلام جھاڑا پیر پسار کر جو سویا تو اگلے روز شام کی خبر لایا اور سب یہی سمجھتے رہے کہ نیا نویلا دلہا اپنی نیند پوری کر رہا ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو حرا؟"

"جی ہاں اور موصوف کا یہ گریز ہنوز قائم ہے' بیٹیوں' دامادوں اور ان کے بچوں سے فلیٹ کھچا کھچ بھرا تھا۔ سانس بھی لینا دوبھر تھا' اس پر گرمی انتہا کی' کچھ دن میں جانچ لیا ہے' یہ ٹکے ٹکے کا حساب رکھتے ہیں۔ سلامی کے لفافے ساس نے یہ کہہ کر نکلوا لیے کہ کاپی پر حساب کتاب لکھنا ہے' سسر صاحب کے باس نے پورے ایک لاکھ سلامی دی تھی مگر کہاں گئی پتا ہی نہ چلا۔"

"جانے بھی دو' ولیمہ اور شادی کے اخراجات پر بھی تو اتنی رقم خرچ ہوئی ہو گی۔ کراچی سے حیدر آباد بارات لانا' لے جانا معمولی بات نہیں ہے۔"

"میرے سامنے وہ لفافے پھاڑ پھاڑ کے بیٹیوں کو رخصتی دی گئی ہے۔ پھلوں کے ٹوکرے' جوڑے اور جانے کیا کچھ' ان سب کے منہ پھر بھی سیدھے نہ تھے۔"

"ہائیں' بھلا وہ کیوں؟"

"سسرال میں بے عزتی ہوئی ہے دلہن کسی کو پسند نہیں آئی۔ نیٹ پر بیرون ملک جو تصویریں رشتہ داروں کو بھیجی گئیں انہوں نے بھی سو باتیں بنائی ہیں۔"

"ہائیں تو انہوں نے کہا نہیں کہ دلہن ان ہی کی پسند کی لائی گئی ہے' بیٹا بھگا کر تو نہیں لایا۔" اس بار آپا کو غصہ آ گیا۔

"مجھے تو لگتا ہے یہ بات مجھے نیچا دکھانے کے لیے کہی گئی ہے ورنہ کہیں اور تو ایسی بات سننے میں نہیں آئی۔"

"جانے بھی دو' چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل سے لگا کر بیٹھ جاؤ تو زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔"

"کس کس بات کو جانے دوں آپا...... اب یہی دیکھیے شادی کو ہفتہ گزر رہا ہے مجھے یہاں آئے دو روز ہو گئے' عمران کو ٹائم نہیں انہوں نے کال تک نہیں کی۔ سسر صاحب لینے آئیں گے' ولیمہ ہوا اور عمران کی ڈیوٹیز اسٹارٹ' مجھے تو یہ

بہوؤں کا خون بیٹیوں کو پلانے والے لوگ لگتے ہیں۔ گھر میں سسر صاحب کے بعد پیا ہی بیٹیوں کا پورا عمل دخل ہے۔"

"اب وہ جانیں اور ان کی بیٹیاں' دیکھو حرا...... جب ہم کسی کو برا قرار دے دیتے ہیں تو اس کی ہر بات بری ہی لگتی ہے جواباً وہ بھی ہمارے لیے برا ہی ثابت ہوتا ہے۔ یہ سسرال ہے یہاں دل کو مارنا ہی پڑتا ہے اس لیے اچھا سوچو اچھا سمجھو تو ضرور اچھا ہی پاؤ گی' سمجھ گئیں؟"

حرا نے اس بار اثبات میں سر ہلا دینے پر ہی اکتفا کیا کیونکہ اپنا سارا غبار تو وہ نکال ہی چکی تھی' ایک آپا ہی تو تھیں جن سے وہ اپنے دکھ سکھ کہہ لیا کرتی تھی۔ امی ہائپر ٹینشن کی مریضہ تھیں' گھر میں ساس بہو کی کھینچ تان چلتی۔ انہیں پہلے سو آزار تھے اپنے دکھڑے کیا خاک سناتی' ایک وقت لگتا ہے سسرال کا ماحول سمجھنے اور اس میں ڈھلنے میں' یہ وہ بھی جانتی تھی۔

❀......❀......❀

اتوار کا دن اس کے لیے دگنی مصروفیت لے کر آیا تھا' گھر کی تفصیلی صفائی پھر کپڑوں کا ڈھیر دھوتے شام ہوگئی۔ امی سبزی بنانے بیٹھیں تو اس نے لوکی اپنی طرف کھینچ لی۔

"امی' میں لوکی کا میٹھا پکاؤں گی' آپ کچھ اور پکالیں۔"

"ہائیں' یہ وقت ہے میٹھا پکانے کا۔ صبح سے کولہو کے بیل کی طرح جتی ہو لوکی کا حلوہ آسان کام ہے کیا؟" ارم نے باس کی فرمائش دہرائی تو امی سوچ میں پڑ گئیں۔

"اچھا' ایسا کرو کہ سوجی کا خشک حلوہ پکالو یا پھر اگلی اتوار پر ٹالو۔"

"اگلی اتوار پھر یہی مصروفیت ہوگی' میں یا وہ بھول جائیں گے تھوڑا سا پکالیتی ہوں۔" مگر نہ کرتے بھی باز و دکھ گئے' میٹھا بھیا کو بھی مرغوب تھا اور خود اسے بھی' باس کے لیے اس نے پیکٹ پہلے ہی بنالیا تھا۔ اگلے روز سامنے کمرے سے ایک خوش شکل مگر پختہ عمر خاتون نکلیں۔

"مجھے سائرہ کہتے ہیں' کیسی ہو؟ اور مبارک ہو۔"

"جی شکریہ' غائبانہ تعارف ہے آپ سے۔"

"کیسا چل رہا ہے آفس؟"

"زبردست۔"

"کام مشکل تو نہیں؟"

"بلکل بھی نہیں۔"

"کوئی مدد درکار ہو تو لے لینا۔"

"ضرور۔" ارم کو وہ مخلص لگیں مگر باس نے دیکھا تو فی الفور طلب کیا۔

"سائرہ سے کیا مذاکرات چل رہے تھے؟"

"کچھ نہیں' وہ جوائننگ کی مبارک باد دے رہی تھیں۔"

"میرے لیے تو کچھ نہیں کہا؟"

"جی' نہیں تو۔" وہ حیران رہ گئی۔

"اچھا۔" وہ ذرا مطمئن ہوکر ہنسے۔ "کافی سینئر ہے سائرہ' اچھے تعلقات ہیں ہمارے' کئی سال کام ساتھ کیا ہے۔ ہم اکثر اکٹھے فلم دیکھتے' آؤٹنگ پر جاتے۔ جب اس کے پاس گاڑی نہیں تھی تو میں ہی اسے ڈراپ کرتا تھا۔" ارم سوچ میں پڑ گئی' یہ سب وہ اسے کیوں بتا رہے تھے۔

"کافی عمر ہیں ان کی...... اب تک شادی کیوں نہیں ہوئی؟"

"بھئی محبت......اور کیا؟"

"جی محبت......کس سے؟" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"بھئی مجھ سے اور کس سے' دنیا نے زور لگایا مگر سائرہ نے صاف کہہ دیا صدیقی نہیں تو کوئی نہیں۔" ارم نے بغور دیکھا۔ چوڑی چوڑی قلمیں' کشادہ سرمئی آنکھیں' سر آدھا خالی تھا کھنڈر سے لگتا تو نہ تھا کہ عمارت ایسی شاندار تھی۔

"تو پھر نیک کام میں تاخیر کیوں؟" اسے اور کچھ نہ سوجھا۔

"بھئی یہ سائرہ لوز کریکٹر کی ہے' جھوٹی' چغل خور پرلے درجے کی۔ تم اس کی کسی بات پر بھروسہ مت کرنا۔"

"اچھا......!" اسے پھر حیرت ہوئی' خاصی معقول لگتی تھیں۔ تعلیم یافتہ' مہذب' مخلص مگر خیر وہ بہتر جانتے تھے اسے یوں بھی محدود رہنے کی عادت تھی۔ اپنے کیبن میں جا کر اسے حلوہ یاد آیا مگر وہ ظہر کی نماز کے لیے چلے گئے تھے وہ باکس ان کی ٹیبل پر رکھ آئی تھی۔

❀......❀......❀

بہو کا خون بیٹیوں کو پلانے والی بات سو فیصد درست تھی۔ ثابت ہونے میں وقت لگا عمران کا نئی دلہن سے گریز ٹوٹا تو ماضی کے دلہا دلہن نے ان کے کمرے کے باہر لاؤنج میں ڈیرہ ڈال لیا۔ سسر صاحب آفس سے لوٹ کر یوں لاؤنج میں بیٹھتے جیسے چوکی پر بٹھایا گیا ہو' عمران سونے کا رسیا' ان کی پکار اونچی آوازوں' کھنکارنے' کھانسنے اور باتوں کی آواز سے ڈسٹرب ہوتا تو دوسرے کمرے میں جا سوتا۔ اس کی ڈیوٹیز بھی ڈے

کبھی نائٹ چلتیں، عمران کمرے میں رہتا تو ساس صاحبہ کے پیر میں چکر بندھ جاتا۔ دوسرے کمرے میں جا پڑتا تو لاؤنج میں براجمان سسر صاحب کی نظریں اور کان اسے وہیں محسوس ہوتے۔ ان کی عجیب سی روٹین تھی، رات آٹھ بجے تک ان کا ڈرائیور انہیں ڈراپ کر جاتا، وہ آ کے سوئے رہتے، حرا کی سکون کی سانسیں گنتی پوری بھی نہ کر پاتیں کہ وہ جاگ جاتے۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر واک پر نکل جاتے اور پھر رات تین بجے تک جاگنا، جاگنے تک کے معمولات میں جو مشاغل تھے سب کے سب تکلیف دہ۔ بیاہی بیٹیاں آنے بہانے میکہ سجانے سے نہ چوکتیں، کبھی کبھی تو سارا گھر بھر جاتا اس پر ساس صاحبہ کی بے حسی۔

''تسلا بھر کر آٹا گوندھ لو چالیس روٹیاں پکیں گی۔''

''چالیس روٹیاں......!'' وہ پکانے کے تصور سے ہی پسینے میں نہا جاتی۔ ''بازار سے منگوالیں ناں امی؟''

''ہاں......ہاں تم پکاؤ، باقی بازار سے منگوالوں گی۔''

کھا پکا کے جو بچتا ساس صاحبہ ساتھ باندھ دیتیں، بیٹیوں کے کرائے، بچوں کی فیسز، دیگر اخراجات، سب سسر صاحب کی جیب سے جاتے۔ خیر سے ساری قسمت کی کھوٹی تھیں، کسی کو سسرال بُری ملی، کوئی اپنے کیے کا بھگتان بھگت رہی تھی۔ کسی کا میاں بیمار تھا اور کسی کا نکما اور یہ سارے آزار ساس سسر کے سر تھے۔ معاملات بیٹیوں کے تھے اس لیے خوش دلی سے بھگتائے جاتے، ایک وہ تھی زندگی جس پر تنگ کر دی گئی تھی۔ آؤٹنگ کا موڈ ہو یا اخراجات، ہر بات کے لیے عمران کا ایک ہی جملہ۔

''امی، بابا سے کہو۔''

اس روز وہ بابا کے ساتھ قریبی پارک میں آ ہی گئی مگر ان کے رواں تبصروں سے جلد ہی اکتا گئی، لگتا تھا وہ ادھر اُدھر بیٹھے گھومتے کپلو پر آنکھیں سینکنے آئے ہیں۔

''ارے واہ، کیا کپل ہے۔ اس لڑکے کے ساتھ لڑکی اچھی نہیں، ارے یہ بڈھا کھوسٹ ایسی ینگ حسینہ۔ خوب جانتا ہوں میں اس بڈھے کھوسٹ کو دو بار اٹیک ہو چکا ہے۔ بڑھاپے میں نئی نویلی شادی رچالی، یہ لڑکی ضرور لوز ہے شکل سے ہی چالاک لگتی ہے، سوچا ہوگا بڈھا گزر جائے تو سب میرا۔'' ان کے لہجے سے جلن عیاں تھی۔

''بابا چلیں اب؟'' اس سے رہا نہیں گیا۔

''ارے کیوں، انجوائے کرو ناں۔'' وہ قصداً اس کے نزدیک تر بیٹھ گئے، وہ انجوائے کیا خاک کرتی ان کی رفاقت چبھنے لگی تھی۔ نظروں میں عجیب سستا سا تاثر اُمڈ آیا تھا وہ پھر شروع ہو گئے۔

''جوانی بھی کیا شے ہے بھئی ایسی ظالم جوانی ہم پر بھی آئی ہے اب بھی ایسی ہزار آگے پیچھے پھرتی ہیں۔'' گویا وہ خود کو اب تک نوعمروں میں شمار رکھتے تھے۔ بلا کا تفاخر تھا خود پر اور اس پر یہ ناز، ایسے کوئی سرخاب کے پر لگے نظر تو نہ آئے تھے مگر کون کہتا، انہیں اپنی عمر کا احساس ہی نہ تھا شاید اسی لیے حرا کے صبح و شام لیلیٰ مجنوں کے مناظر دیکھتے گزرتے۔ بھاری بھرکم ساس صاحبہ نت نئے فیشن کے کپڑے پہنے چھمک چھلو بنی اتراتی پھرتیں یقیناً یہ سسر صاحب کا حکم نامہ تھا کہ وہ سرِ شام سج سنور کے بیٹھ جاتیں۔ عاشق مزاج بڑے میاں آتے ہی ان کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اور لیجیے جناب دروازہ بند۔ ان کی نظر بازی کے قصے خاندان تک میں عام تھے، اس روز ساس صاحبہ لینڈ لائن پر کسی کو لتاڑ رہی تھیں۔

''بھئی صاف بات ہے عارف، تمہارے بھائی صاحب کو تمہارے گھر سے شکایتیں ہیں، اب میرا ان ہی کے ساتھ آنا ہوگا، تمہاری بیوی آنے بہانے کچن میں گھس جاتی ہے اور بیٹیاں تو یہ ہے اب کیا ہم غیر ہیں یا بھروسا نہیں غفران پر جو سگے پھوپا سے بھی پردہ کرواؤ گے؟'' جواباً جانے کیا کچھ سننے کو ملا کہ انہوں نے فون بند کر کے فاتحانہ انداز میں انہیں دیکھا۔

''اب تو شکایتیں دور ہو گئیں ناں۔''

''اجی پردہ نشینوں کے گھر میں ہمارا کیا کام؟''

''مگر یاد رکھنا بچیوں کے معاملے میں سنبھل کے رہنا، یہ آج کل کی بچیاں ہیں بھابی تو بے چاری میری منتیں ترلے کرنے پر تمہاری دست درازیاں پی گئی تھیں۔'' مگر وہ کہاں ماننے والے تھے۔

''اور وہ احسان بھول گئیں تمہارا بھائی بے کار تھا تو اس کی زچگی کا سارا خرچ میں نے اٹھایا تھا۔''

''میرا بھائی تمہارے گھر روٹی مانگنے تو نہیں آتا تھا۔''

''روٹی کھانے تو آتا تھا ناں، ایک ذرا سی دل لگی کیا کر لی تمہاری بھاوج آج تک دل سے لگا کر بیٹھی ہے۔''

''اور وہ جو اپنی سالی کو آپ ہزار بار فلم دکھانے، سی سائیڈ پر لے کر گئے ہیں۔''

''اجی جانے دو، منہ نہ کھلواؤ میرا، مجھے کچھ کہتی تو تم جب

اچھی لگو جب خود......'' اس سے آگے حرا سے کچھ سنا ہی نہ گیا۔

مزے کی بات یہ تھی کہ سسر صاحب جتنے رنگین مزاج تھے برخوردار اتنے ہی ٹھس۔ بیگم بے زار دن ہو یا رات وہ گھر میں رہتا تو سوتا رہتا۔ گھر سے نکلتا تو گراؤنڈ میں بچوں کے ساتھ دھما چوکڑی مچا کے رکھتا' بچے ہی اس کی شکایتیں بھی لے کر آتے وہ بجتی' سنورتی ستائش چاہتی تو اس کی نظریں بے تاثر رہتیں۔ اوپری کاموں کے لیے ملازمہ آتی' کچن کی ڈیوٹی حرا کے سر تھی اور بیرونی کام ساس صاحبہ بھگتاتیں۔

اس روز وہ سسر صاحب کے ڈرائیور کو لے کر راشن لینے سپر مارکیٹ گئیں تو سہ پہر لوٹیں۔ مہینہ بھر کا راشن نیچے رکھا وہ عمران کو پکارتی' بیلیں دیتی رہیں' ناچار اسے عمران کو جگانا پڑا مگر اس نے سن کر دوبارہ کروٹ بدل لی۔

''یار......امی آئی ہیں' پرائم منسٹر تو نہیں ناں' جو تم نے مجھے جگا دیا ہے۔'' اس نے پھر بات دہرائی۔ عمران نے آنکھیں چندھیا کر بمشکل سمجھا۔

''تو تم جاؤ' راشن اٹھا کر لے آؤ۔''

''یہ کوئی عورت کا کام ہے؟''

''تو اور کیا' امی عورت نہیں ہیں' وہ بھی تو راشن لائی ہیں۔''

اسے لاتے ہی بن پڑی۔

❀......❀......❀

اس روز بھی صدیقی صاحب نے اسے آتے ہی طلب کیا تھا' اس کا موڈ صبح سے ہی آف تھا۔ جلدی میں ناشتا بھی ڈھنگ سے نہ کیا تھا' اس پر بسوں کے دھکے پھر کام کا انبار وہ تاڑ گئے۔

''میرے روم میں مسکراتی ہوئی آیا کریں اور ناک نہ کیا کریں' یہ رول آفس کے دوسرے لوگوں کے لیے ہیں۔''

''بڈھا کھوسٹ۔'' اس نے دل ہی دل میں دانت کچکچائے۔ وہ چیئر جھلاتے خاص الخاص نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کسی نے آپ کو بتایا کہ آپ کتنی اٹریکٹو ہیں؟''

''جی ہاں' یہ تو سب ہی کہتے ہیں۔''

''اچھا یعنی میں نے کہا تو کوئی کمال نہیں۔'' ان کی نظروں میں ایک وجود کو چھید دینے والی لپک' ایک عجیب سا تاثر تھا۔ اسے الجھن ہونے لگی۔

''تمہارے چہرے پر سب سے خوب صورت تمہاری آنکھیں ہیں پھر ماتھا' پھر لب......'' ارم کو لگا اس کے اندر کوئی طوفان ٹھوکریں مارنے لگا ہے۔

''کام کی بات کریں؟''

''یہ کام ہی کی بات ہے' جس بات کا سرا کسی ارادے سے جا کر ملتا ہو وہ کام کی بات ہی ہوتی ہے۔''

''میں سمجھی نہیں سر؟''

''اوہو پھر سر؟'' وہ جھلائے پھر مسکرائے۔ ''میری بیوی مجھے شاہ جی کہا کرتی ہے' آپ بھی کہہ لیا کریں۔'' اس کے اندر قہر کا ٹھوکریں مارتا طوفان' راستہ تلاش کرنے لگا تو وہ کمال ضبط سے لب بھینچ کر رہ گئی۔

''اور ہاں میری اور آپ کی عمر میں جتنا فرق ہے مجھے معلوم ہے آپ پلیز اسے نوٹ نہ کیا کریں۔''

''میں جاؤں سر؟'' وہ سمجھ گئی تھی انہیں کوئی کام نہیں ہے۔

''اوکے۔'' ان کی بھی ایک کال آ گئی تھی۔

❀......❀......❀

مہینہ گزرا' عمران کو تنخواہ مل گئی اور اس نے سیدھے سبھاؤ لفافہ ماں کو پکڑا دیا۔ انہوں نے حرا کے سامنے گنے' بارہ ہزار پھر مٹھی میں دبا لیے' اگلے روز آپا کا فون آیا وہ سن کر حیران رہ گئیں۔

''بارہ ہزار......انہوں نے تو کہا تھا' عمران کسی پرائیوٹ فرم میں جاب کرتا ہے۔''

''بات صاف ہے' انہوں نے جھوٹ بولا۔ وہ ایک معمولی کمپنی میں نوکری کرتا ہے۔''

''مگر ایسا کیوں؟''

''کیونکہ وہ کسی اور کام کا اہل ہی نہیں ہے' سوتا ہے تو سوتا ہی رہتا ہے۔ کبھی نیچے گراؤنڈ میں بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتا ہے' کبھی اگلا پچھلا سب بھول جاتا ہے۔ ڈاکٹر رپورٹس کے مطابق اس کا دماغ صدفی صد کام نہیں کرتا شاید اسی لیے اسے صدفی صد یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ وہ ایک بیوی کا شوہر بھی ہے۔''

''اُف خدایا' اتنا بڑا دھوکا۔'' دنیا آپا کے سامنے گول گول گھومنے لگی۔ ''تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟''

''خود عمران نے اور شاید اس لیے کہ میں اس سے زیادہ امید نہ رکھوں۔''

''کچھ لوگ بیٹے بیٹیوں کی شادی صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ان پر شادی کا ٹھپہ لگ جائے اور ان کی زندگی کی

ٹریجڈیز کو وہ قسمت کا لکھا کہہ کر ہاتھ جھاڑ لیں۔'' آپا آزردہ ہوگئی تھیں۔

''تم آؤ تو مل بیٹھ کر بات کرتے ہیں' کچھ سوچتے ہیں۔''

''اب کیا ہوسکتا ہے آپا...... قسمت میں جو درج تھا وہ ہوچکا ہے۔'' حرا کا لہجہ بھرا گیا۔

❀......❀......❀

ارم پر نظر پڑتے ہی انہوں نے اپنی بتیسی کی نمائش کی۔

''زہے نصیب' صبح ہی صبح ایک حسین صورت کے دیدار سے دن اچھا گزرے گا۔''

اسی لمحے پیون نے دروازے سے جھانک کر کچھ کہا تھا' وہ پیون سے بات کرنے لگے تو ارم شکر مناتی اٹھنے کو تھی جب انہوں نے دھیرے سے کہا۔

''آپ جایئے گا نہیں۔'' وہ دل پر پتھر رکھ کر ٹیبل پر رکھا اخبار کھنگالنے لگی۔

''اتنی کشش ہے تم میں جیسے سونامی کی لہر جو سب کچھ بہا کرلے جائے اور ڈبو دے۔'' پیون کے جاتے ہی وہ پھر شروع ہوگئے۔ نظروں میں وہی لگاوٹ بھر کر آگے کو جھک آئے جو اسے الجھن میں مبتلا کردیتی تھی۔ یہ تو طے تھا کہ ان کی نظروں میں فتور آرہا تھا مگر کچھ ناپسندیدہ چیزوں کو اچھی چیزوں کے لیے چھوڑنا پڑتا ہے۔

بگ باس نے سیلری اتنی زبردست رکھی تھی کہ فی الوقت وہ جاب چھوڑنے کا تصور بھی نہ کرسکتی تھی۔ اسے یقین تھا اس کا گریز جلد ہی ان کا دماغ ٹھکانے پر لے آئے گا' اب بھی بات گھما کر بدل دی وہ سیدھے ہو بیٹھے۔

''آپ اخبار کا کون سا سیکشن پہلے دیکھتی ہیں۔''

''شوبز۔'' اس نے تھوک نگل کر سچ اگلا۔

''اوہ گڈ یعنی فلموں کی شوقین ہیں' ایک زمانے میں' میں خود بھی بڑا رسیا رہا ہوں سینما کا۔''

''جی سینما پر تو کبھی نہیں دیکھی۔''

''تو اب دیکھ لیجیے' مل کر پروگرام بناتے ہیں۔ فلم کے بعد کسی اچھے سے ہوٹل میں ڈنر کریں گے پھر میں ڈراپ بھی کردوں گا۔''

''جی' یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ حیران ہی تو رہ گئی۔

''ارے'' ان کی نظروں میں لپک سی عود کر آئی۔ ''محبت و رجنگ میں سب کچھ جائز ہے۔''

"محبت......؟" اس کے تیور بگڑے مگر انہیں خاک پروا نہ تھی۔

"جی ہاں محبت' آپ یقین کرتی ہیں ناں محبت پر؟ جب کوئی آپ کا انتظار کرے آپ کو یاد کرے تو مان لیجیے کہ اسے آپ سے محبت ہے۔" یکبارگی اس کے سامنے دنیا گول گول گھومنے لگی تھی' اس کا دل چاہا کوئی بھاری بھرکم چیز اٹھا کر اس بظاہر مغز' معقول نظر آتے بندے کے سر پر دے مارے' جسے اپنی عمر کا لحاظ تھا نہ عہدے کی پروا' وہ جان گئی تھی بظاہر نیک و شریف نظر آتا یہ بندہ نفس کا غلام اک کریہہ شیطان ہے اور اسے خود پر اتنا گمان ہے کہ ساری دنیا کو خرید سکتا ہے مگر وہ لہو کے گھونٹ پیتی اٹھ گئی۔

❀......❀......❀
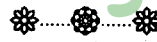
آج کل سسر صاحب کے ہاتھ ایک نیا موضوع لگا تھا "میری اسسٹنٹ۔" وہ ایسے چلتی' ایسے بولتی' ایسی ہنستی ہے۔ اس کی آنکھیں' اس کا لباس' اس کا ہیر اسٹائل پھر وہ اسسٹنٹ سے قربت کی کہانیاں سنانے لگے۔

"بھئی وہ میرے لیے میٹھا بنا کر لائی تو میں نے کہا اپنے ہاتھوں سے کھلاؤ تو مجھے منظور ہے' ایک پکار پر کھنچی چلی آتی ہے۔" اسے خاک بھی یقین نہ آیا' منہ میں دانت' نہ پیٹ میں آنت اور خوش فہمی تو دیکھیے کوئی' ساس نے بھی مذاق اڑایا۔

"یہ منہ اور مسور کی دال۔"

"ہم بلائیں اور وہ نہ آئیں' ایسے تو حالات نہیں۔" صوفے پر پیر پسارے ہاتھوں کا تکیہ بنائے وہ گنگنائے۔

"اجی کیا کمی ہے' ہم میں؟"

"کوئی میرے دل سے پوچھے۔" ساس نے چڑایا' وہ سٹپٹا گئے۔ بات تو سچی تھی مگر بات تھی رسوائی کی مگر اس روز آئی گئی ہوگئی۔

عجیب بے ڈھنگا و بھونڈا چلن تھا' لگتا تھا کہ کوئی کل ہی سیدھی نہیں ہے سسرال کی' آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا' خلل عمران کے دماغ میں تھا اور وہ سب مل کر نا اہل اسے ثابت کرنے پر تلے تھے۔ خاندان بھر کی ناپسندیدگی کے لیبل کے بعد اب باری اس کی کم مائیگی کی آگئی تھی' خود پر فخر و غرور ایسا جیسے لعل ہی تو جڑے ہوں۔ ساس صاحبہ کو اٹھتے بیٹھتے ایک نیا شوشا ہاتھ لگ گیا تھا۔

"اُف خدایا' قسمت پھوٹی میری جو اس بے وقوف کو اٹھالائی۔"

"امی......میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس نے مشورہ دیا تھا' حیدرآباد کی تنگ' ٹیڑھی میڑھی گلیوں سے بہو اٹھالانے کا۔ اکلوتا بیٹا تھا عمران' کچھ تو سوچا ہوتا لوگ تو آڑے ٹیڑھے لڑکوں کو بھی کیش کرالیتے ہیں۔"

"جاؤ' اپنے بابا سے پوچھو قبر میں پڑے پرانے دوست سے یاری نبھانے کا شوق چڑھا تھا انہی کو اور میری بھی مت ماری گئی جو یہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ اٹھالائی۔ ارے دلہن سنتی ہو سسرال میں کیسے جوتے پڑ رہے ہیں تمہاری نندوں کو۔" وہ بہری بنی سنتی رہتی یا کلستی رہتی۔

"ہونہہ ایسے ہی تو لعل جڑے ہیں اکلوتے نور نظر میں' کم دماغی عروج پر ہو تو بس نہیں چلتا۔ منہ کا نوالہ بھی ناک میں ٹھوس لے مگر کون کہتا' لوگ دوسروں کی گہرائی میں اتر کر زخم ٹٹولنے کا فن جانچ لیں تو زبان کے نقشہ سنبھال نہ رکھیں۔"

اس دن بھی ساری نندوں کا مشترکہ دھرنا تھا' ساس صاحبہ نے دیگچہ بھرا بریانی کے چاول ابالنے کو چڑھا رکھا تھا۔ اسے ڈھیر سارا مصالحہ پیسنے کو دیا اور فرمایا۔

"اس مصالحے کو ابلتے پانی میں ڈال دو۔" اس کی حیرت عروج پر پہنچ گئی تھی۔

"بریانی کا مصالحہ ابلتے پانی؟" مگر انہوں نے رعونت سے کہا۔

"تم سے جو کہا ہے وہی کرو۔" اسے ناچار تعمیل کرنی پڑی پھر وہ کسی کی پکار پر لاؤنج میں گئی تھی کہ عقب سے ساس صاحبہ شور مچاتی چلی آئیں۔

"کتنی کم عقل ہے یہ لڑکی......ستیاناس کردیا۔ ارے پانچ کلو بریانی کا مصالحہ کھولتے پانی میں جھونک دیا' تف ہے تمہاری بے وقوفی پر۔"

"مگر امی......آپ ہی نے تو کہا تھا؟"

"تمہارا دماغ خراب ہے' میری عقل پر پتھر پڑے ہیں کیا؟" اور پھر چاروں طرف سے لعن طعن کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ ملامت کا پتھراؤ' کسی نہ کسی طرح مل کر بریانی دم دی تھی مگر اسے جو کچھ سننا پڑا وہ ایک الگ کہانی تھی۔

یہاں کا باوا آدم ہی نرالا تھا ان کے ہاں بہو سب کو بھگتا کر کھاتی ہے اور جب کھانے بیٹھو تو کبھی روٹیاں کم' بوٹیاں غائب۔ وہ رات گئے کچن صاف کرکے' چابیاں ساس کے

حوالے کرنے ان کے بیڈ روم تک آئی تھی۔ ساس صاحبہ نہایت بے باکی و دھڑلے سے موٹے فریم کی عینک لگائے اخبار پڑھتے شوہر کے بالکل قریب لیٹی' ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے پیر ہلا رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں جھک گئیں' وہ بے نیازی سے اخبار دیکھتے رہے۔

''کچن لاک کر دیا؟''

''جی امی۔''

''چابی مجھے دو۔'' اس نے چابی بڑھا دی۔

''لائٹس ساری بند ہیں' چولہے چیک کر لیے تھے؟''

''جی امی۔''

''اچھا' فریج میں جو آم رکھے ہیں ذرا گن کر آؤ کتنے ہیں؟''

چالیس آم تھے' شام کو پیٹیاں منگوائی گئی تھیں اور اسے ایک بھی نہ نصیب ہوا تھا' اس نے بتا کر فریج کی چابی بھی ان کے حوالے کر دی تھی پھر ساری رات اس کا تکیہ بھیگتا رہا' عمران رخ موڑے خراٹے لیتا رہا۔ تنخواہ ساری سہولت سے ماں کے کھیسے میں فٹ ہوگئی تھی' وہ خود ہر روز پیٹرول کا خرچہ ان سے لے کر جاتا۔ اس کی کسی ضرورت کا تو سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا مگر اس کا سر درد بڑھا پھر بخار نے شدت اختیار کی تو اسے کہنا ہی پڑا۔

''تمہیں بخار ہے تو امی کو لے کر چلی جاؤ' پیسے وہی دیں گی۔''

''مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ اتنی آسانی سے دے دیں گی۔''

''تم بے فکر رہو' یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے۔'' اور ساس صاحبہ سے منہ پھوڑ کر ہزار باتیں سننے سے بہتر تھا کہ دو ڈسپرین لے لی جائیں۔

جانے کیسے اس کے خالی خولی پن کا اسرار سسر صاحب پر کھل گیا۔ وہ اس روز کچن میں چائے دم دے رہی تھی جب انہوں نے عقب سے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ ہراساں ہو کر پلٹی اور انہوں نے ہزار کا نوٹ لہرایا۔

''یہ رکھ لو' یہ میں تمہیں ذاتی ضروریات کے لیے دے رہا ہوں۔'' ان کا انداز اور نگاہوں میں کچھ ایسا تھا کہ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ''یہ بات بس ہم دونوں کے درمیان رہے گی۔'' ان کی سرسراتی سرگوشی ابھری' ہزار کا نوٹ اس کی مٹھی میں دبا کر اس کی مٹھی بند کر دی۔

''ضرورت ہو تو اور لے لینا۔'' وہ اور قریب ہوئے اور اسے لگا اس کی سانسیں رک جائیں گی۔

''عمران......'' وہ حلق کے بل چلائی تھی' وہ بدکے۔

''عمران......'' اس نے پھر پکارا۔ وہ نکلتے چلے گئے اور عمران گراؤنڈ کے احاطے میں بچوں کے ساتھ دھما چوکڑی مچا کر اب تالیاں پیٹ پیٹ کر گا رہا تھا۔

اس نے ہزار کا نوٹ رات اپنی ساس کی گود میں ڈال دیا۔

''یہ ہزار روپے بابا کو واپس کر دیجیے گا' مجھے ان کی ضرورت نہیں۔''

''اب دے دیے ہیں تو رکھ ہی لو' اتنا کچھ بھی تو بھگت ہی رہے ہیں وہ' یہ بھی سہی۔'' گویا وہ باخبر تھیں۔ بلا کا اعتماد تھا خود پر جیسے دنیا کا کارخانہ انہی کے دم سے چلتا ہے مگر وہ بیٹیاں تھیں' احسانات کا ٹھینگا سر پر نہ رکھتے تو کون انہیں جھک جھک کر سلام کرتا۔ پھر جانے انہوں نے سسر صاحب سے کیا کہا کہ وہ بدک اٹھے۔

''مجھے تم عورتوں پر دو ٹکے کا بھروسا نہیں ہے' چکمہ دینے کا کوئی موقع تم ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ کمائی شوہروں کی کھائی ہو اور رنگ رلیاں دوسروں کے ساتھ منائی ہو۔'' اف خدایا گھٹیا پن کی انتہا تھی' حرا کے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

''اللہ کے واسطے شاہ جی گزرے وقت پر اب تو دھول ڈال ہی دو۔''

''دھول نہ ڈالی ہوتی تو کاہے کو اپنی مشکوک اولاد بھی پال کر بھگتتا پھرتا۔''

''تم بھول رہے ہو' تم مجھ سے حلف لے چکے ہو۔'' دبا دبا سا احتجاج۔

''اور جب حلف دیا تھا' تب اپنی اگلی پچھلی خیانتوں کا اعتراف بھی تو کیا تھا' بھول گئیں۔'' انہوں نے چٹخارہ لیا تھا۔

''مگر آئندہ کے لیے تو یہ بھی تو کی تھی۔''

''مگر جو خیانتیں تم کر چکی تھیں' وہ تو کر ہی چکیں ناں' اب اگر میں اپنی من کی مرضی کرنا چاہتا ہوں تو تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔'' حرا کے قدموں تلے سے زمین سرکتی چلی گئی' پل بھر کو محسوس ہوا۔ وہ کسی خطرناک جال میں گھرتی چلی جا رہی ہے' اس کی نظروں تلے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

❁......❁......❁

''صبح جو کام آپ کو دیا تھا' ہو گیا؟'' انہوں نے انٹر کام

پر پوچھا۔

''یس سر...... ابھی لائی۔'' وہ فائل سمیت پہنچی تو موصوف کے سامنے کام کا ایک انبار تھا۔ وہ غرق تھے' چھت کے ٹیوب کی چمک ان کی چندیا پر پڑ رہی تھی۔

''لیجیے سر...... غلطیوں کی درستگی......''

''غلطیاں......؟'' ان کے تیور بگڑ اٹھے' پیشانی شکن آلود۔

''جی سر...... لفظی اور معنوی غلطیاں۔'' ارم نے پیپرز ان کے سامنے رکھے' جگہ جگہ سرخ قلم سے مارک کیا گیا تھا۔

''مس ارم...... آپ کو جرأت کیسے ہوئی میرے کام میں غلطیاں چننے کی۔''

''جی سر...... وہ...... وہ......'' وہ سہم گئی۔

''بہتر ہوگا آپ اپنے کام سے کام رکھیں' ناؤ یو مے گو۔'' درشت لہجہ' بگڑا انداز۔ وہ لرزتی کانپتی لوٹ آئی تھی' کم از کم اس کے لیے باس کا یہ رویہ نیا ہی تھا پھر دو دن اس کا موڈ آف رہا' چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی اور انہوں نے کام کے لیے بھی اسے طلب نہ کیا تھا۔ آفس میں بھی وہ ہراساں رہی' گھر میں بھی اس کا دل ڈولتا' کانپتا ہی رہا تھا۔

کیسا سرد وسفاک لہجہ تھا اور یہ اسی رات کی بات تھی' جب تقریباً تین بجے اس کے سرہانے رکھا موبائل بجا اس نے اسکرین دیکھی' باس کی مس بیل تھی۔ اسے ایس ایم ایس کرنا پڑا۔

''آپ کی کال آئی تھی' سب خیریت؟''

''کوئی یاد آیا تھا۔'' جوابی ایس ایم آیا۔ وہ خون کا گھونٹ پی کر رخ موڑ گئی' آنکھیں موند لیں۔ ایس ایم ایس ٹون پھر بجی' مختصر سا لفظ۔

''میری جان......'' اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی' موبائل آف کردیا مگر اگلی صبح ہی طلبی ہوگئی تھی اسے جانا پڑا۔

''غصے میں ہو؟'' وہی لگاوٹ بھرا انداز۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''تو پھر ناراض ہو؟'' وہ خاموش رہی۔ ''کیوں ناراض ہو؟'' وہ اب بھی خاموش رہی۔ ''مناؤں؟'' اس نے پھر نفی میں گردن ہلائی۔

''منانے کے لیے ہی تو رات کال کی تھی۔'' لہجہ معمول پر آیا۔ ''اب آج کے دن تو موڈ آف نہ رکھو یار......'' انہوں نے قصداً بے تکلفانہ کہا تھا۔ نظروں میں عامیانہ پن کوندا۔ ارم کا دل چاہا ابھی کھڑی ہو کر دوڑتی ہوئی وہاں سے نکل جائے۔

''آج کیا بات ہے؟'' کمال ضبط سے کہا۔

''آج نہیں کل' چھ اگست تمہاری برتھ ڈے۔ بھول گئیں ناں مگر مجھے تو یاد ہے۔'' وہ ''اوہ'' کر کے رہ گئی یقیناً سی وی دیکھی ہوگی۔

''پھر کیا کرنا ہے' کیسے سلیبریٹ کرنی ہے۔''

''میں نے کبھی سلیبریٹ نہیں کی۔'' دوٹوک انداز میں کہا۔

''مگر میں تو گفٹ لے چکا ہوں۔''

''اوہ...... تو آپ اپنی مسز کے لیے لے جائیں۔''

''ان کے لیے بھی لیا ہے' ویسا ہی تمہارے لیے' خوب صورت ڈریس ہے تمہیں بلیک پسند ہے ناں۔''

''نو سر...... پلیز......''

''انکار نہ کرنا' میں نے زندگی میں پہلی بار کسی کے لیے کچھ خریدا ہے۔'' اس کے نہ نہ کرتے بھی تھما دیا' اس رات پھر بارہ بجتے ہی ایس ایم ایس آیا تھا۔

''چاند چہرے والی تمہیں سالگرہ مبارک۔'' ارم کی نظروں سے ایک آب دار موتی ڈھلکا تھا' مجبوری بھی کیا شے ہے۔

❀......❀......❀

''اجی کب سلے گا وہ ڈریس اور کب نصیب ہوں گی آپ کے جگمگاتے حسن کی کرشمہ سازیاں۔'' وہ ہزار بار کہہ چکے تھے اور ارم ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتی رہی۔ ڈریس ہنوز پیک رکھا سسک رہا تھا وہ بہانے بنا رہی تھی۔

''جی معلوم نہیں امی کو پتا ہوگا۔'' سفید جھوٹ۔

''اپنا گھر مجھے رینٹ پر دے دو۔'' نیا پٹاخہ چھوڑا۔

''آپ ویسے ہی لے لیں سر......'' وہ مروتاً اتنا ہی کہہ سکی۔

''اُف کتنا مزہ آئے گا ناں' ہم اکٹھے آفس آیا جایا کریں گے' تم میرے لیے کافی بنا کر بھیجو گی۔'' وہ خود ہی مزے لے رہے تھے اور ارم کلس رہی تھی' خیالی پلاؤ۔

''تم اپنے نام سے فلیٹ کیوں نہیں بک کرواتیں' بھئی اتنی تنخواہ بندھی ہے کچھ تو اپنے نام سے خریدو۔ چلو بکنگ میرا کام' تم صرف فلیٹ پسند کرو۔''

''لیکن سر...... فلیٹ کا میں کیا کروں گی؟''

''بھئی ہم آفس کے بعد کچھ وقت وہاں گزاریں گے' باتیں کریں گے' کافی پئیں گے۔'' وہ لبوں پر عامیانہ مسکراہٹ

سجائے معنی خیز انداز میں کہہ رہے تھے۔

غم وغصہ سے ارم نے اپنے بدن میں لرزش محسوس کی اس کا دل چاہا خود پر دین داری کا لیبل چسپاں کیے بظاہر نفیس و معقول نظر آتے اس انسان نما شیطان کو گریبان سے گھسیٹ کر کاریڈور تک لائے اور چیخ چیخ کر آفس والوں کو بتائے کہ اس معزز و معقول نظر آتے انسان کی اصلیت کیا ہے۔

"اس کے علاوہ بھی جو تم کہو گاڑی' بینک بیلنس' پروموشن' یقین کرو عیش ہوجائیں گے عیش۔" ان کے الفاظ سے بڑھ کر ان کا انداز' ان کی بدنیتی اور ارادوں کو عیاں کررہا تھا معنی خیز سرسراتے لفظ' پھیلتے مسکراتے لب اور نظروں میں شیطانی لپک۔

"جواب میں جو میں کہوں' چاہوں بس تم وہ سب کرتی چلی جاؤ۔" ارم کے اندر لپکتے' بھڑکتے الاؤ کو روزن نصیب ہوا' وہ تنک کر کھڑی ہوگئی۔

"آپ نے غلط دروازہ بجایا ہے اس کے لیے کوئی اور در دیکھیے۔"

"اجی کوئی اور ٹکتی ہی کہاں ہے۔" دروازہ کھول کر دھاڑ سے بند کرتے ہوئے اسے اپنے عقب میں ہانک سنائی دی تھی۔

"جس کو دیکھو نکل جاتی ہے۔" اب ارم سمجھ گئی تھی ایک کے بعد ایک اسسٹنٹ بدلنے کا راز اور اس نے ٹھان لی تھی' کسی قیمت پر ان کے ہاتھوں کھلونا نہ بنے گی چاہے کچھ ہوجائے مگر اس کی نوبت ہی نہ آئی۔

❁.......❁.......❁

عجیب سی گھٹن اور ہراس در آیا تھا' گھر کی فضا میں جیسے پنجرے میں مقید کوئی ننھا معصوم پرندہ' لرزتا کانپتا رہے اس نے ساس صاحبہ کو ان کے بدلتے تیور عیاں کرکے روک تھام چاہی تھی اور وہاں بازی ہی الٹ گئی تھی وہ کچھ اور کھل گئے اور بیگم جیسے ان کی دست راست۔ ان کے گھر میں گھستے ہی ساس صاحبہ اڑنے کو پر تولنے لگتیں۔

"اتنی سی دیر میں وہ تمہارا کیا بگاڑ لے گا۔" حرا کی شکایت کے بعد وہ دھڑلے سے کہتیں۔

"میں تو بس گئی اور آئی۔" اسی لیے ان کے حوصلے بڑھ گئے تھے' وہ کمرے کا لاک لگائے لرزتی' کانپتی رہتی' وہ گھر بھر میں گاتے گنگناتے پھرتے۔

"ذرا سامنے تو آؤ چھلیے......" کبھی اس کا دروازہ ناک کرتے کبھی لگتا کہ توڑ ہی ڈالیں گے۔ وہ حد سے بڑھتے تو حرا عمران کے موبائل پر کال کرتی اور بیل طویل سے طویل تر ہوجاتی مگر ریسیو ہوکے نہ دیتی۔

اس دن تو حد ہی ہوگئی' حرا باتھ لینے گھسی تو سوچا بھی نہ تھا کہ ساس صاحبہ چپکے سے غائب ہوجائیں گی' وہ بالکونی میں کھڑی اپنے دراز گیلے بال سلجھا رہی تھی کہ عقب سے آکر انہوں نے دبوچ لیا وہ تڑپ کر مڑی تو ان کے شکنجے میں تھی۔ ان کی نظروں میں لپک چہرے پر شیطانیت تھی ان کی گرفت سے نکلنے کے لیے زور لگانا چاہا تو وہ کچھ اور قریب ہوگئے۔

"میں نے کہا تھا نا عمران کی کمی میں پوری کروں گا۔" سرمست لہجہ' خطرناک انداز۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔" اس نے ایک بار پھر ان کی مضبوط گرفت سے نکلنا چاہا لیکن گرفت اور مضبوط ہوئی۔

"عمران......عمران......" وہ حلق کے بل چلائی پر عمران گھوڑے گدھے بیچ کر سوتا رہا۔ ان کے منہ سے اٹھتی بو، مہک اور خطرناک تیور' حرا نے اپنا سارا زور لگا کر انہیں دھکیلا وہ لڑکھڑائے تھے۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے فلیٹ سے نکلی، بیرونی دروازے کی بیرونی کنڈی چڑھا کر کھٹ کھٹ سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھی۔

❁.......❁.......❁

اگلے روز ہڑتال تھی' سب کچھ بند تھا۔ ارم نے رات بیک کال کی تو بیلنس زیرو' وہ آفس میں اطلاعی کال بھی نہ کرسکی۔ اگلے روز باس کے سامنے عذر پیش کرنا پڑا مگر ان کا مزاج بگڑا ہوا تھا۔

"آپ کو ایک کال تو کرنی چاہیے تھی۔"

"سر......بیلنس اچانک ختم ہوگیا تھا۔"

"آپ مس بیل دے دیتیں' میں خود کرلیتا۔" ان کے تیور بدلے ہوئے تھے' بات صاف تھی' انہیں بہانہ میسر آگیا تھا۔ ارم نے کام کے لیے پوچھا وہ ٹیبل پر پڑے انبار میں غرق ہوگئے وہ پلٹ آئی دن بھر مکھیاں مارتی رہی۔ شام میں بگ باس اس کے کیبن میں آئے تھے اور یہ پہلی بار تھا کہ بگ باس اس کے کیبن میں آئے' ارم الرٹ ہوکر بیٹھ گئی ان کی آمد بے جا نہ تھی اسے ادراک تھا۔

"کل کا دن امپورٹنٹ تھا' آپ کو آف نہیں کرنی

تھی۔‘‘ بگ باس ادھر اُدھر کی کچھ بات کرکے بولے۔
’’صدیقی صاحب نے آپ کو ٹرمینیٹ کرنے کو کہا ہے۔‘‘
ارم ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی‘ یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا یوں ہوجائے۔
’’آپ بہتر سمجھتے ہیں۔‘‘ وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔
کچھ ہی دیر بعد ٹرمینیٹ اس کے ہاتھ میں تھا‘ بگ باس نے ازراہ التفات‘ ایک ماہ کی تنخواہ کے ساتھ۔ ایک ماہ پیشگی رقم بھی عطا کی تھی اور کچھ دن کی مسافت کے لیے زادراہ‘ مگر کچھ دن بعد کا وقت ایک سوالیہ نشان تھا خیر امید پر دنیا قائم ہے۔
’’یہ تو ہونا ہی تھا۔‘‘ صدیقی صاحب شان بے نیازی سے اپنے مخصوص انداز میں اکڑتے‘ چھاتی پھلائے‘ اس کے سامنے سے گزرے۔ مغرب کی ادائیگی کو گئے تھے‘ وہ جانتی تھی انہیں اپنے عہدے کا غرور اپنے لکھ پتی ہونے پر تفاخر تھا۔ اس کا یہی غرور‘ اس کی چال میں در آیا تھا گویا دنیا کو اپنے قدموں تلے روندتا ہو۔ ارم نے ایک چٹ پر کچھ لکھا اور تمام پیپرز کے ساتھ ان کی ٹیبل پر رکھ کر بلڈنگ سے نکل آئی تھی۔

❁....❁....❁

’’آپ نے ٹھیک ہی کہا تھا آپا...... کچھ لوگ بیٹے بیٹیوں پر صرف لیبل لگانے کے لیے ان کی شادی کرتے ہیں۔ عمران پر بھی ٹھپہ لگ گیا ہے اب وہ عمران کا گھر اجڑنے کا الزام میرے سر رکھ کر ہاتھ جھاڑ لیں گے۔‘‘
’’مجھے تو لگتا ہے اول روز سے اس بڈھے کی نظریں تم پر تھیں‘ تمہاری مٹھی گرم کرکے وہ تمہیں اپنے بس میں کرنا چاہتے تھے۔‘‘
’’سارے خاندان میں ان کی بدنیتی کی مثالیں مشہور ہیں آپا‘ رشتوں تک کو پامال کیا ہے اس کی بدنظری نے اور تو اور وہ اپنی جواں سال اسسٹنٹ تک کے لیے کہتے ہیں کہ اسے گاڑی بنگلہ اور پروموشن کے بدلے وہ شادی پر راضی کرچکے ہیں۔‘‘
’’ہاہ...... جانے کیا مجبوریاں ہوں گی بے چاری کی مگر اس عمر میں شادی؟ حیرت ہے۔‘‘
’’مجھے تو یہ بھی جھوٹ ہی لگتا ہے آپا‘ سوچتی ہوں کال کرکے کسی بہانے اس سے کنفرم تو کرلوں ہر لڑکی بکاؤ نہیں ہوتی۔‘‘
’’تمہارے پاس کانٹیکٹ نمبر ہے اس کا؟‘‘ آپا چونکیں۔

"ہاں انہی کے موبائل سے اڑایا ہے' اس سے معاشقے کو خوب مرچ مصالحہ لگا کر گھر بھر کو سناتے رہے ہیں۔"

"جانے بھی دو' ہمیں کیا' ہمیں اپنی فکر ہے۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک کہتی ہیں آپ۔"

"ہاہ...... سوچا تھا اکلوتی بہو کو پھولوں کی طرح رکھیں گے' تمہارے خدشے ٹھیک ہی نکلے اچھے لڑکوں کے لیے لڑکیاں بہت کیا ضرورت تھی اتنی دور مارنے کی۔ اپنا ٹھینگا اور پر رکھنے کو اپنے سے نیچے گھر کی لڑکی بیاہی ورنہ ادھر کراچی میں یار رشتہ داروں میں کیا کمی تھی؟"

"اس ایک مہینے میں زندگی کا تلخ و کریہہ روپ دیکھا آپا...... زیور ولیمہ کے اگلے روز چھین لیا اعلیٰ و مہنگے جوڑے بیٹیوں کو بہانے سے بخش دیئے ان کے گھر کی ہانڈی بھی بیٹی کی آمد پر چڑھتی ہے۔ کچھ ساتھ باندھ دیا باقی فریز' کئی کئی روز کے بچے کھچے کھانے بچا بچا کر چلتے ہیں۔ اس میں سے بھی اوپری حصہ میاں بیوی اپنے کمرے میں کھاتے ہیں' تلچھٹ مجھ بدنصیب کے لیے۔"

"حق ہاہ ٹھیک کہا کسی نے فقیر اپنی ذات خود بتاتا ہے۔" آپا کا رنج دگنا ہو گیا تھا۔

"بات صاف ہے' ان کی اپنی نظریں تم پر تھیں' عمران کی شادی تو بس ایک بہانہ تھی۔ اسے شادی کی ضرورت ہی نہ تھی۔"

"یہی بات ہے جس طرح تیس فیصد اس کا دماغ کام نہیں کرتا اسی طرح ہفتے میں تین دن اسے بیوی یاد رہتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں مجھے روٹی سسکتی زندگی دے کر یا تو میرے قدم اکھاڑ دیں گے یا مجھے بس میں کر کے اپنی من مرضی کریں گے۔ دونوں صورت میں ان کا فائدہ ہے' عورت ان کے نزدیک ایک بھری ہوئی چیز ہے' ذرا سا چھو جانے یا پیسے کی جھلک پا کر جو چھلک اٹھتی ہے۔"

"ان کا اپنا ماضی جو داغ دار ہے' اُف خدایا جو شخص اپنی بیوی سے اس کی پارسائی کا حلف اٹھوا سکتا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ماننے سے انکاری ہو...... کہتا ہے وہ کیا نہیں کر سکتا۔"

"بیگم بھی تو کھوٹا سکہ ہی تھیں۔" حرا نے مضحکہ اڑایا۔

"آپ کچھ بھی کہیں آپا...... مگر یاد رکھیے کہ میں اب لوٹ کر اس گھر میں جانے والی نہیں۔" آپا ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئیں کیسی نازک' کومل اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی حرا' تقدیر کے ہاتھوں مات کھا گئی کاش اس نقطے پر وہ خود بھی غور کر لیتیں کہ غفران انکل کو سارا زمانہ چھوڑ کر آخر اتنی دور رشتہ کرنے کی کیا پڑی تھی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ عمران ان سے ہٹ کر کچھ کر سکے گا اور اگر تمہیں سمجھا بجھا کر لوٹا بھی دیا جائے تو ان کے حوصلے اور بلند ہو جائیں گے۔"

"ہاں بیٹے کی کمی پوری کرنے کا ذمہ جو اٹھایا تھا۔" حرا کی آواز بھرا گئی۔

❁......❁......❁

نہ جانے کیسے وہ سب عمران کی مردانہ انا کو جگانے میں کامیاب ہو گئے تھے وہ اس روز کال کر کے چیخا دہاڑا۔

"کس سے پوچھ کر تم نے گھر کی دہلیز پار کی ہے؟" وہ یقیناً بے خبر تھا اس نے مختصراً بتانا چاہا مگر اس نے خاک نہ مان کے دیا۔

"تم جھوٹ بولتی ہو اس روز بھی وہ صرف تمہیں پیسے دینا چاہ رہے تھے مگر تم عزت کے قابل ہی نہیں ہو۔" حرا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"تو میں بھی تمہیں ہزار دیتی ہوں اپنی بہنوں کو میرے بھائیوں کے حوالے کر دو۔" اس نے کھٹ سے کال منقطع کی تھی پھر موبائل بجتا رہا اس نے کال ریسیو ہی نہ کی۔ مختلف نمبر سے کالز آئیں اس نے موبائل ہی آف کر دیا پھر عمران کا ایس ایم ایس آیا۔

"جب تک چاہے میکے میں بیٹھو مگر یہ یاد رکھنا کہ میں تمہیں لینے نہیں آؤں گا۔" اسے خاک بھی پروانہ تھی وہ جانتی تھی یہ اکڑ غرور اور طنطنہ سب پیسے کی بدولت ہے۔

❁......❁......❁

نہ جانے کتنے دن گزر گئے' مشکل لمحات میں لگتا ہے کہ وقت ٹھہر سا جاتا ہے۔ اس نے امی کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کچھ معاملات الجھے ہوئے ہیں ممکن ہے ٹرمینیشن مل جائے ان کے انداز و اطوار قابل گرفت تھے اور وہ خود بھی جانچ گئے تھے کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے آفس سے جو کچھ ملا' اس نے بینک میں جمع رہنے دیا۔ گھر کی دال روٹی تو چل ہی رہی تھی' مکان کے آدھے پورشن کے رینٹ سے اس کے پاس ابھی زاد راہ باقی تھا اور امیدیں۔ ارم نے اشتہارات دیکھ کر کئی جگہ سی وی بھیجی تو تھی مناسب نوکری بھی اتنی آسانی سے کہاں ملتی ہے مگر اب بدلتے چہروں کا مفہوم خوب سمجھ آ گیا تھا یقیناً گھر سے

نکلنے والی ہر لڑکی کو ایسے ہی اندھے کھوہ سے احتیاط لازم ہے۔ غفران صدیقی جیسے لوگوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔

اس روز علی الصبح اک ایس ایم ایس آیا تو وہ دنگ رہ گئی پھر جانے کیا سوچ کر ریپلائی دے دیا۔ وہ صدیقی کی بہو حرا تھی اور جو کچھ اس نے کہا ارم کو لگا دنیا اس کے سامنے گول گول گھوم رہی ہے چور اپنے ہی گھر میں نقب لگا رہا تھا مگر اس نے ارم سے کیوں رابطہ کیا تھا۔

''آپ کو میرا نمبر کس نے دیا اور آپ چاہتی کیا ہیں؟''

''سسر صاحب کے موبائل سے لیا تھا اگر آپ میرا ساتھ دیں تو ہم مل کر ان کے باس کو بتاتے ہیں کہ انہوں نے ایک بڑی سیٹ پر کتنا نیچ اور گھٹیا انسان بٹھا رکھا ہے۔''

''اس سے کیا ہوگا؟'' اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''ان کی ذلت اور بے کاری' سارے گھر کا شیرازہ بکھر جائے گا۔''

''اس سے ہمیں کیا حاصل ہوگا؟'' حرا سٹپٹا کر خاموش ہوگئی ارم نے پھر کہا۔

''میں بھی اگر چاہتی تو بگ باس کے سامنے ان کے کچے چٹھے کھول کر رکھ دیتی' ایک عورت کا ایسا بیان معتبر ہوتا ہے' ان کی تیس سالہ ساکھ کا جلوس نکل جاتا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ میں نے اسی وقت اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردیا تھا۔ آپ نے پڑھا ہوگا اس سے مت ڈرو جو بدلہ لے سکتا ہے' ڈرو اس سے جو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردیتا ہے بے شک اللہ کا فیصلہ ہمارے فیصلے سے بہتر ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں مگر جو کچھ اس نے کیا اس کا صلہ بھی تو ہونا چاہیے۔''

''عورت کی عزت نازک ہوتی ہے اگر وہ آپ کو جھٹلا دیں یا اس سب کا الزام آپ پر رکھ دیں تو دس میں سے دو آپ کو بھی برا کہہ سکتے ہیں۔''

''آپ سچ کہتی ہیں کیچڑ میں اینٹ مارنے سے چھینٹیں خود پر بھی آتی ہیں۔''

''آپ بھی اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کریں اور یقین رکھیں کہ وہ ہر قدم پر آپ کے ساتھ ہوگا۔''

''آپ کوئی اچھا مشورہ تو دے ہی سکتی ہیں۔''

''اگر آپ کے کیس سے سسر کی بدنیتی نکال دی جائے تب بھی بقیہ معاملات قابل گرفت ہیں' باقی آپ بہتر سمجھتی ہیں۔'' وہ سمجھ سکتی تھی پر وہ افسانہ تھا جسے انجام تک پہنچانا ناممکن تھا۔ اس کا کھونٹا ہی مضبوط نہ تھا وہ کس برتے پر قدم جما سکے گی' ارم کی باتیں اسے ایک مضبوط سلجھی ہوئی لڑکی ثابت کررہی تھیں۔ اس کی بابت سسر صاحب نے جو کچھ کہہ رکھا تھا اس سب پر یقین تو اسے پہلے بھی نہ تھا اسے جھجکتے ہوئے بتانا پڑا۔

''میں ان کی گھٹیا نیچر کو جانتی ہوں' وہ اس سے زیادہ بھی کہہ سکتے ہیں خیر اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ ذرا سوچو اگر وہ مجھ پر کسی غبن یا چوری کا الزام رکھ کر ٹرمینیشن کروا دیتے تو میری کیا عزت رہ جاتی۔'' حرا کانپ کر رہ گئی سچ ہی تھا غفران صدیقی جیسے لوگوں سے کچھ بھی بعید نہیں رہتا۔

''اگر تم صرف اس شخص کی چال دیکھو تو تمہیں اندازہ ہو کہ اسے خود پر' اپنی پوسٹ پر' کتنا غرور ہے کیونکہ وہ بھول بیٹھا ہے کہ سب کچھ نہیں رہ جائے گا۔''

ارم سے بات کرکے حرا کا اندر ہلکا پھلکا ہوگیا تھا اسے لگا جیسے اس کے آس پاس کا سارا غبار ڈھل کر سب کچھ نکھرتا جارہا ہے۔ اتنے دنوں کا کرب ہاں اور نہ کے مابین کی کشمکش اضطراب کی ایک بے نام جان لیوا کیفیت اور خودی بے آسرا ہ جانے کا خوف' سب کچھ مٹتا جارہا ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

وہ انہی دنوں میں سے ایک دن تھا' غفران صدیقی اپنے روم کی چیزیں ادھر اُدھر کرتے جانے کس چیز کی کھوج میں تھے۔ ڈھیر سارے کام کا انبار ان کے سر آن پڑا تھا' انہوں نے کس غرور سے بگ باس سے کہا تھا کہ انہیں اس غیر ذمہ دار لڑکی کی ضرورت نہیں ہے اگرچہ تنکا اپنی داڑھی میں تھا اب بھی پیپرز سے الجھتے ہوئے کچھ پرانے پیپرز ان کے ہاتھ لگ گئے تھے انہوں نے پیون کے لیے بیل بجائی پھر وہ پیپرز دیکھنے لگے اور ٹائپ شدہ پیپرز پر ایک چھوٹی سی چٹ' ہاں وہ ارم ہی کی لکھائی تھی موٹے فریم کا چشمہ درست کیا' بغور پڑھا' لکھا تھا۔

''سب رہ جائے گا۔'' ایک چھوٹا سا جملہ انہیں لگا ان کے اندر توڑ پھوڑ ہورہی ہے پھر ان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ چاروں سمت ایک ہی جملہ گردش کررہا تھا سب رہ جائے گا اور وہی لمحہ شاید احتساب کا تھا' وہ اپنی خطاؤں کا شمار کرتے تو گنتی بھول جاتے' دل کی دھڑکن اور بڑھی' مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا' بائیں جانب درد شدید تر تھا۔ انسان اس دنیا اس زندگی کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا اور زندگی وہ بے وفا کہ گھنٹوں

میں زمین کے اندر اتار دیتی ہے۔ نام' عزت' مرتبہ' پیسہ سب رہ جائے گا' ساتھ رہے گا تو بس اعمال نامہ جو سارا کا سارا سیاہ تھا' گناہ' دل آزاری' تکبر و تفاخر' بے قابو نفس' ہاں وہ نفس کا غلام تھا اس کا باطن کریہہ تھا شاید اس کی خطائیں' ناقابل معافی تھیں۔

دنیا گول گول گھومنے لگی تھی انہیں لگا ان کی سانسیں' اپنی رفتار بھول رہی ہیں۔ کیا صرف کچھ لمحے جو تدارک' تلافی یا معافی ہی سہی۔ بس کچھ پل وہ جانے کس کس کے گناہ گار تھے مگر معافی کی مہلت بھی شاید خوش بختوں کو نصیب ہوتی ہے۔

دھڑکنوں کا زیروبم ٹوٹ رہا تھا' وجود ڈھیلا پڑتا جا رہا تھا کشادہ سرمئی آنکھیں' کسی نادیدہ نقطے پر جم گئی تھیں۔ انہوں نے کسی کو پکارنا چاہا مگر وجود حرکت سے انکاری تھا' گردن ڈھلک گئی اسی لمحے پیون نے ان کے کمرے میں قدم رکھا اور ان پر نظر پڑتے ہی الٹے قدموں واپس بھاگا تھا۔

✿......✿......✿

ارم دوپہر کی نیند لے کر صحن تک آئی تو امی عصر کے بعد تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں۔ اس نے قریب بیٹھ کر پاس رکھے جگ سے پانی انڈیل کر پیا پھر کسیلا سا منہ بنا کر کہا۔

"پانی کا ذائقہ کیسا عجیب سا ہے امی؟"

"کھارا پانی' جگ میں انڈیل کر رکھا تھا نمک بیٹھے تو شاید پینے کے قابل ہو سکے' لائنوں کے میٹھے پانی کا تو دور دور تک نام و نشان نہیں شاید دور دور تک ڈھونڈ کر نامراد لوٹ آیا میٹھا پانی کہیں نہیں ملا۔"

"میٹھا پانی ندارد اور کھارا نایاب' بارشیں نہ ہونے سے زمین خشک' زمین کا پانی بھی کئی فٹ نیچے چلا گیا ہے۔" ارم نے برا سا منہ بنا کر پانی اگل دیا' پانی کے اسی بحران کے سبب وہ اکثر سوچتی کہ اپنی سیونگ کو ہوا دکھائے مگر یہ بے روزگاری جانے کتنے دن اور چلتی اور وہ بس سوچ کر رہ جاتی۔

"اللہ ہی سمجھے خوش بختوں کو' جن جن کے گھر بورنگ ہے وہ بھی پانی سو نخروں سے دیتے ہیں جیسے پانی نہیں قرض مانگا ہو۔" امی کا دل جلا ہوا تھا۔

"پانی تو عین باعث اجر و ثواب ہے امی۔"

"ہاں مگر کون سمجھتا ہے سب ہی کے گھر تنگی ہے' جن کے ہاتھ چار پیسے ہیں کنواں کھدوا کر پانی کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔" امی کی بات درمیان میں تھی جب پاس پڑے موبائل کی ایس ایم ایس ٹون بجی' ارم نے اٹھا کر پڑھا گلے ہی پل اس کی آنکھیں پھیل گئیں' لب بھینچ گئے۔ کچھ سوچ کر حرا کا نمبر پش کیا۔

"خبر کنفرم ہے؟" ارم نے پوچھا۔

"ہاں دل کا اٹیک تھا' ایک ہفتہ آئی سی یو میں رہ کر آج صبح انتقال ہوا ہے۔"

اور یہی زندگی کی حقیقت ہے چلتا پھرتا انسان خبر بن کر رہ جاتا ہے' چاہے وہ غفران صدیقی ہو یا کوئی اور......

"تمہارا کیا بنا؟" اس نے مزید پوچھا۔

"خلع کا کیس دائر کیا تھا سب منہ چھپا کر بیٹھے ہیں' تین نوٹس پر فیصلہ میرے حق میں ہو گیا' کبھی کبھی کچھ ہونے سے کچھ نہ ہونا بہتر ہوتا ہے۔"

"اب کیا ارادے ہیں؟ اگلا چانس بنے تو سوچنا ضرور' زندگی کسی ٹریجڈی کی نذر کر دینا حماقت ہے۔" ارم جانتی تھی ٹوٹی بکھری لڑکیوں کو سمیٹنا دشوار ہوتا ہے مگر بالآخر وہ بہل ہی جاتی ہیں۔

"وہ اور لوگ ہوتے ہیں' زندگی جن کے نام کر دی جاتی ہے کم از کم یہ فیملی اس قابل نہیں تھی۔" حرا کے لہجے میں حقارت اُمڈ آئی تھی' اس نے سکھ کا سانس لیا موبائل آف کر کے کچھ دیر سوچا۔

"زمین کی کھدائی سے پانی نکالنے میں کتنا خرچ ہے امی۔" مگر امی اپنی ہی دھن میں تھیں۔

"ارے دس بیس ہزار کا خرچ ہوتا تو کب کا کر لیتے' پتھریلی زمین ہے مشین سے کھدائی ہو گی' ستر سے اسی ہزار کا خرچ آ جاتا ہے۔"

"بھیا سے کہیے کام شروع کروائیں اتنا تو میرے اکاؤنٹ سے نکل ہی آئے گا۔"

"لیکن بیٹی......" وہ ٹھٹک اٹھیں' مگر ارم فیصلہ کر چکی تھی۔

"پانی لگوانا صدقہ جاریہ ہے امی' کہتے ہیں جس انسان کی بخشش مشکوک ہو اس کے نام سے پانی لگوا کر صدقہ کرو' میں بھی یہی کروں گی۔" ارم مضبوط لہجے میں کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور امی حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

وہ شام کے دھندلکے کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے تھے' داخلی دروازے کے بائیں طرف موٹر سائیکل کھڑی کی اور سرسری سی نظر صحن کی طرف ڈالی' سامنے وہ ہی منظر تھا' جس سے وہ برسوں سے آشنا تھے۔ بڑا سا جامن کا درخت اور اس کی گھنی شاخوں کے پیچھے سورج کی الوداعی کرنیں اور ان مدھم ہوتی کرنوں کی تلخ تمازت سے بچنے کے لیے جامن کی چھاؤں میں بیٹھے پھول سے بچے۔

یہ منظر جوانی سے ان کی آنکھوں میں سمایا ہوا تھا' بارہ جماعتیں پاس کرکے وہ ریلوے میں ملازم بھرتی ہوئے تھے۔ وہ ''چھپڑ کنڈے'' گاؤں کے پہلے افسر تھے مگر اس افسری نے ان کی گردن کو فخر وانبساط سے اکڑایا نہیں تھا بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ نرم خو ہوگئے تھے۔

اپنے استادوں سے انہوں نے سیکھا تھا کہ علم ایک شمع ہے جس کا مقصد اندھیرا دور کرنا ہوتا ہے اور ناخواندگی' جہالت کا ایسا اندھیرا ہے جو دھیرے دھیرے رگوں میں اترتا ہوا' ہمارے ملک کی بنیادوں تک پہنچ کر پورے وجود کو تاریک کردے گا۔ اس سبق کو انہوں نے افسری کے رعب تلے دبنے نہیں دیا تھا بلکہ افسری کے ساتھ ساتھ دوات اور تختی سے بھی ناطہ جوڑ لیا تھا اب وہ دوات کی سیاہی سے علم کا اجالا طلوع کرنے کے لیے کوشاں تھے۔

شام ڈھلے افسر جمال دین کی واپسی ہوتی اور صحن میں پاؤں رکھتے ہی وہ ماسٹر جی بن جاتے تھے۔ صحن کے وسط میں جامن کی چھاؤں تلے بچوں کی کھیپ ان کی منتظر ہوتی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی ان کے سارے دن کی تھکاوٹ اڑن چھو ہوجاتی اور چہرے پر مسکراہٹ بکھر جاتی' اسی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ وہ جامن تلے آن بیٹھتے' ٹھنڈا پانی اور چائے انہیں وہیں مل جاتی۔ ٹھنڈے پانی سے تازگی اور چائے سے چستی کشید کرکے وہ ایک نئے روپ میں آجاتے۔ وہ بڑی سادگی کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے بچوں کی تختیاں صاف کرنے کا آغاز کرتے' روز کا یہی معمول تھا ان کا' جس کے وہ بھی عادی تھے اور بچے بھی۔

وقت کا کام ہوتا ہے گزر جانا چاہے کوئی اس کی قدر کرے یا نہ کرے وہ تو چپکے سے بنا کوئی آہٹ کیے گزر جاتا ہے۔ ماسٹر جمال دین سے علم کی روشنی پانے والے بچے اب خود ایک روشن شمع کا روپ دھار چکے تھے' جو بھی جامن کی چھاؤں سے رخصت ہوا اس کے دامن سے ماسٹر جمال دین نے وفا کا ایک عہد باندھ دیا' ہر جانے والا سوال کرتا۔

''ماسٹر جی...... آپ کو کیسے پتا چلے گا کہ ہم نے عہد پورا کیا؟'' ماسٹر صاحب کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل جاتی' وہ مقابل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے لب کشائی کرتے۔

''گلشن میں کہیں بھی پھول کھلے باغباں تک خوشبو پہنچ جاتی ہے کیونکہ اس نے ہر پودے کو اپنے لہو سے سینچا ہوتا ہے۔'' کوئی سمجھ کر سر ہلا دیتا اور کوئی ناسمجھی سے مسکرا دیتا۔

آج بھی ان کا صحن آباد تھا' جامن کی چھاؤں تلے آج بھی پھول سے بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ بچوں کو دیکھ کر ان کے چہرے پر جو مسکراہٹ ابھری تھی' دوسرا منظر دیکھ کر معدوم ہوگئی تھی۔ بچوں سے کچھ فاصلے پر لکڑی کی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھا ہوا وجود ان کا اکلوتا بیٹا عبدالماجد تھا۔ ہاتھ میں موبائل پکڑے' انگلیاں تیزی سے چلانے میں مصروف' اس بات سے بے خبر کہ اس سے چند فاصلے پر کھڑے باپ کی آنکھوں میں کیسی خاموشی تھی' ایک جامد تلخ سی چپ نے ان کے وجود کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتے ہوئے اس کی پشت پر آن کھڑے ہوئے اور اپنا پُرحدت ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا' اس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور ہڑبڑا کے موبائل جیب میں رکھ لیا۔

''بیٹا جی...... ایسی بھی کیا بے خبری کہ گھر میں آنے جانے والوں کا احساس بھی نہ ہو۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں اسے سرزنش کی۔

''وہ آپ موٹر سائیکل گلی کے موڑ پر ہی بند کردیتے ہیں اس لیے آواز ہی نہیں آئی اور گھر کا دروازہ بھی بچوں کے آنے جانے کے لیے کھلا ہوتا ہے۔'' اس نے جھٹ سے ناسمجھی میں گھڑا ہوا ایک بودا سا جواز پیش کیا۔

''عبدالماجد...... میں نے کبھی یہ پسند نہیں کیا کہ میرے آنے پر آپ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوجائیں' میری آپ سے صرف ایک ہی التماس ہوتی ہے کہ آپ اپنے فرض پورا

کریں۔" انھوں نے تاسف بھرے انداز میں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے اپنے فرزند کو دیکھا جو اُن کی کسی بھی بات کو سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔

"ابا جان...... یہ اتنا جنجال پورہ میں نے آپ کی خواہش پر رکھا ہوا ہے اور آپ بھی جانتے ہیں مجھے اس سب میں دلچسپی نہیں......" اس کے لہجے کی اکتاہٹ بھرپور طریقے سے محسوس ہورہی تھی۔

"بیٹا جی! میں نے تو یہ ہی پڑھا اور سیکھا ہے کہ علم قرضہ ہے جب تک اسے لوٹا نہ دو تب تک بخشش ممکن نہیں۔ ایک لفظ بھی پڑھ لو تو اس کو آگے پڑھاؤ اور تم نے سولہ سال پڑھا ہے' کیسے یہ قرضہ ادا کرو گے؟" اس کے لہجے کی اکتاہٹ بھرپور طریقے سے محسوس ہورہی تھی۔

❀......❀......❀

رات کا پچھلا پہر تھا' چاند بھی اپنا سفر مکمل کرکے واپسی کی راہ پر گامزن تھا مگر وہ شاید اپنی واپسی کا سفر بھول گئے تھے۔

ایک چاند تنہا کھڑا رہا' میرے آسماں سے ذرا پرے
میرے ساتھ ساتھ سفر میں تھا' میری منزلوں سے ذرا پرے

چاند کی مدھم روشنی ماسٹر صاحب کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیے شاید سرگوشیاں کررہی تھی کہ رات کا مسافر جارہا ہے' چلو تم بھی اب اپنی بوجھل آنکھوں کے دکھ آنے والے کل کے دامن میں رکھ دو۔ ان کی آنکھوں میں نیند کی بجائے حزن کے بادل چھائے ہوئے تھے' آمنہ بیگم تہجد کے لیے اٹھیں تو ان کی حالت دیکھ کر چونک گئیں' آہستگی سے اٹھیں اور جاکر ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

"کیا بات ہے ماسٹر جی! یہ بے سبب بے کلی کیوں؟ لگتا ہے آج پھر رات آنکھوں میں کاٹ دی۔" نصف بہتر کی نرم آواز نے انہیں سوچوں کے بھنور سے واپس کھینچ لیا تھا۔ ماسٹر جی اداس چہرے اور نم آنکھوں کے ساتھ' بھرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"زوجہ محترمہ...... ہم تو یہ سوچنے میں مصروف ہیں کہ دوسروں کو ادب پڑھاتے اور سکھاتے ہم سے کہاں بھول ہوگئی کہ اپنے گھر کے چراغ کو آدابِ زندگی ہی نہ سکھا پائے۔ اس کے اندر علم کی وہ جوت ہی نہ جگا سکے جو ہم دوسروں کی ویران زندگیوں میں جگاتے رہے ہیں۔" ان کی سوالیہ نظریں بیگم پر جمی ہوئی تھیں کہ شاید وہاں سے کوئی حرف تسلی مل جائے جس سے روح کی بے قراری کو قرار آجائے' اندر کے زخم زخم وجود کے لیے ان کا کہا ہوا مرہم بن جائے۔

"جوان خون ہے ماسٹر جی! جوش مار رہا ہے' اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں' اس کے آگے بندھ باندھیں گے تو کچھ غلط کردے گا۔" یہ کہتے ہوئے آمنہ بیگم کا دل ہی نہیں پورا وجود بھی موہوم سے اندیشوں سے لرز رہا تھا۔

"چیز پکنے کے لیے چولہے پر ضرور رکھتے ہیں مگر تب تک ہی' جب تک پکنے والی چیز سانچے کے اندر رہے اگر چولہا بند نہ کیا جائے تو ساری محنت اکارت چلی جاتی ہے۔ جوانی کا بھی یہ ہی عالم ہے آمنہ بیگم! اس کو اتنا ہی جوش دلانا چاہیے جتنی حد ہو ورنہ بگڑی ہوئی جوانی سب برباد کردیتی ہے۔" ان کا لہجہ حددرجہ تھکن کا غماز تھا۔

"وہ یورپ جانا چاہتا ہے تو جانے دیں' ہم کب تک اسے نصیحت کے پنجرے میں قید کرسکیں گے' اس طرح تو ہم اسے کھو دیں گے۔" آمنہ بیگم کے لہجے میں ڈری سہمی ممتا بول رہی تھی۔

"میرے وطن عزیز میں کسی چیز کی کمی ہے جو وہ غیروں کے ہاتھوں ہتک اور ذلت کمانے جائے گا' یہاں کی عزت کی زندگی

اس کو منظور نہیں ہے کیا جو وہ رسوا ہونے کے لیے ان لوگوں کے پاس جانا چاہتا ہے جن کا وطیرہ ہی پشت پرور کرنا ہے۔" حلیم مزاج ماسٹر جی کے لہجے میں پہلی بار آ منہ بیگم کو غصے کی جھلک نظر آئی تھی۔

اچانک انہیں احساس ہوا کہ وہ کسی کا غصہ کسی اور پر نکال رہے ہیں انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور تہجد کے لیے اٹھ گئے بحث ایک مرتبہ پھر لا حاصل ٹھہری تھی۔

❀......❀......❀

"چھپڑ کنڈے" گاؤں کا سب سے اونچا جامن کا درخت بالکل سنسان اور ویران کھڑا تھا کیونکہ آج اس کی سماعتیں "الف سے انار" اور "آ سے آم" جیسی پرجوش آوازوں سے محروم تھیں۔

"چھپڑ کنڈے" گاؤں کا ہر گھر اداس اور پریشان تھا' ماسٹر جمال دین کے گھرانے نے اپنا عہد توڑ دیا تھا۔ ان کے گھرانے نے مستقبل کے جوش سے منہ پھیر لیا تھا اور یہ خبر سارے گاؤں کے لیے ایک قیامت تھی۔

دکھ کا پہاڑ تو ماسٹر جمال دین پر ٹوٹا تھا جب انہوں نے یہ تلخ اور اذیت ناک فیصلہ کیا تھا' اپنی موت تک شمع بنے رہنے کا عزم میں زندگی میں ہی خاک ہو گیا تھا۔ شکستگی ان کے انگ انگ سے جھلک رہی تھی' انہوں نے اپنے لخت جگر کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ناکامی نے ان کا منہ چڑایا۔ ان حالات میں بہترین فیصلہ یہ ہی تھا کہ وہ اپنے عزم سے رخ موڑ لیتے' وہ ساری عمر ہر بچے کو انگلی پکڑ کر پڑھتے رہے تھے تو اب کیسے برداشت کرتے کہ معصوم ذہن جامن کی چھاؤں تلے بیٹھ کے "سلمان اور ٹیوب لائٹ" کی باتیں کریں' انہیں سب منظور تھا مگر خیانت نہیں' کبھی نہیں...... کسی صورت بھی نہیں۔

شام رات میں ڈھلی اور اندھیرے نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا' ان کا اپنا وجود بھی اس سیاہی میں مدغم ہو چکا تھا مگر وہ دم سادھے وہیں بیٹھے رہے اور ہوا کی سرسراہٹ سے "ایے فار ایپل" کی سرگوشیاں سنتے رہے۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھے جب عبدالماجد ان کے سامنے آن کھڑا ہوا' خوشی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی' باپ کو رنجیدہ بیٹھے دیکھ کر مسکراہٹ لبوں کے پیچھے غائب سی ہو گئی۔ ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذات غیر محسوس طریقے سے ہتھیلی میں چھپانے کی ناکام کوشش کی۔ نیم مردہ قدموں سے چلتا ہوا وہ ان کے پہلو میں آن بیٹھا' چند پل یونہی گزر گئے انہوں نے بلایا اور نہ ہی نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا' ان کی بے رخی کسی برچھی کی طرح اس کے دل سے آر پار ہوئی تھی۔

"ابا جان...... میرا ٹکٹ کنفرم ہو گیا ہے' سحری کے وقت نکلنا ہے۔" اس نے بڑی آس اور امید کے ساتھ ان کو مخاطب کیا تھا۔ انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا اور ہولے سے سر کو ہلا کے دوبارہ سے رخ موڑ لیا۔ چند ثانیے خاموشی سارے آنگن میں رقص کرتی رہی' کچھ دیر بعد خاموشی ٹوٹی وہ لہور رنگ لہجے میں بولے۔

ہر طرف خون ہی خون تھا' زمین کو لہو کی سرخی سے رنگ دیا گیا اور ظلم کی وہ داستان لکھی گئی' جس کو رقم کرتے ہوئے مورخ کے ہاتھ کانپ گئے۔

"دہلی سے ایک ریل گاڑی چلی جس کے اندر 'پاکستان کا مطلب...... لا الہ اللہ' کے فلک بوس نعرے تھے' اس ریل گاڑی کا ہر مسافر کوئی نہ کوئی قربانی دے کر آیا تھا۔ کسی نے لاکھوں کی جائیدادیں چھوڑیں' کسی نے بوڑھے معذور والدین' کسی نے جوان بیٹیوں کے گلے گھونٹ کر کچے آنگنوں میں تازہ قبریں کھودیں جو بے نام و نشان رہ گئیں اور کسی نے اپنا سہاگ "لا الہ اللہ" کا نعرہ لگانے کی پاداش میں کھو دیا۔ یہ لٹا پٹا قافلہ چلتا رہا اور لوگوں کا سیلاب اس قافلے کے سنگ ہوتا گیا' ریل گاڑی کے اندر ہی نہیں اوپر بھی انسان ہی انسان تھے' تھکے ماندے لٹے پٹے' آنسوؤں اور خون میں ڈوبے انسان' راستے میں ٹرین پر حملے ہوتے' لاشیں گرتی رہتیں لیکن ریل گاڑی دھواں اگلتی' خون میں نہاتی چلتی رہی آخر کار یہ ریل گاڑی آخری پڑاؤ پر رکی اور یہ سنگین غلطی تھی۔ تلواریں اور برچھیاں تھامے گروہ در گروہ لوگ اس ریل گاڑی میں آن گھسے اور ایک قیامت برپا کر دی گئی۔ اللہ کا نام لینے والی زبانوں کو کاٹ دیا گیا' نعرے کی محبت اور تائید کے لیے اٹھتے ہاتھوں کو کاٹ دیا گیا۔ عزتوں کو سینچ کے رکھنے والی عورتوں کو قیامت تک کے لیے دردناک اذیت میں مبتلا کر دیا گیا تھا۔"

ماسٹر جمال دین کی آواز لڑکھڑا گئی تو انہوں نے چند لمحے کے لیے خاموشی اختیار کر لی۔ ان کے ساتھ بیٹھا وجود ان ساری باتوں کا لب لباب تو سمجھ نہیں پا رہا تھا لیکن ماسٹر جی کے لہجے میں چھپی دردناک اذیت اس کے رگ و پے میں ضرور اتر رہی تھی' ماسٹر جی نے ایک لمبی سانس لی اور دوبارہ سے بولنا شروع کیا۔

"سارا قافلہ بھیڑ بکریوں کی طرح کاٹ دیا گیا اور لاشوں سے بھری یہ ریل گاڑی باقاعدہ لاہور بھیج دی گئی۔ لوگوں کو کئی دنوں سے اس قافلے کا انتظار تھا جب گاڑی آ کر رکی تو اندر کا منظر کسی بھی ذی روح کی برداشت سے باہر تھا۔ ایک کہرام تھا جو برپا ہوا تھا ایک قیامت تھی جو توڑی گئی تھی۔ خواب دیکھنے کی اتنی بھیانک سزا ملی تھی' اس تباہ شدہ قافلے سے خون سے نہائی ہوئی ریل گاڑی میں سے چند لوگ ہی زندہ نکلے جن میں ایک بچہ بھی تھا۔" ماسٹر جی کی آنکھوں میں ایک منہ زور سیلاب تھا' جو رکنے یا تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا اور عبدالماجد حیرت زدہ سب سمجھنے کی تگ ودو میں مصروف تھا۔

"جانتے ہو عبدالماجد...... وہ بچہ کون تھا؟" ماسٹر صاحب نے رندھی ہوئی آواز میں اس سے سوال کیا' اس نے ناسمجھی سے سر کونفی میں دائیں بائیں حرکت دی۔

"وہ بچہ میں تھا۔" ماسٹر صاحب نے گویا بلکتے ہوئے کہانی کا اختتام کیا۔ عبدالماجد حیرانی کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا' اس کی ساری بے فکری باپ کے آنسوؤں میں ڈوب چکی تھی' اس نے جلدی سے باپ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا تھا۔

"یہ مٹی بہت مہربان ہے بیٹا...... ماں سی ممتا اس مٹی کے ہر ذرے میں ہے' چند ماہ کے بچے کو اس مٹی نے آفتاب بنا دیا۔ مجھ پر اس دھرتی کے اتنے قرض ہیں کہ سو بار بھی پیدا ہوں اور قرض اتارنے کی کوشش کروں تو نہ اتار سکوں۔ میں نے اپنا قرض تمہیں سونپنا چاہا تھا مگر میں یہ کیسے بھول گیا کہ قرض تو اپنا اپنا ہوتا ہے' کوئی ادا کرتا ہے اور کوئی دغا کرتا ہے۔" انہوں نے اپنے شکستہ وجود کے ساتھ کمرے کا رخ کیا اور پیچھے عبدالماجد اپنے ہاتھ پر گرے باپ کے آنسوؤں کو دیکھ رہا تھا۔

❁......❁......❁

وہ صبح عبدالماجد سے ملے بغیر گھر سے نکل آئے تھے اور اس بات کا انہیں کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ وہ وطن پر سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھتے تھے' اب شام کو واپس جاتے ہوئے انہیں گھر کے راستے اداسی میں لپٹے ہوئے محسوس ہو رہے تھے مگر حب الوطنی انہیں مطمئن کیے ہوئے تھی۔ انہوں نے شکستہ دلی سے گھر کا دروازہ کھولا' ہمیشہ کی طرح بائیں طرف موٹر سائیکل کھڑی کی اور سرسری سی نظر جامن کی گھنی شاخوں تلے ڈالی۔ نظر کا بندھ جانا کیا ہوتا ہے یہ اس لمحے انہوں نے بخوبی جان لیا تھا' جامن کی چھاؤں میں بے شمار بچے بیٹھے تھے اور ان سے کچھ فاصلے پر کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے عبدالماجد براجمان تھا مگر اس دفعہ ہاتھ میں موبائل نہیں بلکہ دوات اور تختی تھی۔ انہوں نے نم آنکھوں سے اس کی طرف قدم بڑھائے اور اس کی پشت پر جا کھڑے ہوئے' آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی بھرپور محبت کا اظہار کیا اس نے چونک کر باپ کو دیکھا اور ادب سے کھڑا ہو گیا۔ ماسٹر جمال دین خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے کہ اچانک وہ ان کے گلے لگ گیا اور کان میں ہلکے سے سرگوشی کی۔

"یہ وطن ہمارا ہے ہم ہیں پاسباں اس کے۔" ماسٹر صاحب کے چہرے پر اطمینان کی لہر چھا گئی تھی' انہوں نے اپنا قرض اگلی نسل میں منتقل کر دیا تھا۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں مگن تھے جب انہیں عبدالماجد کی آواز سنائی دی۔

"آج سے روزانہ ابا جان' ہمیں ایک اچھی بات بتایا کریں گے' ٹھیک ہے ناں بچو؟" سب بچوں نے زور وشور سے سر ہلایا اور ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہمارے اللہ نے ہمیں پہلا لفظ "اقرا" سکھایا جس کا مطلب ہے "پڑھ" اللہ تعالیٰ نے ہر چیز ہی تمام بنی نوع انسانوں کے لیے بنائی' جیسے کہ زمین' پہاڑ اور ان میں چھپی معدنیات' موسم اور پھل' سبزیاں جب ہر چیز سب کے لیے تو علم کو کیوں محدود کریں۔ یہ اقرا لفظ بھی سب کے لیے ہے اور جو یہ لفظ پڑھ لے اس پر فرض ہے ہر کونے تک علم کی شمع لے کر جائے' جب ہم اچھا پڑھیں گے' عمل کریں گے' تب ہی اس مٹی کا قرض ادا کر سکیں گے۔" انہوں نے مستقبل کے معماروں کے ہاتھوں میں ایک نئی کنجی دے دی تھی اب وقت نے ثابت کرنا تھا کہ کون ماسٹر جمال دین بنے گا۔

❁

قسط نمبر 21

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

لالہ رخ مہرو کی گمشدگی پر بے حد متفکر ہوتی ہے ایسے میں مہرو اچانک اس کے سامنے آ جاتی ہے جس پر وہ لالہ رخ کی پریشانی کی وجہ جاننا چاہتی ہے مگر لالہ رخ فی الحال بات کو ٹال جاتی ہے لیکن مومن جان کی طرف سے اسے خدشہ لگا رہتا ہے جب ہی وہ مہرو کو ان کے ساتھ کہیں بھی آنے جانے سے منع کر دیتی ہے۔ جیکولین ماریہ کو نن بنانے کا ارادہ کر لیتی ہے اور اسی مقصد کی خاطر اسے مسٹر جوزف کے پاس بھیج دینا چاہتی ہے جبکہ ابرام اور جیکا یہ سن کر شاکڈ رہ جاتے ہیں ابرام اپنے طور جیکولین کو نرم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ ماریہ کی شادی میک سے کروا دے گا ابرام کی بات پر جیکولین اپنی بات سے پیچھے ہٹ جاتی ہے دونوں شاپنگ کی غرض سے باہر جاتے ہیں تو ان کی ملاقات فراز سے ہوتی ہے ماریہ فراز سے مل کر بے حد پرجوش ہوتی ہے اور اس کے مسلمان ہونے کے متعلق جان کر ایک انجانی سی خوشی محسوس کرتی ہے فراز ماریہ کی ایکسائٹمنٹ پر کچھ الجھ جاتا ہے۔ زرینہ اور زرتاشہ دونوں مہوش کی شادی کے لیے پرجوش ہوتی ہیں لیکن زرتاشہ رات کے فنکشن میں جانے سے کتراتی ہے مگر زرینہ اسے مہندی میں جانے پر آمادہ کر لیتی ہے اور دونوں دوستیں فنکشن اٹینڈ کرنے مہوش کے گھر پہنچ جاتی ہیں۔ سونیا سے ہر کوئی کامیش کے حوالے سے بات کرتا ہے جس پر وہ اکتا جاتی ہے اسے کامیش کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی جبکہ ساحرہ اسے اپنے طور سمجھانے کی کوشش کرتی ہے۔ لالہ رخ فراز سے بات کرتی ہے تو اسے مہرو کے حوالے سے اپنی پریشانی کا بتاتی ہے ایسے میں فراز اسے مشورہ دیتا ہے کہ وہ یہ سب باتیں مہرو کی ماں کو بتا دے تاکہ وہ اپنی بیٹی کو تحفظ فراہم کر سکیں۔ باسل عنایہ کو نظر انداز کرتے مہوش کی شادی کی تقریب میں پہنچ جاتا ہے جہاں زرینہ اور زرتاشہ بھی موجود ہوتی ہیں زرتاشہ پیاس محسوس کرتے جوس کا گلاس اٹھاتی ہے اور واپسی کے لیے زرینہ کی طرف بڑھتی ہے لیکن اس دوران اسے ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁.....❁.....❁

زرتاشہ نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ سختی سے اپنے کانوں پر رکھے اس پل اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کان کے رستے اس کے دماغ میں عجیب و غریب سی ہوا بھر گئی ہو جو اس کی نسوں کو پھاڑ دے گی، سامنے کا منظر بالکل دھندلا گیا تھا اس نے آنکھیں میچ کر دیکھنا چاہا مگر کچھ واضح دکھائی نہیں دے رہا تھا پھر ایک دم اسے پورے جسم میں گرم سی لہریں اٹھتی محسوس ہوئی تھیں، اس نے بمشکل اپنے ڈولتے وجود کو اپنے پیروں پر جمایا اور پھر بنا کچھ سوچے سمجھے وہ تیزی سے وہاں سے نکلی اسی دم دلہا والوں کی طرف سے آئی لڑکیوں کا گروپ دلہا کو دوپٹے کے سائے میں لے کر وہاں آیا تھا۔ زرتاشہ ہر جانب سے بے نیاز ہو کر بس تیزی سے چلی جا رہی تھی۔

''او کے مہوش...... تمہارے دلہا میاں آ رہے ہیں، ایک بار پھر شادی مبارک ہو بس اب ہم جا رہے ہیں۔'' لڑکے والوں کو اسٹیج پر آتا دیکھ کر زرینہ جلدی جلدی مہوش کے قریب آ کر بولی اور پھر تیزی سے اپنی نشست چھوڑ گئی تھی جب کہ مہوش زرینہ کو روک بھی نہیں سکی تھی کیوں کہ سامنے ہی اس کے سسرالی آ دھمکے تھے وہ جلدی سے سر جھکا کر روایتی دلہن بن گئی تھی۔ مسکان اور رمشا دونوں نے فی الحال وہاں سے جانے سے انکار کر دیا تھا لہٰذا اب زرینہ اور زرتاشہ ہی ڈرائیور کے ہمراہ ہاسٹل جانے والی تھیں۔ زرینہ یہ بتانے کے لیے اس جگہ پر واپس آئی جہاں وہ زرتاشہ کو چھوڑ کر گئی تھی، اس نے بے اختیار ادھر ادھر گردن گھما کر زرتاشہ کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں مگر زرتاشہ اسے کہیں نہیں دکھائی دی۔

"اُف یہ اب تاشو کہاں چلی گئی۔" زرمینہ اسے ندارد پا کر بڑبڑائی تھی' ہر جانب شوروغل تھا اسٹیج پر اب دلہا سے نیگ لینے پر خوب شور مچایا جارہا تھا یک دم زرمینہ کو اُلجھن ہونے کے ساتھ ساتھ عجیب طرح کی گھبراہٹ بھی ہونے لگی۔

"یا اللہ یہ تاشو کہاں چلی گئی' میں تو اسے یہی چھوڑ کر گئی تھی۔" پھر زرمینہ کچھ قدم آگے بڑھ کر مختلف میزوں کے ہمراہ رکھی کرسیوں پر نگاہیں دوڑانے لگی کہ شاید زرتاشہ ان میں سے کسی ایک پر بیٹھی ہوئی دکھائی دے جائے' جب ہی عقب سے اسے دلکش سی مردانہ آواز آئی۔

"کیا آپ کسی کو تلاش کر رہی ہیں شاید آپ کی مطلوبہ شخصیت بالکل آپ کے پیچھے ہی کھڑی ہو۔" زرمینہ نے سرعت سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وائٹ شلوار پر گہرے سبز رنگ کے کُرتے اور گردن میں گولڈن سلک کا دوپٹہ ڈالے احمر یزدانی بالکل اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا' زرمینہ کا منہ اس وقت بے ساختہ کڑوا سا ہو گیا۔

"اُفف.....اس وقت اس شخص کو بھی یہاں آنا تھا۔" زرمینہ نے دل میں سوچا آف وائٹ سلک بنارسی کے انگرکھا پر گولڈن چوڑی دار پاجامے پر آف وائٹ اور گولڈن امتزاج کے دوپٹے کو سر پہ جمائے وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی جبکہ میک اپ کے نام پر لائٹ لپ اسٹک ہونٹوں پر لگائے اور آنکھوں پر باریک سی کاجل کی لکیر کھینچے وہ اس سادگی میں بھی قیامت ڈھا رہی تھی' احمر نے انتہائی توصیفی نگاہوں سے اس کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا تو گولڈن نازک سی سینڈل میں مقید سفید پیر اسے خصوصی طور پر متوجہ کر گئے تھے' اس پل احمر کا دل چاہا کہ وہ اس سنڈریلا کے پیروں کو چھو کر اس کی نرماہٹ کو محسوس کرے جب کہ زرمینہ بے قراری سے پورے ہال میں دیکھ رہی تھی اور اس پل احمر کی جانب بالکل بھی متوجہ نہیں تھی وگرنہ احمر کے یوں دیکھنے پر یقیناً کلاس لے لیتی۔

"زرمینہ آپ کسی کو ڈھونڈ رہی ہیں کیا؟" احمر زرمینہ کی کیفیت دیکھ کر اس بار سنجیدگی سے بولا تو زرمینہ نے رخ موڑ کر تیزی سے احمر کو دیکھ کر کہا۔

"آپ نے کہیں زرتاشہ کو دیکھا ہے؟ وہ.....وہ مجھے بہت دیر سے دکھائی نہیں دے رہی' نجانے کہاں چلی گئی۔ یہاں تو وہ کسی کو جانتی بھی نہیں۔" احمر نے اس پل زرمینہ کے ہوائیاں اڑاتے چہرے کو دیکھا تو وہ بھی کچھ پریشان سا ہو گیا۔

❋.........❋.........❋

لالہ رخ انتہائی بے قراری سے کوئی ساتویں مرتبہ زرمینہ کو کال ملا رہی تھی مگر اس بار بھی طویل بیل جانے کے بعد آپریٹر کی مخصوص آواز پر وہ بری طرح جھنجھلا کر فون بند کر گئی۔ لالہ رخ کی بے قراری و اضطراب اپنے نقطہ عروج پر تھا۔

"یا اللہ آخر یہ لڑکی فون کیوں نہیں اٹھا رہی' میں نے ان دونوں سے کہا بھی تھا کہ میں گیارہ بجے فون کروں گی اور اب دیکھو بارہ بجنے کو ہے فون نہیں اٹھا رہی زرمینہ۔" لالہ رخ بے اختیار دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھ کر بے حد پریشانی کے عالم میں خود سے با آواز بلند بولی جو اس پل گیارہ بج کر بیتالیس منٹ کا عندیہ دے رہی تھی۔

"حد ہوتی ہے بے پروائی کی بھی' میں نے کتنی تاکید کی تھی کہ گیارہ بجے تم لوگوں کو لازمی ہاسٹل پہنچ جانا ہے۔" وہ ایک بار پھر خود سے بولی پھر دوبارہ زرمینہ کے موبائل پر کال کرنے لگی' زرتاشہ نے اسے پہلے ہی بتادیا تھا کہ وہ اپنا موبائل ہاسٹل ہی چھوڑ کر جائے گی کیونکہ اس کے موبائل فون کی چارجنگ کا کوئی مسئلہ ہے جو تھوڑی دیر بعد بیٹری آف کر دیتا ہے۔ لالہ رخ نے زرتاشہ کا بھی ایک بار سیل ٹرائی کیا تھا مگر وہ بند تھا' آٹھویں بار بھی جب زرمینہ نے کال پک نہیں کی تو مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہونے لگیں' سینے میں سانسیں جیسے اٹک اٹک سی گئیں۔ کچھ دیر گہری گہری سانسیں لینے کے بعد وہ دو رکعت نمازِ حاجت پڑھنے کی نیت سے باتھ روم کی جانب بڑھی تاکہ وضو کر سکے وہ جب بھی بے حد پریشان یا ہراساں ہوتی فوراً نمازِ حاجت پڑھ کر دعا مانگتی ابھی وہ باتھ روم کے دروازے تک پہنچی ہی تھی کہ اپنے سیل فون کی مخصوص ٹون اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس کے وجود میں بجلی سی بھر گئی وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے بستر کے قریب آئی اور جھپٹ کر فون اٹھایا تو اسکرین پر مہرو کا نام جگمگاتے دیکھ کر وہ مزید الجھ گئی۔

"اتنی رات کو مہرو کا فون کیوں آیا۔" وہ دل ہی دل میں خود سے بولی پھر اگلے ہی پل یس کا بٹن دبا کر کان سے لگا کر فوراً

سے پیشتر بولی۔

''مہرو خیریت ہے اتنی رات کو فون کیسے کیا؟'' لالہ رخ کی بات سن کر مہرو ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی پھر دھیرے سے بولی۔

''میں تو سوگئی تھی لالہ..... مگر ابھی تھوڑی دیر پہلے ابا میرے کمرے میں آئے تھے۔''

''پھوپا کمرے میں آئے تھے؟'' لالہ رخ کے فوراً کان کھڑے ہوگئے اس نے چونک کر گویا خود سے کہا۔

''ہاں لالہ اتنی رات کو مجھے جگا کر وہ یہ کہنے مجھ سے آئے تھے کہ کل دوپہر کو ان کے دوست کے بیٹے کی شادی میں چلنا ہے اب وہ یہ بات مجھ سے صبح بھی تو کہہ سکتے تھے ناں۔'' اس وقت مہرو کے لہجے میں الجھن کو لالہ رخ نے صاف محسوس کیا تھا جب کہ مہرو کے منہ سے یہ بات سن کر اس کی پریشانی دوچند ہوگئی تھی' وہ بے ساختہ بستر پر بیٹھ گئی پھر یک دم ایک تھکن آمیز سانس فضا کے حوالے کی اور قدرے توقف کے بعد حکمیہ لہجے میں بولی۔

''تم کل پھوپا کو صاف منع کردینا مہرو.....'' مہرو نے لالہ رخ کی بات کو بغور سنا پھر پُرسوچ انداز میں گویا ہوئی۔

''پتا نہیں لالہ کیوں' ابا کی اچھائیاں مجھے کچھ الجھا رہی ہیں اور تم..... تم بھی نجانے کیوں مجھے ان کے ساتھ جانے سے منع کرتی رہتی ہو۔'' لالہ رخ بے اختیار دل میں بولی۔

''کیا میں مہرو کو مومن پھوپا کی سچائی بتادوں اگر اسے حقیقت معلوم ہوجائے گی تو کم از کم وہ خطرے کو بھاپ تو سکتی ہے۔''

''بتاؤ ناں لالہ..... آخر تم کیوں مجھے ان کے ساتھ جانے سے منع کرتی ہو جہاں تک میں تمہیں جانتی ہوں لالہ.....''

''دیکھو مہرو' اس وقت مجھے بہت نیند آرہی ہے اور کل آفس بھی جانا ہے اب تم بھی سوجاؤ اور ہاں مومن پھوپا سے کوئی بہانہ کرلینا بلکہ یہ کہہ دینا کہ تمہارے سر میں درد ہے اوکے.....'' وہ اس کی بات کاٹ کر تختی سے کہتی اپنی عجلت بھی اس پر ظاہر کرگئی تھی۔

''مگر لالہ.....!''

''مہرو..... ہم کل بات کریں گے رات بہت ہوگئی ہے اب سوجاؤ اللہ حافظ۔'' لالہ رخ ایک بار پھر اس کی بات درمیان میں ہی قطع کرکے تیزی سے بولتی فون بند کرگئی۔

''یا اللہ..... یہ سب کیا ہورہا ہے' میں کیا کروں۔'' بے ساختہ لالہ رخ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گراتے ہوئے بولی پھر یک دم کچھ یاد آنے پر اس نے وال کلاک کی جانب دیکھا جو رات ساڑھے گیارہ بجے کا اعلان کررہا تھا' لالہ رخ تیزی سے زرمینہ کو فون ملانے لگی۔

❁.....❁.....❁

ڈارک بلو شیفون سوٹ میں سلور ستاروں کا ہلکا سا کام تھا جبکہ ڈارک بلو اور وہائٹ کا کمبینیشن ہوش وحواس سے بیگانہ لڑکی باسل حیات کو پریشانی میں بتلا کرگئی تھی اس نے ایک بار پھر الجھن بھری نگاہوں سے اپنی گاڑی کی فرنٹ سیٹ کے دروازے سے سر ٹکائے اس لڑکی کو دیکھا جس کا دوپٹہ جو ہمہ وقت سر پر جمار ہتا تھا' اس لمحے ڈھلک کر اس کے شانوں سے ہوتا ہوا اس کی گود میں دھرا تھا جب کہ سلیقے سے بنائے گئے بالوں کی کچھ لٹیں اس کے چہرے کو چوم رہی تھیں۔

''او گاڈ میں کیا کروں نجانے اس کی فرینڈ کہاں چلی گئی ہے' اب میں اس لڑکی کا کیا کروں۔'' وہ پریشانی کے عالم میں اپنی پیشانی دو انگلیوں سے رگڑتے ہوئے خود سے با آواز بلند بولا اور اسی پل اسے ابھی تھوڑی دیر پہلے والا واقعہ پوری جزئیات سمیت یاد آ گیا' وہ احمر کی بہن کے نکاح و مہندی کا فنکشن اٹینڈ کرنے کے لیے اپنی گاڑی سے اتر کر اسے لاک ڈہی کررہا تھا جب ہی زرتاشہ پر اس کی نگاہ گئی وہ عجب سی چال چلتی ہوئی وہاں آئی تھی جب کہ اس لمحے اس کا چہرہ ہلدی کی طرح پیلا ہورہا تھا پھر یک دم وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر بس گرنے کو ہی تھی جب ہی بے ساختہ تیزی سے باسل زرتاشہ کی جانب دوڑا تھا' ڈولتی زرتاشہ یک لخت باسل کے کشادہ سینے میں سما گئی تھی اور اسی پل شعور وہوش کی دنیا سے رابطہ منقطع کر بیٹھی تھی جب کہ باسل گم صم سا کھڑا رہ گیا تھا' پارکنگ لاٹ کے اس جانب اندھیرا اور سناٹا ہونے کی وجہ سے وہ فی الحال کسی کی نگاہوں کی زد میں نہیں آئے تھے مگر آ سکتے تھے یہ خیال ذہن میں آتے ہی باسل نے سہولت سے زرتاشہ کے بازوؤں کو نرمی سے تھام کر خود سے علیحدہ کیا اور مجبوراً اپنے وجود کا سہارا دیتے ہوئے اپنی گاڑی میں لاکر اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا تھا۔

''ہیلو مس پلیز آنکھیں کھولیے......ہیلو......'' باسل اس کے کان کے قریب آکر بولا۔
''اوگاڈ اس لڑکی کو نجانے کیا ہوگیا ہے اور نام پتا نہیں کیا ہے اس کا۔'' وہ کوفت زدہ سا ہوکر خود سے بولا اور تقریباً پندرہ منٹ سے وہ اسے ہوش میں لانے کی کافی ترکیبیں آزما چکا تھا مجبوراً اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلایا بھی تھا مگر وہ ہنوز بے ہوش تھی۔
''کیا مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔'' نجانے کیوں گاڑی کی اس تنہائی میں اسے اپنے سنگ اس لڑکی کی موجودگی وہ بھی اس حالت میں کافی ڈسٹرب کررہی تھی۔
''اگر میں اسے اس حالت میں ہاسٹل چھوڑتا ہوں تو نجانے وہاں کیا کیا افسانے بن جائیں خوامخواہ کی بدنامی اس لڑکی کی قسمت میں آجائے گی۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے خود سے بولا تھا جب کہ اندر تقریب میں زرمینہ زرتاشہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اب ہلکان ہونے کے ساتھ ساتھ حواس باختہ ہورہی تھی احمر اس وقت اپنی بہن کا نکاح بھلائے اس کے ساتھ زرتاشہ کو تلاش کررہا تھا۔
''نجانے تاشو کہاں چلی گئی ہم...... میں کیا کروں اب......'' بولتے بولتے زرمینہ اب خود پر مزید قابو نہیں پاسکی تھی' یک دم رو دی' احمر کے تو جیسے ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے وہ بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ کر نسبتاً ایک سنسان کونے میں لے آیا۔
''پلیز زرمینہ کنٹرول یورسیلف' زرتاشہ مل جائیں گی آپ پلیز......'' وہ ابھی مزید کچھ اور بولنے ہی والا تھا کہ یک دم اس کے سیل فون کی بپ بج اٹھی۔ احمر نے اپنے ہاتھ میں پکڑے آئی فون کو دیکھا' باسل کالنگ بلینک ہوتا دیکھ کر اس نے جلدی سے فون پک کیا۔
''ہاں باسل کہاں ہو تم؟'' اس نے فوراً سے پیشتر استفسار کیا۔
''احمر میں پارکنگ لاٹ میں ہوں یار...... اپنی گاڑی میں تم پلیز ابھی اسی وقت باہر آؤ۔'' باسل کے لہجے میں جھنجھلاہٹ اور الجھن صاف محسوس کی جاسکتی تھی' احمر نے پل کے پل زرمینہ کو دیکھا پھر ''اوکے'' کہہ کر فون بند کرکے زرمینہ کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا تیزی سے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ زرمینہ بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگی تھی' کچھ ہی پلوں میں دونوں باسل کی بلیک سوک کے سامنے انگشت بدنداں سے کھڑے تھے' گاڑی کی شفاف ونڈ اسکرین کے پار زرتاشہ کی ڈھلکی گردن اسے صاف دکھائی دے گئی تھی' وہ چند ثانیے بھونچکی سی کھڑی ٹکرٹکر اسے دیکھتی رہی پھر یک دم وہ جیسے گہری نیند سے بیدار ہوئی تھی۔ وہ بجلی کی تیزی سے گاڑی کی جانب بڑھی اور گاڑی کا دروازہ کھولا تو زرتاشہ بے دم سی اس پر آن گری' زرمینہ نے جلدی سے اسے تھاما۔
''تاشو...... تاشو کیا ہوا تمہیں......'' وہ بدحواسی و بے قراری سے اس کے گال کو تھپتھپا کر کہتی آخر میں باسل سے مخاطب ہوکر بولی۔
''کیا ہوا ہے تاشو کو۔'' جبکہ احمر بھی بے حد الجھا ہوا زرمینہ کی پشت پر کھڑا معاملہ سمجھنے کی کوشش کررہا تھا۔

❁......❁......❁

وہ اپنے آپ میں مگن سی کلاس لے کر باہر کی جانب نکلی جب ہی اسے عقب سے کسی نے پکارا تھا۔
''جیسکا......'' جیسکا کے اٹھتے قدم اس پل ٹھٹک کر تھمے تھے' وہ کچھ متعجب سی ہوکر پلٹی تو اس لمحے اس کی نگاہوں میں میک کا سراپا آگیا جو اپنے چہرے پر دوستانہ سی مسکراہٹ سجائے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ آج سے پہلے میک نے اسے کبھی مخاطب نہیں کیا تھا' وہ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھتا تھا اس وقت جیسکا کو اس کا یوں مخاطب کرنا متجسس کرگیا تھا' جواب کچھ قدموں کا فاصلہ طے کرکے عین اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔
''کیا تم نے مجھے آواز دی؟'' جیسکا اسے دیکھ کر سہولت سے بولی تو میک ہنوز مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔
''آف کورس ڈیئر...... جیسکا تمہارا ہی نام ہے ناں۔'' جیسکا نے اسے لحظہ بھر دیکھا پھر بے ساختہ ایک گہری سانس کھینچی۔
''کہو مجھ سے کوئی کام تھا کیا؟'' نا چاہتے ہوئے بھی جیسکا کا لہجہ روڈ ہوگیا تھا جسے محسوس کرکے میک قہقہہ لگا کر ہنس دیا اس کے اس طرح ہنسنے کو جیسکا نے بڑی حیرت سے دیکھا۔
''ویل ہم دونوں آرام سے کہیں بیٹھ کر بات کرسکتے ہیں کیا؟'' وہ اپنے سر پر پہنی کیپ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے ایک دفعہ پھر

اپنے سر پر جماتے ہوئے بولا تو جیسکا نے پُرسوچ نگاہوں سے اسے دیکھا پھر کسی فیصلے پر گویا پہنچ کر اثبات میں سر ہلا دیا وہ دونوں چلتے ہوئے گارڈن کے ایک پُرسکون کونے کی جانب آ گئے۔

''ہاں بولو تمہیں کیا بات کرنی ہے۔'' جیسکا اپنے دونوں بازوؤں کو سینے پر باندھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی نجانے کیوں اسے میک سے الجھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ میک نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم ابرام کو بہت پسند کرتی ہو اور اس کے ساتھ......''

''پلیز میک...... یہ میرا پرسنل میٹر ہے میں اس ٹاپک پر تم سے بات نہیں کرنا چاہتی' سو پلیز مائنڈ مت کرنا۔'' وہ شستہ انگریزی میں تیزی سے بولتی میک کی بات کاٹ گئی تو میک بے ساختہ مسکرا دیا پھر بڑی خوش گواری سے بولا۔

''مائی ڈیئر جیسکا اگر تمہیں ابرام کو حاصل کرنا ہے تو تمہیں میری بات سننا ہو گی اور میں بھی بات اسی ٹاپک پر ہی کروں گا ہنی۔''

''کیا مطلب؟'' وہ بری طرح الجھ کر بولی۔

''مطلب بہت سمپل ہے ہنی' اگر تم ابرام کو حاصل کرنا چاہتی ہو تو تمہیں میری بات سکون سے سننی ہو گی۔'' میک کے انتہائی گمبھیر جملے اور چونکا دینے والے لہجے کو محسوس کر کے جیسکا چند ثانیے کے لیے چپ کی چپ رہ گئی۔

''یہ...... یہ میک مجھ سے کس طرح کی باتیں کر رہا ہے آخر یہ مجھ سے چاہتا کیا ہے؟'' وہ بے ساختہ خود سے اپنے دل ہی دل میں بولی جب کہ سامنے کھڑا میک اس پل اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بخوبی دیکھ رہا تھا۔ اسی پل وہ میک کی جانب متوجہ ہوئی۔

''میک میں ابھی بھی تمہارا مطلب نہیں سمجھی آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' اس وقت الجھن و اضطراب کی ایک تیز لہر جیسکا کے اندر سے اُمڈی تھی' وہ بے اختیار اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے سے مروڑنے لگی تھی۔

''ریلیکس جیسکا تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں...... تم مجھے اپنا دوست و ہمدرد سمجھو ہنی' میں تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچانے کا ارادہ قطعاً نہیں رکھتا' اوکے۔'' میک نے اپنا ہاتھ دھیرے سے اس کے شانے پر رکھ کر تسلی آمیز لہجے میں کہا تو جیسکا محض خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی پھر میک نے اس سے جو کچھ کہا وہ بغور توجہ سے سب کچھ سنتی چلی گئی۔

❁......❁......❁
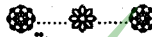
وہ عجلت میں تیار ہوتی اس پل اپنی کلائی پر ریسٹ واچ باندھ رہی تھی' جب ہی ابرام ادھ کھلے دروازے سے اندر چلا آیا تھا' ماریہ نے ایک نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا پھر بناء اسے مخاطب کیے اس نے جلدی سے بستر پر دھرے اپنا بلیک اسکارف اٹھایا اور سر پر جماتے ہوئے آئینہ کے سامنے جا کر پن اپ کرنے لگی' ابرام نے بڑی خاموشی سے اس کی تیاری کو دیکھا چند ثانیے یونہی خاموشی سے گزر گئے۔ ماریہ اب بالکل تیار تھی اس نے اپنا ہینڈ بیگ اپنے کندھے پر لٹکایا تھا' اب وہ ابرام کی جانب پوری طرح سے متوجہ تھی۔

''برو...... میں تھوڑی دیر کے لیے قریبی مال جا رہی ہوں کچھ کتابیں لینی ہیں بس ایک گھنٹے تک آ جاؤں گی۔'' ابرام کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''تمہیں معلوم ہے ناکہ مام نے تمہارے اکیلے باہر جانے پر پابندی لگائی ہوئی ہے اور تم پھر بھی جانے کو تیار ہو گئیں۔'' ابرام کی بات پر ماریہ نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھا اس لمحے اس کی صبیح پیشانی پر لاتعداد شکنیں ابھر آئی تھیں۔

''اوہ کم آن برو...... آپ کو لگتا ہے کہ میں گھر سے بھاگ جاؤں گی' میں تو صرف قریبی مال جا رہی ہوں اور آئی پرامس مام کے آنے سے پہلے ہی آ جاؤں گی۔'' آخر میں اس کا لہجہ خوشامدی سا ہو گیا تھا ابرام نے سے تادیبی نظروں سے دیکھا پھر ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

''ماریہ تم کیوں فضول کی بچکانہ ضدیں کرتی ہو جب مام نے منع کیا ہے تو بات ہی ختم اوکے اور اگر تمہیں جانا ہے تو میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔''

''اوگاڈ برو...... مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کوئی سزا یافتہ قیدی ہوں آپ کی کسٹڈی کے بغیر میں کھلی فضا میں بھی سانس

نہیں لے سکتی۔‘‘ وہ خفگی بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی پھر دوسرے ہی پل جلدی سے اس کے قریب آ کر گویا ہوئی۔

’’پلیز برو صرف ایک گھنٹے کی تو بات ہے میں اکیلے باہر جا کر تھوڑا ریلیکس ہونا چاہتی ہوں پلیز۔‘‘ ابرام نے اسے چند ثانیے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا دیا جب کہ ماریہ یک دم بے حد خوش ہوگئی۔

’’او تھینکس برو...... میں بس یوں گئی اور یوں آئی۔‘‘ یہ کہہ کر وہ جھپاک سے کمرے سے باہر نکل گئی پھر بڑی تیزی سے داخلی دروازہ کھول کر اس نے اپنی کلائی میں بندھی سیاہ پٹے والی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

’’میرے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے۔‘‘ وہ زیرلب بڑبڑائی پھر اپارٹمنٹ سے نکل کر وہ سڑک پر آئی جلدی سے بیگ سے پرچی نکال کر قریب بنے فون بوتھ سے ایک نمبر ڈائل کرنے لگی جو اس نے ابرام کے موبائل سے چپکے سے حاصل کیا تھا۔

❁......❁......❁
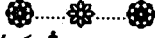
رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی چہار سو اندھیرے اور خاموشی کے پُراسرار سے ماحول میں فضا بھی کچھ سہمی سہمی سی تھی نیلگوں آسمان بھی سیاہی کی چادر اوڑھے محوِخواب تھا‘ جب کہ آج ستارے بھی دور دور تک کہیں نہیں تھے شاید وہ بھی بادلوں کے پہلو میں گہری نیند سو رہے تھے مگر اس لمحے زرمینہ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی‘ ابھی تک اس کے سینے میں دھڑکتا دل دہشت و اضطراب کے آکٹوپس میں جکڑا اس کی پسلیوں میں پھڑپھڑا رہا تھا اس نے اس پل کوئی پندرہویں بار اٹھ کر زرتاشہ کے سرہانے کھڑے ہو کر اس کو جھک کر دیکھا تھا جو اس وقت ہر بات سے بیگانہ ہو کر گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ مطمئن سی ہو کر سیدھی ہوئی اور پھر ایک گہری سانس کھینچ کر کمرے کے وسط میں بنی کھڑکی کی جانب آن کھڑی ہوئی اسے اس پل اپنا وجود ابھی بھی کپکپاتا ہوا محسوس ہوا‘ کچھ گھنٹوں پہلے گزرنے والے اعصاب شکن لمحات بے اختیار اس کی نگاہوں کے سامنے کسی فلم کی ریل کی مانند چلنے لگے تھے۔

’’کک...... کیا ہو گیا ہے تاشو کو یہ...... یہ ہوش میں کیوں نہیں آ رہی۔‘‘ زرمینہ خوف و گھبراہٹ کے عالم میں گھگھیا کر بولی تو احمر آگے بڑھ کر بے اختیار زرتاشہ کی کلائی تھام کر اس کی نبض چیک کرنے لگا پھر قدرے توقف کے بعد اطمینان بھرے لہجے میں زرمینہ کو دیکھ کر بولا۔

’’ریلیکس زرمینہ...... آپ کی فرینڈ بالکل ٹھیک ہیں‘ ان کی نبض بالکل صحیح چل رہی ہے۔‘‘ احمر کی بات پر زرمینہ نے اسے دیکھ کر ہنوز پریشانی سے استفسار کیا۔

’’مگر یہ بے ہوش کیوں ہے اسے ہوش کیوں نہیں آ رہا‘ ابھی تو تھوڑی دیر پہلے یہ بالکل ٹھیک تھی۔‘‘ زرتاشہ کی بے ہوشی نے اس کے ہوش و حواس بھی اڑا دیئے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ دھاڑے مار کر رونا شروع کردے مگر احمر اور باسل کی موجودگی میں اس نے خود کو ایسا کرنے سے باز رکھا تھا۔

’’میرے خیال میں انہیں اس وقت آرام کی ضرورت ہے‘ صبح ان شاء اللہ یہ بالکل ٹھیک ہوجائیں گی۔‘‘ باسل زرتاشہ کے خوب صورت چہرے کو پُرسوچ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا تو احمر نے کچھ چونک کر باسل کو دیکھا پھر دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا تھا‘ وہ دونوں بخوبی سمجھ گئے تھے کہ زرتاشہ کو کسی نے کچھ دھوکہ سے پلا دیا ہے جس کی وجہ سے وہ ہوش و خرد سے بےگانہ ہوگئی ہے۔

’’مگر یہ ابھی ہوش میں کیوں نہیں آ رہی‘ مجھے بہت فکر ہو رہی ہے آپ لوگ پلیز اسے ڈاکٹر کے پاس لے چلئے ناں۔‘‘ بولتے بولتے آخر میں زرمینہ کی آواز رندھ سی گئی‘ باسل نے زرمینہ کو ایک نگاہ دیکھا جبکہ احمر نے کہا۔

’’بلیومی زرمینہ‘ فکر کی کوئی بات نہیں‘ میرے خیال میں یہ تھکن کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی ہیں۔‘‘ احمر زرمینہ کو اصل بات بتا کر اسے مزید ہراساں نہیں کرنا چاہتا تھا مگر زرمینہ تو جیسے ہتھے سے اکھڑ گئی۔

’’تاشو کوئی کنواں کھود کر یا پہاڑ توڑ کر مہندی اٹینڈ کرنے نہیں آ گئی تھی مسٹر احمر...... تاشو بالکل فریش اور ٹھیک تھی اگر آپ لوگوں اسے ڈاکٹر کے پاس نہیں لے کر جا رہے تو میں خود چلی جاؤں گی۔‘‘ وہ انتہائی غصے میں بولی تو احمر نے بے بس نگاہوں سے باسل کو دیکھا پھر باسل زرمینہ کو دیکھ کر سہولت سے بولا۔

''دیکھیے مس آپ کی فرینڈ بالکل ٹھیک ہیں اور اس وقت آپ لوگ محفوظ ہاتھوں میں ہیں آئی تھنک یہ کسی ڈرنک کا اثر ہے جو انہوں نے پی لی ہے آپ میری بات پر یقین کیجیے صبح تک ڈرنک کا اثر بالکل ختم ہوجائے گا اور یہ بالکل ٹھیک ہوں گی۔'' زرینہ کو اس پل لگا جیسے کسی نے اس کے پیروں تلے زمین کھسکا دی ہو اس نے انتہائی تحیر کے عالم میں باسل حیات کو دیکھا پھر بے ہوش زرتاشہ پر نگاہ کی۔

''او میرے اللہ یہ...... یہ سب کیا ہوگیا؟'' زرینہ حواس باختہ سی ہوکر خود سے بولی پھر باسل اور احمر نے انہیں ہاسٹل ڈراپ کیا تھا' زرینہ زرتاشہ کے وجود کو باسل کی مدد سے کس طرح کمرے تک لائی تھی' یہ صرف وہی جانتی تھی ہاسٹل میں ان کا سامنا صرف چوکیدار سے ہی ہوا تھا جسے باسل نے یہ بتایا تھا کہ زرتاشہ کی طبیعت خراب ہوگئی ہے لہٰذا وہ اسے اندر تک چھوڑنے آیا ہے جب کہ احمر نے جلدی سے چوکیدار کو اپنے ساتھ باتوں میں لگا کر اسے کونے میں لے جاکر اس کا دھیان زرتاشہ کی جانب سے ہٹانے کی کوشش کی تھی پھر زرینہ نے لالہ رخ سے فون پر بات کرکے بے حد مشکلوں سے مطمئن کیا تھا۔

''ایم ویری ویری سوری آپی...... میں فون ہاسٹل ہی میں بھول گئی تھی' آنے میں تھوڑی دیر ہوگئی تھی وہ ڈرائیور کہیں چلا گیا تھا ناں۔''

''اچھا میری تاشو سے بات کراؤ۔'' لالہ رخ ہنوز خفگی بھرے لہجے میں بولی جس کا خون مارے پریشانی اور فکر کے خشک ہوگیا تھا۔

''وہ آپی تاشو عشاء کی نماز پڑھنے کھڑی ہوگئی ہے۔'' زرینہ نے مصلحتاً جھوٹ بولا تھا اسی دم دور سے فجر کی اذان گونجی تو زرینہ ہڑبڑا کر حال کی دنیا میں لوٹی پھر انتہائی سرعت سے پلٹ کر زرتاشہ کے بستر کے قریب آئی جو ہنوز نیند میں تھی پھر زرینہ بے حد تھک کر اس کے سرہانے ہی بیٹھ گئی۔

❁......❁......❁

ناشتے کی ٹیبل پر سارا بیگم اور سونیا کے ہمراہ اعظم خان شیرازی بھی موجود تھے' جو فارن ٹرپ سے کل رات ہی لوٹے تھے رات کو سونیا جلدی سوگئی تھی اسی وجہ سے باپ سے ملاقات نہیں ہوسکی تھی اس وقت وہ تینوں بڑے خوشگوار موڈ میں ناشتے سے لطف اندوز ہورہے تھے۔

''سونیا جانو...... آج آپ کے ساتھ بڑے دنوں کے بعد بریک فاسٹ ہورہا ہے۔'' اعظم خان فریش جوس کا سپ بھرتے ہوئے خوشگواری سے بولے۔ سونیا نے بھی مسکرا کر اپنے باپ کو دیکھا جس نے زندگی میں کبھی اس کی کسی بات یا خواہش کو کبھی رد نہیں کیا اس کی پرورش بالکل شہزادیوں کی طرح کی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ آج خود کو کسی ریاست کی شہزادی ہی سمجھتی تھی۔

''یس ڈیڈی آئی ایم آل سو فیلنگ گلیڈ۔''

''گڈ مائی بے بی ڈارلنگ...... اچھا یہ بتاؤ وہ کامیش تو تمہارا خیال رکھتا ہے ناں اور تمہارے ان لاز وہ تمہیں تنگ تو نہیں کرتے ویسے ساحرہ ہے تو میری بہن مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ ساس بن کر خالہ آنٹی سب ایک جیسی ساسیں بن جاتی ہیں۔'' آخر کا جملہ اعظم خان شیرازی کا شوخی و شرارت سے بھرپور تھا اس پل چہرے پر بھی بڑی جاندار سی مسکراہٹ تھی جبکہ فرنچ ٹوسٹ منہ کی جانب لے جاتے ہوئے سونیا کے ہاتھ ایک پل کو اپنی جگہ ٹھہرے تھے' سارا بیگم بھی بے ساختہ اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئی تھیں۔ اس وقت ان کے اندر بے چینی و اضطراب کی لہریں امڈنے لگی تھیں۔

''سونیا جانو تم کیا کرنے جارہی ہو بھلا کوئی اپنی جنت اپنے آشیانے کو یوں ٹھوکر مار کر تنکا تنکا کرکے بکھیرتا ہے کیا؟ یہ بات نجانے کیوں تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی۔ کامیش جیسے بہتر مرد کو چھوڑ کر تم اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کرنے جارہی ہو بیٹا۔'' سارا بیگم سونیا کے فریش چہرے پر نگاہ ٹکائے دل ہی دل میں اسے مخاطب کرکے آزردگی سے بولیں۔

''ناٹ آٹ آل ڈیڈ...... ایسی کوئی بات نہیں آنٹی' بہت سویٹ ہیں۔'' سونیا کی بے تاثر سی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی تو بے ساختہ وہ اپنے دھیان سے چونکیں۔

''ہوں ڈیٹس ویری گڈ بیٹا۔'' اعظم شیرازی ہنوز خوش گواری سے بولے پھر قدرے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوئے۔

"بھئی فراز شاہ کا تذکرہ آج کل بزنس کی دنیا میں بڑے زور و شور سے ہو رہا ہے بڑی تیزی سے وہ کامیابی کی سیڑھیاں چڑھ رہا ہے مگر خیر ہمارا داماد بھی کم تھوڑی ہے ماشاء اللہ کامیش تو میڈیا پرسنلٹی بن گیا ہے میرے تو بزنس فرینڈز تک نے کامیش کی تعریف کی ہے۔" اعظم شیرازی کے جملوں نے سونیا کے چہرے کے رنگوں کو بڑی تیزی سے متغیر کیا تھا وہ جو بڑی بے پروائی اور خوش گوار موڈ میں ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھی تھی اب مارے اشتعال و ناگواری سے اسے وہاں بیٹھنا محال ہو گیا تھا۔ ناشتے کے لوازمات سے اس نے سرعت سے ہاتھ کھینچا تھا' سارا بیگم اس وقت سونیا کی اندرونی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہی تھیں۔

"تم ایسا کرو سونیا کسی دن کامیش کو ڈنر پر بلالو میں بھی کچھ اپنے بزنس فرینڈز کو بلالوں گا' وہ بھی کامیش سے ملنا چاہتے ہیں۔" اعظم شیرازی سونیا کی کیفیت سے یکسر انجان بولے جارہے تھے' سونیا نے بے پناہ دقتوں سے اپنے اندر اٹھنے والے غصے و اشتعال کے ابال کو روکا ہوا تھا۔

"او کم آن ڈیڈ اب ایسا بھی کوئی خاص توپ قسم کا شخص نہیں ہے وہ' یہاں تو اس سے بھی بڑے بڑے اور کامیاب انسان موجود ہیں' کامیش میں کون سے سرخاب کے پر ہیں ڈیڈی۔" سونیا اپنے لہجے کو بمشکل خوش گوار بناتے ہوئے بولی' اعظم شیرازی نے بے ساختہ ایک قہقہہ لگایا پھر مزے سے بولے۔

"کیوں بیٹا جی کامیش سے آپ کی کوئی ناراضگی ہے کیا؟ مجھے بتاؤ میں اس کے کان کھینچوں گا۔" سونیا کے چہرے پر اب ناپسندیدگی اور ناگواری کے رنگ تیزی سے بکھر گئے تھے' رہا سہا ضبط اور برداشت جیسے چھلکنے لگا تھا' وہ اپنے باپ کو بس حقیقت بتانے ہی والی تھی کہ یک دم سارا بیگم جو مسلسل اسے دیکھ رہی تھیں فوراً سے پیشتر دونوں باپ بیٹی کے درمیان مداخلت کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"ارے آپ دونوں بھی ناں کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے اور بھئی ہماری پرنسز کیا کسی سے کم ہے شیرازی صاحب' میری بیٹی لاکھوں میں تو کیا کروڑوں میں ایک ہے۔" سونیا جو ساری بات باپ کے آگے رکھنے والی تھی اچانک ماں کی بات پر اپنے لبوں کو سختی سے بھینچ کر رہ گئی۔

"اس میں کوئی شک نہیں بیگم..... میری گڑیا جیسا تو اس پوری دنیا میں ہے ہی نہیں۔" اعظم شیرازی بھی فخریہ انداز میں سونیا کو محبت سے دیکھتے ہوئے بولے تو سونیا اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"مجھے ذرا ایک فرینڈ کے پاس جانا ہے ڈیڈی..... آپ سے پھر کبھی فرصت سے بات ہوگی۔" جواباً انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ اپنے روم کی جانب چل دی۔

❁.......❁.......❁

صبح جب مہرو نے مومن جان کو اپنے سر درد کا بہانہ بنا کر اس کے ساتھ چلنے سے انکار کیا تو ایک اشتعال کی لہر اس کے اندر اُمڈی مگر اس نے سرعت سے اسے اپنے اندر دبا لیا تھا' پھر چہرے پر نرمی طاری کر کے وہ بڑے شفقت بھرے انداز میں بولا۔

"ارے تو پھر کیا ہوا مہرو..... ابھی تو کافی وقت ہے جانے میں تم کوئی گولی کھالو اور تھوڑا آرام کرلو مجھے یقین ہے کہ دوپہر تک تمہارا سر درد ضرور ٹھیک ہو جائے گا بس اب ایسا کرو تم چائے کے ساتھ گولی کھا کر ابھی کے ابھی جا کر لیٹ جاؤ۔" مومن جان کے اس انداز پر مہرو حیران ہونے کے ساتھ ساتھ چونکے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

"یا اللہ یہ ابا کو کیا ہو گیا ہے آخر یہ مجھ سے چاہتا کیا ہے اور لالہ..... وہ بھی مجھے کچھ نہیں بتا رہی' یہ سب ہو کیا رہا ہے میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا۔" مہرو دل ہی دل میں خائف سی ہو کر خود سے الجھتی رہی' اس پل اس کی چھٹی حس جس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی وہ اس جانب پہنچ نہیں پا رہی تھی۔

"ارے میری بیٹی تو ابھی تک یہاں کھڑی ہے جا جا کر چائے کے ساتھ دوا کھالے جا شاباش۔" مومن جان کی آواز اس پل اس کی سماعت سے ٹکرائی تو یک دم وہ اپنے دھیان سے چونکی پھر اس نے انتہائی الجھی ہوئی نگاہوں سے ابا کو دیکھ کر قدرے بے زاری سے کہا۔

"نہیں ابا..... میرا جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا' آپ خود چلے جاؤ۔"

''تجھے میری بات سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی۔'' مومن جان یک دم مشتعل سا ہوا مگر پھر یک دم نرم پڑتے ہوئے بڑی محبت سے بولا۔

''تو بھی بالکل جھلی ہے' ارے سر درد بھی کوئی بیماری ہوتی ہے کیا' تو ابھی آرام کر لے ان شاء اللہ دو پہر تک بالکل چنگی بھلی ہو جائے گی۔'' مومن جان کے اس قدر اصرار پر مہرو کے دماغ کی کھڑکیاں کھٹا کھٹ کھلنا شروع ہو گئی تھیں۔ مومن جان اور بھی نجانے کیا کچھ بول رہا تھا مگر مہرو کے اندر پھیلتی وحشت اور خوف نے چند ثانیے کے لیے اس کی تمام حسیات کو بالکل مفلوج واپاہج کر دیا تھا۔

''ابا میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے؟ یہ...... یہ سب کیا ہو رہا ہے میرے اللہ......'' مہرو بے پناہ ہراساں واستعجاب سے دل ہی دل میں خود سے بولی جب ہی اماں کی مہربان سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی جو نجانے کب وہاں چلی آئی تھیں۔

''مہرو تُو ابھی جا کر آرام کر لے اگر طبیعت بہتر محسوس ہو تو چلی جانا ورنہ نہیں جانا کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔'' مہرو کو مومن جان کا ہر انداز ٹھٹک رہا تھا اس نے ایک نگاہ اپنی ماں کو دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا کر بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی جب کہ مومن جان بھی گھر سے باہر چلا گیا تھا۔

❀......❀......❀

صد شکر تھا کہ زرتاشہ رات کی بھرپور نیند لے کر بالکل فریش اٹھی تھی جب کہ زرمینہ نے ساری رات ایک پلک بھی نہیں جھپکی تھی؛ جواب زرتاشہ کے سوالات کی بوچھاڑ کی زد میں تھکی تھکی سی بیٹھی تھی۔

''تم مجھے بتا کیوں نہیں رہی زری' میں مہوش کی مہندی سے یہاں کیسے پہنچی مجھے تو بس اتنا یاد ہے کہ وہاں اچانک میری طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی اور میں باہر کی جانب چل دی تھی' تم کدھر غائب ہو گئی تھیں اور......اور میں ہاسٹل کیسے پہنچی۔'' زرتاشہ اس پل بے پناہ الجھی سی بیٹھی تھی' زرمینہ نے اسے ایک نگاہ دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی۔

''میں اسٹیج پر مہوش کے پاس جا کر پھنس گئی تھی' رمشا اور مسکان نے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا تھا لہٰذا جب میں اسٹیج سے نیچے اتری تو تمہیں باہر کی طرف بڑھتا ہوا دیکھا سو میں بھی تمہارے پیچھے چلی آئی' جب میں تمہارے قریب آئی تو تم نے مجھے بتایا کہ تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں' اس کے بعد تم تو میرے اوپر ہی ڈھے گئیں وہ تو شکر ہے کہ اسی وقت مہوش کا بھائی وہاں آ پہنچا تھا پھر ہم تمہیں ہاسٹل لے آئے۔'' زرمینہ جیسے جیسے بتا رہی تھی ویسے ویسے زرتاشہ کی ہوائیاں اڑتی چلی جا رہی تھیں۔

''کک...... کیا مطلب زری...... مم...... میں بے ہوش کیسے ہو گئی تھی اور......اور میں ہاسٹل تک کیسے پہنچی؟'' انگشت بدنداں سی بیٹھی زرتاشہ بے پناہ ہکلا کر بولی تو زرمینہ نے کچھ پل اسے دیکھا پھر یک دم ذہن کی اسکرین میں وہ منظر پوری طرح سے روشن ہو گیا جب احمر کے دوست باسل حیات نے بحالت مجبوری اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کر کمرے تک پہنچایا تھا۔

''یہ تو مجھے خود بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ تم اچانک بے ہوش کیسے ہو گئی تھیں اور یہاں ہاسٹل تک تم نیم بے ہوشی میں خود اپنے پیروں سے چل کر آئی تھیں میں تمہیں پکڑ کر یہاں لائی تھی۔'' زرمینہ نے سر جھٹک کر زرتاشہ کی جانب دیکھتے ہوئے تیزی سے کہا وہ قصداً باسل حیات کا اسے اٹھا کر لانا حذف کر گئی تھی وگرنہ زرتاشہ اپنی اور اس کی جان ایک کر دیتی انتہائی تحیر اور شاکڈ کی کیفیت میں منہ کھولے بیٹھی زرتاشہ نے بڑی بے یقینی سے اس وقت زرمینہ کو دیکھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے زری...... مطلب میں بے ہوش بھی ہو گئی تھی اور پھر خود ہی اپنے پیروں پر چل کر یہاں پہنچ بھی گئی تھی۔''

''اُفوہ تاشو...... تم اس بات پر کیوں اٹک گئیں' ارے بابا اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بے ہوشی میں ہمارا دماغ بالکل سو جاتا ہے مگر ہمارا جسم جاگ رہا ہوتا ہے۔ تم گاڑی میں بھی اپنے پیروں سے چل کر بیٹھی تھیں اور اتر کر خود ہی نیند میں چل کر یہاں آئی تھیں۔'' زرمینہ جان بوجھ کر زچ ہونے والے انداز میں بولی تو زرتاشہ نے اسے ہنوز غیر یقینی نگاہوں سے گھورا۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہیں اچانک ہوا کیا تھا تمہاری طبیعت کیسے خراب ہو گئی تھی' تاشو میں تو تمہیں اچھا بھلا چھوڑ کر گئی تھی۔'' زرمینہ نے سہولت سے استفسار کیا جبکہ زرتاشہ کسی گہری سوچ میں پڑ گئی تھی پھر چند ثانیے بعد الجھی الجھی سی بولی۔

''زری میں ایک سائیڈ پر کھڑی تمہارا انتظار کر رہی تھی پھر......'' وہ یک دم خاموش ہوئی اور اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کچھ

یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی پھر اچانک اپنے بستر سے یوں اچھلی جیسے اسے ہزار والٹ کا کرنٹ چھو گیا ہو۔
"زری مجھے ویٹر نے جوس سرو کیا تھا ہاں مجھے یاد آ گیا وہ جوس پی کر میری طبیعت خراب ہوگئی تھی مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔" یہ سب سن کر زرینہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا اس کا مطلب تھا کہ کسی نے جان بوجھ کر جوس میں کچھ ملا کر زرتاشہ کو پلایا تھا تاکہ وہ شخص اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرسکے یہ خیال ذہن میں در آتے ہی زرینہ اندر سے بری طرح کپکپا گئی دل جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا تھا۔
"او میرے اللہ یہ سب کیا ہونے چلا تھا اگر تاشو کو کچھ ہو جاتا تو......" وہ دل ہی دل میں خود سے بولی پھر بے اختیار ایک خوف کی ٹھنڈی لہر نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑا دی تھی۔
"زری مجھے اس سے آگے کچھ یاد نہیں آ رہا کہ پھر کیا ہوا تھا میں باہر کی طرف گئی تھی اس کے بعد مجھے کچھ یاد کیوں نہیں آ رہا۔" زرتاشہ بے ساختہ اپنے سر کو تھام گئی تھی اس وقت وہ بے تحاشا ہراساں اور پریشان ہوگئی تھی۔ زرینہ تیزی سے اس کے قریب اس کے بیڈ پر آئی۔
"تاشو......تم پریشان کیوں ہو رہی ہو میں تمہیں بتا رہی ہوں ناں کہ تمہیں باہر جاتا دیکھ کر میں بھی تمہارے پیچھے لپکی تھی اور پھر تم مجھ پر ڈھے گئی تھیں اور میں تمہیں احمر کے ساتھ یہاں لے آئی تھی بس یہی کچھ ہوا تھا تاشو پلیز میرا یقین کرو اور کچھ بھی نہیں ہوا۔" زرینہ اس کے دونوں کندھوں کو تھامے مضبوط انداز میں بولی تو زرتاشہ نے اسے بے چارگی سے دیکھا پھر معاً ایک خیال ذہن میں در آیا تو اس نے انتہائی بدحواس ہو کر کہا۔
"مگر زری......میں بے ہوش کیوں ہوئی تھی یقیناً وہ جوس صحیح نہیں تھا یا پھر کسی نے کچھ......"
"اوفوہ تاشو......کوئی کچھ کیوں ملائے گا بھلا میرے خیال میں وہ جوس شاید ایکسپائر ہوگا جس کے پینے سے تمہیں کوئی ری ایکشن ہو گیا ہوگا اور پھر تم وہاں اسٹریس بھی تو بہت لے رہی تھیں اسی وجہ سے تمہارا ذہن یک دم غنودگی میں چلا گیا تھا۔" زرینہ جلدی سے زرتاشہ کی بات درمیان میں کاٹ کر بولتی چلی گئی جب کہ زرتاشہ ہنوز الجھی الجھی سی بیٹھی رہی پھر کچھ اور یاد آیا تو جلدی سے بولی۔
"تمہیں وہاں کی گیدرنگ یاد ہے ناں کتنا بے باک اور کھلا ڈلا ماحول تھا وہاں کہیں وہ کسی کی شرارت نہ ہو زری۔"
"شرارت تو نہیں تھی تاشو مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم وہاں سے بخیر و عافیت یہاں آ گئے تم بالکل صحیح کہہ رہی تھی تاشو ہمیں اس طرح یوں منہ اٹھا کر ہر کسی کے گھر ایسے نہیں جانا چاہیے۔ ہمیں کیا معلوم کہ وہ کس طرح کی فیملی سے تعلق رکھتے ہیں مجھے معاف کردو تاشو......صرف میری ضد کی وجہ سے تم وہاں میرے ساتھ گئی تھیں۔" زرینہ کل رات سے اب تک اپنے آپ کو مسلسل لعنت ملامت کر رہی تھی کہ صرف اس کے کہنے پر زرتاشہ وہاں جانے پر مجبور ہوئی تھی وہ بے حد پچھتا رہی تھی یہ خیال اسے بار بار سہا رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ زرتاشہ کسی غلط انسان کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی اور وہ اس کی بے ہوشی کا فائدہ اٹھا لیتا تو کیا ہوتا وہ اس بات پر بھی اپنے رب کی بے حد شکر گزار تھی کہ وہ باسل حیات کے محفوظ ہاتھوں میں پہنچی تھی جس نے اس کی حفاظت کی تھی۔

❁......❁......❁
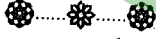
فراز جب سے ماریہ ایڈم سے مل کر آیا تھا مسلسل اس کے بارے میں سوچ رہا تھا وہ آفس سے نکل کر اپنے کسی بزنس کلائنٹ سے ملنے جا رہا تھا کہ اسی پل اس کے سیل پر کال آئی۔ فراز نے نمبر دیکھے بغیر کال پک کر لی تھی۔
"ہیلو فراز شاہ اسپیکنگ......" جب کہ دوسری جانب نسوانی آواز میں اپنا تعارف کروانے والی ہستی نے اسے اس وقت سے لے کر اب تک حیران ہونے کے ساتھ ساتھ قدرے ڈسٹرب بھی کر دیا تھا اپنے اپارٹمنٹ کی گلاس وال سے باہر بارش کا نظارہ کرتے اور ساتھ میں کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ پوری جزئیات سمیت ماریہ سے شاپنگ مال میں کافی شاپ پر ہونے والی ملاقات کو یاد کر رہا تھا۔
"آپ کا بہت بہت شکریہ فراز صاحب کہ آپ میرے کہنے پر فوراً مجھ سے ملنے یہاں آ گئے۔" فراز بے حد حیرت سے ماریہ ایڈم کو دیکھ رہا اور اس کے انداز پر بار بار حیران ہو رہا تھا اس لڑکی سے ملاقات زندگی میں پہلی بار صرف پانچ سے دس منٹ کے لیے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہوئی تھی مگر وہ جس اپنائیت وخلوص کا مظاہرہ کررہی تھی وہ بار بار فراز شاہ کو چونکائے دے رہا تھا۔

"انس اوکے مس ماریہ..... کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گی کہ آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟" ماریہ فراز کی اس پل اندرونی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہی تھی جب ہی دھیرے سے مسکرا کر گویا ہوئی۔

"مجھے معلوم ہے کہ آپ میرے حوالے سے کافی شاکڈ ہیں یقیناً میں آپ کے لیے بالکل اجنبی ہوں مگر آپ......" وہ کچھ پل کے لیے ٹھہری پھر ایک گہری سانس بھر کر دوبارہ بولی۔

"آپ میرے لیے بالکل بھی اجنبی نہیں ہیں بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ میرے اردگرد کے لوگوں میں صرف آپ ہی میرے اپنے ہیں تو یہ غلط نہیں ہوگا۔" انتہائی دلکش سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے وہ فراز شاہ کو مسلسل حیران کررہی تھی' فراز نے انتہائی اچنبھے سے اپنے سامنے بیٹھی اس اجنبی لڑکی کو دیکھا جو بلو جینز پر میرون شارٹ کرتی پہنے اور سر پر میرون ہی اسکارف لیے اسے بڑی اپنائیت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی' فراز شاہ اچھا خاصا الجھ رہا تھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا مس ماریہ..... پلیز آپ مجھے کھل کر بتائیں گی۔" فراز شستہ انگریزی میں سہولت سے بولا تو چند پل کے لیے ماریہ نے فراز کے روشن چہرے کو دیکھا پھر سر جھکا کر دھیمے لہجے میں بولی۔

"مسٹر فراز آپ مسلمان ہیں ناں۔"

"الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔" وہ بے اختیار بولا۔

"تو پھر ایک مسلمان ہونے کے ناطے آپ کسی دوسرے مسلم کی مدد کریں گے ناں۔"

"کیوں نہیں مس ماریہ..... اگر اسے میری مدد چاہیے تو......"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" یک دم سر اٹھا کر اس نے اسے دیکھا۔

"میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔"

"چاہے وہ کتنا ہی مشکل اور خطرے میں کیوں نہ ہو۔" اس نے ایک بار پھر یقین دہانی چاہی۔

"وہ شخص چاہے کتنی بھی مشکل میں کیوں نہ ہو مگر میں ایک مسلمان کی مدد ضرور کروں گا۔" فراز شاہ کے مضبوط لہجے میں اس پل یقین و بھروسے کی گہری چھاپ تھی' یک دم ماریہ کے چہرے پر جیسے روشنیاں سی پھوٹ پڑیں تھیں۔

"اوہ رئیلی..... آپ بہت گریٹ انسان ہیں۔" پھر وہ بڑی عجلت میں اپنے ہاتھ میں بندھی گھڑی پر نگاہ ڈال کر تیزی سے بولی۔

"مسٹر فراز..... ہم بہت جلد پھر ملیں گے مگر پلیز آپ اپنی بات پر قائم رہیے گا۔" پھر وہ اسے مزید کچھ بھی بولنے کا موقع دیئے بنا وہاں سے چلتی بنی جب کہ وہ عجیب سی کیفیت میں گھرا کافی دیر وہیں بیٹھا رہا تھا۔

"آخر یہ ماریہ ایڈم ہے کیا چیز صرف ایک مختصر سی ملاقات میں وہ مجھ سے اتنا فری کیوں ہوگئی اور......اور اسے مدد کس کے لیے چاہیے' کہیں وہ خود تو مسلم نہیں ہے۔" خود سے بولتے بولتے آخری جملہ ادا کرتے ہوئے وہ بے ساختہ چونکا تھا۔

❁......❁......❁

مہوش کی شادی بخیر و عافیت انجام پا گئی تھی جب کہ زرتاشہ اور زرینہ نے بھی اپنے اپنے گھروں کا رخ کرلیا تھا کیوں کہ یونیورسٹی میں گرمیوں کی تعطیلات شروع ہوگئی تھیں۔ ایک شام احمر یزدانی باسل کے گھر چلا آیا' وہ دونوں لان میں بیٹھے تھے' احمر کو آج بہت دنوں بعد فرصت ملی تھی وگرنہ مہوش کی شادی کی وجہ سے بالکل ہی گھن چکر بنا ہوا تھا' کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد احمر اس موضوع کی جانب آ گیا جو اتنی مصروفیت اور افراتفری کے باوجود اس کے ذہن سے ایک پل کے لیے بھی محو نہ ہوسکا تھا۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا یار کہ مہندی والے دن آخر کس نے اتنی گھٹیا حرکت کی تھی' زرتاشہ کی ڈرنک میں کسی نے کچھ ملایا تھا۔" احمر اپنے بائیں ہاتھ سے اپنے بالوں کو نوچتا ہوا اضطراری کیفیت میں گھر کر بولا تو باسل نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا پھر یک دم دماغ کی اسکرین پر وہ منظر روشن ہوگیا جب مدہوش سی زرتاشہ اس کے سینے سے آ لگی تھی

اور وہ گاڑی میں اسے کس طرح ہوش میں لانے کی کوشش کررہا تھا اور پھر زرینہ کی ریکویسٹ پر وہ اسے اپنی بانہوں میں بھر کر اس کے کمرے تک لایا تھا۔

''اگر وہ کمینہ گھٹیا آدمی میرے سامنے آ جائے ناں تو میں اسے شوٹ کردوں۔'' احمر کی غصیلی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو بے ساختہ باسل اپنے دھیان سے چونکا پھر سر جھٹک کر پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو کر گویا ہوا۔

''اس تقریب میں صرف تمہارا خاندان ہی تھا یا باہر کے لوگوں کو بھی تم نے بلایا تھا۔''

''نہیں یار ہم لوگوں نے صرف اپنے خاص خاص فیملی کے لوگوں کو ہی بلایا تھا باقیوں کو تو ہم نے رخصتی پر ہی بلایا تھا۔''

''ہوں اس طرح تو ہم اس مطلوبہ انسان تک کبھی نہیں پہنچ سکتے' تمہارا خاندان تو کافی بڑا ہے' تم بتا رہے تھے کہ تقریباً دو سو لوگ وہاں تھے۔'' باسل حیات زرینہ اور زرتاشہ کو ہاسٹل پہنچانے کے بعد احمر کو تقریب میں ڈراپ کرکے سیدھا گھر چلا آیا تھا' وہ احمر کے بے حد اصرار کرنے پر بھی اندر نہیں آیا تھا نجانے کیوں اس تمام واقعہ کے بعد اس کا دل و دماغ بوجھل ہوگیا تھا' وہ عجیب سی تھکن محسوس کررہا تھا جب کہ احمر جب اندر گیا تھا تو مہمانوں کے لیے کھانا کھل چکا تھا اور تمام رسومات بھی ہوچکی تھیں۔ عدیل جس کا فون احمر کے سیل پر اس وقت آیا تھا جب وہ باسل کے ہمراہ دونوں لڑکیوں کو ہاسٹل چھوڑنے جارہا تھا۔

''ابے یار کہاں ہے تو کہیں نظر نہیں آرہا اور یہ باسل بھی اب تک نہیں پہنچا۔''

''وہ دراصل میں باسل کے ساتھ باہر نکلا ہوا ہوں یار بس تھوڑی دیر میں پہنچ کر تجھے تفصیل بتاتا ہوں بائے۔'' وہ اسے مزید کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بناء تیزی سے فون کاٹ گیا وہاں پہنچ کر اسے سب سخت صلواتیں سنناپڑی جب کہ عدیل کو اس نے یہ کہہ کر مطمئن کیا تھا کہ دلہا کو جو گھڑی تحفے میں دینی تھی وہ کہیں گم ہوگئی تھی لہٰذا اسے ایمرجنسی میں باسل کے ساتھ مال جاکر دوسری گھڑی لانا پڑی تھی جب کہ باسل کو کسی ضروری کام کی وجہ سے وہاں جانا پڑ گیا تھا اس کی عدیل کے ساتھ بہت اچھی دوستی تھی مگر یہ قصہ وہ بیان نہیں کرسکا تھا۔

''بہر حال احمر جو ہوا بہت برا ہوا' وہ دونوں تمہاری مہمان تھیں اور مہمانوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک کسی اچھی اور عزت دار فیملی کو زیب نہیں دیتا۔'' باسل حیات کی بات پر احمر یزدانی نے اسے نگاہ اٹھا کر دیکھا پھر شرمندگی و ندامت کی عمیق گہرائیوں میں اترتے ہوئے بولا۔

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو یار...... وہ ہماری مہمان تھیں ہمارے گھر کی عزت بڑھانے آئی تھیں مگر نجانے وہ کون کمینہ انسان تھا جس نے یہ حرکت کی تھی اگر مجھے اس کے بارے میں پتا چل جائے ناں تو میں اس کی بوٹی بوٹی ایک کردوں۔'' آخر میں اس کا لہجہ اشتعال سے بھرپور ہوگیا تھا' باسل نے بغور احمر کے جذبات سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا جو مٹھیوں کو بھینچ کر اپنے اندر سے ابلتے لاوے پر کنٹرول کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

''وہ جو کوئی بھی تھا احمر زرتاشہ کو بہت اچھی طرح جانتا تھا اور یہ سب کچھ اس نے پوری پلاننگ کے ساتھ کیا تھا' زرتاشہ کو مدہوش کرکے یقیناً وہ اپنے گھناؤنے مقاصد کو پورا کرنا چاہتا ہوگا۔''

''یہی تو میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر وہ ہے کون؟ جس نے اس معصوم سی لڑکی کے ساتھ اتنی گھٹیا حرکت کرنے کی کوشش کی' وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ زرتاشہ تمہارے ہاتھوں میں جا پہنچی ورنہ ایک لڑکی کی زندگی کی بربادی کا ذمہ دار صرف میں ہوتا کیوں کہ وہ میرے گھر آئی تھی یار۔'' احمر ہنوز ندامت بھرے لہجے میں بولا گیا پھر یک دم ایک خیال ذہن میں در آیا تو کچھ پریشان سا ہو کر دوبارہ گویا ہوا۔

''اور وہ زرینہ نجانے اس نے میری فیملی کے بارے میں کیا امپریشن لیا ہوگا اس کی سہیلی کے ساتھ وہاں کتنی گھٹیا حرکت ہوئی تھی بلکہ وہ تو مجھے بھی قصوروار سمجھ رہی ہوگی۔'' باسل اس بار کچھ نہیں بولا خاموشی سے احمر کی بات سنتے گیا پھر کافی دیر دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی' دونوں اپنی اپنی جگہ بیٹھے کسی گہری سوچ میں مستغرق تھے پھر اس خاموشی کے بُت کو باسل نے اپنی آواز سے توڑا۔

''احمر میرے خیال میں تم زرینہ کے متعلق سوچنا چھوڑ دو وہ تمہاری فیملی سے بہت مختلف لڑکی ہے شاید تمہارے گھر والوں کے

ساتھ وہ کبھی بھی ایڈجسٹ نہ کرسکے اس کے حلیے اور انداز واطوار سے لگتا ہے کہ وہ بہت دقیانوسی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے جب کہ تمہاری فیملی کافی براڈ مائنڈڈ اور ایجوکیٹڈ ہے اگر تمہارا اس کے ساتھ شادی کرنے کا ارادہ ہے تو میرا مشورہ ہے کہ تم ابھی اور اسی وقت اپنا راستہ بدل لو تم دونوں کی فیملیز میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔'' باسل حیات کے حقائق پر مبنی تجزیے کو سن کر احمر گم صم سا اپنی جگہ پر بیٹھا رہا' وہ تصور کی آنکھ سے زرینہ کے چادر میں لپٹے وجود اور حیا اور وقار کے پھولوں سے مہکتے چہرے کو دیکھ رہا تھا جس کی دلفریب مسکراہٹ میں بھی شرم وحجاب کے رنگ نمایاں ہوتے تھے۔

''باسل کیا میرے دل کی آرزو حسرت ویاس کا کانٹا بن کر ہمیشہ میرے دل میں چبھتی رہے گی؟''

''احمر تم اپنی آرزو کو حسرت ویاس کا کانٹا کبھی مت بنانا ورنہ یہ کانٹا تمہارے دل کو زخمی کرکے اسے ناسور بنادے گا میرے دوست' ابھی بھی وقت ہے اس راستے سے واپس لوٹ جاؤ۔''

''بہت مشکل ہے میرے یار...... اپنے قدموں کو واپس موڑنا...... مجھے لاج وحیا کے دلکش رنگ بہت پسند ہیں باسل' مجھے بے باکی وآزاد خیالی سے چڑ ہے۔'' آخر میں احمر کا لہجہ بے زاری سے بھرپور تھا' باسل نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر سنجیدگی سے بولا۔

''مگر ہم جس فیملی سے تعلق رکھتے ہیں وہاں ایسی لڑکیوں کو نان سینس اور پینڈو سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں تو دوپٹہ صرف ہمارے گھروں کی ملازمائیں اوڑھتی ہیں اور سر پر دوپٹہ...... وہ شاید نانی' دادیاں لیتی ہیں۔'' بے ساختہ احمر کو باسل کے آخری جملے پر ہنسی آگئی۔

''یہ بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر شکر ہے مہوش اور میری ممی ایسی نہیں ہیں ورنہ زرینہ کی مہوش سے کبھی دوستی ہی نہیں ہوتی' ویسے تمہاری مام بھی بہت ڈیسنٹ ہیں۔'' احمر یزدانی باسل حیات کے ہم پلہ تو نہیں تھا مگر پھر بھی کوئی معمولی گھرانے سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اچھا خاصا کھاتا پیتا گھرانہ تھا اس کا۔

''میری مام جیسا گریس فل اور ڈیسنٹ تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔'' باسل اس پل فخریہ لہجہ میں بولا تو احمر ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''نو ابنی ڈاوٹ مائی فرینڈ۔'' اسی دوران ملازم لوازمات کے ساتھ ٹرے میں چائے لے آیا تو دونوں اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

❁......❁......❁

جیسکا کے اندر اضطراب وبے چینی کا جیسے سمندر سا اُمڈ آیا تھا' آج کل وہ بے پناہ الجھن کا شکار تھی اس نے آج شام ابرام کو اسی کافی شاپ میں بلایا تھا جہاں وہ اکثر وبیشتر ملا کرتے تھے۔ ابرام یہ بات اچھی طرح محسوس کرگیا تھا کہ آج جیسکا کا موڈ کافی زیادہ اپ سیٹ ہے اس پل اس کے لب ولہجہ کی مخصوص کھنکھناہٹ اور شوخی بالکل مفقود تھی' وہ بار بار اضطراری انداز میں اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں سے کچل رہی تھی۔

''کیا ہوا ہنی...... سب ٹھیک تو ہے ناں تم کافی ڈسٹرب لگ رہی ہو۔'' ابرام بالآخر استفسار کرتے ہوئے بولا تو جیسکا نے ایک پُرشکوہ نگاہ اس کی جانب کی پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنے سر کو زور زور سے نفی میں ہلاتے ہوئے بے حد ناراضی سے بولی۔

''کوئی فائدہ نہیں ہے ابرام...... تمہیں کچھ بھی بتانے اور سمجھانے کا کیوں کہ تم خود ہی مجھے سمجھنا نہیں چاہتے شاید تمہیں مجھے یوں اذیت اور تکلیف دے کر مزہ آتا ہے۔''

آج جیسکا کا انداز واطوار بھی کافی بدلا ہوا تھا ابرام محض خاموشی سے بغور دیکھ رہا تھا اس نے بے حد کٹیلی نگاہ سے اپنے سامنے بیٹھے ابرام کو دیکھا جو وائٹ ہاف ٹی شرٹ پر بلو جینز پہنے ہمیشہ کی طرح بے حد ڈیشنگ اور منفرد دکھائی دے رہا تھا' اس پل اس کا شدت سے دل چاہا کہ وہ ابرام پر پھٹ پڑے اور اپنے اندر کی تمام گھٹن اور غصہ اس کے اوپر نکال کر پُرسکون ہوجائے' جیسکا نے اپنے دونوں ہاتھ ٹیبل کی سطح پر ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے بغور اس کے چہرے کو دیکھ کر گویا لفظوں کو چبا چبا کر کہا۔

''ابرام تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے ہاں؟ تمہاری زندگی میں میری کیا حیثیت ہے بولو صرف وقت گزارنے کے لیے ایک دوست۔ اوہ ابرام میں بھی کتنی بے وقوف ہوں ناں جو تم جیسے پتھر دل اور احساسات وجذبات سے عاری انسان کے اندر محبت

چاہت تلاش کررہی ہوں۔‘‘ جیسکا نے اپنی بات ختم کرکے ابرام کو بے حد غصہ سے دیکھا‘ جو ہنوز پُرسکون انداز میں ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا خاموشی سے جیسکا کی باتوں کو سن رہا تھا ابرام کا یہ اطمینان جیسکا کو اچھا خاصا تپا گیا۔

’’تمہیں میری باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا ناں ابرام میں تکلیف میں رہوں ایک اذیت وکرب میں مبتلا رہوں‘ تمہیں میری کوئی پروا نہیں ہے ناں‘ بولو ابرام جواب دو‘ تم کیوں مجسمہ کی طرح یوں خاموش بیٹھ کر میری مزید انسلٹ کررہے ہو۔‘‘

’’تم مجھ سے جو چاہتی ہو جیسکا وہ میں تمہیں نہیں دے سکتا۔‘‘ ابرام کے بے پناہ ٹھنڈے انداز مگر جلتے لفظوں نے اسے بالکل سرد سا کردیا وہ چند ثانیے دم سادھے بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

’’تو ٹھیک ہے ابرام آج سے تمہارے اور میرے راستے الگ ہیں۔‘‘ وہ اس کی طرف دیکھے بنا اپنی نگاہیں سامنے کی جانب مرکوز کیے اپنے تئیں جیسے ابرام کے سر پر دھماکہ کرتے ہوئے بولی تھی ابرام نے کچھ دیر اسے دیکھا پھر ہنوز انداز میں بولا۔

’’جیسے تمہاری مرضی۔‘‘

’’کیا......!‘‘ انتہائی ششدر سے اس نے ابرام کو دیکھا۔

’’تمہارا مطلب ہے کہ......‘‘ وہ خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ کر بے حد بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی‘ ابرام نے ایک گہری سانس کھینچی پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

’’اگر ہمارے درمیان یہ جز ادوستی کا رشتہ تمہیں بوجھ اور ناگوار لگنے لگا ہے تو اس رشتے کا ختم ہوجانا ہی بہتر ہوگا۔‘‘

’’اوہ رئیلی ابرام......!‘‘ جیسکا اسے دیکھ کر بے پناہ طنز سے ہنسی پھر اپنے لبوں کو سختی سے بھینچ کر قدرے اس کی جانب جھکتے ہوئے بولی۔

’’اپنی بے حسی اور سنگ دلی کا سارا ملبہ میرے سر ڈال کر اب اس رشتے سے تم دامن جھاڑنا چاہتے ہو تمہیں میری وفا وخلوص‘ میری چاہت کا ذرا بھی پاس نہیں ابرام......‘‘

’’جیسکا میں نے تمہیں پہلے دن ہی بتادیا تھا کہ میں تمہیں سوائے اپنی دوستی کے کچھ اور نہیں دے سکوں گا اور رہا محبت چاہت کا سوال تو میں نے آج تک ایسی فیلنگ کسی بھی لڑکی کے لیے اپنے دل میں محسوس نہیں کی اور جو قربت اور تعلق تم مجھ سے ڈیمانڈ کرتی ہو‘ جیسکا ان چیزوں کی خواہش میرے اندر نہیں ہے اور یہ بات میں تمہیں اس سے پہلے بھی کئی بار سمجھا چکا ہوں اوکے۔‘‘ ابرام کا لب و لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی سخت ہوگیا تھا وہ خود کو ٹھنڈا اور پُرسکون رکھنے کی پوری کوشش کررہا تھا مگر جیسکا اس کے ضبط و برداشت کا امتحان لینے پر تل گئی تھی۔

’’ہونہہ ان چیزوں کی خواہش صرف مکمل مردوں کو ہوتی ہے۔‘‘ جیسکا بے حد استہزائیہ انداز میں اپنے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی۔

’’کیا......! تمہارا مطلب کیا ہے؟‘‘ جیسکا کا یہ جملہ اسے جلتے ہوئے تنور میں گرا گیا تھا‘ دماغ کی نسیں گٹار کے تاروں کی مانند کھینچ گئیں‘ تنفس کا عمل تیز ہوگیا ابرام کے چہرے پر طیش و بے حد اشتعال کی سرخی دیکھ کر یک دم جیسکا کو اپنی انتہائی سنگین غلطی کا احساس ہوگیا تھوڑی دیر پہلے والا غصہ ایک دم بھاپ بن کر اڑ گیا تھا۔

’’جیسکا آج مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہورہا ہے کہ میں نے تم جیسی سطحی ذہنیت کی لڑکی کو اپنا دوست اپنا راز دار بنایا تم میری دوستی ڈیزرو ہرگز نہیں کرتی تھیں۔‘‘

’’ابرام وہ......وہ......میں......‘‘

’’ایک بات تم اپنے چھوٹے سے دماغ میں اچھی طرح بٹھالو کہ ابرام سائمن ناقابل تسخیر ہے‘ اس کے دل کو اپنے قبضے میں کرنے والا بھی کوئی بہت منفرد ہوگا جس کا ذہن اس کے دل کی طرح شفاف ہوگا جو صرف جسم کا نہیں بلکہ دل کا طلب گار ہوگا اور ایسا انسان مجھے ضرور ملے گا جیسکا تب میں اس کے اوپر اپنے تمام جذبات لٹادوں گا پھر تمہیں بھی میرے مکمل ہونے کا ثبوت مل جائے گا۔‘‘ یہ کہہ کر ابرام ٹیبل پر سے اپنی گاڑی کی چابی اٹھا کر تیزی سے کرسی سے اٹھا اور لمبے ڈگ بھرتا یہ جا وہ جا ہوا تھا جب کہ جیسکا ایک ٹرانس کی کیفیت میں بے حس وحرکت سی بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی۔

❀......❀......❀

آج اتوار ہونے کی بدولت سمیر شاہ کے ساتھ ساتھ اتفاق سے کامیش شاہ بھی گھر پر تھا ورنہ وہ تو چھٹی والے دن بھی علی الصبح گھر سے نکل جاتا تھا یا پھر ساری رات باہر گزار کر آتا تو صبح دیر تک سوتا رہتا۔ آج ناشتے کی ٹیبل پر کامیش کو موجود پا کر ساحرہ خوش ہوگئیں وہ کافی دنوں سے کامیش سے سونیا کی بابت بات کرنا چاہتی تھیں مگر کامیش تو ہاتھ ہی نہیں آ رہا۔ ناشتے کے دوران باپ بیٹا سیاست پر بات چیت کررہے تھے۔ ساحرہ چائے کا کپ لبوں سے لگائے دھیرے دھیرے گھونٹ بھر رہی تھیں کافی دیر وہ دونوں ایک ہی موضوع پر بات کرتے رہے تب ہی ساحرہ اکتائے ہوئے لہجے میں ان کو مخاطب کرکے گویا ہوئیں۔

''افوہ آپ دونوں بھی کیا بورنگ ٹاپک لے کر بیٹھ گئے ہیں' کامیش اتنے دنوں بعد ہمارے ساتھ بریک فاسٹ ٹیبل پر ہے اور ایک تم ہو کہ سیاست نامہ لے کر بیٹھ گئے ہو۔'' ساحرہ کی مداخلت پر سمیر شاہ نے رخ موڑ کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر سہولت سے بولے۔

''اچھا بابا تم کامیش سے کسی دوسرے موضوع پر بات کرلو میں نے تمہیں منع تھوڑی کیا ہے۔'' ساحرہ نے ایک نگاہ سائیڈ کی کرسی پر بیٹھے کامیش کو دیکھا جو سفید شلوار کرتے میں فریش اور بہت ڈیشنگ لگ رہا تھا' ساحرہ کی نگاہوں میں اس پل کامیش کے لیے توصیفی تاثر تھا جسے محسوس کرکے کامیش مسکرا کر شوخی سے بولا۔

''کیوں مما...... کیا میں آج کچھ زیادہ ہی ہینڈسم لگ رہا ہوں؟'' کامیش کی بات پر ساحرہ جیسے اپنے دھیان سے چونکیں پھر زور سے ہنستے ہوئے کہنے لگیں۔

''میرا بیٹا تو ہے ہی ہینڈسم اور تم آج نہیں بلکہ ہمیشہ ہی اچھے لگتے ہو آخر بیٹے کس کے ہو۔''

''آف کورس مما...... آپ کا اور ڈیڈی کا۔''

''ہوں...... ہوں...... مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے ڈیڈ سے کتنا لو کرتے ہو'' وہ اصل موضوع کی طرف آنے کے لیے اِدھر اُدھر کی باتیں کررہی تھی۔

''کم آن مما...... آپ سے بھی پیار کرتا ہوں اس میں کوئی شک ہے کیا؟'' کامیش کا موڈ آج بہت خوش گوار تھا جب ہی وہ اس طرح کی باتیں کررہا تھا ساحرہ یک دم ہنس دیں۔

''نہیں کوئی شک نہیں ہے۔'' جواباً کامیش کھل کر مسکرادیا پھر چند ثانیے بعد ساحرہ اپنے لفظوں کو ترتیب دیتے ہوئے کامیش سے استفہامیہ لہجے میں بولیں۔

''بیٹا تم نے پھر کیا سوچا ہے؟'' ساحرہ کی بات پر کامیش نے ناسمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔

''کس بارے میں مما؟''

''وہ میں تمہارے فیوچر کے بارے میں پوچھ رہی ہوں کامیش...... آخر تم فراز کی گھٹیا حرکت کی سزا خود کو اور سونیا کو کب تک دو گے' تم فراز کی وجہ سے اپنی میرڈ لائف کو کیوں خراب کررہے ہو میری جان۔'' ساحرہ نے آخر میں چمکارتے والے انداز میں میز پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو کامیش جس کا موڈ کچھ دیر پہلے بے حد اچھا تھا یک دم وہ سنجیدہ ہوگیا' ہونٹوں کی مسکراہٹ کہیں چھپ گئی جب کہ سمیر شاہ کے دل و روح میں ایک اذیت ناک لہر دوڑ گئی تھی۔ فراز کے لیے ساحرہ کے منہ سے نکلے نازیبا الفاظ اس وقت ان کے اوپر بہت گراں گزرے تھے۔

''دیکھو بیٹا میں یہ بات مانتی ہوں کہ فراز کے اکسانے پر سونیا نے بھی بہت غلطیاں کی ہیں مگر میری جان...... آپ تو بہت سینس ایبل ہو سونیا سے جو کوتاہیاں ہوئیں وہ صرف اور صرف فراز کی وجہ سے ہوئیں۔ فراز ہی نہیں چاہتا تھا کہ سونیا تمہارے ساتھ اپنا گھر بسائے وہ سونیا کی خوشیوں کو تہس نہس کردینا چاہتا تھا اور اس نے ایسا ہی کیا۔'' اس وقت ساحرہ کے لہجے میں فراز کے لیے اس قدر نفرت تھی کہ سمیر شاہ بے پناہ اچنبھے سے ساحرہ کو دیکھے چلے گئے بھلا کوئی سگی ماں بھی اپنے بچے سے اس قدر بدگمان اور متنفر ہوسکتی ہے وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکتے تھے مگر ساحرہ تو جیسے سونیا کی محبت میں اپنے سگے بیٹے کو ہی فراموش کرنے کو تیار بیٹھی تھی سونیا کے علاوہ اسے جیسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"مما آپ پلیز کھل کر کہیے آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔" کامیش شاہ اپنے لبوں کو بھینچے بے حد گمبھیر آواز میں بولا تو ساحرہ نے ایک نگاہ اسے دیکھا پھر تیزی سے بولی۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم سونیا کو معاف کر کے دوبارہ اس گھر میں لے آؤ اور اپنی نئی زندگی ایک بار پھر اسٹارٹ کرو ماضی کی تمام باتوں کو بھلا کر ایک خوش گوار زندگی جیو بیٹا......" کامیش شاہ نے بے حد سپاٹ انداز میں ساحرہ کی بات کو سنا جب کہ سمیر شاہ انتہائی ششدر ہو کر ساحرہ کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو ساحرہ...... اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود تم یہ ایکسپکٹ کر رہی ہو کہ سونیا دوبارہ اس گھر میں بخوشی آنے کو تیار ہو جائے گی چاہے کامیش کے کہنے پر ہی سہی مگر اس نے کامیش کو بہت زچ کیا' ایک دن بھی اس نے کامیش کو خوش نہیں رکھا اور...... اور وہ خود اپنی مرضی سے یہ گھر چھوڑ کر گئی ہے' کامیش کو چھوڑ کر......" سمیر شاہ کو اس وقت ساحرہ پر بے تحاشہ غصہ آیا تھا' انہوں نے مصلحتاً فراز کا فیور لینے کے بجائے صرف اور صرف سونیا کی ذات کو موضوع بنایا تھا' اب انہیں کسی بھی قیمت پر یہ گوارا نہیں تھا کہ ان کے باکردار شریف النفس بیٹے کے دامن کو داغ دار کرنے والی لڑکی دوبارہ اس گھر میں ان کے دوسرے بیٹے کی زندگی کو دوزخ بنانے کے لیے چلی آئے' ان کا اگر بس چلتا تو وہ اس لڑکی سے جڑے ہر رشتے کو ایک لمحے میں ختم کر دیتے جبکہ ساحرہ کو سمیر کی بات بے حد ناگوار گزری تھی جب ہی انتہائی چڑ کر بولیں۔

"میں یہاں کامیش کا گھر ٹوٹنے سے بچانے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم ہو کہ دبی راکھ کو کرید کر انہیں ہوا دے کر آگ لگانے کی سعی کر رہے ہو۔" ساحرہ کو اندر ہی اندر اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اسے اس موضوع پر سمیر کے سامنے بات نہیں کرنا چاہیے تھی کیونکہ وہ تو ہمیشہ ہی اس کی بھتیجی سونیا خان کا مخالف تھا۔

"ہونہہ...... جو گھر کبھی بنا ہی نہیں تھا اسے ٹوٹنے سے کیسے بچا رہی ہو تم۔" سمیر شاہ استہزائیہ انداز میں بولے تو ساحرہ حسب معمول بھڑک اٹھیں۔

"سمیر تم......"

"مما پلیز...... آپ دونوں ایک دوسرے سے مت الجھیے۔" کامیش نے ساحرہ کی بات درمیان میں سے اچک کر تیزی سے کہا پھر چند ثانیے بعد گویا ہوا۔

"سونیا اپنی مرضی اور خوشی سے یہ گھر چھوڑ کر گئی ہے اس گھر میں نہ رہنے کا فیصلہ اس کا خود کا ہے اور میں زبردستی رشتوں کو باندھے رکھنے کا بالکل بھی قائل نہیں ہوں۔" کامیش کی بات پر ساحرہ جز بزسی ہوئیں مگر پھر بھی میدان میں اترتے ہوئے بولیں۔

"بیٹا میں مانتی ہوں کہ سونیا سے نادانی ہوئی ہے مگر تم یہ بھی تو سوچو نا کہ وہ اس تمام چوئشن کو لے کر کتنی ایمبرلیس تھی وہ سچ میں تم سے بہت نادم تھی اسی لیے وہ یہاں سے چلی گئی۔ کامیش پلیز بیٹا...... میری بات مان لو سونیا کو گھر لے آؤ اور پچھلی تمام باتوں کو بھول جاؤ۔" سمیر شاہ اس پل بڑی بے چینی سے اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئے' کامیش اس وقت بالکل چپ چاپ بیٹھا تھا' ڈائننگ ہال میں خاموشی چھا گئی تھی جب کہ سمیر شاہ اور ساحرہ کو اپنے دل کے دھک دھک کرنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی' نجانے کامیش کیا فیصلہ کرنے والا تھا' کچھ دیر یونہی خاموشی کی نذر ہونے کے بعد کامیش گمبھیر آواز میں گویا ہوا۔

"میرے دل اور زندگی میں اب سونیا کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے میں یہ چیپٹر اسی دن کلوز کر چکا ہوں اب اس موضوع پر بات کرنے سے کوئی فائدہ نہیں......" کامیش اپنی بات مکمل کر چکا تھا' اسی دم سمیر شاہ نے طمانیت بھری سانس لی مگر ساحرہ کے تو ارمانوں پر کامیش نے ٹھنڈا پانی ہی ڈال دیا تھا۔

"مگر بیٹا......"

"میں اپنے روم میں کچھ دیر آرام کرنے جا رہا ہوں۔" ایک بار پھر وہ ساحرہ کی بات درمیان میں کاٹ کر تیزی سے ڈائننگ چیئر سے اٹھا اور پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا جب کہ ساحرہ نے بے پناہ پریشان ہو کر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔
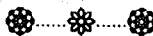
کچھ نہ کسی سے بولیں گے
تنہائی میں رو لیں گے
ہم بے راہ رووں کا کیا
ساتھ کسی کے ہولیں گے
خود تو ہوئے رسوا لیکن
بھید ترے نہ کھولیں گے
جیون زہر بھرا ساگر
کب تک امرت گھولیں گے
ہجر کی شب سونے والے
حشر کو آنکھیں کھولیں گے
پھر کوئی آندھی اٹھے گی
پنچھی جب پَر تولیں گے
نیند تو کیا آئے گی فراز
موت آئی تو سولیں گے

شام کے سرمئی پروں نے اپنے پروں کو پھیلا کر پوری فضا کو سرمئی کردیا تھا' آسمان میں اڑتے چہچہاتے پرندے اب اپنے اپنے گھونسلوں کی طرف غول درغول رواں دواں تھے' اطراف میں لگے چیڑ' اخروٹ اور بادام کے درخت سرو قد کھڑے اب بوجھل پن محسوس کررہے تھے۔ اس وقت مہرو وادی کی ذیلی سڑک کے دائیں جانب بنے چھوٹے سے باغیچے میں بیٹھی اپنے اندر ٹھہری اداسی اور یاسیت کی ندی میں ڈبکیاں لگارہی تھی' مومن جان کے بدلے رویوں اور اطوار نے اسے بہت کچھ باور کرادیا تھا گو کہ وہ فی الحال اپنے باپ کے مقاصد کو تو جان نہیں سکی تھی مگر اس کی نیت کے کھوٹ کو اچھی طرح سے سمجھ گئی تھی۔ اس دن شادی میں اس کے ساتھ جانے سے انکار کردینے پر مومن جان کا کبھی اپنا اشتعال دبانا اور کبھی بناوٹی محبت جتانا اسے ہوشیار اور چوکنا کرگیا تھا مگر یہ سب سمجھنے کے بعد اس کا دل دکھ و مایوسی کی گہرائیوں میں ڈوب گیا تھا بھلا کوئی سگا باپ بھی اپنی اولاد کے ساتھ اتنا لالچی اور خود غرض ہوسکتا ہے' یہ احساس اسے بے حد دکھ دے رہا تھا۔

آج صبح لالہ رخ سے اس کی بات ہوئی تھی اسی نے مخصوص جگہ پر انتظار کرنے کو کہا تھا وہ گیسٹ ہاؤس سے کچھ دیر ہی میں ادھر پہنچنے والی تھی۔

''ہونہہ بے چاری اماں آج کل ابا کے رویے کو لے کر کتنا خوش ہے' اس بھولی کو کیا معلوم کہ اس کا شوہر نجانے کیا نیت لے کر اس کی بیٹی پر گھات لگائے بیٹھا ہے۔'' وہ بے حد آزردگی سے خود سے با آواز بلند بولی کہ اسی دم اسے لالہ رخ سامنے سے آتی دکھائی دی' مہرو پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوگئی جو تھکی تھکی سی اس کے پاس آکر دھپ سے بیٹھتے ہوئے استفسار کرتے ہوئے بولی۔

''مہرو مجھے دیر تو نہیں ہوئی ناں؟'' مہرو نے ایک نگاہ اسے دیکھا پھر ایک گہری سانس بھرتے ہوئے ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔

''دیر ہوئی تو نہیں ہے لالہ مگر دیر ہوجائے گی۔'' مہرو کے عجیب و غریب انداز کو محسوس کرکے لالہ رخ نے اسے الجھ کر دیکھا' جو لال اور ہرے رنگ کے امتزاج کے سادہ سے لیلن کے سوٹ میں اس پل بے حد بجھی بجھی اور مضمحل دکھائی دے رہی تھی۔

''کیا مطلب مہرو؟ تم اس طرح کیوں کہہ رہی ہو۔'' لالہ رخ کے اندر ایک بار پھر وحشت اور بے قراری سر اٹھانے لگی تھی۔

''لالہ اگر تم مجھے ابا کی اصلیت کھل کر نہیں بتاؤ گی تو بہت دیر ہوجائے گی' سب کچھ ختم ہوجائے گا لالہ...... تمہاری مہرو بے موت مرجائے گی۔''

"اللہ نہ کرے مہرو...... یہ تم کس طرح کی باتیں کررہی ہو" لالہ رخ رک دم تڑپ اٹھی۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں لالہ...... تم کیا سمجھ رہی ہو کہ تمہارے اس طرح خاموش رہنے اور کچھ بھی نہ بتانے سے کچھ برا نہیں ہوگا۔ ابا اپنے ارادوں میں کیا کامیاب نہیں ہوگا یا پھر میں بچ جاؤں گی اس کے ہاتھوں سے بولو لالہ...... کیا یہ سب کچھ ایسا ہی ہوگا؟" مہرو اپنے اندر کی گھٹن اور وحشت سے تنگ آ کر اس پر چلا اٹھی پھر دوسرے لمحے پھوٹ پھوٹ کر رو دی لالہ رخ کے تو جیسے ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔

"مہرو...... مہرو...... اللہ کے واسطے خاموش ہوجاؤ' میرا یقین کرو کہ تمہارے ساتھ کچھ بھی برا نہیں ہوگا میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ مومن پھوپا کو منہ کی کھانا پڑے گی مہرو۔" لالہ رخ مہرو کے دونوں بازوؤں کو اپنے ہاتھوں سے تھامتے ہوئے بولی تو مہرینہ ہنوز روتے ہوئے اپنا سر زور زور سے نفی میں ہلاتے ہوئے کہنے لگی۔

"نہیں لالہ...... کچھ ٹھیک نہیں ہوگا آج مجھے یقین ہو چلا ہے کہ میرا نصیب ہی سیاہ ہے' بالکل کھوٹا ہے میرے باپ کی طرح۔"

"مہرو تم اس وقت بہت منفی سوچ رہی ہو تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے کیا؟ تمہارا باپ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔"

"اُف لالہ...... آخر تم ہر بار یہ بات کیوں بھول جاتی ہوں کہ تم ایک عورت ہو' نازک اور نحیف سی لاچار لڑکی اور میرا باپ ایک مکار توانا اور طاقت ور مرد ہے۔ تم تو کیا میں' اماں' مامی اور تاشو ہم سب بھی مل کر اس اکیلے کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔" لالہ رخ کی بات پر وہ بری طرح چڑ گئی تھی جب ہی بے حد تپ کر بولی تھی' لالہ رخ نے چند ثانیے اپنے نچلے لب کو دانتوں میں دبا کر اسے دیکھا پھر ٹھوس لہجے میں بولی۔

"مانا کہ عورت جسمانی طور پر مرد کے مقابلے میں بے حد نازک اور کمزور ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسے دوسری خصوصیات عطا کرے اسے مرد سے بھی کہیں زیادہ مضبوط بنایا ہے۔ ہم اپنی عقل اور ذہانت سے اس کا مقابلہ کرسکتے ہیں مہرو۔"

"اچھا تو لالہ بی بی...... آپ بھلا اپنی عقل اور ذہانت سے ابا کا مقابلہ کیسے کرنے والی ہیں ذرا مجھے بھی کچھ بتا دیجیے۔" مہرو لالہ رخ پر ایک طنزیہ نگاہ ڈال کر انتہائی استہزائیہ انداز میں بولی تو اتنی ٹینشن کے باوجود بھی لالہ رخ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"اچھا اب زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں' تم پریشان مت ہو مہرو' ان شاء اللہ پھوپا اپنے ارادوں میں بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔" لالہ رخ کی بات پر مہرو محض خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

❁......❁......❁

"او گاڈ...... یہ میں نے کیا کردیا ابرام کو اتنا ناراض کردیا' اب تو شاید وہ دوبارہ میری شکل بھی دیکھنا پسند نہ کرے۔ اُف کیا ضرورت تھی مجھے ابرام کے سامنے اس طرح ری ایکٹ کرنے کی۔" جیسکا بے پناہ پشیمان سی اپنے کمرے میں چکر لگاتے ہوئے خود سے بولی پھر تھک کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔

"مجھے ابرام سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی' او میرے خدایا کہیں میں ابرام کو ہمیشہ کے لیے کھو نہ دوں' آخر کتنی مشکلوں سے تو ابرام نے مجھ سے دوستی کی تھی' مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی مجھے اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہیے تھا۔" وہ خود کو لعنت ملامت کرنے لگی معاً اس کے ذہن میں میک سے ہونے والی گفتگو تازہ ہوگئی۔

"تم ابرام کو حاصل کرنا چاہتی ہو نا جیسکا مگر وہ چکنی مچھلی کی طرح ہر بار تمہارے ہاتھوں سے پھسل جاتا ہے' تمہارے دامن میں کچھ نہیں آئے گا۔"

"کیا مطلب میک...... میں ابھی بھی سمجھ نہیں پارہی کہ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" جیسکا نے الجھ کر اس سے دریافت کیا تھا' میک نے اپنے مخصوص انداز میں اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی سامنے کی پاکٹ میں اڑستے ہوئے کہا۔

"ابرام کو تمہارے دلفریب حسن اور سحر انگیز وجود سے کوئی سروکار نہیں ہے تم چاہے اس پر کتنی بھی محنت کرلو وہ تمہارے ٹریک پر آنے والا نہیں ہے۔" اس بار جیسکا نے میک کو ٹوکا نہیں تھا' خاموشی سے اس کی بات کو سنے گئی۔

"وہ ہمیشہ تمہیں صرف ایک فالتو دوست سمجھ کر تمہارے ساتھ وقت گزارے گا اور کسی دوسری لڑکی پر اپنی تمام عنایتیں اور

مہربانیاں لٹادے گا اور تم...... تم اس کی ایک نگاہِ الفت کے انتظار میں ایسی ہی بیٹھی رہ جاؤ گی۔" بولتا رہا۔"اسے حاصل کرنے کی کوشش بے کار ہے جیسکا مگر ہاں ہم تمہارا یہ کام بخوبی کرسکتے ہیں۔" اس بار جیسکا نے بے حد چونک کر اسے دیکھا تھا میک جیسکا کے چہرے پر "وہ کیسے" لکھا دیکھ کر بڑے دلکشی سے مسکرایا پھر کچھ توقف کے بعد بولا تھا۔

"ابرام کو تمہاری بانہوں میں پہنچانا صرف اور صرف تمہارا بنانا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے اور ہم یہ کام تمہارے لیے کرسکتے ہیں۔"

"اوکم آن میک...... تم بھلا ایسا کیسے کرسکتے ہو وہ بہت پکا انسان ہے۔" وہ قدرے جھنجلا کر بولی۔

"ہم یہ سب کیسے کرسکتے ہیں یہ سوچنا اور جاننا تمہارا کام نہیں ہے۔ تم بس اتنا بتاؤ کہ تم یہ چاہتی ہو کہ ابرام ہمیشہ کے لیے صرف تمہارا ہو جائے۔"

"آف کورس میک...... میری زندگی کی اولین خواہش صرف ابرام سائمن ہے میں اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے تم ہمیں قیمت ادا کردو ابرام تمہارا ہو جائے گا۔"

"قیمت......! کیسی قیمت میک؟"

"ہوں، بہت معمولی قیمت ہے ڈیئر۔"

"مگر تم مجھے بتاؤ تو سہی کیا قیمت ہے ابرام کو حاصل کرنے کی۔" وہ مصر ہوئی تھی۔

"ماریہ ایڈم......" میک بے پناہ پُرسکون لہجے میں بولا جب کہ جیسکا اپنی جگہ سے دو فٹ اچھلی تھی پھر بے حد حیران کن نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ماریہ ایڈم......!" پھر خود ہی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی اور اگلے ہی لمحے وہ سب کچھ سمجھ گئی۔"اوہ تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے ماریہ ایڈم کی جاسوسی کروں کہ وہ کیا کچھ کرتی ہے۔"

"نو نو ہنی...... تمہیں جاسوسی نہیں کرنی کیوں کہ تم سب اچھی طرح جانتی ہو کہ ماریہ ایڈم ابھی بھی مسلمان ہے یا نہیں اور پلیز اب میرے سامنے انجان بننے کی بالکل بھی کوشش مت کرنا کہ تم اس حقیقت کو جانتی ہی نہیں ہو کہ ماریہ نے اپنا مذہب چھوڑ دیا

ہے۔" وہ آخری جملہ ہاتھ اٹھا کر بڑی بےزاری سے بولا تھا' جیسکا بے ساختہ اپنے لبوں کو بھینچ کر رہ گئی تھی۔

"بس تم مجھے صرف اتنا بتا دینا کہ ماریہ اب بھی مذہب اسلام کی پیروکار ہے یا نہیں پھر میں تمہیں ابرام سائمن سونپ دوں گا اور یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ تم اچھی طرح سوچ کر مجھے جواب دے دینا۔" پھر وہ اپنا کارڈ اسے تھما کر وہاں سے چلتا بنا تھا اور جیسکا نجانے کتنی دیر ساکت و صامت سی کھڑی رہ گئی تھی' جیسکا یک دم حال کی دنیا میں لوٹی تو بے اختیار ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی پھر سر جھٹک کر فریش ہونے کی غرض سے واش روم کی جانب بڑھ گئی۔

❁......❁......❁

سونیا اپنی فرینڈز کے ہمراہ آؤٹنگ کر کے جب گھر آئی تو ساحرہ کی موجودگی اسے پُرجوش سا کر گئی۔

"اوہ ہیلو آنٹی...... آپ آئی ہیں میں آپ کو کتنا مس کر رہی تھی۔" سونیا ساحرہ سے بڑی گرم جوشی سے گلے ملتے ہوئے بولی تو ساحرہ تو جیسے نہال ہوگئی۔

"میں بھی اپنی بے بی ڈول کو بہت مس کر رہی تھی۔" ساحرہ خوشی سے بولی جبکہ سارا بیگم دونوں کو یوں ملتا دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

"اچھا اگر آپ مجھے مس کر رہی ہوتیں تو مجھ سے ملنے تو آتی ناں۔" وہ شکوہ کناں لہجے میں بولی تو ساحرہ تھوڑی سی کھسیانی سی ہوگئی پھر خود کو سنبھالتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"میں تو تم سے ملنے آنا چاہ رہی تھی ڈارلنگ مگر کچھ کاموں میں الجھ گئی تھی' اچھا بتاؤ تم ٹھیک ہو ناں۔"

"میں آپ لوگوں کے لیے کچھ اسنیکس وغیرہ لے کر آتی ہوں۔" سارا بیگم قصداً دونوں کو تنہائی فراہم کرنے کی غرض سے وہاں سے اٹھ گئیں۔

"کیا میں ٹھیک ہو سکتی ہوں آنٹی...... فراز نے میرے ساتھ جو کیا' کیا اس کے بعد کچھ ٹھیک بھی ہو سکتا ہے؟" سونیا نے سنجیدگی اور اضمحلال کا لبادہ اوڑھتے ہوئے ایک بار پھر فراز شاہ کے خلاف زہر اگلا ساحرہ کا مسکراتا چہرہ یک دم ماند پڑ گیا تھا' ہونٹوں سے ہنسی ایک پل میں غائب ہوگئی وہ چپ کی چپ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

"فراز نے میرے ساتھ جو کیا وہ تو کوئی غیروں کے ساتھ بھی نہیں کرتا جب کہ میں تو اس کی اپنی ماموں زاد تھی اس کی بیسٹ فرینڈ تھی' میرے آشیانے میں آگ لگا کر اب وہ خود مزے سے لندن میں بیٹھا ہے۔" نجانے نفرت کا کتنا گہرا دریا سونیا اعظم خان کے اندر اُمڈ آیا تھا جس کا پانی ختم ہو کے ہی نہیں دے رہا تھا۔

"میں فراز کو کبھی معاف نہیں کروں گی' سونیا مجھے آج اس بات پر بے پناہ شرمندگی ہے کہ فراز جیسے بیٹے کو میں نے جنم دیا......" ساحرہ مجرموں کی مانند سر جھکا کر بولیں پھر وہ دونوں ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں اس دوران سارا بیگم چائے اور لوازمات سے بھری ٹرالی بھی ملازم کے ہمراہ لے آئی تھیں۔ ساحرہ کی باتوں میں سونیا غیر ارادی طور پر کامیش شاہ کے تذکرے کی منتظر تھی مگر ساحرہ نے تو کامیش کا نام تک نہیں لیا تھا جب کہ سارا بیگم نے سونیا کی خفگی کے خیال سے کامیش کی بابت ساحرہ سے قصداً دریافت نہیں کیا تھا۔ ساحرہ جب بہت سا وقت گزار کر وہاں سے گئیں تو سونیا کے اوپر نا سمجھ میں آنے والی جھنجلاہٹ اور ناگواری طاری ہوگئی تھی۔

"مام میں اپنے کمرے میں سونے جا رہی ہوں' مجھے ڈنر کے لیے مت اٹھائیے گا۔" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی جانب چلی گئی جب کہ سارا بیگم محض تاسف سے اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئیں۔

❁......❁......❁

فراز شاہ اس وقت اپنے پی اے کے ہمراہ آفس میں بیٹھا کچھ ضروری ڈسکشن کر رہا تھا جب ہی اس کا سیل فون گنگنا اٹھا' فراز نے ایک نگاہ ٹیبل پر رکھے موبائل فون کی جانب دیکھا تو ابرام کالنگ بلنک ہوتا دیکھ کر وہ خوشگوار انداز میں چونکا پھر دوسرے ہی لمحے اس نے سیل اٹھا کر کال کی تھی۔

"اوہ ہیلو مسٹر ابرام...... ہاؤ آر یو۔" وہ بڑی خوش اخلاقی سے گویا ہوا مگر دوسری جانب ابھرتی آواز نے اسے پھر سے

چونکا دیا تھا۔

"آئی ایم فائن مسٹر فراز مگر میں ابرام برو نہیں ہوں' ماریہ بات کررہی ہوں۔" وہ اردو میں کافی خوش گواری سے بولی تو فراز کچھ دیر کے لیے بالکل خاموش سا ہوگیا پھر دھیرے سے بولا۔

"جی مس ماریہ...... آپ کو کوئی کام تھا کیا؟" اسے اس لڑکی کی بالکل بھی سمجھ نہیں آرہی تھی بھلا ایک لڑکی کسی بالکل انجان اور اجنبی شخص سے اتنا فری کیوں ہورہی تھی جو نہ اس کے ملک کا تھا اور نہ اس کے مذہب وکلچر کا۔

"مسٹر فراز...... میں ابھی اور اسی وقت بہت ارجنٹ آپ سے ملنا چاہتی ہوں' مجھے آپ سے کچھ ضروری کام ہے۔"

"سوری مس ماریہ...... اس وقت میں ذرا بزی ہوں۔" وہ اس پل کچھ روڈ سا ہوا۔

"پلیز مسٹر فراز...... آپ مجھ سے مل لیجیے آئی پرامس میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی پلیز منع مت کیجیے گا۔" وہ تو منت بھرے لہجے میں بولی...... فراز نے اپنے سامنے بیٹھے پی اے کو اشارے سے باہر جانے کا کہا تو وہ مودبانہ انداز میں خاموشی سے ٹیبل سے فائل اٹھا کر باہر نکل گیا جب ہی فراز پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"دیکھیے مس ماریہ...... اس وقت میں واقعی بزی ہوں۔"

"مجھے آپ سے ابھی اور اسی وقت ملنا ہے آخر یہ کسی کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

"زندگی اور موت کا سوال......؟" فراز نے نا سمجھنے والے انداز میں اس کے اس جملے کو دہرایا۔

"جی بالکل اگر آپ کے اختیار میں کسی کی زندگی اس کا ایمان بچانا ہو تو کیا آپ ایسا نہیں کریں گے؟" وہ آس و نراس کی کیفیت میں گھر کر بولی تو فراز فوراً سے پیشتر گویا ہوا۔

"مس ماریہ...... آپ پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہیں پلیز آپ کھل کر بات کیجیے۔"

"دیکھیے میں فون پر آپ کو بات نہیں سمجھا سکتی آپ پلیز مجھے اپنے آفس کا ایڈریس لکھوا دیجیے میں وہیں آجاتی ہوں۔" فراز نے ماریہ کی بات پر ایک گہری سانس بھری پھر اسے آفس کا ایڈریس لکھوا دیا' ماریہ نے تھینکس کہہ کر جلدی سے لائن کاٹی اور پھر سرعت سے ڈائلنگ ریکارڈ پر جا کر فراز کا نمبر ڈیلیٹ کیا اور پھر دبے پاؤں ابرام کے روم میں جا کر اس کی رائٹنگ ٹیبل پر اس کا سیل رکھتے ہوئے ایک نظر ابرام کو دیکھا جو اپنے بستر پر اوندھا لیٹا گہری نیند سو رہا تھا تقریباً پون گھنٹے بعد ماریہ ایڈم فراز شاہ کے ڈیکوریٹڈ آفس روم میں اس کے مقابل بیٹھی تھی۔

باہر بارش ہونے کی وجہ سے وہ تھوڑا بھیگ بھی گئی تھی' اپنی چھتری اور رین کوٹ جو شاید وہ بلڈنگ میں داخل ہونے سے پہلے اتار چکی تھی' فراز کے کہنے پر سامنے پڑی سینٹرل ٹیبل پر رکھ چکی تھی جو اسے ساتھ لیے کونے میں رکھے صوفہ سیٹ پر آ گیا تھا۔

"آپ چائے لیں گی یا پھر کافی منگواؤں۔" وہ حق میزبانی ادا کرتے ہوئے بولا تو ماریہ نے جلدی سے سرنفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"نو تھینکس مسٹر فراز مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" فراز خاموش ہوگیا اور اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا' ماریہ نے کچھ دیر سوچا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنساتے ہوئے گویا فراز شاہ کے سر پر بلاسٹ کیا۔

"کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے......؟"

"کیا......!" فراز نے اسے بے حد اچنبھے سے دیکھا اس وقت اسے اس لڑکی کی ذہنی حالت پر شبہ ہو رہا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

اعتبار وفا اور محبت

نفیسہ سعید

وہ تینوں ڈرامہ ختم ہوتے ہی الحمراء سے باہر نکل آئے' ابھی بارہ بھی نہ بجے تھے لیکن سردی کے موسم میں ہونے والی ہلکی بارش کے باعث چاروں طرف ہُو کا عالم طاری تھا۔ بہروز نے پارکنگ سے گاڑی نکالی اور تیزی سے ریورس کرکے مین روڈ پر لے آیا' روڈ پر اکا دکا گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں جو یقیناً ان ہی جیسے شوقین لوگوں کی تھیں جو آدھی رات کو ڈرامہ ختم ہونے کے باعث گھروں کی جانب رواں دواں تھے ورنہ اتنی سخت سردی میں تو یہاں لوگ اس وقت کم ہی گھروں سے باہر دکھائی دیتے تھے' یہاں تو شادی ہال بھی عام طور پر دس بجے تک بند ہوجایا کرتے ہیں' ایسے میں بارہ بجے اتنا سناٹا ایک معمول کا عمل تھا۔ بہروز نے گاڑی ٹھوکر نیاز بیگ کی طرف جانے والی سڑک کی جانب کی ہی تھی کہ پیچھے سیٹ پر بیٹھے راحم کا موبائل بج اٹھا۔

"کس کا فون ہے؟" گاڑی میں پھیلے سناٹے کو چیرتی شاہ زیب کی آواز ابھری جو فرنٹ سیٹ پر آنکھیں موندے غالباً سوچکا تھا۔

"ڈیڈ کا......" بے پروائی سے جواب دے کر راحم نے فون کی آواز بالکل بند کردی۔

"ریسیو کیوں نہیں کررہے؟" بہروز نے حیرت سے سوال کیا' ابھی راحم نے اس کی بات کا جواب بھی نہیں دیا تھا کہ شاہ زیب کا فون بج اٹھا۔ بنا پوچھے ہی وہ جان چکے تھے کہ راحم کے بعد شاہ زیب کے نمبر پر آنے والی کال یقیناً عبید صاحب کی ہوگی۔

"بڑے ابو ہیں۔" انہیں اطلاع دینے کے ساتھ شاہ زیب نے یس کا بٹن پریس کرکے فون کان سے لگالیا۔

"جی بڑے ابو...... گاڑی خراب ہوگئی تھی بس ابھی ٹھیک ہے ان شاءاللہ ہم دس منٹ تک گھر پہنچ رہے ہیں۔" نہایت صفائی سے جھوٹ بولنے کے بعد اس نے فون بند کرکے ڈیش بورڈ پر ڈال دیا۔

"یہ طریقہ ہوتا ہے بڑوں کو مطمئن کرنے کا۔" وہ فخریہ انداز میں بہروز اور راحم پر ایک نظر ڈالتے ہوئے مسکرایا۔

"اتنی روانی سے جھوٹ بولنے پر تمہیں ہی عبور حاصل ہے میں نے ابھی اس فن میں اتنا کمال حاصل نہیں کیا۔" اطمینان سے جواب دے کر راحم نے آنکھیں موندلیں جبکہ بہروز نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اس کی مکمل توجہ ڈرائیونگ کی جانب تھی جب اچانک جانے کہاں سے ایک لڑکی دوڑتی ہوئی آئی اور اس کی گاڑی کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"اوئے...... یہ لڑکی کون ہے؟" اسی دم شاہ زیب کی خوف زدہ آواز نے اسے بوکھلا دیا اور لاکھ کوشش کے باوجود گاڑی اس لڑکی سے جاٹکرائی جو بونٹ سے ٹکرا کر نیچے روڈ پر جا گری حالانکہ بہروز نے گاڑی کی رفتار کافی کم کردی تھی کیونکہ اس کا ارادہ سائیڈ سے ہوکر نکل جانے کا تھا مگر شاہ زیب کی بے وقت ابھرنے والی آواز نے سارا کام خراب کردیا۔

"اس وقت تمہارا بولنا ضروری تھا؟" جھٹکے سے گاڑی روکتے ہوئے اس نے شاہ زیب کو گھورا جو شکل سے ہی انتہائی خوف زدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"تم نے گاڑی کیوں روکی ہے؟ بھاگو یہاں سے مجھے یہ کوئی اور ہی کہانی دکھائی دے رہی ہے۔"

"بکواس بند کرو اپنی۔" پچھلی سیٹ پر موجود راحم نے اسے ڈپٹا۔

"گاڑی ریورس کرو اور وہاں لے جاؤ جہاں وہ لڑکی گری ہے ہمارا فرض ہے یہ دیکھنا کہ آیا وہ زندہ ہے یا مرگئی۔ ہوسکتا ہے اسے ہماری کسی مدد کی ضرورت ہو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن شاہ زیب کا کہنا بھی درست ہے ہوسکتا ہے یہ کوئی اور ہی کہانی ہو۔ کیا پتا اس کے ساتھ ڈاکوؤں کا کوئی گینگ موجود ہو......"

"یا پھر یہ کوئی چڑیل وغیرہ ہو۔" آخری جملہ شاہ زیب کی جانب سے آیا۔

"جو بھی ہے یہ انسانیت کا تقاضہ ہے کہ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کسی کو ہماری مدد کی ضرورت تو نہیں اور اگر تم دونوں اس عمل پر آمادہ نہیں ہو تو میں اکیلا چلا جاتا ہوں۔" راحم نے گاڑی کے لاک کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ بہروز نے تیزی سے گاڑی ریورس کرکے وہاں لا کھڑی کی جہاں وہ لڑکی بے سدھ زمین پر پڑی تھی ویسے بھی یہ سروسز روڈ تھا جو اس وقت خالی تھا۔ ایسے میں چاروں طرف پھیلے سناٹے میں بڑے بڑے

درختوں کے سائے ماحول کو مزید ہیبت ناک بنا رہے تھے لیکن بہروز جانتا تھا کہ راحم اس لڑکی کو دیکھے بنا یہاں سے نہیں جائے گا آخر کو وہ ایک فوجی تھا جو ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنا جانتے ہیں اور یہ تو پھر بارہ بجے ایک اندھیری سڑک تھی یہاں اکیلی لڑکی کا معاملہ تھا۔

''گاڑی کی ہیڈ لائٹس فل آن کردو میں نیچے اتر رہا ہوں اور گاری اسٹارٹ رکھو اگر کوئی خطرہ محسوس کرو تو بے شک مجھے لیے بنا بھاگ جانا۔'' دونوں کو ہدایت نامہ جاری کرتا وہ اطمینان سے نیچے اتر گیا۔ دیکھا لڑکی سرخ جوڑے میں ملبوس تھی شاید وہ کسی شادی کی تقریب سے بھاگی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گیا' ہاتھ بڑھا کر اس لڑکی کو سیدھا کیا' آس پاس سڑک بالکل صاف شفاف تھی' خون کا ایک دھبہ نہ تھا جس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ لڑکی خوف کے باعث بے ہوش ہوئی ہے بظاہر اسے کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔ راحم نے دیکھا وہ ایک خوب صورت نوجوان لڑکی تھی جس کے چہرے کا میک اپ بھی خاصا گھبراتھا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''باہر نکلو' اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالو یہ زندہ ہے اور اس حال میں کم از کم میں اسے اس طرح تنہا روڈ پر چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔''

مرتے کیا نہ کرتے کہ مصداق شاہ زیب نیچے اترا ابھی انہوں نے مل کر لڑکی کو اٹھانے کی کوشش ہی کی تھی کہ اندھیرے میں ٹھک ٹھک کرتا ایک ادھیڑ عمر شخص وہاں آ گیا۔ شاہ زیب نے دیکھا وہ لنگڑا تھا اور ٹھک ٹھک کی آواز یقیناً اس کی بے ساکھی سے ابھر رہی تھی جو رات کے اس سناٹے میں نہایت ہی بھیانک محسوس ہو رہی تھی۔ سڑک پر پھیلے ملگجے اندھیرے میں اس کا چہرہ بھی اتنا ہی عجیب سا محسوس ہو رہا تھا کہ پہلے سے خوف زدہ شاہ زیب کا دل سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگا۔

''بابا جی ذرا ہماری مدد کریں' اس لڑکی کو گاڑی میں ڈالنے کی' یہ بے ہوش ہے اسے اسپتال لے کر جانا ہے۔'' اسے رات کے اس پہر وہاں یقیناً غیبی مدد ہی سمجھا جاسکتا تھا اس لیے راحم نے فوراً سے بیشتر اپنی مدد کے لیے پکار لیا۔ بوڑھے نے بنا کوئی جواب دیے حتی الامکان ان کا ساتھ دیتے ہوئے اس اجنبی

لڑکی کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا تھا۔

''شکریہ.....'' راحم نے کہا مگر بوڑھے نے جیسے سنا ہی نہیں اور خاموشی سے اس سمت پلٹ گیا جہاں سے آیا تھا اور چند ہی لمحوں میں رات کی اس تاریکی کا حصہ بن گیا۔

''یہ تو کوئی دلہن ہے جو شاید اپنی ہی شادی کی رات گھر سے بھاگ آئی ہے۔'' اتنی دیر میں پہلی بار بہروز نے اس لڑکی کو دیکھا اور نہ وہ تو مسلسل گاڑی اسٹارٹ کیے اندر ہی بیٹھا تھا۔

''میرا خیال ہے تم صحیح کہہ رہے ہو۔'' لڑکی کا حلیہ دلہنوں جیسا تھا لیکن ویسا نہیں جیسا عام طور پر شہری دلہنوں کا ہوتا ہے اس کا لباس ایسا تھا جیسا گاؤں دیہات کی کوئی دلہن ہو اور اس کی تیاری بھی شہری دلہنوں والی نہ تھی۔ راحم کو حیرت ہوئی کہ یہ تن تنہا لڑکی جانے کس گاؤں یا دیہات سے عالم مجبوری میں اس طرح نکل کر بھاگی تھی۔ وہ ان ہی سوچوں میں گم تھا جب بہروز کی آواز نے اسے چونکایا۔

''اب اسے کہاں لے کر جانا ہے؟'' یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب اس نے ابھی تک نہیں سوچا تھا۔

''میرا خیال ہے کسی اسپتال کی جانب گاڑی موڑلو۔''

''رات کے اس وقت تم اسے کسی اسپتال لے کر جاؤ گے اور کیا کہو گے کہ ہمیں یہ کہاں سے ملی۔ میرا خیال ہے کہ تم آرمی ٹریننگ کے دوران اپنے ملک کی پولیس کو بھول گئے ہو۔'' شاہ زیب کی بات سو فیصد درست تھی۔

''پھر اب کیا کریں؟'' یہ ایک نیا مسئلہ تھا کیوں کہ وہ اس لڑکی کو اس حال میں کسی بھی طور اپنے گھر نہ لے جاسکتے تھے۔

''گاڑی مریم آپا کے کلینک کی جانب موڑلو۔'' مریم ان کے سب سے بڑے تایا کی بیٹی تھی جو گائنا لوجسٹ تھی اور شہر میں ہی اس کا ایک چھوٹا سا میٹرنٹی ہوم تھا' پندرہ منٹ بعد ہی گاڑی کلینک کے سامنے جاکھڑی ہوئی تھی۔

''تاج میٹرنٹی ہوم'' اسپتال کے گیٹ پر جگمگا رہا تھا' ان کے گاڑی روکتے ہی گیٹ پر الرٹ کھڑا ظہور تیزی سے ان کی جانب لپکا۔

''تم اسے ایمرجنسی تک پہنچاؤ میں مریم آپا سے مل کر آتا ہوں۔'' بہروز نے ظہور کو اچھی طرح سمجھاتے ہوئے مریم آپا کے کمرے کا رخ کیا ہی تھا کہ سامنے سے آتی نرس سے اسے روک لیا۔

''وہ تو اندر ہیں۔ کوئی کیس آیا ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر تم اس مریضہ کو دیکھو میری گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہوگئی ہے۔ ابتدائی ٹریٹمنٹ دو جب ہوش میں آجائے تو پوچھ لینا کون ہے اور کہاں سے آئی ہے۔ پوچھ کے اس کے گھر والوں کو اطلاع دے دینا' ہم بھی اب اپنے گھر جارہے ہیں اس کے چکر میں لگتا ہے ہمیں آج رات روڈ پر ہی سونا پڑے گا۔'' بہروز نے اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے سامنے کھڑی نرس کو ہدایت دی اور پھر وہ تینوں باہر نکل آئے۔

''دعا کرو بڑے ابا سو گئے ہوں ورنہ جانتے ہو ناں اس وقت انہوں نے نیچے کا گیٹ ہی نہیں کھولنا اور ایسا نہ ہو کہ ہمیں بھی واپس آ کر اسی میٹرنٹی ہوم میں ہی سونا نصیب ہو۔'' شاہ زیب نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ان دونوں کو مخاطب کیا۔

''تم کبھی کوئی اچھی بات مت کرنا' ہمیشہ جو بھی بولو اپنی شکل جیسا ہی بولا کرو۔'' راحم نے تپ کر اسے جواب دیا' جواباً شاہ زیب مسکرا کر خاموش ہوگیا اور جب وہ گھر پہنچے تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ ایک ہی ہارن پر شاہ بابا نے گیٹ کھول دیا جو اسی بات کا ثبوت تھا کہ عبید صاحب سوچکے ہیں اور یہ بات ان تینوں کے لیے طمانیت کا احساس تھی۔ وہ تھکے ماندے اپنے اپنے پورشنز کی جانب بڑھ گئے ویسے تو شکر تھا کہ صبح سنڈے ہونے کے باعث انہیں سونے کا موقع مل گیا تھا ورنہ یونیورسٹی جانا ہوتا تو کیا بنتا۔

❁.....❁.....❁

سبحان صاحب کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی سب سے بڑے حسن جنہوں نے اپنی ساری زندگی گاؤں میں موجود زمینوں کی دیکھ بھال کرتے ہوئے گزار دی۔ مریم ان کی اکلوتی بیٹی تھی جو نہ صرف خود ڈاکٹر تھی بلکہ ان کے شوہر بھی نیورو سرجن تھے اور آج کل دمام میں ہوتے تھے۔ حسن کے بعد عبید صاحب تھے جو ریٹائرڈ کرنل ہونے کے باعث خاصی سخت گیر طبیعت کے حامل تھے۔ راحم اور شیزا ان کے دو ہی بچے تھے' راحم آرمی میں کمیشن مل جانے کے باعث گھر سے دور ٹریننگ کے لیے مری کاکول گیا ہوا تھا جہاں سے وہ ایک سال بعد پچھلے ہفتہ ہی واپس آیا تھا جبکہ شیزا میڈیکل کی طالبہ تھی۔ عبید صاحب کے بعد منظر علی جو کہ بہروز اور شاہ نواز کے والد تھے' بہروز مقامی یونیورسٹی سے بی اے کررہا تھا شاہ نواز شادی کے بعد لندن شفٹ ہوچکا تھا پھر ان کی اکلوتی بیٹی سونیا جن کی دو ہی بیٹیاں تھیں' بڑی ماورا اور چھوٹی حمرا۔ ماورا اور راحم شروع سے

ایک ہی تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل کرکے بڑے ہوئے‘ وہ دونوں نہ صرف بچپن کے دوست تھے بلکہ ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے تھے اور یہ بات خاندان کا تقریباً ہر فرد جانتا تھا‘ جس کے سبب بڑوں نے نہایت خاموشی سے ان کا رشتہ بھی طے کردیا تھا۔ عبید صاحب کا ارادہ تھا کہ راحم کے ٹریننگ مکمل کرتے ہی دونوں کا نکاح کردیا جائے اور ان کے اس عمل پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ سب سے چھوٹے باسط علی تھے‘ شاہ زیب‘ شاہ رخ اور شامہ ان کے بچے تھے۔

شاہ زیب میڈیکل کا طالب علم تھا اور اس کا رشتہ بھی راحم کی بہن شیزا سے طے تھا‘ چاروں بھائی اپنی فیملی کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتے تھے جب کہ سب کے پورشنز کو ڈم ڈم کی باڑ کے ذریعے علیحدہ کردیا گیا تھا‘ سونیا ان سے دو گلیاں آگے رہتی تھیں‘ عبید صاحب نے شروع سے ہی اپنے خاندان پر ایسا مکمل کنٹرول رکھا کہ تمام لوگوں کو آپس میں میل جول اور پیار و محبت مثال بن گیا۔ ان کے جاننے والے تمام لوگ انہیں رشک بھری نگاہوں سے دیکھا کرتے اور ہر محفل میں ان کی آپس کی محبت کو سراہا جاتا‘ بڑوں کے بعد تمام بچوں کی آپس کی محبت اور دوستی بھی مثالی تھی۔

❁......❁......❁
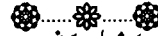
گھوں گھوں...... کی مسلسل گونجتی آواز نے راحم کی نیند خراب کردی‘ کچھ دیر تو وہ سمجھ ہی نہ پایا کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔ چند لمحوں بعد احساس ہوا کہ یہ اس کے سیل کی وائبریشن ہے جو تکیے کے نیچے رکھا تھا۔

"یہ صبح صبح کس کو مصیبت آن پڑی ہے۔" وہ رات کا اتنا تھکا ہوا تھا کہ اسے دن کے بارہ بجے بھی صبح صبح دکھائی دے رہی تھی‘ ہاتھ بڑھا کر تکیے کے نیچے سے فون برآمد کیا وہ مسلسل بج کر بند ہوچکا تھا یہ دیکھنے کی زحمت کیے بنا کہ کسی کا فون تھا اس نے سیل آف کرنا ہی چاہا تھا کہ وہ ایک بار پھر پوری شدومد کے ساتھ گونج اٹھا‘ سامنے اسکرین پر مریم آپا کا نام جگمگا رہا تھا۔

"انہیں اس وقت میں کیوں یاد آگیا؟" اس سوچ کے ساتھ ہی رات والا واقعہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ اس کے دماغ میں گھوم کر اس کے چودہ طبق روشن کرگیا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا لیکن اس سے قبل کے کال ریسیو کرتا فون ایک بار پھر سے خاموش ہوگیا‘ اسی پل دروازے پر ابھرنے والی دستک

سے اس کے حواس چوکنا ہوگئے' جلدی سے اٹھ کر لاک کھولا سامنے ہی بہروز کھڑا تھا اسی کی طرح بے زاری شکل بنائے ہوئے یقیناً اس کی نیند خراب کرنے کی ذمہ دار بھی مریم آپا ہی تھیں۔ یہ بات وہ بنا پوچھے ہی جان سکتا تھا اسی پل اس کا فون ایک بار پھر سے بج اٹھا' راحم نے جلدی سے کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم آپا!''

''وعلیکم السلام! تم لوگ کیا نیند کی دوائی کے عادی ہوگئے جو اتنے فون کرنے پر بھی آنکھ نہیں کھلی یا میرا نمبر دیکھ کر نظر انداز کررہے تھے۔''

''رات تھک بہت گئے تھے اس لیے آپ کے فون کا پتا نہیں چلا۔''

''بہر حال اس وقت تم لوگ جہاں اور جیسے بھی ہو پندرہ منٹ میں میرے گھر پہنچو۔'' اس کے ساتھ ہی انہوں نے فون بند کردیا۔

''کیا مصیبت ہے یار ایک اتوار کا دن سونے کو ملتا ہے آج وہ بھی برباد ہوگیا۔'' فون بیڈ پر پھینکتے ہوئے راحم بڑبڑایا۔

''تم بلاوجہ کا کیوں واویلا کررہے ہو؟'' بہروز نے اسے دیکھتے ہوئے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔ ''یہ سب تمہاری اس ہمدردی کا نتیجہ ہے جو اس وقت مریم آپا کے گھر موجود ہماری جان کو رو رہی ہے۔''

''گاڑی تم اندھوں کی طرح ڈرائیو کررہے تھے' قصور میرا ہوگیا۔'' باتھ روم کی جانب بڑھتا راحم وہیں رکا۔

''سب سے بڑا فساد تو شاہ زیب ہے جس کی بنا ٹائم کی لگائی گئی ہانک نے ساری رات تو برباد کی اور اب شاید دن بھی برباد کرنا پڑے۔''

''ہے کہاں وہ؟'' راحم کو یاد آیا رات شاہ زیب بھی ان کے ساتھ تھا۔

''گدھوں کی طرح سو رہا ہے' مجال ہے جو میرے اتنا جگانے پر بھی ٹس سے مس ہوا ہو۔''

''جاگ بھی گیا ہوگا تو بھی مکر کرکے پڑا ہوگا' وہ اتنا ہی ڈرامہ باز انسان ہے۔'' برا سا منہ بناتا راحم باتھ روم میں گھس گیا اور اگلے پندرہ سے بیس منٹ میں تیار ہوکر وہ مریم آپا کے گھر جا پہنچے جو ان کے گھر سے بمشکل پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر تھا۔

❁......❁......❁

عبید صاحب ابھی سبزی منڈی سے واپس لوٹے تھے جب انہوں نے راحم اور بہروز کو تیزی سے گاڑی نکال کر مین روڈ کی جانب جاتے دیکھا انہوں نے سبزی اور فروٹ کی تھیلیاں لاکر ٹیبل پر رکھیں اور تھیلے میں سے ایک گاجر نکال کر سینک سے دھونے کے لیے کچن میں داخل ہوئے تو نظر سامنے کھڑی اپنی زوجہ محترمہ سبین پر گئی۔

''یہ دونوں صبح صبح کہاں نکل گئے؟'' سینک کے نل سے گاجر دھوتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''کون دونوں؟'' سبین نے حیرت سے دریافت کیا۔

''راحم اور بہروز' رات جانے کس ٹائم گھر آئے اب دن چڑھتے ہی عالم بدحواسی میں کہیں بھاگے جارہے تھے۔''

''مریم کے گھر گئے ہیں اسے شاید کوئی کام تھا۔''

''ایسا کون سا کام ہے مریم کو جوان جیسے نکموں سے کروانا ہے' کام کے لیے اس کے پاس اچھا بھلا ظہور موجود ہے محنتی لڑکا۔'' وہ کچن سے باہر نکل آئے جہاں سامنے ہی شاہ رخ گاڑی سے مزید سامان نکال کر رکھ رہا تھا۔

''ذرا شاہ زیب کو بھیجو میرے پاس معلوم کروں رات کون سی مہم سر کرکے آئے ہیں یہ تینوں آوارہ گرد۔'' ان کا رات والا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

''جی بڑے ابو۔'' مودبانہ انداز میں جواب دیتا شاہ رخ اپنے پورشن کی جانب بڑھ گیا جبکہ عبید صاحب وہیں صوفے پر بیٹھے شاہ زیب کا انتظار کرنے لگے۔

❁......❁......❁

وہ دونوں جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوئے سامنے صوفے پر بیٹھے چار سالہ ثوہان نے جلدی سے اپنا چپس کا پیکٹ چھپالیا' اس کی یہ معصومانہ حرکت دیکھتے ہی راحم زیرلب مسکرایا۔ جانتا تھا کہ وہ ہمیشہ شاہ زیب سے اپنی اسنیکس چھپا کر کھاتا تھا کیونکہ وہ جب بھی آتا بچوں سے لے کر سب کچھ چٹ کر جاتا۔

''اوئے ہیرو...... شازو ماموں نہیں آئے تم یہ چپس نکال کر سرِعام کھا سکتے ہو کوئی جرمانہ نہیں ہوگا۔'' بہروز اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھتا ہوا مسکرا کر بولا جبکہ ثوہان نے پہلے اچھی طرح یقین کرلیا کہ شاہ زیب ان کے ساتھ نہیں ہے پھر اپنے گھٹنے کے نیچے رکھا پیک نکالا اور بہروز کی جانب بڑھایا۔

''آپ کھائیں گے؟'' پوچھنے کا انداز ایسا تھا جیسے دینا نہ چاہتا ہو۔

''نہیں یار تم کھاؤ' یہ بتاؤ تمہاری مما جانی کہاں ہیں؟''

''کچن میں اور آج وہ بہت غصہ میں بھی ہیں۔'' یہ اطلاع سامنے صوفہ پر بیٹھی شانزے کی جانب سے آئی تھی اسی پل مریم آپا کچن کے دروازے پر آن کھڑی ہوئیں۔

''تم ناشتا کرو گے یا کھانا ہی لگادوں۔''

''کھانا ہی کھائیں گے لیکن ہوسکے تو پلیز ایک کپ چائے ضرور دے دیں۔'' اگلے ہی پل وہ چائے کے کپ لیے لاؤنج میں آئیں۔

''یہ لڑکی کون ہے؟'' کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ کڑے تیوروں کے ساتھ راحم سے مخاطب ہوئیں۔

''رات میں نے بتایا تھا سسٹر ماریہ کو......'' اور اس کے ساتھ ہی بہروز نے اسے ساری تفصیل سنادی۔ ''میں نے اسے یہ بھی کہا تھا کہ جب وہ ہوش میں آجائے تو اس کے گھر والوں کا نمبر لے کر انہیں انفارم کردے۔''

''ضرور کہا ہوگا اور وہ یہ سب کر بھی دیتی اگر وہ لڑکی اپنے حواسوں میں ہوتی۔''

''مطلب......؟'' راحم ان کی بات سمجھ نہ پایا۔

''پاگل ہے وہ لڑکی' اپنے گھر بار کے بارے میں کچھ نہیں جانتی' جب سے ہوش میں آئی ہے عجیب اوٹ پٹانگ باتیں کررہی ہے۔''

''وہ ہے کہاں؟'' ان کی باتیں سن کر راحم نے حیرت سے پوچھا۔

''اندر کمرے میں' صبح میں اسے اپنے ساتھ ہی گھر لے آئی تھی۔''

''اوہ......'' بہروز صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

''اوہ کیا......؟'' مریم آپا تیوری پر بل چڑھائے اس کی جانب پلٹیں۔

''تم سے آدھی رات کو احتیاط سے ڈرائیونگ نہیں ہوتی اگر جو خدانخواستہ وہ مرجاتی تو جانتے ہو کیا ہوتا؟''

''وہ تو جب ہوتا تب سوچا جاتا اب آپ یہ بتائیں وہ کہہ کیا رہی ہے۔''

''عجیب بے وقوف لڑکی ہے کہتی ہے کہ میں ہیر ہوں اور ڈھوک سیال سے آئی ہوں مزید یہ کہ ہوش میں آتے ہی رانجھے کا نام لے لے کر رو رہی تھی۔''

''ڈھوک سیال......'' راحم حیران ہوا۔ ''وہ تو یہاں سے کافی دور ہے اتنی دور سے ایک تن تنہا لڑکی لاہور تک کیسے آ گئی؟''

''بے وقوف آدمی وہ تو سب بعد کی سوچنے والی بات ہے پہلے یہ تو سوچو کہ وہ خود کو ہیر کہہ رہی ہے۔''

''اوہ خدایا......'' مریم آپا کے وضاحت کرتے ہی جیسے ان دونوں کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا' ہیر یعنی ہیر رانجھے والی ہیر......اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لڑکی سو فیصد پاگل تھی یا پھر رات روڈ پر گرنے سے اس کے دماغ پر چوٹ لگی ہے۔

''ہمیں ملوائیں تو سہی اس سے' کہاں ہے وہ ہیر صاحبہ......'' بہروز نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور اگلے ہی پل مریم انہیں اپنے ساتھ لیے گیسٹ روم کی جانب آ گئی جہاں سامنے ہی وہ لڑکی رات والے سرخ لاچے اور قمیص میں ملبوس اداس بیٹھی تھی وہ گٹھڑی جو رات اس کے پاس تھی ابھی بھی بیڈ پر رکھی ہوئی تھی' پراندہ بھی ویسے ہی بندھا تھا فرق صرف یہ تھا کہ اس میں سے بال نکل کر آوارہ گردی کررہے تھے۔

دروازہ کھلنے کی آواز سنتے ہی لڑکی نے پلٹ کر ان کی جانب دیکھا اور سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی اور جتنی تیزی سے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اتنی ہی رفتار سے دوڑتی ہوئی آئی اور آتے ہی راحم کو بازو سے تھام لیا۔

''آ گئے تم' جانتے ہو تمہاری راہ تکتے میری یہ آنکھیں پتھر ہوگئیں' لے چلو مجھے یہاں سے ورنہ یہ ظالم دنیا ہم دونوں کو الگ کردے گی۔'' اتنی خالص پنجابی میں اس کی زبان سے ادا ہونے والے جملوں نے راحم کے ساتھ کمرے میں موجود باقی دونوں افراد کے دماغ بھی بھک سے اڑا دیئے تھے۔

''پلیز......آپ اپنا ہاتھ ہٹائیں میں آپ کو نہیں جانتا۔'' اسے مریم آپا کے ساتھ ساتھ بہروز کی آنکھوں میں بھی اپنے لیے شک کے سائے تیرتے دکھائی دیئے۔

''ہائے اتنا ظلم......'' آنکھوں میں آنسو بھرے وہ اسے اس طرح دیکھ رہی تھی کہ راحم کے لیے نظریں چرانا مشکل ہوگیا۔ آج پہلی بار اسے عورت کے آنسوؤں کی طاقت کا احساس ہوا یا شاید خوب صورت عورت کے آنسو ایک عام عورت سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔

''میں تمہاری خاطر کھیڑوں سے دشمنی مول لے کر بھاگی اور جانتے ہو رات چاچا کیدو بھی میرے پیچھے تک آیا تھا وہ تو بھلا ہوا ان باجی کا جو مجھے یہاں لے آئیں ورنہ تو انہوں نے

مجھے مار کر وہیں کہیں قبر بنا دینی تھی بے نام و نشان اور تمہیں پتا بھی نہیں چلتا کہ تمہاری ہیر کہاں گئی۔" چاچا کیدو کے ذکر کے ساتھ ہی ان دونوں کو رات والا وہ لنگڑا شخص یاد آ گیا جو اندھیرے کا ہی ایک حصہ دکھائی دے رہا تھا اور اس کے ساتھ بہروز کے جسم میں خوف سے جھرجھری پیدا ہوئی جبکہ راحم کا رویہ خاصا نارمل تھا کیونکہ اسے یہ لڑکی صاف ڈرامہ دکھائی دے رہی تھی۔

"دیکھیں بی بی میرا نام راحم قریشی ہے اور میں کوئی رانجھا وانجھا نہیں' آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" سختی سے یہ الفاظ ادا کرتے ہی راحم نے اپنا بازو چھڑا لیا۔

"دیکھ لیں آپا اگر اسے کچھ یاد آ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ بہتر ہوگا کہ ہم پولیس کو اطلاع کریں وہ خود ہی آ کر سب کچھ معلوم کرلے گی۔" درپردہ اسے دھمکی دیتا وہ کمرے سے باہر نکل آیا' بہروز بھی اس کے پیچھے لپکا۔

"لو جی تمہارے تو مزے ہو گئے یک نہ شد دو شد ماورا کے ساتھ ساتھ اتنی خوب صورت ہیر بھی بونس میں مل گئی۔"

"بکواس بند کرو اپنی اور اس لڑکی کی تصویر لے کر اخبار میں اشتہار دو تاکہ اس کے گھر والوں کو علم ہو سکے کہ یہ کہاں ہے؟ یقیناً وہ اسے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔"

"اور اگر یہ واقعی ڈھوک سیال کی ہیر ہوئی تو پھر وہاں تو شاید ابھی تک لوگوں کو اخبار بھی نہ پڑھنا آتا ہوگا' صحیح کہہ رہا ہوں ناں میں۔" راحم نے پلٹ کر دیکھا بہروز مسکرا رہا تھا۔

"صحیح وہ کہتے ہیں جن کے پاس دماغ ہوتا ہے جو کہ تمہارے پاس قطعی ناپید ہے۔"

"اوہو...... ہمارے رانجھا صاحب کی اردو تو بہت خالص ہوگئی ہے۔" اس سے قبل کے راحم اسے مزید کچھ سناتا مریم آپا کمرے سے باہر نکل آئیں۔

"اللہ جانے کس کی بیٹی ہے جو رلتی پھر رہی ہے' گھر والے بے چارے الگ پریشان ہو رہے ہوں گے' مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں ایسے میں جو چاچا جی کو اس ساری کہانی کا علم ہوا تو تمہارے ساتھ ساتھ میری بھی خیر نہیں۔"

چاچا جی وہ راحم کے والد کو کہتی تھی اور مریم آپا کی بات سو فیصد درست تھی اگر عبید صاحب کو اس لڑکی کے ساتھ ساتھ رانجھا والی بات پتا چلتی تو یقیناً راحم کی خیر نہ تھی۔

"فی الحال تو آپ کسی سے کوئی ذکر نہ کریں' ہم کل کے نیوز پیپرز میں اس کی تصویر لگاتے ہیں' ہو سکتا ہے کوئی والی وارث دیکھ لے اور ہماری مشکل آسان ہو جائے۔"

"اور اگر کوئی اس کا جعلی دعویدار آ گیا تو اس صورت میں ہم کیا کریں گے' کیسے علم ہو پائے گا کہ اصل حق دار ہیں بھی کہ نہیں۔ ہم جوان خوب صورت لڑکی بن تصدیق کے بھلا کیسے کسی کے حوالے کر سکیں گے۔" بات تو ان کی بھی خاصی حد تک ٹھیک تھی مگر پھر بھی اس لڑکی کا اپنے گھر والوں تک پہنچنے کا اس سے بہتر راستہ راحم کو دکھائی نہ دے رہا تھا۔

"جو بھی ہے آپا رسک تو لینا ہی پڑے گا ورنہ سوچیں اگر جو اس کی یادداشت واپس نہ آئی تو بے چاری ماورا کا کیا بنے گا۔" سنجیدگی سے بات کرتا بہروز شرارت سے باز نہ آیا۔

"کچھ نہیں بنتا ماورا کا اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں اور وہ بھی اس صورت میں جب ہم کسی بے سہارا کو سہارا دینے کا باعث بنیں......"

"جملہ پورا کرو یار...... بے سہارا اور خوب صورت عورت کو سہارا دینا ہم نوجوانوں کے لیے باعث رحمت ہوتا ہے۔ تم چار شادیوں کا شوق کہیں اور پورا کر لینا ہیر کے لیے میں رانجھا بن جاؤں گا۔" بہروز نے اپنی بات کے اختتام پر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"کھانا لگائیں آپا...... بہت بھوک لگ رہی ہے۔" اسے گھورتا ہوا راحم ڈائننگ کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"لگا رہی ہوں ذرا ظہور کو پیسے دے دوں' بازار سے ساگ لے آئے' اندر موجود محترمہ کو صبح ناشتے میں بھی پراٹھے کے ساتھ مکھن اور لسی درکار تھی اب دوپہر کے کھانے میں وہ ساگ اور مکئی کی روٹی تناول فرمائیں گی۔"

"واقعی......" بہروز کو حیرت ہوئی۔

"اب تو مجھے سو فیصد یقین آ گیا کہ یہ ڈھوک سیال کی ہیر ہی ہے ورنہ کوئی عام شہری لڑکی اپنی فٹنس کو دیکھتے ہوئے صبح صبح مکھن نہیں کھا سکتی ناممکن۔" مریم بنا جواب دیئے لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی جبکہ کچن میں موجود زلیخا نے ٹیبل پر کھانا لگانا شروع کر دیا۔

❁ ❁ ❁

اور پھر اگلے چند دنوں میں وہ لڑکی واقعی ان کے لیے ایک مسئلہ بن گئی' اخبار میں کئی بار اشتہار دیئے گئے مگر اس کا اصل وارث سامنے نہ آیا اور یہ بھی بات ان سب کے لیے باعث

تشویش تھی جبکہ راحم کے لیے یہ وقت ایسا تھا جب وہ چاروں طرف سے مشکلات میں گھرا ہوا تھا اس کے ایک سرے پر ہیر اور دوسری جانب اپنی خونخوار فطرت کے ساتھ ماورا موجود تھی جسے اکثر ایسا لگتا کہ ہیر اور راحم آپس میں ملے ہوئے ہیں اور درپردہ کہانی کچھ اور ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے دل میں راحم کے لیے شک وشبہات بڑھتے جارہے تھے جن میں وہ حق بجانب تھی اور سب سے زیادہ مشکل اسے اپنی والدہ کی جانب سے تھی جو اس ساری کہانی میں ماورا کا ساتھ دیتے ہوئے یہ بھی سمجھ رہی تھیں کہ ہیر' راحم کے دوران ٹریننگ کھلائے گئے کسی گل کا نتیجہ ہے جبکہ راحم سمجھ نہ پارہا تھا کہ ان سب باتوں کا کیا جواب دے کیونکہ اس کے سارے جواب ہیر نے ختم کردیئے تھے۔ راحم الگ پریشان تھا کہ اس کا کیا بننے والا ہے جبکہ ابھی عبید صاحب اس ساری کہانی سے قطعی لاعلم تھے۔ مریم آپا جیسے ہی کچن میں داخل ہوئیں سامنے کھڑی ہیر کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"تم یہاں کیا کررہی ہو؟" عام طور پر کچن کا سارا کام زلیخا ہی کرتی تھی جبکہ مریم آپا اپنی مصروفیت کے باعث خود بھی کچن میں کم ہی آیا کرتی تھیں' ایسے میں ہیر کو یہاں دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔

"میں چُوری بنارہی ہوں۔" ہیر کا جواب خاصا حیرت انگیز تھا۔

"چُوری....." مریم نے اس کا کہا ہوا لفظ زیر لب دہرایا۔

"تم زلیخا سے کہہ دیتیں وہ بنادیتی۔"

"نہیں اپنے رانجھے کے لیے چُوری میں خود اپنے ہاتھ سے بناؤں گی۔"

"رانجھا.....اوہ....." ایک دم انہیں جیسے یاد آیا وہ راحم کو اپنا رانجھا سمجھتی تھی' اس لیے لازمی یہ چوری راحم کے لیے تیار ہورہی تھی۔

"راحم چُوری نہیں کھاتا۔"

"میں بناؤں گی تو ضرور کھائے گا۔" اس کے لہجہ میں محبت بھرا استحقاق مریم آپا کو پریشان کرگیا۔

"دیکھو ہیر بات کو سمجھنے کی کوشش کرو وہ تمہارا رانجھا نہیں ہے' وہ میرا بھائی راحم ہے جس کی شادی ماورا سے طے ہے پھر تم کیوں ان دونوں کو بلاوجہ پریشان کررہی ہو۔" مگر ہیر ایسے تھی جیسے کچھ سن ہی نہ رہی ہو چپ چاپ اپنے کام میں مگن چُوری کا بڑا سا باؤل تیار کرکے اپنے ساتھ لیے وہ باہر ڈائننگ پر آ گئی۔

"باجی جی..... آپ ذرا اپنے بھائی اور میرے رانجھے کو آواز دیں کہ اگر چُوری کھانے پر ٹھنڈی ہوگئی ناں تو ذرا مزہ نہیں دے گی ویسے بھی میرا رانجھا چُوری گرما گرم ہی کھاتا ہے۔" اپنی چوٹی کو ایک ادا سے پیچھے کرتے ہوئے وہ کچھ اس طرح بولی کہ مریم آپا جواب ہی نہ دے سکیں اور بے اختیار نہیں اس لڑکی پر ترس آ گیا جو بھری جوانی میں اپنے ہوش وحواس سے اس طرح یکسر بے گانہ ہوئی تھی کہ گھر بار یاد نہ رہا تھا یہ بھی بھول گئی کہ وہ تھی کون کہاں سے آئی تھی؟ لاکھ سب کے کہنے کے باوجود مریم کا دل نہ مانتا تھا کہ ایسی حالت میں ایک لڑکی کو کسی دارالامان کے حوالے کردیا جائے' یہی سوچ کر وہ اس کی ہر بات خاموشی سے برداشت کررہی تھی' ابھی بھی نہ چاہتے ہوئے وہ راحم کو فون کر بیٹھی جبکہ وہ خود کچھ دیر قبل ہی ہسپتال سے گھر آئی تھیں اور ارادہ نیند لینے کا تھا۔

"کہاں ہو تم؟" راحم کے فون اٹھاتے ہی انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

"گھر پر ہی ہوں.....خیریت؟"

"میں تمہارا انتظار کررہی ہوں فوراً میرے گھر آجاؤ۔" مختصر الفاظ میں اپنی بات کہہ کر اس نے فون بند کردیا لیکن جانے اس کے الفاظ میں ایسا کیا تھا کہ صرف پچیس منٹ بعد ہی رات سونے والے ڈریس میں ملبوس آنکھیں ملتا راحم ان کے گھر آن موجود ہوا۔

"تم نے دانت صاف کیے تھے یا ویسے ہی بستر سے نکل کر آگئے ہو؟"

"کیوں خیریت' آپ کو میرے دانتوں سے کوئی کام ہے؟" وہ حیرت سے بولا۔

"مجھے نہیں تمہاری ہیر کو کام ہے تم سے اور تمہارے دانتوں سے۔"

"اتنی صبح صبح اس پر کون سی افتاد آگئی جو آپ نے مجھے بلوالیا۔" ہیر کا نام سنتے ہی وہ تھوڑا چڑ سا گیا۔

"میں کب سے تمہارا انتظار کررہی تھی۔" اسے دیکھتے ہی ہیر جیسے کھل اٹھی۔

"چُوری کھالو تمہارے لیے بنا کر بیٹھی ہے کہتی ہے کہ میرے رانجھے کو گرما گرم چُوری بہت پسند ہے۔ حیرت والی بات ہے آج تک ہمیں نہ پتا چلا کہ تمہیں چُوری بہت پسند

ہے؟'' مریم آپا مسکرا رہی تھیں ایک ایسی مسکراہٹ جو راحم کو اچھا خاصا تپا گئی۔

''پلیز مریم آپا...... آپ تو بہروز اور شاہ زیب والی فہرست میں شامل نہ ہوں۔ آپ سب جانتی ہیں کہ میرا اس لڑکی سے کوئی تعلق نہیں اور ہاں میں چُوری نہیں کھاتا۔'' مریم آپا کو جواب دینے کے ساتھ ہی وہ سامنے اپنے لیے منتظر بیٹھی ہیر سے مخاطب ہوا اور اس کے ساتھ ہی جیسے وہ آیا تھا ویسے ہی دروازے سے باہر نکل گیا' ہیر اپنی کرسی کھینچ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ نے اچھا نہیں کیا باجی جی...... میرے رانجھے کو ناراض کردیا اب میں نے بھی اس وقت تک کچھ نہیں کھانا جب تک رانجھے نے یہ چُوری نہ کھائی۔''

لو جی ایک اور نئی افتاد یہ وہ نیکی تھی جو اُن کے گلے پڑ چکی تھی اس سے قبل کہ وہ ہیر کو کوئی جواب دیتیں وہ چُوری کا بھرا ہوا باؤل ٹیبل پر ہی چھوڑ کر خود اپنے کمرے کی جانب چلی گئی اور چاہتے ہوئے بھی مریم اس کی اس حرکت پر اسے ڈانٹ نہ سکی۔

❁......❁......❁

''دیکھو راحم...... بہت ہوگیا' یہ ہیر والا تماشہ اب ختم کرو کیونکہ مما اور پاپا بہت غصے میں ہیں' ایسا نہ ہو کہ بات خراب ہوجائے۔'' راحم نے نظر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑی ماورا کو دیکھا' رائل بلیو کُرتی اور کمر تک آتے کالے سیاہ سلکی بال جو ہمیشہ کھلے ہی رہتے' وہ ہمیشہ کی طرح بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

''ویسے بائی داوے اس سارے تماشے میں میرا کیا قصور ہے جو تم مجھے اس طرح باتیں سنا رہی ہو۔'' ایک تو وہ ہیر کی صبح والی حرکت سے تپا بیٹھا تھا کیونکہ اس کی چُوری والی کہانی خاندان کی تمام نوجوان نسل میں مشہور ہوچکی تھی وجہ اس کی خود ساختہ بھوک ہڑتال تھی جس کا ذمہ دار ہر فرد اسے ٹھہرا رہا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آرہا خاندان کے اتنے لڑکوں میں اسے تم ہی رانجھا کیوں دکھائی دیئے؟'' شروع سے ہی ماورا کا انداز ایسا ہی مشکوک تھا۔

''یہ تم اسی سے جاکر پوچھو' میرے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں۔''

''اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے راحم وہ یہ کہ تم پولیس میں رپورٹ درج کراؤ اور اس لڑکی کو کسی دارالامان میں داخل کروا دو وہ خود ہی پتا لگالیں گے اس کے کسی سرپرست کا' کم از کم ہماری تو اس مصیبت سے جان چھوٹے۔''

''پہلی بات تو یہ کہ وہ مصیبت تمہارے لیے نہیں ہے کیونکہ اسے مریم آپا بھگت رہی ہیں۔ دوسری بات یہ یاد رکھو کہ محبت میں بے اعتباری نہیں ہوتی اگر تمہیں ایسا لگتا ہے کہ میں تمہارے اعتبار کے قابل نہیں تو جان لو کہ پھر ہمارے درمیان محبت بھی نہیں رہی اور جب محبت ہی ختم ہوگئی تو کیا ضرورت ہے بلاوجہ کاغذ کا رشتہ جوڑنے کی۔'' ماورا کی جانب سے کیے جانے والے مسلسل شک وشبہات نے راحم کا دل اس سے بُری طرح متنفر کردیا تھا۔

''مطلب کہ تم اب مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہو؟'' وہ شروع سے ہی اتنی کم عقل تھی' کبھی کسی بات کو گہرائی تک نہ جان پائی۔

''اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو یہی سمجھ لو ویسے ایک بات کہوں ماورا...... مجھے تم سے ایسی بے اعتباری کی امید نہ تھی کم از کم تم وہ واحد ہستی تھیں جو مجھے اندر باہر سے اچھی طرح جانتی تھیں مگر تم بھی دنیا کے ساتھ شامل ہوگئیں۔ کچھ تو میرا ساتھ دیا ہوتا کہ مجھے لگتا کہ کوئی تو میرا ہے جو مجھے جانتا ہے' مجھ پر اعتبار کرتا ہے' آج تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے تم بھی میری نہیں ہو۔'' وہ تاسف بھرے انداز میں کہتا باہر کی جانب بڑھ گیا جب دوڑتی ہوئی ماورا نے اس کے قریب آکر اسے روکنا چاہا۔

''میری بات تو سنو راحم......!'' مگر راحم نہ رکا اور بیرونی گیٹ عبور کرکے گھر سے باہر نکل گیا۔

❁......❁......❁

ہیر اپنی گٹھڑی کھولے جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی جب اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا' اس نے سر اٹھا کر دیکھا سامنے ایک خوب صورت نوجوان لڑکی کھڑی تھی جسے اس نے پہلے بھی یہاں دیکھا تھا۔

''السلام علیکم باجی جی۔'' خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے اپنا لاچہ سنبھالے وہ اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ ابھی تک وہ شلوار قمیص کی عادی ہی نہ ہوئی تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' ماورا نے اچھی طرح اس کا جائزہ لیتے جواب دیا۔ ''تم نے پہچانا مجھے' میں ماورا ہوں راحم کی منگیتر......''

''میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو پہلے بھی دیکھا ہے لیکن یہ نہیں جانتی کہ آپ کون ہیں؟'' شان بے نیازی سے جواب دیتے ہوئے اس نے اپنا پراندہ ایک

جھٹکے سے پیچھے کیا۔

''راحم کو تو جانتی ہونا؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی ماورا لہجہ طنزیہ ہوگیا۔

''راحم......'' وہ بڑبڑائی۔

''وہ ہی آپ کے رانجھا صاحب جی......'' یہ زلیخا تھی جو اسی وقت ماورا کے لیے پانی کا گلاس لے کر اندر داخل ہوئی تھی' ماورا نے دیکھا زلیخا مسکرا رہی تھی۔

''اوہ اچھا تو ایسا کہو نہ یہ تو جانے اس کا کیا نام لے رہی ہیں۔''

''جو نام میں لے رہی ہوں اس کا وہ ہی نام ہے ہیر۔''

''میں تمہیں یہاں یہ سمجھانے آئی ہوں کہ ہمیں نہیں پتا تمہارا رانجھا کہاں ہے؟ اسی لیے پلیز تم راحم کو رانجھا بنانے کی کوشش مت کرو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''لو جی میں کب آپ کے راحم کو رانجھا بنا رہی ہوں' میں تو صرف اپنے رانجھے کی ہیر ہوں اور آپ ناں میرے رانجھے کو زبردستی اپنا بنانے کی کوشش نہ کریں وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا آپ دیکھ لینا اگر آپ نے زبردستی اسے راحم بنا کر مجھ سے چھیننے کی کوشش کی تو ہم دونوں نے ہی مرجانا ہے۔''

''لو جی قصہ ہی ختم نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔'' ہیر کی بات ختم ہوتے ہی زلیخا کھی کھی کرکے ہنسنے لگی' ماورا نے پلٹ کر اسے گھورا اس کے باہر نکلتے دانت تو فوراً اندر چلے گئے مگر شاید اس کا جملہ ہیر کے لیے اکسیر ثابت ہوا وہ تیزی سے اپنے بستر کی جانب پلٹی اور وہاں رکھی گٹھڑی کھول کر اندر ہاتھ مارا اور کچھ برآمد کرکے ایک بار پھر ان دونوں کے سامنے آن کھڑی ہوئی' ماورا نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک پرانی سی بانسری تھی۔

''یہ دیکھیں باجی جی......میرے رانجھے کی بانسری۔''

''لو جی ایک اور نیا سیاپا۔'' ماورا کو سمجھ نہ آیا کہ وہ اس کی بات کا کیا جواب دے' راحم صحیح کہتا ہے یہ لڑکی واقعی پاگل تھی یا شاید پاگل بننے کی کوشش کررہی تھی جو بھی تھا فی الحال اس وقت اس سے بات کرنا ماورا کے لیے بہت مشکل ہوگیا اور غصہ سے بھری زلیخا کی سمت پلٹی۔

''تمہیں ضروری تھا اس وقت بانسری کا نام لینا۔''

''تو جی......'' ماورا کے غصہ سے زلیخا کی گھگھی بندھ گئی۔

''ہٹو میرے آگے سے۔'' اسے ہٹاتی ماورا کمرے سے باہر نکل گئی جبکہ پانی کا گلاس تھامتے زلیخا بھی اس کے پیچھے ہی بھاگی۔

❁......❁......❁

''ہیر کون ہے؟'' ایک تو چاچا جی کی بے وقت آمد اور اس پر ان کی طرف سے کیا جانے والا سوال' ایک پل کو مریم بوکھلا گئی۔ چاچا جی کے ساتھ موجود پھوپو کے چہرے کے تاثرات بھی اس وقت کچھ ایسے تھے کہ مریم کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔

''سوال اتنا مشکل نہیں ہے بیٹا جی کہ جواب دینے کے لیے اتنی سوچ وبچار کرنی پڑے۔'' پھوپو کا انداز خاصا طنزیہ تھا۔

''وہ حماد کی دور کے کسی رشتہ دار کی بیٹی ہے جو ذہنی طور پر ٹھیک نہیں اس لیے علاج کی خاطر یہاں شہر میں میرے گھر رہ رہی ہے ویسے خیریت آپ لوگ اس کے بارے میں اتنی تشویش کا شکار کیوں ہیں؟'' مریم کی حاضر دماغی نے بروقت ہی معاملے کو سنبھال لیا۔

''چلو مان لیا وہ حماد کی رشتہ دار ہے' اس لیے تمہارے گھر رہ رہی ہے۔'' حماد مریم کے شوہر کا نام تھا۔ ''مگر راحم سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ وہ یہاں اس لڑکی سے ملنے کیوں آتا ہے اور یہ چُوری والی کہانی کیا ہے؟''

مطلب یہ ہوا کہ انہیں کوئی انفارمر بتا چکا تھا کہ مریم آپا کے سمجھانے پر راحم بھی کبھار ہیر سے ملنے یہاں آتا ہے بلکہ چُوری سے بھی لطف اندوز ہوا ہے اور یہ کام یقیناً زلیخا کا تھا جسے نہ صرف ماورا سے ہمدردی بلکہ محبت تھی' جس کے باعث وہ ہر بات اسے بتایا کرتی پہلے تو اس بات کا مریم کو صرف شک تھا مگر آج پوری طرح یقین بھی ہوگیا تھا۔

''آپ جانتے ہیں چاچا جی......راحم چُوری نہیں کھاتا اسی لیے میرا خیال ہے جس نے بھی آپ کو یہ اطلاع دے کر ورغلانے کی کوشش کی ہے آپ پہلے اس کا جا کر منہ توڑیں پھر آ کر مجھ سے سوال کریں۔'' مریم نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا کہ زوردار آواز سے دروازہ کھولتی ہیر اندر داخل ہوئی' وہ اکیلی ہوتی تو شاید مسئلہ نہ ہوتا ستم یہ کہ وہ چُوری کے پیالہ سمیت تھی۔

''السلام علیکم جی......میں سمجھی کہ رانجھا آیا ہے بس اسی لیے یہ چُوری بنا کر لے آئی۔'' جس تیزی سے وہ اندر آئی تھی اسی تیزی سے پیالہ لیے واپس پلٹ گئی مگر اس کی بے وقت آمد

نے مریم کو اچھا خاصا شرمندہ کردیا تھا۔

''یہ رانجھا تو ثوبان کو کہتی ہے؟'' عبید صاحب کا سوال خاصا تیکھا تھا۔

''دیکھو مریم...... جو بھی ہے بہتر یہ ہوگا کہ تم جلد از جلد اس لڑکی کا مسئلہ حل کرو ورنہ میرے لیے گھر کے معاملات سنبھالنا کافی مشکل ہوجائیں گے کیونکہ اسی لڑکی کی وجہ سے ماورا خاصی ٹینشن کا شکار ہے اور اس کی پریشانی میرے لیے ناقابل برداشت ہے اس لیے بہتر ہے تم حماد سے بات کرکے اسے فوراً یہاں سے رخصت کرو ورنہ میں خود اس سے بات کرلیتا ہوں۔'' یہ سب کہتے ہوئے وہ دونوں بہن بھائی اٹھ کھڑے ہوئے اور مریم کو اس وقت راحم کے ساتھ شاہزیب اور بہروز پر اس قدر غصہ آیا کہ جو اگر سامنے ہوتے تو وہ بے نقط سناتی کہ اللہ کی پناہ یہ ان کا ہی کیا دھرا تھا جو بنا کسی سبب مریم کو بھگتنا پڑ رہا تھا اور پھر ان لوگوں کے وہاں سے جاتے ہی مریم نے تینوں کو فون کرکے اپنے گھر پہنچنے کی ہدایت کی تاکہ وہ ان سے بات کرکے ہیر نامی اس مسئلہ کا اب کوئی حل نکالے کیونکہ اب یہ مسئلہ کافی گمبھیر ہوگیا تھا۔

❁......✿......❁
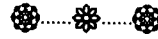
مریم کی ناراضگی نے ان تینوں کے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے اور پھر اپنے طور ان لوگوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح ہیر کو اس کے گھر تک پہنچادیا جائے۔ اس کے لیے راحم اور بہروز کئی بار اس مقام پر گئے جہاں بہروز کی گاڑی سے ہیر ٹکرائی تھی مگر وہاں انہیں کوئی ایسا سراغ نہ ملا جس سے ہیر کے گھر بار کا پتا چلتا' انہوں نے اس رات والے لنگڑے شخص کو بھی بہت تلاش کیا مگر بے سود۔ سمجھ نہ آتا تھا کہ ہیر کہاں سے آئی ہے' ہر گزرتا دن ان کے لیے پریشانی میں اضافہ کا باعث بن رہا تھا اور پھر بحالت مجبوری سب کے مشورے کے بعد راحم نے اپنے دوست ڈی ایس پی فاروق سے رابطہ کیا اور اسے ساری بات بتائی' جس نے راحم کو یقین دلایا کہ وہ جلد ہی ہیر کے گھر والوں کا سراغ لگائے گا اور یہ سب کچھ وہ ذاتی طور پر کرے گا اس سے پولیس ڈیپارٹمنٹ کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

اب اس کے لیے مزید پریشانی بڑھ رہی تھی' ماورا اس سے سیدھے منہ بات ہی نہ کرتی تھی' اوپر سے ہیر کی اپنے لیے اتنی وارفتگی اسے ورطہ حیرت میں ڈال رہی تھی باوجود اس کے کہ اس کا رویہ ہیر سے کوئی بہت لگاؤ والا نہ تھا مگر کب تک' آخر ماورا کی لاتعلقی اور ہیر کی وارفتگی رفتہ رفتہ ہیر کے اس قدر قریب ضرور لے آئی کہ اب وہ اس سے چڑتا نہ تھا بلکہ دونوں کے درمیان ہلکی سی بے تکلفی کے ساتھ دوستانہ ماحول پیدا ہوگیا تھا جس کا علم ان تینوں کے علاوہ مریم آپا اور پھر زلیخا کو تھا جو شاہ زیب کے نزدیک ہر فتنہ کی جڑ تھی۔

❁......✿......❁

اسے دو دن بعد واپس جانا تھا جب وہ ہیر سے ملنے مریم آپا کے گھر آیا حالانکہ پہلے اس نے ماورا کو فون کرکے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر ماورا تو کئی دنوں سے اس کی کال ہی ریسیو نہ کررہی تھی اور اس کے اس رویہ نے راحم کا دل بہت خراب کردیا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی جو وہ جانے سے پہلے اس سے بالکل ملنا نہ چاہتا تھا اور جانتا تھا کہ زلیخا اسے ہیر کی ملاقات کا ضرور بتائے گی اس لیے وہ ہیر سے ملنے آ گیا جو اسے دیکھتے ہی خوشی سے کھل اٹھی۔ کالے کرتے میں وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی' خوب صورتی کے علاوہ اس کے لہجہ میں اتنی مٹھاس تھی کہ جب وہ بات کرتی دل چاہتا تھا خاموشی سے صرف اسے ہی سنا جائے۔

''میں تمہارے لیے چُوری بنا کر لاتی ہوں۔'' راحم کو دیکھتے ہی وہ جلدی سے کچن کی جانب لپکی جبکہ مریم آپا ابھی ابھی ہسپتال سے واپس آ کر اپنے روم میں آرام کررہی تھیں' راحم کا دل اس وقت کچھ بھی کھانے کو نہ چاہ رہا تھا مگر پھر بھی وہ ہیر کی محبت کے آگے انکار نہ کرسکا اور خاموشی سے اس کے ہاتھ سے چُوری لے کر کھانے لگا۔ ابھی دوسرا نوالہ ہی اس کے منہ میں گیا تھا کہ کسی نے ہاتھ مار کر اس کے سامنے رکھی ساری چُوری ٹیبل پر پھینک دی۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ۔'' راحم نے یہ کہتے ہوئے نظر اٹھائی' اس کی نگاہوں کے عین سامنے غصہ سے تنی ماورا کھڑی تھی' جس کی آنکھیں اس وقت شعلے برسا رہی تھیں۔

''تمہیں شرم نہیں آتی' ایک اجنبی لڑکی کے ہاتھوں اس طرح چُوری کھاتے ہوئے۔'' الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کا انداز بھی کچھ ایسا تھا کہ راحم جی بھر کر شرمندہ ہوگیا۔

''ایک لمحہ کو سوچو ذرا جو اس لڑکی کی جگہ میں ہوتی اور تمہاری جگہ کوئی اور اجنبی شخص تو کیا پھر بھی تمہیں کوئی فرق نہ پڑتا۔'' وہ اسے آئینہ دکھاتے ہوئے تلخی سے بولی۔

''میری بات سنو ماورا......'' راحم نے اسے سمجھانا چاہا اسی

وقت مریم اور زلیخا بھی کمرے میں داخل ہوگئیں' ماورا کی حالت دیکھ کر مریم آپا سمجھ گئیں کہ معاملہ ضرور گڑبڑ ہے جبکہ ہیر کرسی پر ساکت حالت میں بیٹھی ان دونوں کی آپس کی لڑائی دیکھ رہی تھی۔

"اب سننے کے لیے کچھ باقی نہیں رہ گیا راحم...... اور سوری رانجھا صاحب اعتبار وفا اور محبت پر تقریر کرنے سے قبل آپ اپنے نامہ اعمال پر ایک نظر ڈال لیتے تو معاملہ اتنا خراب نہ ہوتا۔" اسی کے کہے ہوئے الفاظ اس کے منہ پر مارتی وہ پاؤں پٹختی بیرونی دروازے کی سمت لپکی جب آگے بڑھ کر راحم نے اسے روکنا چاہا۔

"پلیز ماورا میری بات تو سنو۔"

"میرے سامنے سے ہٹ جاؤ راحم...... مجھے نہ تمہاری کوئی بات سننی ہے اور نہ ہی تم سے مزید کوئی بات کرنی...... تمہیں تمہاری ہیر مبارک ہو' اللہ تمہارے رانجھا بننے کے سارے شوق پورے کرے۔" بنا کوئی وضاحت سنے وہ تابڑتوڑ ڈرون حملے کر رہی تھی جس کی زد میں آکر راحم کے وجود کے پرخچے اڑ رہے تھے مگر اس وقت ماورا کو اس کی ذرا پروا نہ تھی اس نے دیکھا ماورا کے پیچھے کھڑی زلیخا کے چہرے پر ایک نہ دکھائی دینے والی مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی بظاہر وہ بڑی سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔ راحم نے فوراً دروازے کے سامنے سے ہٹ کر اسے باہر جانے کا راستہ دیا' اس کا دل چاہا سامنے کھڑی زلیخا کا گلا اپنے ہاتھوں سے دبا دے مگر چاہتے ہوئے بھی وہ یہ نہ کرسکا۔ زلیخا کے قتل کی خواہش دل میں دبائے وہ ڈائننگ ٹیبل کی جانب بڑھا جہاں ہیر پریشان حال تھی اسی دم اس کے کانوں سے مریم آپا کی آواز ٹکرائی۔

"تم ماورا کے پیچھے جاؤ وہ اکیلی ڈرائیو کرکے آئی ہے ایسا نہ ہو غصہ کی شدت میں اپنا کوئی نقصان کرلے۔"

"میں اس کے کسی نفع یا نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔" رکھائی سے کہتا وہ ہیر کے پاس رکھی کرسی پر جا بیٹھا۔

"میرا خیال ہے راحم...... اب بہت ہوگیا۔" اسے لگا ماورا کی کچھ دیر قبل والی حرکت نے مریم آپا کے موڈ کو بھی خراب کر دیا ہے۔ "اب لازم ہوگیا ہے کہ ہم اس لڑکی کے مسئلے کا کچھ حل نکالیں کیونکہ میں اسے اب مزید اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔" ان کا واضح اشارہ ہیر کی جانب تھا۔

"اب یہ بھی بتادیں کہ اس لڑکی کے مسئلے کا حل کیا نکل سکتا ہے؟ جیسا آپ کہیں گی ویسا میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہوں ورنہ سچ تو یہ ہے کہ میرے ساتھ اسے یہاں لانے کے ذمہ دار بہروز اور شاہ زیب بھی ہیں مگر ان سے تو کوئی بھی سوال نہیں کررہا شک کی زد میں مسلسل میری ہی ذات کیوں آرہی ہے۔" مریم آپا نے دیکھا اس لمحہ غصہ کی زیادتی سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"اس لیے میرے بھائی کہ یہ تمہیں اپنا رانجھا بنانے پر بضد ہے جبکہ بہروز غریب تو خود اس کا رانجھا بننے کو تیار ہے اگر جو یہ محترمہ مان جائیں۔" راحم کے غصہ کو کنٹرول کرنے کے لیے مریم آپا نے اپنا لہجہ اور الفاظ دونوں حتی الامکان نرم رکھنے کی کوشش کی۔

"دیکھو راحم...... کل رات مجھے چاچی جی کا فون آیا تھا اور مجھ سے ہیر کی بابت دریافت کر رہے تھے مگر میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ ایک دو ہفتہ تک اپنے گاؤں واپس چلی جائے گی پھر پھوپو اور فیملی کے دیگر لوگ' اب مجھے بتاؤ میں اس سلسلے میں کس کس کو مطمئن کروں میری تو اپنی عقل سلب ہوگئی ہے اور سب سے زیادہ ماورا جس کا رویہ اس معاملے میں خاصا منفی ہوگیا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے اس رویہ میں حق بجانب ہے۔" مریم آپا کے آخری جملے پر راحم نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"یقین جانو اس کی جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی تو اس کا رویہ ایسا ہی ہوتا یا شاید اس سے بھی برا کیونکہ ہم جس زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اس زمانے کے لیے سب سے اہم یہ امر ہے کہ سامنے کیا ہو رہا ہے اس کے پس پردہ حقائق جاننے کی زحمت کوئی نہیں کرتا اس لیے میرا خیال ہے کہ ہم ہیر کو کسی فلاحی ادارے کے سپرد کردیں اور اس سلسلے میں تم اپنے دوست فاروق سے بات کرو شاید وہ ہماری کچھ مدد کرسکے کیونکہ ایسا نہ ہو تمہارے واپس جاتے ہی حماد پاکستان آجائیں اور میرے مسائل میں مزید اضافہ ہوجائے۔" وہ جو کچھ کہہ رہی تھیں سچ تھا مگر اس مسئلہ کا حل جو انہوں نے پیش کیا تھا وہ راحم کے لیے قطعی ناقابل عمل تھا۔ راحم کے جواب دینے سے قبل ہی شاہ زیب بیرونی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا جسے دیکھتے ہی مریم آپا نے تمام تفصیل کے ساتھ وہ حل بھی بتادیا جو وہ اس سلسلے میں راحم کو پہلے ہی بتا چکی تھیں جبکہ اس مسئلے کا حل یقیناً وہ نہ تھا جو وہ دے رہی تھیں۔

راحم کو مریم آپا سے ایسی سنگدلی کی امید نہ تھی مگر شاید اب وہ

ان مسائل سے تھک گئی تھیں، ہسپتال، بچے اور پھر مسئلہ ہیر جو یقیناً تمام مسائل سے بڑا تھا۔

''اس مسئلے کا ایک حل اور بھی ہے آپا......'' راحم دل ہی دل میں ایک فیصلہ کرتے ہوئے بولا۔ ''میں اس لڑکی سے شادی کرکے اسے سہارا دینے کو تیار ہوں اور اس سلسلے میں اب مجھے کسی کو کوئی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' یہ سب کہتے ہوئے راحم نے ایک نظر ہیر کے سادہ اور معصوم سے چہرے پر ڈالی جو ان تمام باتوں سے یکسر بے نیاز ثوبان کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھی۔ مریم اور شاہ زیب کو ایسا محسوس ہوا جیسے ان کا وجود تیز وتند ہواؤں کی زد میں آ گیا ہو اس مسئلے کا جو حل راحم نے پیش کیا تھا اس کے خطرناک نتائج انہیں ابھی سے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

''میرا خیال ہے کہ تم ابھی غصہ کی زیادتی کا شکار ہو اس لیے بہتر ہوگا پہلے اپنا دماغ ٹھنڈا کرو اور پھر دل، اس کے بعد فیصلہ کرو جو کرنا ہے۔'' شاہ زیب نے راحم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھانا چاہا۔

''فیصلہ ہوگیا۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا، ماورا کے رویے نے یقیناً اس کے دل کو سخت ٹھیس پہنچائی تھی، محبت میں اتنی بے اعتباری وہ تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔

''دیکھو راحم...... جس سے انسان محبت کرتا ہے اس کی تقسیم وہ برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ ہی وجہ ہے جو جذبہ رقابت نے ماورا کو غصہ میں اتنا بے قابو کیا کہ وہ جو منہ میں آیا بول گئی۔'' مریم آپا نے بھی شاہ زیب کا ساتھ دیتے ہوئے اسے سمجھانا چاہا۔

''اتنے بے قابو جذبات والے انسان کو علم ضرور ہونا چاہیے کہ ان کی یہ حرکت خود ان کے لیے ہی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔'' ماورا کے غصہ نے راحم کا دماغ گھما دیا تھا، جس نے فی الحال اس کے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں سلب کرلی تھیں۔ ایک ضد اور انتقام اس کے سر پر بلاوجہ ہی سوار ہوگیا اب وہ ماورا کو نیچا دکھانے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھا چاہے اس میں نقصان اس کا ہی کیوں نہ ہوتا۔

❁❁❁
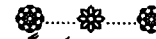
راحم اور ماورا کے درمیان موجود کشیدگی نے گھر کے ماحول کو خاصا گرم کررکھا تھا مگر اس نے کسی کی کوئی بھی بات نہ سننے کا عہد کرلیا یہاں تک کہ امی اور چاچی بھی اس سے ناراض تھیں۔ بہروز سے تو تقریباً اس کی بات چیت بند تھی، اپنے دل میں شاید ماورا کو سزا دینے کے لیے اس نے یہ رویہ اختیار کیا تھا مگر جانتا نہ تھا اس کے نتائج خطرناک بھی ہوسکتے ہیں۔ اس مسئلہ پر تو مریم آپا بھی اس سے ناراض تھیں کیونکہ انہیں ماورا بہت عزیز تھی، وہ خود بھی لاشعوری طور پر کئی دن اس بات کا منتظر رہا کہ شاید ماورا اسے کوئی محبت بھرا پیغام ہی بھیج دے یا شاید اس کی جانب سے ایک لفظ ''سوری'' ہی لکھا آجائے۔ ایک چھوٹا سا لفظ جو اکثر اوقات ہمارے درمیان موجود بڑے بڑے فاصلے ایک پل میں سمیٹ دیتا ہے مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا، وہ خود دن میں کئی کئی بار فون کی اسکرین چیک کرتے ہوئے یہ بھول جاتا کہ ہوسکتا ہے کہ ماورا بھی اس کی طرف سے کسی ایسے ہی ایک لفظ کی منتظر ہو مگر شاید اس وقت وہ دونوں اپنی انا کے غلام بن چکے تھے۔

❁❁❁

''رباب پتر......'' اپنا نام سنتے ہی اس نے پلٹ کر دیکھا اور اپنے سامنے موجود اس بارعب، باریش شخص کے ساتھ اونچے لمبے نوجوان کو دیکھ کر وہ ایک دم گھبرا کر جو کھڑی ہوئی تو گود میں رکھا سارا سامان بکھر گیا۔

''آپ......'' اس کے الفاظ جیسے لبوں میں ہی دم توڑ گئے۔

''ہم تمہیں لینے آئے ہیں کیونکہ ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔'' باریش شخص نے آگے بڑھ کر جیسے ہی اس کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہا وہ یک دم بدک کر پیچھے ہوگئی۔ مریم کو وہ خاصی خوف زدہ دکھائی دی لیکن ساتھ ہی وہ حیران بھی تھی کہ اس لمحہ یہ لڑکی اسے کہیں سے پاگل دکھائی نہ دے رہی تھی، اس کے اس پاگل پن کے پیچھے کیا کہانی تھی وہ سمجھ نہ پائی۔ حیرت تو اسے اس بات کی بھی تھی کہ ان سب کے باوجود تلاش کے ہیر کے وارث نہ ملے تھے لیکن آج اچانک یہ سب لوگ اس کے دعویدار بن کرآ گئے اور صرف پانچ منٹ میں ہی مریم کو اندازہ ہوگیا کہ ان کی جانب سے کیا جانے والا دعویٰ غلط نہ تھا۔

''سوری میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' یہ کہہ کر وہ مریم کے پیچھے ہوگئی جب بیرونی دروازے سے شاہ زیب اندر داخل ہوا اس کے ساتھ ہی ایک سوٹڈ بوٹڈ اجنبی شخص بھی تھا۔ مریم نے دیکھا وہ چلتے ہوئے تھوڑا سا لنگڑا رہا تھا، ہیر یا رباب نے جیسے ہی اس شخص کو دیکھا وہ مریم کے پیچھے سے نکلی اور

بھاگ کر اس شخص کے گلے جا لگی۔

''چاچا جی......'' وہ ہلکی آواز میں روتے ہوئے اسے چاچا جی پکار رہی تھی جبکہ وہ شخص اس کے سر پر ہاتھ رکھے خاموش کھڑا تھا۔

''اسے سمجھاؤ عاصم احمد کہ ہمیں معاف کردے ہم سب اپنے کیے پر شرمندہ ہیں۔''

''جی چاچا جی......ہم رباب کو اپنے ساتھ حویلی لے جانا چاہتے ہیں۔'' باریش شخص کے ساتھ کھڑے نوجوان نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا' اس کا لہجہ اس کی شخصیت کی طرح اکھڑ اور گنوار تھا۔

''ہاں رباب......میاں جی سچ کہہ رہے ہیں یہ پچھلے ایک ماہ سے تمہاری تلاش میں سرگرداں تھے پھر میں نے بہت مجبور ہو کر انہیں تمہارا پتا دیا۔'' اس شخص کے الفاظ سن کر مریم آپا کو حیرت ہوئی یعنی وہ جانتا تھا کہ رباب' ہیر کا بہروپ بھر کر ان کے ہاں رہ رہی ہے۔ جانے یہ کیا کھیل تھا جو ابھی تک مریم کی سمجھ میں نہ آیا لیکن اسے یہ اطمینان ضرور ہوا کہ ہیر کے اصل وارث یہاں تک پہنچ گئے اور اس طرح مریم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئی۔

''زریاب کہاں ہے؟'' اپنے آنسو صاف کرتی رباب آہستہ آواز میں گویا ہوئی۔

''وہ فی الحال یہاں نہیں ہے مگر میں نے انہیں تمہارے اور زریاب کے نکاح کا بتادیا ہے جس پر میاں جی اور تمہارے بھائیوں کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' بے شک ان کی ذاتی گفتگو سے مریم کا کوئی تعلق نہ تھا پھر بھی اسے حیرت ہوئی کہ ہیر شادی شدہ تھی' اس نے دیکھا شاہ زیب کے چہرے پر بھی سکون کی پرچھائی ابھر کر غائب ہوگئی تھی یقیناً یہ خبر اس کے لیے بھی حیران کن تھی اگر پھر آل ریڈی نکاح شدہ تھی تو کیا ضرورت تھی اس ڈرامہ کی۔ راحم والا ڈرامہ کھیل کر' اورا اور راحم کے درمیان دوری پیدا کرنے کی۔

''شکریہ مریم آپا......آپ نے اتنا عرصہ نہ صرف مجھے پناہ دی بلکہ اپنی بہنوں سے بڑھ کر محبت بھی دی اور آپ کی یہ محبت میں شاید ساری زندگی نہ بھول پاؤں۔'' سب کو اپنی جگہ کھڑا چھوڑ کر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی مریم کے قریب آن کھڑی ہوئی۔

''کچھ محبتیں بلاشرط ہوتی ہیں جن میں رشتے ناطے اہمیت نہیں رکھتے اور یقیناً آپ نے بھی مجھے ایسی ہی محبت دی جس کا قرض میں اس گھر سے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی نہ صرف آپ بلکہ آپ کے سارا خاندان کی محبتیں ہمیشہ میرے پاس مہکتی رہیں گی۔'' وہ مریم کے ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ اتنے خوب صورت الفاظ بول رہی تھی اسے یقین ہی نہ آرہا تھا کہ یہ سچ مچ وہ ہی ہیر ہے جو پچھلے دو ماہ سے ایک پاگل لڑکی کی صورت میں ان کے گھر رہ رہی تھی۔ سچ ہے انسان کی ظاہری شخصیت سے آپ اس کے اندر کا پتا بالکل نہیں لگا سکتے۔

''شکریہ ہمارا ادا کرو جو تمہیں یہاں تک لے کر آئے ورنہ تمہیں مریم آپا کہاں سے ملتیں۔'' ماحول پر چھائے بوجھل پن کو دور کرنے کے لیے شاہ زیب نے ہلکے پھلکے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

''ہم بھی آپ لوگوں کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہماری بچی کو بحفاظت اپنے گھر رکھا۔'' میاں جی جو غالباً ہیر کے دادا تھے انہوں نے آگے بڑھ کر مریم اور شاہ زیب کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ دونوں اپنے ساتھ ہیر کو لے گئے لیکن ہیر کون تھی؟ اور یہاں چھپ کر کیوں رہ رہی تھی' ان سوالوں کا جواب بھی انہیں ہیر کے چاچا عاصم علی نے دے دیا جسے سن کر وہ سب لوگ بہت حیران ہوئے ساتھ ہی رباب عرف ہیر کی ہمت پر بھی عش عش کر اٹھے ''ہیر چلی گئی'' خبر جلد ہی سارے خاندان میں نشر ہوگئی اب ان لوگوں کے لیے سب سے اہم مرحلہ راحم کو اطلاع دینا تھی کیونکہ فی الحال وہ اپنی ٹریننگ کے سلسلے میں شہر سے دور تھا جہاں اس سے رابطہ تقریباً ناممکن تھا۔

❀......❀......❀

راحم تقریباً آٹھ ماہ بعد گھر واپس آیا تھا دوران ٹریننگ بہت کم ہی وہ گھر میں کسی سے رابطہ رکھ سکا تھا' یہ ہی وجہ تھی کہ آتے ہی اس کا دل سب سے ملنے کو بے تاب ہوگیا مگر تینوں پورشنز میں کوئی بھی نہ تھا سوائے امی کے۔ باقی سب لوگ شاپنگ کرنے بازار گئے تھے شام کے وہ مریم آپا کی طرف آگیا تا کہ ہیر سے مل کر اس کی خیریت دریافت کرسکے مریم آپا گھر پر نہیں تھیں۔ شانزے اور ثوبان لاؤنج میں بیٹھے اپنا ہوم ورک کررہے تھے۔

''السلام علیکم راحم بھائی!'' باوجود سمجھانے کے وہ اسے بھائی ہی کہتے تھے انہیں پیار کرتا راحم گیسٹ روم کی جانب آگیا جہاں کچھ عرصہ قبل ہیر کا بسیرا تھا مگر اب وہ بالکل

ویران تھا۔

"ہیر کہاں گئی؟" باہر نکلتے ہی اس نے کچن میں کھڑی زلیخا سے سوال کیا حالانکہ اس وقت اس کا دل اس فتنہ کو چھیڑنے کا قطعی نہ تھا۔

"وہ تو چلی گئیں جی۔" سالن میں چمچ چلاتی زلیخا نے اپنے تئیں اسے بریکنگ نیوز دی۔

"کہاں چلی گئی؟" راحم کو لگا مریم آپا اسے کسی فلاحی ادارے کے حوالے کرآئی ہیں' اسے افسوس ہوا اتنا عرصہ وہ ہیر سے بے خبر کیوں رہا مگر کیا کرتا مجبوری تھی وہ جہاں تھا وہاں سے کسی سے رابطہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

"اپنے گھر والوں کے ساتھ چلی گئیں جی اور کہاں جانا تھا۔"

آج شاید بریکنگ نیوز ڈے تھا اب زلیخا سے مزید کوئی بات پوچھنا اسے قطعی نامناسب لگا اس لیے خاموشی سے باہر نکلا اور مریم آپا کے کلینک جا پہنچا جہاں وہ ابھی فارغ ہوکر اپنے روم میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

"ارے راحم...... تم کب آئے؟" اسے دیکھتے ہی وہ خوشی سے چلائیں۔

"آج پانچ بجے۔" مختصر جواب دے کر وہ وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ "ہیر کہاں گئی؟" نہ سلام نہ دعا آتے ہی ہیر کی فکر' اس کی یہ فکر انگیزی مریم کو ذرا نہ بھائی۔

"اپنے گھر گئی...... اس کے دادا' بھائی اور ماموں اسے لینے آئے تھے۔"

"آپ نے کنفرم کرلیا تھا کہ وہ اس کے سگے رشتہ دار تھے؟" راحم کا لہجہ مشکوک تھا۔

"ہاں میرے بھائی وہ سب اس کے اپنے اور اصلی لوگ تھے کہیں کوئی فراڈ نہ تھا۔"

"اور اگر فراڈ ہوا تو......؟" وہ اب بھی مطمئن نہ تھا۔

"حد ہے' ہم سب پچھلے ماہ اس کی شادی کی دعوت کھا کرآئے ہیں اور پھر وہ مسز بننے کے بعد دو دفعہ میرے گھر آچکی ہے۔"

"شادی کی دعوت......" ایک اور بریکنگ نیوز۔

"کیوں کیا اس کی شادی نہیں ہوسکتی تھی؟ اور ہاں اس نے تمہیں سوری بھی کہا ہے۔" راحم کی حیرت نے مریم آپا کو مزید حیران کردیا جبکہ راحم نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں۔

"وہ پاگل نہیں تھی راحم...... صرف خود کو بچانے کے لیے اداکاری کررہی تھی۔" راحم کی ہونق شکل دیکھ کر مریم آپا نے خود سے ہر بات واضح کرنا چاہی۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے مگر......"

"مگر کیا' شکر کرو وہ ٹھکانے لگی اور ہم سب بھی ایزی ہوگئے۔"

"آپ سب تو ضرور ایزی ہوئے ہوں گے مگر میرا کیا؟ یہ سوچا ہے آپ نے کبھی' میں تو دھوبی کا کتا ہوگیا جو نہ گھر کا رہا اور نہ ہی گھاٹ کا۔ کیا ہیر کا ایک لفظ سوری میرے تمام مسائل حل کردے گا۔" غصہ میں کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اپنے ڈرامہ میں اس نے مجھے کیوں گھسیٹا' پورے گھر میں غالباً میں ہی ایک قربانی کا بکرا نظر آیا تھا اسے جو وہ محترمہ ذبح کرکے چلتی بنیں۔" اب اس وقت اسے ماورا بُری طرح یاد آرہی تھی' ہیر کا وہ بھوت جو محض ضد میں اس کے سر پر سوار ہوا تھا' اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ زمین پر پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا خود کو دھوبی کا کتا وہ اس روانی سے کہہ گیا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی مریم آپا مسکرادیں اور ان کی مسکراہٹ دیکھ کر راحم جل گیا۔

"آپ سب لوگوں نے مل کر میری زندگی برباد کردی۔" بلاوجہ کا شکوہ جس میں مریم آپا کا کوئی قصور نہ تھا کرکے وہ چلتا بنا کیوں کہ اب اس کی واحد امید ماورا تھی جس سے مل کر اسے منانا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ وقت مزید اس کے ہاتھوں سے سلپ ہوجائے مگر شاید آج کا دن بریکنگ نیوز کا دن تھا جب وہ پھوپو کے گھر ماورا سے ملنے پہنچا تو یہ سن کر حیران رہ گیا کہ ایک ہفتے بعد اس کا اور شیزا کا نکاح تھا جس کی شاپنگ کرنے سب لڑکیاں بازار گئی تھیں شیزا اور شاہ زیب کی بات تو شروع سے پکی تھی مگر ماورا کا نکاح کس سے ہورہا ہے یہ پوچھے بنا ہی وہ پھوپو سے اللہ حافظ کہتا اپنے قدم گھسیٹتا گھر کی جانب آ گیا جہاں امی اس کی منتظر تھیں۔

❁......❁......❁

میاں ہاشم علی اپنے گاؤں کے گدی نشین جاگیر دار تھے جن کا رعب و دبدبہ گاؤں کے ساتھ ساتھ اپنے پورے خاندان پر بھی تھا ان کے خاندان کے لیے ایک فخر کی بات یہ بھی تھی کہ پچھلی دو نسلوں میں ان کے ہاں بیٹی پیدا نہ ہوئی تھی جس کے باعث زمین جائیداد کے بٹوارے کا بھی کوئی مسئلہ

درپیش آیا تھا۔ میاں یوسف علی خانزادہ ان کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے جن کے چار بیٹے تھے اس کے باوجود وہ ایک شوقین مزاج انسان تھے اور اپنے باپ سے چھپ کر اکثر ان غیر اخلاقی مقامات پر پائے جاتے جہاں کوئی شریف انسان جانے کا تصور نہیں کرسکتا اس کے علاوہ فلمیں‘ اسٹیج ڈرامہ بھی ان کی کمزوری تھی اور ان ساری چیزوں پر وہ دل کھول کر پیسہ برباد کرتے ان سب عیاشیوں کے باوجود ایک محتاط زندگی گزارتے ہوئے جانے کیسے انہیں ایک اسٹیج ڈانسر زویا سے محبت ہوگئی اور پھر انہوں نے زویا سے نکاح بھی کرلیا جو انتہائی خفیہ رکھا گیا وجہ میاں جی تھے جن سے یوسف علی کی جان جاتی تھی۔

میاں جی کو جیسے ہی کچھ سن گن ملی انہوں نے یوسف علی سے باز پرس کی اور ذرا سی باز پرس سے گھبرا کر یوسف علی نے زویا کو طلاق دے دی جس کے بعد انہیں پتا چلا کہ زویا ان کے بچے کی ماں بننے والی ہے‘ اپنی عیاشی میں مست ان سے ایک ایسی غلطی ہوگئی جس کا کفارہ ادا کرنا بھی مشکل تھا کیونکہ اس اطلاع کے بعد سے زویا غائب ہوگئی تھی اور پھر وہ ان کے سامنے اس وقت آئی جب دس سالہ رباب پانچویں کلاس کی طالبہ تھی یوسف علی نے جب تک بیٹی دیکھی نہ تھی اس کی محبت دل میں جاگی نہ تھی لیکن جیسے ہی وہ رباب سے ملے انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ زویا سے اسے چھین لیں لیکن زویا بھی بہت سیانی تھی اس نے رباب کو جس ہاسٹل میں داخل کروایا تھا اس کا علم سوائے اس کے کسی کو نہ تھا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ یوسف اپنی بیٹی تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا اگر جو موت اسے مہلت دیتی رباب سے ملنے کی خواہش دل میں لیے ایک رات اسے ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔ یوسف کے دنیا چھوڑتے ہی میاں جی کو علم ہوا کہ ان کے بیٹے کی ایک عدد مطلقہ بیوی اور بیٹی شہر میں رہتی ہیں جس کا علم انہیں یوسف کے سامان سے ملنے والے نکاح نامہ اور کچھ خطوط سے ہوا اب انہوں نے زویا کی تلاش شروع کردی‘ اس تلاش میں ان کے پوتے بھی ان کے ساتھ شامل تھے۔

عاصم ان کے بیٹے کا جگری یار تھا جو اس کا ہر راز جانتا تھا یہ ہی وجہ تھی کہ اس وقت اپنے مقصد کے حصول کے لیے انہیں عاصم سے بہتر کوئی شخص نظر نہ آئی اور وہ اس تک جا پہنچے شاید میاں جی رباب کو ڈھونڈنے میں اتنے سرگرداں نہ ہوتے جو اگر یوسف علی نے اپنی جائیداد میں سے اچھا خاصا حصہ اس کے نام لکھ کر کاغذات عاصم کے حوالے نہ کردیئے ہوتے اس بات کا علم بھی انہیں ایک خط پڑھ کر ہوا جو آخری ٹائم یوسف اپنی بیٹی کے نام لکھ رہا تھا۔ اب وہ چاہتے تھے کہ رباب کو ڈھونڈ کر حویلی لایا جائے اور پھر یہاں اس کا نکاح اپنے ہی خاندان میں کردیا جائے تاکہ وہ جائیداد جس کا ایک تنکا بھی اِدھر سے اُدھر نہ ہوا تھا وہ خاندان میں ہی رہے۔ رباب کے ساتھ کسی غیر شخص تک نہ پہنچ جائے‘ عاصم شروع سے ہی زویا اور رباب سے ملتا رہا تھا اس کی بیوی اور بیٹے زریاب کا بھی ان کے گھر آنا جانا تھا وہ نہ چاہتا تھا کہ میاں جی زویا تک پہنچ کر اسے کوئی نقصان پہنچائیں۔ اس سلسلے میں اس کی فیملی نے ہمیشہ زویا کی مدد کی‘ میاں جی سے رباب کو بچانے کے لیے اس نے رباب کا نکاح اپنے بیٹے سے کردیا جو مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ملک سے باہر تھا اس رات رباب کے کالج میں فنکشن تھا جس میں وہ ہیر کا کردار ادا کررہی تھی ڈرامہ ختم ہونے کے بعد جیسے ہی وہ باہر نکلی سامنے گیٹ پر ہی عاصم چاچا کھڑا تھا جس نے اپنا حلیہ اس طرح تبدیل کیا تھا کہ وہ بھی نہ پہچان پائی جو اگر عاصم آواز دے کر اسے نہ روکتا۔

”بات سنو بیٹا...... پارکنگ میں گاڑی اور گارڈز کے ساتھ تمہارے بھائی موجود ہیں‘ جو تمہیں گاؤں لے جانے آئے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ آج رات تمہارے ہاسٹل پر دھاوا بول کر تمہیں وہاں سے اٹھالیں اس لیے بہتر ہوگا کہ تم پچھلے گیٹ سے باہر نکلو میں بھی اس طرف آرہا ہوں تاکہ تمہیں کسی محفوظ مقام تک پہنچا سکوں۔“

اور پھر جب وہ اور چاچا عاصم وہاں سے نکلے تو سڑک بے حد سنسان اور تاریک تھی‘ بارش کے باعث روڈ پر جگہ جگہ پھلسن بھی تھی۔ چاچا اپنی گاڑی نہر روڈ کی طرف کہیں پارک کرکے آئے تھے اس گاڑی تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ بہروز کی گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہوگئی اور پھر وہ تینوں اسے اپنے ساتھ گھر لے آئے‘ عاصم نے ان کی گاڑی کا نمبر بھی نوٹ کرلیا تھا اس کے علاوہ رباب کے پاس سیل فون بھی تھا جس کا نمبر ان کو یاد تھا‘ اس لیے اسے بہتر لگا کہ بجائے اس وقت وہ تن تنہا رباب کو لے کر کہیں نکلے اور مارا جائے تو اس سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ ان اجنبی لوگوں کے ساتھ چلی جائے حالانکہ یہ ایک خطرناک امر تھا مگر اس وقت اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا اور

پھر رباب نے اپنی ہر بات شاہ زیب کو بتا کر اسے اعتماد میں لے لیا سوائے اس کے کہ وہ نکاح شدہ ہے اور شاہ زیب نے ہر مرحلہ پر اس کی مدد کی۔

آخر وقت میں اپنی ماں کے کہنے پر رباب نے لکھ کر دے دیا کہ اسے اپنے باپ کی جائیداد سے کوئی حصہ نہیں چاہیے اور اس کے بعد میاں جی نے نہ صرف اسے گلے لگا لیا بلکہ بھائیوں نے بھی اپنا لیا اور دھوم دھام سے اس کی رخصتی زریاب کے ساتھ ہوگئی۔ میاں جی نے بھاری بھرکم جہیز کے ساتھ اسے ایک مکان بھی دیا' اب وہ اپنے گھر خوش تھی سب ہی اپنے اپنے مقام پر سیٹ ہوچکے تھے سوائے راحم کے جس کی گئی ایک چھوٹی سی نیکی اس کے اپنے ہی گلے پڑ چکی تھی۔

❀......❀......❀
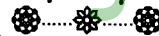
راحم سے ملنے سب آئے' نہ آئی تو ایک وہ شخص جسے دیکھنے کے لیے اس کا دل مچل رہا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عنقریب اس کا نکاح تھا اور وہ مکمل طور پر پرائی ہونے والی تھی پھر بھی راحم کا دل بے قرار تھا۔ سچ ہے محبت میں لاتعلقی' محبت کو ختم نہیں کرسکتی حالانکہ یہ تو دل کی گہرائیوں میں اترنے والا ایک جذبہ ہے اور یہ احساس اب جاکر راحم کو ہوا کہ وہ ماورا سے بے انتہا محبت کرتا ہے ایسی محبت جس کی کوئی ڈیمانڈ نہیں ہوتی اور پھر اسے دیکھنے کی چاہ میں وہ پھوپو کے گھر چلا گیا جہاں ماورا اسے ملی ضرور مگر نہایت رسمی انداز میں۔ وہاں بہروز بھی موجود تھا جسے دیکھ کر وہ کھلی جارہی تھی اور یہ سب کچھ دیکھنا کتنا ناقابل برداشت تھا یہ احساس بھی راحم کو اسی وقت ہوا جب وہ ان دونوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا ہوا پھوپو سے محو گفتگو تھا جب اسے بہروز نے مخاطب کیا۔

''تم اگر فری ہو تو میرے ساتھ بازار چلو۔''

''ہاں ضرور۔'' اور پھر وہ دونوں بازار آگئے جہاں بہروز نے اپنا کُرتا اور جوتے آرڈر پر تیار کرنے کے لیے دے رکھے تھے بلیک فینسی کُرتا اور میچنگ کے کھسّے' راحم کو تھوڑا سا حیران کرگئے۔

''خیر ہے اتنا فینسی کُرتا۔'' عام طور پر بہروز بہت سادہ سی شلوار قمیص استعمال کرتا تھا یہ ہی سبب تھا جو راحم کو یہ سوال کرنا پڑا۔

''ہاں یار نکاح میں تو ظاہر ہے فینسی ہی استعمال کرنا پڑتا ہے۔''

''کس کا نکاح؟'' بظاہر سادہ سا انداز جبکہ دل میں جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔

''میرا...... اور کس کا' تم بھی کمال کرتے ہو یار...... ظاہر ہے اپنے نکاح کے لیے ہی ڈریس لینے آؤں گا' اب تمہارے نکاح کا ڈریس تو میں خریدنے سے رہا۔'' کاؤنٹر پر پے منٹ کرکے وہ اس کے ساتھ ہی باہر آگیا تو یہ معاملہ تھا یقیناً بہروز کا نکاح ماورا سے ہونے والا تھا' سچ تو یہ تھا کہ ہیر کے ایک ڈرامہ نے اس کی ساری زندگی پر پانی پھیر دیا اس لمحہ اسے اپنا قصور تو بالکل دکھائی نہ دے رہا تھا وہ بوجھل قدموں کے ساتھ گھر آگیا۔

❀......❀......❀

عبید صاحب کا رویہ راحم سے بہت نپا تلا تھا وہ شاید ابھی تک اس سے ناراض تھے' اسے پتا چلا شیزا اور شاہ زیب کے علاوہ ماورا کا نکاح بھی چند دن بعد طے تھا اس نے ایک پل میں ہی فیصلہ کرلیا اور امی کے پاس جا پہنچا۔

''میں واپس جارہا ہوں مجھے اکیڈمی سے فون آیا ہے۔'' یہ سراسر جھوٹ تھا۔

''ایک دن رک جاؤ' اپنی بہن کے نکاح میں شرکت کے بعد چلے جانا۔'' جذبات میں وہ ایک بار پھر بھول گیا تھا کہ ماورا کے علاوہ اس کی بہن کا بھی نکاح ہے اس طرح چھوڑ کر جانا یقیناً عبید صاحب کے غصہ کو مزید ہوا دے گا اور پھر اس نے دیکھا ماورا' شیزا' حمرا' شاہ زیب اور بہروز سب بازار چلے گئے' کسی نے اسے پوچھا بھی نہیں۔ جو کمرے میں بند ہوا تو شام میں ہی باہر نکلا اور پھر خاموشی سے اپنے ایک دوست کی طرف چلا گیا۔ اس کا دل اپنوں کی بے اعتنائی سے ٹوٹ گیا تھا اور دل ہی نہ چاہ رہا تھا کہ وہ کسی کے ساتھ مل کر اپنے دکھ سکھ شیئر کرے۔

یہ وہی دن تھا جس دن وہ اپنی عزیز ہستی کے ساتھ ساتھ جان سے پیارا دوست بھی کھونے والا تھا' گھر میں گہما گہمی تھی جبکہ وہ نہایت سستی سے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا سب کو دیکھ رہا تھا' جب اسے شیزا نے پکارا۔

''بھائی...... جلدی تیار ہوجائیں ہم نے آٹھ بجے تک ہوٹل پہنچنا ہے۔'' راحم نے دیکھا آٹھ بجنے میں پندرہ منٹ تھے' شیزا پارلر سے تیار ہوکر آئی تھی' دونوں ہاتھوں میں خوب مہندی سجی ہوئی تھی یقیناً ماورا بھی ایسا ہی تیار ہوئی ہوگی کاش

اس کی یہ تیاری میرے لیے ہوتی۔

دل میں آئے اس خیال نے اس کا دل اس حد تک خراب کردیا کہ اٹھ کر تیار ہونے کو من ہی نہ چاہا‘ وہ ملگجی سفید شلوار قمیص جو کل پہن رکھی تھی‘ زیب تن کیے بینکوئٹ ہال میں داخل ہوا جہاں ہر طرف رونق ہی رونق بکھری ہوئی تھی۔ اس رونق میں اسے اپنا وجود بے مقصد لگا وہ داخلی دروازے کے پاس ہی کھڑا تھا جب شاہ رخ تیزی سے اس کی جانب آیا۔

”ارے راحم بھائی..... آپ تیار ہو کر نہیں آئے۔“ سب بہت تیار تھے اس لیے اس کی حیرت بجا تھی اسی دم مریم آپا بھی بمعہ ہیر اس کے سر پر آن سوار ہوئی۔ ہیر کو دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ اسے گولی مار دے بڑی مشکل سے اس نے اپنی اس خواہش کو قابو کیا۔

”سوری راحم..... آپ کو میری وجہ سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ دراصل یہ سب شاہ زیب کی شرارت تھی ورنہ شاید میں ایسا نہ کرتی۔“ اس نے دور کھڑے بلیک کرتا شلوار میں ملبوس شاہ زیب پر ایک نظر ڈالی سب اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے اسے بے منزل کرکے۔

”اٹس اوکے۔“ آہستہ سے کہتا وہ آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ مریم آپا نے اسے بازو سے تھام کر روک لیا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چلتا ڈریسنگ روم تک آ گیا۔

”آپ مجھے یہاں کیوں لائی ہیں۔“ اسی دم شاہ رخ اس کے پاس آن کھڑا ہوا ہاتھ میں ایک بیگ تھامے‘ جس میں یقیناً وہ ڈریس تھا جو اس دن بہروز اپنے نکاح کے لیے خرید کر لایا تھا۔

”یہ سوٹ لو اور جلدی سے تیار ہو کر باہر آ جاؤ۔“

”یہ سوٹ..... “ وہ تھوڑا سا حیران ہوا۔ ”یہ تو بہروز کا ہے۔“

”بہروز کا نہیں تمہارا ہے بے وقوف۔“ یہ آواز یقیناً ماورا کی تھی جسے وہ لاکھوں میں بھی آنکھیں بند کرکے پہچان سکتا تھا وہ چونک کر پلٹا اس کے بالکل پیچھے وائٹ میکسی میں نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت ماورا کھڑی تھی‘ بالکل شیزا کی طرح دونوں ہاتھوں میں مہندی لگائے وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

”میرا.....“ وہ ابھی بھی نہ سمجھا۔

”ہاں تمہارا۔“ ماورا اس کے اس قدر قریب آ گئی کہ اس کے جسم سے اٹھتی بھینی بھینی خوشبو راحم کے نتھنوں کے راستے دل میں اتر گئی اس نے دیکھا سب لوگ اسے وہاں پہنچا کر جا چکے تھے اب ڈریسنگ روم میں صرف وہ اور ماورا تھے۔

”آج ہمارا نکاح ہے راحم.....“

”ہمارا نکاح.....؟“ ایک اور بریکنگ نیوز۔

”ہاں اور ہم سب نے مل کر تمہیں یہ سرپرائز دیا ہے تاکہ تم آئندہ ساری زندگی محتاط رہو اور کسی نقلی ہیر کی ہمدردی میں مبتلا ہو کر اپنی اصلی ہیر کو بھول نہ جاؤ۔“ وہ مسکرا رہی تھی وہ ہی خوب صورت مسکراہٹ جسے دیکھنے کے لیے اس کی آنکھیں ترس گئی تھیں۔

”اور وہ بہروز.....“ وہ ہر بات کلیئر کرنا چاہتا تھا۔

”اس کا نکاح حمرا سے ہے۔“ اوہ اپنے جذبات میں وہ ایک بار پھر اندھا ہو کر یہ بھول گیا تھا کہ بہروز کو حمرا شروع سے ہی پسند تھی۔

”کم از کم نکاح سے قبل تم لوگ مجھ سے تصدیق کرتے کہ آیا تم مجھے پسند بھی ہو یا نہیں۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”اب کچھ نہیں ہوسکتا ناپسندیدگی کے باوجود میں تمہاری مجبوری بن گئی ہوں‘ کچھ بھی کرلو جان نہیں چھڑوا سکتے۔“ وہ ایک ادا سے اٹھلائی۔

”جان کون کافر چھڑوا رہا ہے۔“ راحم اس کے قریب ہوا جب ماورا نے بازو سے تھام کر اسے باتھ روم کی جانب دھکیلا۔

”میں باہر جا رہی ہوں تم بھی جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ ایسا نہ ہو کہ میرا ارادہ تبدیل ہو جائے۔“ اور اس کے ساتھ ہی اپنی میکسی سنبھالتی وہ باہر کی جانب چل دی جبکہ راحم کو ایسا لگا جیسے آج اسے ایک نئی زندگی ملی ہے۔ خوشیوں‘ راحتوں اور محبتوں سے بھرپور زندگی جس میں اس کے اپنے تھے اور اپنوں سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں ہوتی اس احساس نے اسے سرشار کردیا تھا۔

اس راہِ محبت میں

سحرش فاطمہ

باہر ہلکی بارش ہو رہی تھی' کھڑکی سے یہ دلکش نظارہ دیکھتے ہوئے دانتوں میں پین دبائے' کندھوں تک آئے بالوں کی ہائی پونی بنائے ندا کچھ سوچ رہی تھی اس کے سامنے ٹیبل پہ رجسٹر کھلا رکھا تھا۔

"اف...... یہ آئیڈیا بھی اچھا نہیں' کیا لکھوں' کیا کروں؟ اگر میں ہیروئن کو سمندر کنارے اداس کھڑا کردوں اور سامنے سے آتا ہیرو اسے دیکھتا رہ جائے' ہاں یہ صحیح ہے' تھوڑا فلمی ٹچ تو ہو ناں۔" خود کلامی کرنے میں مصروف اور رجسٹر پر جھکی ہوئی تھی کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔

"کون ہے آجاؤ۔" وہ ہنوز رجسٹر پہ جھکی رہی۔

"ناچیز...... جو ہے آپ کے لیے بڑے ہی کام کی چیز' حاضرِ خدمت ہے' شہزادی ندا صاحبہ۔" حسن کمرے میں آیا اور کمر جھکائے بولا۔

"اوہو...... مسٹر ناچیز اور میرے کام کی چیز' سنایئے کیا حالات وخبریں ہیں؟" ندا نے اس کی طرف رخ کیا۔

"حالات سازگار نہیں ہیں' دشمن کبھی بھی حملہ کرسکتے ہیں جبکہ بلی چھچھڑے دیکھنے خوابِ خرگوش میں گم ہوچکی ہے۔" حسن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اب خرگوش کا کیا ہوگا؟" ندا فکرمندی سے گویا ہوئی۔

"کیا ہوگا؟" حسن نے ہاتھ سے اشارہ کرکے پوچھا۔

"وہی تو میں بھی پوچھ رہی ہوں ناں کیا ہوگا؟" ندا نے ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے کہا۔

"ارے وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔" حسن نے اس کے آگے گھٹنے ٹیکے اور بانہیں لہراتے ہوئے گنگنایا تو ندا نے چیئر سے کشن اٹھا کے اس پہ اچھالا۔

"یہ کیا گستاخانہ حرکت تھی شہزادی صاحبہ؟" حسن جھنجلایا۔

"ظاہر ہے جو گستاخی ناچیز سے ہوئی ہے تو سزا تو ملنی تھی ناں آخر شہزادی جو ہوں۔" ندا نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے کہا۔

"یہ شہزادی ندا نہیں بے کار ہے۔" منہ چڑاتے ہوئے وہ اٹھا۔

"حسن تم...... نکل جاؤ میرے کمرے سے ابھی کے ابھی۔" ندا بھڑک اٹھی تو حسن نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"ہاں...... ہاں' چلا جاتا ہوں' واپس نہیں آؤں گا' ملاتی رہو تم بس اپنے ہیرو ہیروئن کو سمجھیں۔"

"حسن تم نے میری کہانی پڑھی مجھ سے پوچھے بغیر؟" ندا اٹھنے لگی تھی کہ حسن دروازے تک گیا اور منہ پھر سے چڑا کر بھاگ گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ ایک لمحے کے لیے مسکرائی اور سونے کے لیے لیٹنا چاہا پر نیند کوسوں دور تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

اگلے دن ناشتے کے دوران کھوجتی ہوئی نظریں کبھی دروازے کی طرف جاتیں' کبھی دوسری طرف جہاں فون رکھا ہوا تھا' بے دلی سے ناشتہ کرتی ہوئی ندا اپنی ہی ماں کی آواز پہ چونک گئی۔

"کیا کررہی ہے' صحیح سے ناشتہ کرو۔" زرینہ نے جھڑکا۔

"اف اماں ڈرادیا مجھے آپ نے۔" پانی پیتے ہوئے ندا نے کہا اور سانس بحال کی۔

"پتا نہیں کہاں دھیان تھا تمہارا؟" زرینہ نے گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... کہیں بھی نہیں۔" ندا نکتے ہوئے بولی۔

"جس کا انتظار کررہی ہو ناں وہ نہیں آیا ابھی تک۔" زرینہ نے جس طرح کہا ندا چائے پیتے ہوئے ہڑبڑا گئی۔

"اف لڑکی' چائے تو آرام سے پیو' ڈائجسٹ نہ ہوا پتا نہیں کیا ہوگیا۔" ندا نے سکھ کا سانس لیا' دل میں مسکرانے لگی کہ اماں ڈائجسٹ سمجھ رہی ہیں جب کہ وہ کسی اور کا ہی......

"اماں ایک بات تو بتاؤ۔" ندا نے نارمل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہاں پوچھو۔" زرینہ بھی مسکرادیں۔

"کیا میں اتنی بری رائٹر ہوں؟" ندا نے بے چارگی سے کہا تو اماں حضور ہنس دیں۔

"پہلے مجھے سوچ لینے دو کہ تم رائٹر ہو بھی یا نہیں؟" وہ ہنسے جارہی تھیں۔

"حد ہے اماں' آپ بھی ناں۔" ندا کا چہرہ دیکھنے والا تھا زرینہ بھی سنجیدہ ہوگئیں۔

"ان چیزوں میں کچھ نہیں رکھا میری جان' کیوں اپنا دماغ

کھپارہی ہو؟ اس خیالی پلاؤ کو چھوڑ کر اصلی دیگ چڑھانے کا سوچو۔" زرینہ نے پیار سے پچکارتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب آپ کا؟" ندا ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"یعنی اب گھر داری سیکھنا شروع کردو، بڑی ہوگئی ہو کل کو سسرال میں کیا کروگی؟" انہوں نے ندا کو دیکھ کر کہا۔ "ویسے تمہاری کہانیوں کی ہیروئنیں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں کیا؟"

"کیا مطلب ہے بھئی آپ کا؟" زچ ہوتے ہوئے ندا نے پوچھا۔

"تمہاری طرح؟" زرینہ نے وضاحت کی۔

"ارے نہیں ناں وہ تو بہت اچھی ہوتی ہیں گھڑ قسم کی، پنج وقتہ نمازی کچھ کچھ تو تہجد گزار بھی ہوتی ہیں، پردے والی وغیرہ وغیرہ۔" ندا مزے سے بتا رہی تھی۔ جبکہ وہ خود بالکل ایسی نہیں تھی۔

"بس...... بس جو خوبیاں تم بتا رہی ہو ان میں سے ایک بھی تم میں نہیں۔" زرینہ نے حقیقت بتاتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے اماں...... ناول والی لڑکیوں اور اصل لڑکیوں میں فرق تو ہوتا ہے ناں؟" ندا بھی جواب جیسے تیار کرکے بیٹھی۔

"بیٹا، اگر لکھنے والی بھی خود ایسی ہو جائے تو؟ اور تم ایسا سوچوگی تو بسا چکی تم اپنی دنیا، ارے باہر نکل کر دیکھو ایسی لڑکیاں بھی مل جائیں گی۔" انہوں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"رہنے دیں اماں...... میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" کندھے اچکاتے ہوئے ندا نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی اچھا سنو، حسن کا فون آیا تھا۔" اتنی لمبی بحث کے بعد ذکر آیا تو ندا حیرانی سے گویا ہوئی، حالانکہ جان کر جیسے شکھ سا مل گیا تھا کہ حسن کا فون آیا تو سہی۔

"اچھا کیوں خیر ہے؟"

"ہاں ناں کہہ رہا تھا اس کے آسٹریلیا جانے کا کنفرم ہوگیا ہے، ملنے کا کہہ رہا ہے سب سے۔" وجہ بتاتے ہوئے کنکھیوں سے ندا کا دیکھا۔

"لو ایک تو وہ خود کسی کینگرو سے کیا کم ہے وہاں جاکر کینگرو سے کھیلے گا۔" ندا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ندا...... تم سدھر جاؤ میں کہے دیتی ہوں......" زرینہ نے ڈپٹا۔

"کمال ہے ناں، ذرا سا میں کچھ آپ کی جیٹھانی کے بیٹے کے لیے کچھ کہہ دوں آپ کو برا لگ جاتا ہے۔" ندا نے منہ بسورا۔

"ہاں تو ظاہر ہے جیسے تم ہماری اکلوتی ہو اور اپنے تایا تائی کی چہیتی تو حسن بھی ہمارے لیے کم نہیں۔"

"اف پھر ایسا کرنا تھا اُسے گود لے لیتیں، مجھے تائی امی کو دے دیتیں ہونہہ۔"

"فضول بولنا جب بھی بولنا تم، ایسے لگتا ہے جیسے کوئی پی ایچ ڈی کر رکھی ہو فضولیات میں۔" زرینہ نے جھڑکا۔

"ارے کون سی ایسی ماں ہوگی جو اپنی ہی بیٹی کو اپنے شوہر کے بھائی کے بیٹے کے لیے باتیں سنائے گی؟"

"کیا تم یہی سب کچھ لکھتی ہو اپنی کہانیوں میں؟" زرینہ نے پھر سے اُس کے لکھنے کی جانب توپ کا گولہ چھوڑا۔

"اب میرا لکھنا یہاں کیوں آگیا؟" ندا نے چڑ کر پوچھا۔

"تم سے بات کرنا واقعی فضول ہے ندا۔ بات کو پتا نہیں کہاں لے جاتی ہو۔" زرینہ زچ ہوئیں۔

"اچھا بابا معاف کردیں مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی جو

آپ کے چہیتے اور لاڈلے حسن کو گینگرو کہہ دیا۔"

"اب بس۔ زیادہ نہیں اُس کا فون آیا تھا' اُس سے بات کرلینا آئی سمجھ؟" تنبیہہ کرتے ہوئے زرینہ نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے کرلوں گی۔" ندا اُٹھی خلاف توقع ٹیبل سے برتن سمیٹے اور کمرے چلی آئی۔

☆☆☆......☆☆☆

ندا اور حسن دونوں ہم عمر تھے ندا حسن کے چاچو کی بیٹی تھی یعنی علی کی اور حسن کے ابو وجاہت جو ندا کے تایا تھے' یہ صرف دو بھائی تھے بہن کوئی نہیں تھی' ندا کی امی زرینہ اور حسن کی امی ناہید آپس میں کزنز تھیں اور ان کی ساس نے ہی وجاہت کی شادی میں زرینہ کو پسند کیا تھا اپنے بیٹے علی کے لیے اور اس طرح یہ دونوں کزنز ایک ہی گھر میں بیاہی گئیں اس لیے ان کے رشتے اور پیار خلوص میں کوئی فرق نہیں آیا' البتہ حسن کی پیدائش دیر سے ہوئی تھی اس لیے وہ عمر میں ندا کا ہم عمر ہی تھا۔ دونوں ہی اکلوتی اولاد تھیں بچپن ان کا ساتھ گزرا گھر چونکہ چھوٹا تھا اس لیے وجاہت نے وقت کے ساتھ دوسرا گھر لے لیا لیکن علی نے اپنے والد کا یہ گھر نہیں چھوڑا اور یوں دونوں بھائی الگ رہنے لگے لیکن صرف گھر کے حساب سے دل ان کا ایک ہی تھا۔

بچپن دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ گزرا کھیلتے' ہنستے مسکراتے' لڑتے جھگڑتے' روٹھتے مناتے۔ بڑے ہوجانے کے بعد ان کی پڑھائی کے حساب سے کالجز' جیکٹس الگ ہوئے لیکن ان کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

☆☆☆......☆☆☆

"ہنہہ...... آسڑ لیا جائے گا بڑا آیا' جاتا ہے تو جائے میری بلا سے۔" سر جھٹکا اور کمرے میں آتے ہی رجسٹر لے کر بیٹھ گئی۔

اسے لکھنے کا بے حد شوق تھا اور اس بات کا حسن اور زرینہ مذاق اڑاتے تھے کہ وہ جیسی کہانیوں میں خیالی ہیروئین ترتیب دیتی تھی ویسی وہ خود نہیں تھی۔ عموماً ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں اور انہی سے متاثر ہوکر لکھا جاتا ہے' ندا اپنی ان ہیروئین سے بھی متاثر تھی لیکن خود ان جیسی دس فیصد بھی نہ تھی بے دلی سے اس نے رجسٹر بند کیا کہ اس سے لکھا ہی نہیں جارہا تھا۔ حسن کو فون کرنے لگی' ابھی نمبر ڈائل کیا ہی تھا کہ کاٹ دیا اس نے۔

"میں کیوں فون کروں اسے؟ مجھے فون کرنے کے بجائے اس نے گھر پہ فون کیا ہونہہ میں نے بات ہی نہیں کرنی اس سے۔" اس نے سوچتے ہوئے موبائل ابھی اپنے سرہانے ہی رکھا تھا کہ ایک دم سے موبائل پر پیغام موصول ہوا۔

"کنجوسوں کی ماہارانی شہزادی نداصاحبہ' کیا مسڈ کال دینے کے لیے ہی کریڈٹ لوڈ کرواتی ہو؟" حسن کے میسج کو پڑھ کر بے اختیار مسکرائی اور جواب ٹائپ کرنے لگی۔

"ہاں تو اور کیا؟ جس شہزادی کا غلام کماؤ پوت ہو تو شہزادی کیوں اپنا پیسہ ضائع کرے؟" میسج بھیجنے کے بعد بھی وہ ہنوز مسکراتی رہی۔

"ہائے یہ غلام تو بے موت مارا جاتا ہے ویسے ہی آپ پر فدا ہے' لیکن آپ خود کو اصلی شہزادی سمجھنے لگی ہیں ناں اس لیے اب بھاؤ نہیں دیتیں ہمیں۔" حسن کے اس شرارتی میسج پہ ندا نے خود پہ قابو پاتے ہوئے میسج جلدی جلدی ٹائپ کیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"سب جانتی ہو تم' پھر بھی......؟" دوسری جانب سے جیسے کسی نے گہری سانس لی ہوا ایسا ندا کو لگا۔

"ندا...... جب میں چلا جاؤں گا ناں تب یاد کرنا...... بائے۔" حسن نے بنا انتظار کیے دوسرا میسج بھیج دیا۔

ندا میسج بے چینی سے پڑھتی رہی۔ وہ ابھی تک حسن کے حوالے سے اپنے دل کی کیفیت سمجھ نہیں پائی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

ندا اور حسن کزنز ہی نہیں بہت اچھے دوست بھی تھے۔ حسن اسے کہتا تھا کہ جب بھی وہ شادی کا سوچے گا' سب سے پہلے وہ اسے ہی ترجیح دے گا اس پر ندا ہنستی اور کہتی۔

"کیا احسان کروگے مجھ پر؟" حسن بھی کم نہ تھا وہ بھی جواب تاک کر دیتا۔

"ہاں ایسا ہی کچھ ارادہ ہے ورنہ تم سے کوئی شادی کرے گا ہی کیوں؟" اور پھر بھی کشن کبھی تکیہ جو چیز ہاتھ لگتی حسن کی شامت لازمی آتی۔

☆☆☆......☆☆☆

ندا سوچوں میں گم تھی کہ موبائل بج اٹھا۔

"اوہو حسن صاحب کا فون ہے۔" زیر لب مسکرا کر کہا۔

"کیا ہے......فون کیوں کیا ہے؟"

"نہ سلام نا دعا؟ بھئی کہیں سے نہیں لگتا تم مسلمان ہو۔" حسن اس کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولا۔

"ہاں...... ہاں' بس تم ہی سب سے اچھے مسلمان ہو ناں۔" ندا کو برا لگا۔

"یار دنیا کی نظر میں تو لڑکیاں زیادہ مذہبی ہوتی ہیں ناں یہی نماز روزے کی وجہ سے اور لڑکے واقعی نہیں ہوتے پر یہاں تو معاملہ الٹا ہے میں تو ہوں پر تم نہیں ہو۔"

"کیا یہ جتانے کے لیے فون کیا ہے؟" حسن نے قہقہہ لگایا اور کہا۔

"نہیں......نہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ امی ابو گیٹ ٹوگیدر رکھ رہے ہیں چچا چچی کو معلوم ہے تم کو بتا رہا ہوں تم بھی آنا۔"

"بہت بہت مہربانی حسن صاحب' آپ فون نہ کرتے' مجھے مطلع نہ کرتے بلکہ دعوت نہ دیتے میں نے تو جیسے آنا ہی نہیں تھا ناں اور رو رو کے بالٹیاں بھر دیتی۔" ندا نے بھی آرام سے کہا۔

"شکریہ جی بہت بہت' اتنا اچھا جو ہوں میں' اچھا سنو۔" حسن نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"ہم کہو۔" ندا بغور متوجہ ہوئی۔

"نماز کا وقت ہوگیا ہے جا کر پڑھ لو اللہ حافظ۔"

"حسن......" ندا چیخی اور دوسری طرف حسن نے فون بند کردیا تھا۔

ہنکارتے ہوئے اس نے موبائل سائیڈ پر رکھا اور رجسٹر اٹھالیا۔

☆☆☆......☆☆☆

کہانی لکھتے ہوئے بھی اُس کی سوچ کے حصار میں حسن ہی تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی تھی' لیکن جب حسن اُسے چھیڑتا تو ندا کو برا لگتا۔ زرینہ بھی بات بے بات پہ اُسے ٹوکتی تھیں۔ بات بے بات پہ اُس کی کہانیوں یا ڈائجسٹ کی کسی بھی کہانی کے حوالے سے بات کرنا' ہیروئنز کے انداز کے حوالے سے ندا کو تنبیہہ کرنا' لیکن ندا بھی کسی کی بات خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ ندا نے جیسے تیسے اپنی کہانی مکمل کی اور لیٹنے لگی تھی۔

"فون کی گھنٹی بجتی رہے گی لیکن لوگ تو ایسے بے ہوش ہو کر سوئیں گے اب یا تو بندہ سائلنٹ کردے یا فون ہی بند کردے پر نہیں یہ چیختا ہی رہے گا۔" زرینہ چلا رہی تھیں ندا کا فون تواتر سے بجے رہا تھا اور خود وہ بے خبر سو رہی تھی۔ شام کے وقت وہ اٹھی اور حسبِ عادت موبائل دیکھا۔

"اف اتنی ساری مسڈ کالز۔" سوچتے ہوئے اس نے حسن کا نام لیا۔

"یہ اسے کال کیوں نہیں لگ رہی۔" حسن کا نمبر بند جارہا تھا' ندا کو فکر ہوئی۔

"گھر کے نمبر پر کر کے دیکھتی ہوں۔" اسے کوفت ہونے لگی۔

"گھر پہ تو کوئی اٹھا ہی نہیں رہا۔" ندا کو اب رہ رہ کر غصہ آرہا تھا۔

"اچھی بات ہے نہ اُس کا فون لگے گا نہ بات ہوگی نہ مجھے کہا جائے گا۔ کوئی پوچھے گا تو کہہ دوں گی کہ نمبر بند تھا ہونہہ۔" وہ باہر آئی۔ موسم بڑا خوشگوار ہو رہا تھا۔ کچن کی جانب رُخ کیا۔

"موسم تو بہت ہی اچھا ہو رہا ہے چلو کچھ پکا ہی لیتے ہیں۔" اُسے دنیا کا سب سے آسان کام آلو کے چپس فرائی کرنا لگتا تھا۔ آلو چھیلے اور کاٹنے لگی۔

"اوہو یہ کون آج کچن میں آیا ہے ذرا دیکھوں تو سہی۔" زرینہ جو چائے پکانے کی غرض سے کچن میں آئی تھیں ندا کو دیکھ کر حیران ہوتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"آپ کی ہی اکلوتی اولاد کچن میں موجود ہے کوئی خلائی مخلوق نہیں۔" ماچس جلا کر اُس نے ہلکی آنچ پہ کڑاہی رکھی اور تیل ڈالنے لگی۔

"تم خود کسی خلائی مخلوق سے کم ہو کیا؟ دن بھر نجانے کیا کیا سوچتی ہو اور لکھتی ہو۔" زرینہ نے چائے کے لیے دودھ فریج سے نکالا۔

"امی میں واقعی آپ کی ہی بیٹی ہوں ناں کہ مجھے تو اب شک ہونے لگا ہے۔" ندا نے ٹیڑھی آنکھ سے زرینہ کو دیکھا۔

"تم پر سی آئی ڈی کا بھوت تو سوار نہیں ہوگیا؟"

"امی آپ اپنے فارغ اوقات میں بس ایسے ہی ڈرامے کیوں دیکھتی ہیں؟ اور بھی کئی طرح کے ڈرامے ہوتے ہیں۔" زرینہ کو روایتی ڈرامے کم پسند تھے البتہ ندا کے لیے وہ چاہتی تھیں کہ گھر داری سیکھے لیکن خود وہ ایسے جاسوسی طرز کے ڈرامے دیکھنے کی دلدادہ تھیں۔

"اچھا اچھا اب چلو اپنے یہ چپس بناؤ اور جب چائے پک جائے تو باہر لے آنا' علی بھی آنے والے ہوں گے۔"

"ویسے اماں حضور' کبھی والد صاحب پہ بھی شک کر کے دیکھیے گا بڑا مزہ آئے گا۔" زرینہ نے ندا کو گھور کر دیکھا اور سر پہ ہلکی سی چپت لگا کر باہر چلی گئی۔

جب آلو بن گئے ندا نے پلیٹ میں نکالے چائے کپوں میں ڈال کر سلیقے سے ٹرے سیٹ کر کے وہ باہر لاؤنج میں آئی۔

''السلام علیکم ابو' کیا حال ہیں آپ کے؟ بڑی جلدی گھر آ گئے آج تو' خیر ہے ناں؟'' ندا کی بات سن کر علی نے اُسے بغور دیکھا۔

''وہ اصل میں امی پوچھنا چاہتی تھیں۔'' ندا کی بات پہ زرینہ چونکی۔

''نہیں......نہیں......ایسا کچھ نہیں ندا تو کچھ بھی کہہ دیتی ہے۔ آپ جائیں فریش ہو کر آئیں۔'' ندا مزے سے صوفہ پہ بیٹھے ایک چھوٹی سی پلیٹ میں کیچپ ڈالے چپس کھانے لگی۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ندا؟ یہ کس طرح بات کر رہی تھیں؟''

''لو میں نے کیا کہا؟ میں نے سوچا آپ میں شک کرنے کی عادت آ رہی ہے تو چلو آپ کا کام بھی آسان کر دوں اور کیا۔'' ندا اب کیچپ کھانے لگی۔

''سدھر جاؤ تم۔'' زرینہ نے ڈپٹا۔

''مجھے ہی سدھارنے میں لگی رہتی ہیں آپ بس۔'' ابھی دونوں کی نوک جھونک جاری تھی کہ فون بج اٹھا۔

''اچھا جاؤ جا کر دیکھو کس کا فون ہے؟'' زرینہ کے کہنے پر وہ اٹھی اور فون ریسیو کیا۔

''السلام علیکم۔''

''اوہو ہے نصیب وعلیکم السلام۔ آج محترمہ......اوہ میرا مطلب شہزادی صاحبہ نے فون اٹھا کر سلام کیا ہے بھئی مٹھائی بانٹنی چاہیے۔ کب آ ؤں؟''

''تمہیں اپنے گھر میں کچھ نہیں ملتا جو بس یہاں آ کر یہ کھانا ہے وہ کھانا ہے کی رٹ لگانا شروع کر دیتے ہو؟'' ندا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''اوہو بھئی خیر ہے ناں کیا کھا کے بیٹھی ہو جو پسند نہیں آیا اور اب مجھے کھانا چاہتی ہو؟''

''میں تو گرم گرم فرائز کھا کے بیٹھی ہوں۔'' حسن کو چڑاتے ہوئے کہا۔

''شرم تو نہیں آتی تمہیں' تمہارا یہ پیارا سا کزن بھوکا ہے اور تم اتنے مزے کی چیز کھا کے بیٹھی ہو اور مجھے بتا بھی رہی ہو؟'' حسن نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''ہاں تو میں کیا کروں اگر میرا یہ پیارا سا کزن بھوکا رہتا ہے سدا کھاؤ کے بھی' اب میں جو بھی کھاؤں اپنے کزن کو یاد بھی رکھوں یہ کوئی ضروری تو نہیں؟'' دبی دبی مسکراہٹ سے ندا نے کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا......ٹھیک ہے' جب میں چلا جاؤں گا ناں......''

''بس تمہارا ڈرامہ شروع' جاتے تو ہو نہیں اور بس یہی لائن کہتے رہتے ہو۔'' ندا نے حسن کی بات کاٹ کر کہا۔

''ندا......'' حسن ایک دم سے سنجیدہ ہوا۔

''ہمم......''

''مجھے یاد کرو گی؟'' حسن نے گہری سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔'' ندا نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔

''بالکل بھی نہیں۔''

''بالکل بھی نہیں۔'' ندا کا دل چاہا کہ وہ کہے کہ وہ بہت زیادہ یاد کرے گی لیکن نہ کہہ سکی۔

''ٹھیک ہے میں فون رکھتا ہوں۔ اللہ حافظ۔'' ندا اس سے پہلے کچھ کہتی حسن نے فون رکھ دیا تھا۔ بوجھل دل کے ساتھ وہ لاؤنج میں آئی۔

''کس سے اتنی دیر سے گپیں ہانک رہی تھیں؟'' زرینہ ٹی وی پہ چینل بدل رہی تھی۔

''آپ کے چہیتے کا فون تھا۔'' ندا نے یک دم زرینہ سے ریموٹ چھینا۔

''آرام سے لڑکی' کہہ دیتیں میں دے دیتی ریموٹ۔''

''بڑا دے دیتیں آپ۔'' شرارتی انداز میں ندا نے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ کیا کہہ رہا تھا حسن؟''

''ہم دونوں کی باتیں تھیں آپ کو کیوں بتاؤں؟'' ندا نے انہماک سے سنتی زرینہ کو ابرو اٹھا کر جواب دیا۔

''لو کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے کوئی خفیہ پلان ہو اور بتانا منع ہو۔''

''اماں حضور' سچ بتائیں کیا آپ جاسوسی کہانیاں پڑھتی تھیں؟''

''بالکل پڑھی تھی ایسی کہانیاں اور یہی پڑھ کر مزہ آتا تھا۔ تم بتا نہیں کیسی کہانیاں لکھتی ہو بھئی۔''

''بس پھر شروع ہو گئیں ناں آپ۔'' ندا نے منہ بسورا۔

''اور یہ والد محترم کمرے میں کیا گئے باہر ہی نہیں آئے ذرا

پتا تو کریں کسی سے بات نہ کررہے ہوں۔"
"توبہ ہے لڑکی' تھک گئے' آرام کررہے ہوں گے شاید' میں جاتی ہوں چائے لے کر اندر۔"
"واہ اماں...... اب میں نے ایسا کہا تو جاسوسی کرنے جارہی ہیں ناں۔" ندا نے چھیڑا۔
"تم چپ چاپ بیٹھ کر اپنی فضول کہانیاں لکھو مجھے تو بخشو۔
"جائیں...... جائیں۔ اچھے سے پوچھ گچھ کیجیے گا سی آئی ڈی کی طرح۔" زرینہ گھوری دیتی ہوئی اٹھیں اور کمرے میں چلی گئیں۔
"ہونہہ۔ جس دن سب سے اچھی کہانی لکھوں گی ناں اماجی آپ خود پڑھ کر حیران ہوجائیں گی۔" ٹیبل سے سامان اٹھا کر کچن میں رکھا اور خود بھی کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆......☆☆☆

حسن مزید پڑھائی کے لیے آسٹریلیا جارہا تھا۔ اس کے روز کچھ نہ کچھ خریدنے کے لیے مارکیٹ کے چکر لگ رہے تھے۔
"بھئی میں تھک جاتی ہوں روز تمہارے ساتھ مارکیٹ کے چکر لگا کر۔ تم خود اپنی شاپنگ کرو مجھ بوڑھی کو کیوں گھسیٹ لیتے ہو اپنے ساتھ؟"
"یہ کیا بات ہوئی امی؟ آپ کا بیٹا باہر جارہا ہے' اس کو تو فکر لگ جاتی ہے کہ بیٹا یہ بھی رکھ لو وہ بھی رکھ لو اور ایک میری امی جسے فکر ہی نہیں۔" حسن نے مصنوعی خفگی سے کہا۔
"مجھے پتا ہے ناں کہ میرا بیٹا اب بڑا ہوگیا ہے' اُسے پتا ہے کیا لے کر جانا ہے کیا نہیں تو میں کیوں بیچ میں کودوں؟" ناہید نے حسن کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے اب میں نے آپ کو لے کر ہی نہیں جانا۔" حسن نے ہنکارہ بھرا۔
"اچھا تو کوئی اور ہے جسے لے کر جانا چاہتے ہو...... میرے علاوہ؟" ناہید نے کریدنا چاہا۔
"اگر کوئی ہوگی بھی' تو اب میں آپ کو نہیں بتاؤں گا۔"
"کیوں بھئی مجھے کیوں نہیں بتاؤ گے؟" ناہید کی بات پہ حسن مسکرایا۔
"اب آپ کا بیٹا جو بڑا ہوگیا ہے تو وہ جو چاہے کرلے اب کیا بتانا ضروری ہے؟"
"بدمعاش کہیں کے ماں کو تنگ کرتے ہو۔" حسن نے ناہید کو زور سے گلے لگایا۔
"میری پیاری ماں۔"
"ہٹو دور ہٹو مجھ سے۔"
"نہیں...... کیوں دور ہٹوں؟ میں تو نہیں چھوڑوں گا ایسے ہی بیٹھا رہوں گا بس۔" حسن کی بات پہ ناہید نے اُس کے ماتھے پہ پیار کیا۔
"میری جان...... سچی اگر کوئی ہے تو جانے سے پہلے ہمیں بتادو تاکہ......"
"بتادوں گا...... جلدی کیا ہے؟" حسن نے ناہید کو پیار سے دیکھا اور مسکرایا۔
"اچھا تو اب یہ کہنا چاہتے ہو کہ ابھی تم بڑے نہیں ہوئے؟" ناہید نے پھر چھیڑا۔
"جی نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ البتہ میری پسند کی لڑکی اگر آپ کو پسند نہ آئی تو؟" حسن نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔
"میرے بیٹے کی پسند ہوگی وہ' جو بھی ہوگی مجھے بھی پسند ہوگی بے فکر رہو۔" حسن نے ناہید کی بات سن کر ٹھنڈی سانس لی۔
"تو بس اب انتظار کریں اور مجھے بھی کرنے دیں اور اب تھکاوٹ دور ہوگئی ہو تو کچھ کھانے کا کرلیں؟"
"بہت دن ہوگئے ہیں زرینہ نہیں آئیں اور ہماری ندا' اُس سے تو بات ہی نہیں ہوئی' تمہاری ہوئی تھی کیا...... بہت یاد آرہی ہے وہ؟"
"یہ کیا بات ہوئی' میں نے کھانے کی بات کی اور آپ کو ندا یاد آگئی؟" حسن نے ابرو اچکائے۔
"اپنی بچی ہی ہے ناں وہ...... کیوں یاد نہیں آئے گی اُس کی؟ فون ملاؤ اُسے اور کہو یہاں آئے۔"
"ابھی نہیں ناں۔ آپ جائیں کچن میں' میرا موڈ بنا تو کرلوں گا بات۔" ناہید اٹھی اور کچن میں جانے لگی۔
"تمہاری ہر بات مان لیتی ہوں' تم نہیں مانتے پتا نہیں کب سدھرو گے۔"
"جب کوئی سدھارنے والی آجائے گی تب ہی سدھروں گا۔" حسن نے بابلند آواز میں کہا اور قہقہہ لگایا۔
حسن کے جانے میں اب چند دن ہی رہ گئے تھے۔ حسن زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتا تھا۔ اُس دن بھی ندا حسب معمول

اپنے کمرے میں بیٹھی کافی سے لطف اندوز ہورہی تھی۔ اُسے احساس ہوا کہ شاید گھر پہ کوئی نہیں' زرینہ کی آواز بھی کہیں سے نہیں آرہی تھی۔ وہ باہر زرینہ کو دیکھنے آئی اور اُس کے کمرے میں گئی۔ ہر جگہ دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ زرینہ گھر پہ نہیں تھی۔ یہ کوئی پہلی بار نہ تھا' اکثر ندا کو گھر پہ سوتا چھوڑ بنا بتائے دونوں میاں بیوی چلے جاتے تھے۔

"کہاں جاسکتی ہیں امی؟" ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک اُسے یاد آیا اور سر پہ ہاتھ مارا۔

"کہیں یہ دونوں میاں بیوی حسن سے ملنے تو نہیں چلے گئے؟ وہ بھی مجھے بتائے بغیر۔" ماتھے پر اچانک بل آگئے۔

"حد ہے اگر واقعی ایسا ہے تو اب میں نہ فون کروں گی نہ ہی اس سے ملنے جاؤں گی۔" وہ خود کلامی کررہی تھی اور قیاس آرائی میں مصروف تھی کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ وہ غصے سے کمرے میں واپس چلی آئی اور دروازہ دھڑام سے بند کا اور بستر پر آکر بیٹھ گئی۔ تکیے کو گود میں رکھا اور اپنا ہاتھ بے چینی کے عالم میں مسلنے لگی' وہ ابھی سوچنے میں محو تھی کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔

موبائل اسکرین پر حسن کا نمبر جگمگاتا دیکھ فوراً اٹھالیا۔

"اس سے پہلے کہ تم کچھ کہو سب سے پہلے بندے کا سلام قبول کرو میرے غصے پوری رانی۔" حسن بے تکان بولا۔

"بکومت' فون کیوں کیا ہے؟" ابرو اچکاتے ہوئے ندا نے پوچھا۔

"توبہ ہے غصہ کیوں کرتی رہتی ہو ہر وقت؟ کبھی پیار سے بھی بات کرلیا کرو مائی ڈیئر کزن صاحبہ۔" وہ حسن ہی کیا جو ندا کو زچ کیے بغیر رہ جاتا۔

"میں اچھے سے جانتی ہوں اس وقت تم نے جان بوجھ کر مجھے فون کیا ہے ناں' اماں ابا تمہارے ہاں ہیں ناں؟" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"کیا بات کرتی ہو؟ واقعی چاچا' چاچی میرے ہاں آئے ہوئے ہیں؟ مجھے تو پتا ہی نہیں۔" حسن نے حیرانی سے کہا۔

"بنو مت اب' مجھے کچھ نہیں پتا مجھے لینے آؤ ابھی کے ابھی۔" تحکم بھرے انداز میں ندا نے کہا۔

"جو حکم آپ کا...... لیکن ایک بات مجھے سمجھ نہیں آئی۔" حسن نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" ندا نے کوفت سے پوچھا۔

"یہ کہیں مجھ سے ملنے کا بہانہ ہے یا......؟" حسن کہتے کہتے رک گیا۔

"یا......؟"

"کچھ نہیں۔" گہری سانس لیتے ہوئے ندا کے سوال کا جواب دیا اور چپ ہوگیا۔ ہارن کی آواز پہ ندا چونکی۔

"حسن' اماں ابا آگئے ہیں' میں بعد میں بات کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر فون رکھا اور لاؤنج میں پہنچی زرینہ اور علی باتیں کرتے ہوئے داخل ہوئے' ندا شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کہاں گئے تھے آپ لوگ مجھے بنا بتائے؟" دونوں بازو فولڈ کرکے قدرے غصے میں پوچھا۔

"کام سے گئے تھے چندا کیا ہوا؟" زرینہ حیران ہوئیں۔

"آپ لوگ حسن کے ہاں نہیں گئے تھے؟" دل کو تھوڑا سکون ملا تو سانس خارج کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو...... تمہیں کس نے کہا؟" علی بولے۔

"اچھا...... بس مجھے ایسا لگا۔" ندا ہچکچائی۔

"بھئی اگر حسن سے ملنے کا دل ہورہا ہے تو بتادو کل چلیں گے یا پھر ابھی کہو تو چلتے ہیں۔" زرینہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... بس کل کا ڈن کرلیں۔" اور وہ بھی ان کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے لیکن اتنا غصہ کیوں؟" علی کو واقعی حیرت ہوئی۔

"اوہو...... کزن ہے ناں اور دونوں دوست بھی ہیں تو اب وہ باہر جارہا ہے تو ظاہر ہے ملنے کا دل ہوگا ندا کا۔" زرینہ نے ندا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا آپ لوگ باتیں کریں میں چائے لے کر آتی ہوں۔"

"چائے ہی لانا پلیز ایسا نہ ہو کہ پتی کی جگہ کالی مرچ ڈال دو اور چینی کی جگہ نمک۔"

"کیوں کیا جب امی نے پہلی دفعہ آپ کو چائے پلائی تھی تو کیا ایسی ہی چائے تھی وہ؟" ندا بھی کہاں چپ رہ سکتی تھی جواب دینا تو جانتی تھی۔

"باپ رے باپ...... کیا یاد دلا دیا ہماری بیٹی نے۔ ہائے کیا دن تھا وہ جب ہم اپنے والدین سمیت آپ کی امی کو دیکھنے گئے تھے۔ پسند تو خیر بھابی صاحبہ کی تھی لیکن دیکھنا بھی تو فرض بنتا تھا ناں۔" اب علی نے شرارت سے زرینہ کو

دیکھا جو شرما گئی تھیں۔

"کیا بات ہے بھئی اس عمر میں بھی شرمانا؟" ندا نے زرینہ کو دیکھ کر شرارت سے آنکھ ماری۔

"بدمعاش جاؤ جا کر چائے کا پانی رکھو میں آ کر دیکھتی ہوں تم تو پتا نہیں کیا کرو گی۔" زرینہ اٹھیں۔

"تو بھئی بیٹی کو اب چائے پکانا بھی سکھا دو ناں۔"

"آپ کی بیٹی نہیں سیکھ ہی نہ جائے۔" علی کو جواب دے کر زرینہ بھی کچن میں آ گئی۔

☆☆☆......☆☆☆

اگلے دن وہ شام میں تیار ہو رہی تھی ساتھ ساتھ اس نے حسن کو میسج بھی کر دیا کہ گھر پر ہی رہے۔

"آہا...... دیکھو تو کون آیا ہے بھئی۔" ناہید نے بڑے پیار سے اسے گلے لگایا۔

"اتنے دنوں بعد آئی ہو کیا ہماری یاد نہیں آتی؟" ناہید نے گلہ کیا۔

"ارے نہیں چاچی ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس سے اب جواب ہی نہیں بن پا رہا تھا۔

"ہاں تو حسن خود ہی آ جاتا ہے تو یہ کہاں سے آتی۔" زرینہ بھی کم نہیں تھی شرارتی نظروں سے ندا کو دیکھا تو وہ گھبرا گئی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں کون سا وہ روز روز آ جاتا ہے؟" ندا نے صفائی دینا شروع کی زرینہ اور ناہید دونوں ہنسنے لگیں۔

ندا اب نگاہیں ادھر ادھر دوڑانے لگی کہ کہیں سے حسن جلوہ گر ہو جائے پر وہ گھر پر ہوتا تب دکھتا ناں سارا وقت اس نے حسن کے انتظار میں بے زار ہوتے ہوئے گزارا۔

"میں تم سے بہت ناراض ہوں۔" ندا نے گھر آتے ہی میسج کیا۔

"اچھا سچ بتاؤ؟" حسن نے منہ چڑاتے ہوئے اسمائیلی کے ساتھ میسج بھیجا۔

"جب میں نے میسج کر دیا تھا کہ گھر پر رہنا تو پھر؟" ندا نے خفگی سے میسج کیا۔

"یار مجھے کام تھا اس لیے۔" مسکراتے ہوئے حسن نے جواب دیا۔

"ایسا کیا خاص کام تھا جو میں بھی یاد نہ رہی؟" ندا اداس ہوئی۔

"تم مجھے کبھی نہیں بھولتیں۔" حسن کے میسج پہ ندا مزید اداس ہوگئی۔

"جھوٹ۔ ایسا تھا تو کام چھوڑ کر بھی آ سکتے تھے میں صرف تمہارے لیے آئی تھی ناں۔" غصے والا اسمائیلی ساتھ میں لگا کر بھیجا میسج۔

"معاف کر دو ناں...... پلیز۔" دونوں کے درمیان میسج کا تبادلہ ہونے لگا تھا۔

"بالکل بھی نہیں۔" ندا کو سچ مچ کا برا لگا تھا۔

"اچھا ناں اب چھوڑو کل آؤں گا پکا۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" حسن کے میسج کا جواب دے کر اس نے فون سائلنٹ کر دیا اور دوسری جانب رکھ دیا۔

صبح دیر سے جاگی اور موبائل ہاتھ میں لیتے ہوئے ہونٹوں پر مسکان بکھر گئی اور وہ فریش ہونے چلی گئی۔ وہ ناشتے کے لیے باہر آنے والی تھی کہ اسے مانوس سی آواز سننے میں آئی بلاشبہ وہ حسن کی ہی آواز تھی یعنی اپنے کہنے کے مطابق وہ یہاں آ گیا تھا۔ اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کی جس سے حسن کو لگے کہ وہ ناراض ہے اور اس کے آنے سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ پھر باہر آئی ڈائننگ ٹیبل پر حسن کے ساتھ والی چیئر پر ہی بیٹھی اور ناشتہ کرنے لگی۔

"اے...... ناراض ہو؟" حسن نے سرگوشی میں پوچھا۔

"تم سے مطلب؟" بنا اس کی طرف دیکھے ندا نے جواب دیا۔

"مطلب تو کوئی نہیں بس کنفرم کر رہا تھا۔" حسن کہاں باز آنے والا تھا۔

"ہو گیا ناں اب کنفرم؟ اب چپ چاپ ناشتہ کرو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" ندا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"یہ تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہو؟" علی نے پوچھا۔

"ارے چاچو ہم لوگ ناں پکنک کا پروگرام بنا رہے ہیں۔" حسن نے جوس پیتے ہوئے جواب دیا۔ ندا نے حیرانی اور غصے سے اسے دیکھا تو جوس پیتے ہوئے حسن کو کھانسی آ گئی۔

"آرام سے پیو کیا ہو گیا ہے؟" زرینہ نے فکرمندی سے کہا۔

"کچھ نہیں چاچی ہو جاتا ہے اچھا ہم ناں پکنک کا سوچ رہے ہیں وہ بھی سمندر کنارے۔" جوس کا گلاس لہراتے ہوئے کہا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔" ندا کی نظریں پلیٹ پر ہی رہیں۔

"تو ٹھیک ہے مت چلنا' باقی تو چلیں گے ناں' کیوں چاچو چاچی؟" آنکھ دبائے اس نے علی کو دیکھا۔

"ہاں کوئی مسئلہ نہیں جس کی مرضی ہو وہ چلے جس کی نہیں وہ نا چلے۔" علی بھی شرارت میں شامل ہوگئے۔

"مجھے ناشتہ کرنے دیں گے آپ لوگ؟" ندا کو اب حقیقتاً غصے نے آ گیا تھا۔

"مت تنگ کرو اسے اور آپ دونوں بھی چپ چاپ ناشتہ کریں۔" حسن کو غالباً اسے ستانا اسے ناراض کرنا اور پھر منانا پسند تھا۔ بچپن کی دوستی وقت کے ساتھ پروان چڑھتی مزید گہری ہوتی گئی تھی اور کب کیسے ایک نئے رشتے میں بندھ گئی تھی ان کو پتا ہی نا چلا وہ بھلے زبان سے اظہار نا کریں مگر جانتے دونوں ہی تھے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے لازم تھے۔

ندا کا بھی کچھ معاملہ ایسا ہی تھا کہ جب تک وہ حسن سے لڑ نہ لے اسے مزا نہیں آتا تھا پھر جب وہ مناتا تھا وہ خوش ہو جاتی تھی۔ وہ خود سے اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی' وہ ناولز کی دلدادہ لڑکی' جو خود بھی شوق سے لکھتی تھی' اس کی خواہش تھی کہ حسن بھی ناول کے ہیرو کی طرح اس سے اظہار کرے لیکن جب حسن اور زرینہ اسے ناول کی ہیروئین جیسی بننے کو کہتے تو وہ چڑ جاتی' خیر غلط تو وہ بھی نہیں تھے۔ ناشتہ کرنے کے بعد حسن ندا کے پیچھے اس کے کمرے میں آ گیا تھا۔

"ہاں بھئی اب بتاؤ پھر پکنک کا۔" اس نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں؟ جنہیں جانا ہے ان سے پوچھو' مجھ سے کیوں؟" ندا اب بھی غصے میں تھی۔ وہ اٹھا اور اس کے بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔

"اب بس بھی کردو' جب دیکھو غصہ غصہ' یہ تو میں ہوں جو برداشت کر جاتا ہوں' میرے بعد کوئی نہیں کرنے والا' سمجھی۔" حسن نے اپنے کالر اوپر کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے کوئی اور چاہیے بھی نہیں۔" ندا نے حسن کو دیکھے بغیر کہا۔

"اچھا یعنی صرف میں ہی کافی ہوں؟" حسن نے ندا کے بے حد پاس آ کر اس کے کان میں ہلکی سی آواز میں کہا تو وہ گھبرا گئی دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں لیکن قابو پاتے ہی فوراً کہا۔

"دفع ہو جاؤ تم' نکلو میرے کمرے سے ورنہ میں چلانا شروع کردوں گی۔"

"ارے آرام سے اچھا...... اچھا بابا جا رہا ہوں' صبر تو کرو ویسے بھی جب ہمیشہ کے لیے جا ہی رہا ہوں تو ایسے تو دور نا کرو۔" حسن نے ندا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ شاید ایسا نہ کرتا لیکن ندا سے دور ہو جانے کے احساس سے وہ یہ کر بیٹھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑو۔" ندا نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی جبکہ حسن نے مضبوطی سے تھامے رکھا۔

"درد ہو رہا ہے حسن۔" ابھی اتنا کہا ہی تھا کہ اس نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ جبکہ ندا کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"تم سے تو میں پکنک والے دن نمٹوں گا۔" حسن دروازے تک گیا اور رک کر کہا۔

"پکنک پہ جائے گی میری جوتی۔" ندا نے ہنکارتے ہوئے کہا اور ہاتھ دبانے لگی۔

"ٹھیک ہے جوتی کو تیار رکھنا اُسے ہی لے جاؤں گا تمہارے بدلے ٹھیک ہے ناں؟" اس کی بات پر ندا پیر پٹخ کر رہ گئی تھی۔

وہ کھڑکی کی طرف کھڑی حسن کی سوچ میں محو تھی' موبائل پر میسج کی ٹون پر اس کا دھیان موبائل کی جانب گیا۔

"پتا ہے ندا تم جیسی کوئی نہیں ہو سکتی۔" میسج پڑھتے ہوئے مسکرائی۔

"ہاں جانتی ہوں۔" ندا نے جواب دیا اور دوبارہ کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

"ٹھیک ہے پھر پکنک کا پروگرام پکا ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" ندا کو یہی جواب دینا مناسب لگا۔

کچھ دیر بعد حسن کا پھر سے میسج آیا۔

"اتوار کے روز چلیں گے۔ اللہ حافظ۔"

"ٹھیک ہے۔" حسن کے میسج پر وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی نہ پوچھا نہ کچھ......

"بے مروت لڑکی۔" حسن نے خود کلامی کی میسج بھیجنے کے بجائے۔ ندا نے بھی تکیہ اپنی کمر کی جانب رکھا اور ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

دن گزر رہے تھے حسن کے جانے کے دن نزدیک آ رہے تھے تو دوسری طرف ندا کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا اس کا سب سے اچھا دوست اس سے دور جا رہا تھا۔

بالآخر وہ دن آ ہی گیا جس کا دونوں کو انتظار تھا۔ ساری تیاریاں مکمل تھیں' موسم بہت خوب صورت ہو رہا تھا گھیرے سیاہ بادلوں نے پورا آسمان ڈھک رکھا تھا' ایسے موسم میں سمندر پہ

جانے کا سوچ کر ہی سرور چھا رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر لہروں کا شور اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں سب کو خوشگوار رکھے ہوئی تھیں۔ ہنسی مذاق کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ لہروں میں جانا پیر تھرتھرانا' ایک دوسرے پر پانی اچھالنا' یہی سب چل رہا تھا لیکن ندا ان سب سے دور ایک کونے پر کھڑی آتی جاتی لہروں کو دیکھ رہی تھی۔ حسن اب ندا کے پاس آیا اور اس کے برابر کھڑا ہو گیا۔ گہری سانس لیتے ہوئے حسن نے کہا۔

''میں تمہیں بہت یاد کروں گا' میں نہیں جانتا اس کیفیت کو کیا نام دوں؟ شاید یہ پیار ہی ہے کبھی کہہ نہیں سکا ناں اس لیے سمجھ ہی نہیں آ رہا کیا کہوں۔'' حسن نے سر کھجایا۔ ندا سامنے لہروں کو دیکھ رہی تھی۔

''تم تو مجھے یاد ہی نہیں کرو گی ہے ناں؟ اس لیے تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں خاص کر......'' ندا صرف حسن کو سن رہی تھی کوئی ردِعمل نہیں دیا۔

حسن نے اس کا ہاتھ اٹھایا اور اپنی جیب سے انگوٹھی نکال کر اس کے الٹے ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنادی۔

''تم کچھ بولو گی نہیں؟'' حسن اب اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ ندا اُسے چپ چاپ ساکت نظروں سے دیکھتی رہی۔

''ندا یہ حقیقت ہے کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا' مجھے تم سے جو محبت ہے میں اسے بیان بھی نہیں کر سکتا اور یہ جو حرکت کی ہے ناں گھر والوں سے پوچھ کر ان کی اجازت سے ہی کی ہے۔'' ندا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ کہہ رہا تھا۔

''تم کیوں چپ ہو؟ جانتی ہو ناں میں چلا جاؤں گا' کچھ تو بولو۔''

ندا بھی تو چاہتی تھی۔ اف وہ لمحہ' وہ اظہار جو حسن کر رہا تھا' وہ بھی کچھ اپنے ناولز میں لکھتی پڑھتی رہی تھی' حسن اس سے اظہارِ محبت کرے وہ بھی انوکھے انداز میں لیکن انگوٹھی والی حرکت اس کے لیے واقعی ناقابلِ یقین تھی لیکن پھر بھی اس نے خود کو نارمل ہی رکھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی حسن مزید شوخ ہو جائے۔ وہ سامنے سے ہٹ کر سمندر کی جانب گئی پیروں کو جب پانی چھو رہا تھا دل مزید خوش ہو رہا تھا۔ حسن اُس کے پیچھے آ گیا۔

''حسن......'' آخر کار اس نے لب کشائی کی۔

''تم نے جو بھی ابھی کہا ہے وہ میں بھی کہنا چاہتی ہوں پر اب تم کہہ ہی چکے ہو تو کافی ہے ناں' کیا اب میں بھی وہی باتیں دہراؤں...... کیا فائدہ...... ہے ناں؟'' ندا نے بڑے مزے سے اور آرام سے جواب دیا' پہلے تو حسن حیران ہوا پھر ہنس دیا جس پر ندا بھی اس کے ساتھ ہنس دی۔

ندا خوش بھی لیکن حسن کے جانے کا بھی دکھ تھا وہ الگ بات لیکن اس نے جیسا کبھی اپنی ہیروئین کے لیے سوچا تھا ویسا ہی کچھ حسن نے کیا اسے سب سے اچھا یہی لگا۔ ندا کی خوشی یہی تھی کہ وہ اب حسن کے نام کی ہو گئی ہے' دونوں ساتھ لہروں میں چلتے ایک دوسرے پہ پانی اچھالتے' پیار سے دیکھتے جا رہے تھے۔ ندا جو اس وقت خود کو ناول کی ہیروئن سمجھ رہی تھی اسے اپنے ہیرو پر بے حد پیار آ رہا تھا۔ لیکن دور جانے کا احساس بھی پنپ رہا تھا۔

''میں تمہیں روز میسج کیا کروں گا' صبح اٹھتے ہی میرا میسج ملے گا تمہیں اور جب رات کو سونے لگوں گا تو بھی میسج کیا کروں گا۔'' حسن نے ریت پہ بیٹھ کر کہا۔ ندا نے ریت پر ہاتھوں سے دل بنایا اور اپنا اور حسن کا نام لکھا۔ مسکراتے ہوئے حسن کو دیکھا۔

''فون بھی کیا کروں گا تمہیں۔'' حسن کے پیار بھرے انداز سے ندا نے پلکیں جھکا لیں۔

''میں تمہارے میسجز کا انتظار کیا کروں گی' کبھی کبھی تم سے پہلے بھی کر لیا کروں گی اور ہاں فون زیادہ نہ کرنا' اپنی پڑھائی پر بھی دھیان دینا۔''

''تمہیں سوچنے سے اب فرصت ہی کہاں ملے گی۔'' حسن نے بھی مسکراتے ہوئے ندا کو دیکھا۔ ندا شرمگیں نظروں سے حسن کو دیکھتی رہی۔

ڈھلتا ہوا سورج سمندر میں ڈوبتا جا رہا تھا لیکن اپنے ساتھ ایک کہانی لے جا رہا تھا۔ ہاتھ میں ہاتھ تھامے وہ دونوں ڈھلتے ہوئے سورج کو دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے وہیں اپنے خوش آئند مستقبل کے بارے میں بھی سوچ رہے تھے۔

❀

قسط نمبر 22

صدف آصف

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

موحد کو اچانک سامنے دیکھ کر نبیل گھبرا جاتا ہے جبکہ شرمیلا کو اس کی آمد کسی فرشتے سے کم نہیں لگتی ایسے میں نبیل موحد کو دھمکانے اور اس معاملے سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اپنے محافظ آدمیوں کو اندر بلا کر شرمیلا کے گھر واپسی کا انتظام کرتی ہے شرمیلا کے جانے کے بعد نبیل کو تمام صورتحال کا اندازہ ہوتا ہے جس پر وہ شرمیلا سے بدلے کی بات کرتے موحد کو رام کرنا چاہتا ہے لیکن موحد کا اعتبار حاصل کرنے میں ناکام ٹھہرتا ہے نبیل شرمندہ ہوئے بغیر تمام باتوں کا ذمہ دار موحد کو ہی ٹھہراتا ہے کہ اسی کے شک کی بنا پر وہ اس حد تک گیا۔ بتول بیٹی کی غیر موجودگی پر بے حد متفکر ہوتی ہے ایسے میں رات کی تاریکی میں دو آدمیوں کے ہمراہ شرمیلا گاڑی سے اترتی نظر آتی ہے تو وہ اسے جلدی سے گھر میں لے جاتی ہے شرمیلا اپنی بے گناہی کا ذکر کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی ہے دوسری طرف بتول بیٹی کی اس حالت پر شاکڈ رہ جاتی ہے۔ سفینہ روشنی کی ذات میں تبدیلی لانے کی خاطر کوششوں میں مصروف ہو جاتی ہے ایسے میں عائشہ بیگم کو سفینہ کا یہ انداز بالکل پسند نہیں آتا جب ہی وہ مختلف حیلے بہانوں کے ذریعے اسرٰی اور روشنی کے کان سفینہ کے خلاف بھرتی نظر آتی ہے۔ فائز اپنی جاب سے مطمئن نظر آتا ہے اور گھر کے حالات میں بہتری نظر آنے پر مسرور ہوتا ہے ایسے میں سارہ کو سفینہ کی شادی اور اس کے ہنستے بستے گھر کی خبر ملتی ہے تو وہ بھی فائز کے جلد شادی کرنے کا ارادہ کرلیتی ہے۔ شرمیلا کو وہ باتوں باتوں میں رات دیر تک گھر سے باہر رہنے اور پھر مکان خالی کرانے کا بتا کر شاکڈ کر دیتی ہیں شرمیلا کے لیے یہ سب برداشت کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے ایسے میں بتول جلد از جلد اس کا رشتہ طے کر دینا چاہتی ہیں لیکن اس کے لیے جو رشتہ نظر آتا ہے وہ نہ صرف شادی شدہ ہوتا ہے بلکہ دو بچوں کا باپ بھی ہوتا ہے ایسے میں بتول کی تشویش مزید بڑھ جاتی ہے۔ سفینہ اپنے گھر آتی ہے تو ریحانہ بیگم کے سامنے روشنی کا تذکرہ کر بیٹھتی ہے ایسے میں ریحانہ اسے عائشہ بیگم کی طرف سے محتاط رہنے کا کہتی ہیں خود سفینہ کو بھی عائشہ بیگم کے انداز الجھن میں مبتلا کیے رکھتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❁.......❁.......❁

ڈوبتے ہوئے سورج نے نیلے آسمان پر سرخیاں پھیلا رکھی تھیں' پرندے ایک دوسرے کو الوداع کہتے ہوئے اپنے گھونسلوں کی جانب بڑھ رہے تھے۔ سفینہ نے الیکٹرک کیتل آن کی اور گرم کھولتے ہوئے پانی میں چمچ بھر کافی مکس کرنے کے بعد بلیک کافی کا لطف اٹھانے کے لیے گھونٹ بھرا منہ میں کڑواہٹ کے ساتھ ایک خاص ذائقہ گھلتا چلا گیا۔ وہ مگ اٹھا کر کچن سے نکل آئی' جانے کیوں اسے گھٹن سی محسوس ہوئی تو تازہ ہوا کی رسائی کے لیے لاؤنج کے بھاری پردے ہٹانے شروع کر دیئے باہر کے منظر پر نگاہ گئی تو کھنکتی چوڑیوں کے جلترنگ کے ساتھ اس کا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ زمین پر بچھے ہوئے سبزے کی چادر نے اسے ایک لمحہ کے لیے مبہوت کر دیا تھا۔ دن بھر دھوپ کی تمازت سہنے کے بعد ڈھلتی شام کے ساتھ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی' موسم کی ادا کا لطف اٹھاتے ہوئے درخت بھی جھوم اٹھے۔

سفینہ نے دریچے پر تھوڑا جھک کر دائیں طرف دیکھا اور روح کی گہرائی تک ترو تازہ ہوگئی' لاؤنج کی کھڑکی سے شاہ ہاؤس کے بڑے سے لان کا عقبی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ کیاری میں خوشبوؤں کا ہاتھ ہوا کے ہاتھوں میں تھمایا ہوا تھا ہر رنگ کے گلاب کھلے ہوئے تھے' پھولوں کی پنکھڑیاں مسکاتی ہوئی بہت حسین لگ رہی تھیں' سفینہ نے ایک ہاتھ سے اڑتے ہوئے بالوں

کو سمیٹا اور کافی کا سپ لیتے ہوئے خود بھی مسکرا دی۔ ہوا کے جھونکوں میں نمی رچی ہوئی تھی وہ ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے ماضی میں کھو گئی۔ دل میں ایک دم میکے کی یاد در آئی۔

اسے اپنے دادا ابا کے ساتھ مل کر خان ہاؤس کے لان کو سجانے سنوارنے کا کام کتنا پسند تھا اور فائز کیسے اس کے لگائے ہوئے پھولوں کو توڑ کر اسے ہی گل دستہ بنا کر پیش کرتا' اس بات پر دونوں میں خوب لڑائی ہوتی۔ اس نے سر جھٹک کر یاد گم گشتہ سے جان چھڑائی اور حال میں قدم رکھتے ہوئے دوسری جانب رخ پھیرا۔ مالی بابا نے لان کو شاید کچھ دیر پہلے ہی سیراب کیا تھا دُھلا دُھلا سا سبزہ' کہیں سے سوکھا اور کہیں سے گیلا آنکھوں کو تراوٹ بخش رہا تھا' وہ پردے کو تھامے کھوئی کھوئی سی کھڑی رہی' کچھ دیر بعد جب سیاہی دریچوں پر اترنے لگی تو اسے خیال آیا کے بہت سارے ضروری کام تو ادھورے رہ پڑے ہیں۔ اس نے سرعت سے پردوں کو ہک میں لٹکایا اور وہاں سے ہٹنے لگی' اچانک کانوں میں گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ سفینہ نے چونک کر مین گیٹ کی طرف دیکھا' خان چاچا گاڑی ریورس کر رہے تھے اور روشنی کاندھے پر بیگ لٹکائے کہیں جانے کو تیار کھڑی تھی۔

''ارے...... یہ کہاں جا رہی ہے؟'' سفینہ نے خود کلامی کی۔

''بائے بھابی۔'' روشنی نے چہرہ اوپر اٹھایا اور دریچے میں بھابی کو کھڑا دیکھا تو بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے زور سے بولی۔

''اللہ حافظ۔'' سفینہ نے اشارے سے جواب دیا۔ روشنی مسکراتی ہوئی گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی۔

''میں بھی کس قدر بھلکڑ ہوگئی ہوں' تھوڑی دیر پہلے ہی تو روشنی نے بتایا تھا کہ اسے کچھ نوٹس بنانے ہیں' اس لیے وہ قریبی لائبریری تک جائے گی۔'' سفینہ نے اپنے سر پر ہاتھ مار کر خود کو ڈانٹا۔

''روشنی تو اب لیٹ ہی واپس آئے گی' کیوں نہ میں موقع کا فائدہ اٹھا کر وہ کام نمٹا لوں۔'' کچھ دیر بعد جب گاڑی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو اسے خیال آیا۔ وہ خوش ہوگئی کہ کئی دنوں سے جس موقع کی تلاش میں تھی وہ اسے مل گیا تھا۔

✿...... ✿...... ✿

چھوڑ نا یار کون اس دور میں ایسی خالص محبت کرتا ہے۔'' عاصم نے ہونٹ دباتے ہوئے فائز کو چھیڑا۔

''بس میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔'' فائز نے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ وہ عاصم کے مقابل کھڑا بہت جچ رہا تھا۔

''میں سمجھا نہیں تم کس بارے میں کہہ رہے ہو؟'' عاصم نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''اپنی محبت کی قربانی دے کر جا ہے میں سب کی نگاہوں میں گر گیا ہوں' مگر دل کو یہ اطمینان ہے کہ وہ اپنی زندگی میں خوش وخرم ہے۔'' فائز نے نم لہجہ پر قابو پایا مگر عاصم کی آنکھیں گیلی ہونے لگی۔

''ہونہہ۔'' عاصم نے سر ہلایا اور سننے لگا' اندر کی گھٹن سے نجات پانے کے لیے اس کی بھڑاس نکلنی ضروری تھی۔

''تم ہمیشہ مجھے رومیو کہہ کر میرا مذاق اڑاتے ہو ناں مگر یاد رکھنا رومیو بننے کے لیے خود کو مار کر جینا پڑتا ہے۔'' اس کا لہجہ منتشر سا تھا۔

''او یار میں تو مذاق کرتا ہوں۔'' عاصم نے صفائی دینا چاہی مگر اس نے بڑے آرام سے ہاتھ اٹھا کر مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

''میرے یار...... میں تیری محبت کو سلام پیش کرتا ہوں' تو ٹھیک کہتا ہے کہ رومیو بننا آسان نہیں۔'' عاصم نے ایک دم اسے گلے لگا کر اعتراف کیا۔

''بس مجھے ایک بات سکون پہنچاتی ہے کہ اگر میں ممی کی بات مان لیتا تو کبھی بھی اپنے ضمیر کے آگے سرخرو نہ ہو پاتا۔'' فائز کی دلکش زخمی مسکراہٹ اس کے دل کو چھو گئی۔

''فائز ایک بات بتاؤں میری نانی اماں کہتی ہیں کہ جو ہوتا ہے' اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے۔'' عاصم نے اس کے دکھے دل پر

تسلی کے پھاہے رکھنے کی کوشش کی۔
"تم ٹھیک کہتے ہوسنا ہے کہ سفینہ کی شادی ایک اعلیٰ خاندان میں ہوئی ہے۔" اس نے بتانا چاہا۔
"اچھا کیا تم ان لوگوں کو بالکل نہیں جانتے؟" عاصم نے درمیان میں اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔
"نہیں یار...... جب اس کی شادی ہورہی تھی تو پاپا کی طبیعت کافی خراب ہوگئی تھی پھر ممی نے بھی شادی میں جانے سے انکار کرتے ہوئے چاچا سے سارے رشتے توڑ دیئے تھے۔" اس نے جواب دیا۔
"یہ تو بہت برا ہوا۔" عاصم کو حقیقت میں دکھ ہوا۔
"شکر ہے کہ اس کے نصیب میں مجھ سے بہتر جیون ساتھی لکھا تھا۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا ناں۔" اس نے لب کاٹتے ہوئے خود کو پستی کی جانب دھکیلا۔

✿......✿......✿

"یا اللہ میری بیٹیوں کا نصیب اچھا کرنا۔" بتول جب سے زینب کے یہاں سے لوٹی تھیں اٹھتے بیٹھتے ایک ہی ذکر نکال کر بیٹھ جاتیں۔
"اماں آپ اس رشتے کے لیے انکار کردیں۔" شرمیلا نے ماں سے نگاہیں چراتے ہوئے آخر انکار کرہی دیا۔
"کیوں کیا تمہیں اب بھی نبیل کا انتظار ہے؟" بتول کا ضبط جواب دے گیا چمک کر پوچھا۔
اماں...... پلیز۔" شرمیلا کی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی بلند ہوئی۔
بتول کی چھوٹی بیٹیاں بھی گھر میں ہونے والے بحث مباحثہ پر کمرے سے نکل آئیں اور دروازے کے فریم میں ایستادہ ہوکر ماں اور بہن کو تکنے لگیں۔
"بیٹا...... میری مشکل کو سمجھو اس سے پہلے کے تمہارے قصے میری باقی بیٹیوں کے مستقبل کو مقفل کردیں تم جلد از جلد شادی کرکے یہاں سے چلی جاؤ۔" بتول بیٹی کے آگے ہاتھ جوڑ کر رودیں۔
"اماں......!" وہ ماں کی بات پر ششدر رہ گئی۔
"شرمیلا...... تم ابھی میری مجبوری نہیں سمجھ رہی مگر زندگی میں جب کبھی تمہیں ماں کا رتبہ حاصل ہوگا تب سب کچھ خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔"
"ٹھیک ہے اماں اگر آپ نے میری شادی دوہاجو یا کئی بچوں کے باپ سے کرنے فیصلہ کرلیا ہے تو پھر مجھے ذہنی طور پر سوچنے کا تھوڑا وقت تو دیں۔" وہ ایک دم آنسو پونچھ کر کھڑی ہوگئی۔
"وقت ہی تو نہیں ہے تم صرف مجھے انکار کی وجہ بتادو۔" بتول بڑبڑائیں۔
"بس ویسے ہی مجھے یہاں شادی نہیں کرنی؟" اس نے انکار میں سر ہلایا۔
"بہت سن لی اب مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی؟" بتول کا لہجہ ترش ہوا بیٹی کو گھورا۔
"اگر مجھے سمجھوتا ہی کرنا ہے تو پھر ایسی جگہ کیوں نہ کروں جہاں سے کوئی فائدہ بھی حاصل ہو۔" شرمیلا نے دل کی بات کہہ ڈالی۔
"یہ کیا کہہ رہی ہو؟" بتول کو بے تحاشہ حیرت ہوئی۔
"جی اس لیے آپ الطاف صاحب کے لیے زینب خالہ کو انکار کہلوادیں۔" شرمیلا نے سر جھکا کر جواب دیا۔
"یہ تمہاری بڑی بہن پاگل تو نہیں ہوگئی؟" بتول نے مڑکر چھوٹی بیٹی سے طنزیہ انداز میں پوچھا۔
"اماں میں پاگل نہیں ہوں اور پورے ہوش وحواس میں یہ بات کررہی ہوں۔" شرمیلا نے جھنجلاتے ہوئے ماں کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
"میں نے ہمیشہ تمہاری فضول باتوں پر یقین کیا اس لیے یہ سب ہوا اب جو مجھے بہتر لگے گا میں وہی کروں گی۔" بتول کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ بھی ٹھنڈے تھے۔

''اماں......آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں' میں جو کچھ کررہی ہوں اس میں سب کی بھلائی ہے۔'' وہ ایک دم رودی' بیٹی کے آنسو دیکھ کر بتول کا دل سکڑنے لگا۔

''دیکھو بیٹا......اب تک جو کچھ ہوا' اس کے بعد ہم جیسے لوگوں کے یہاں ایسے ہی رشتے آئیں گے۔ اب کوئی شہزادہ تو تم سے شادی کرنے نہیں آئے گا۔'' وہ تھوڑا نرمی سے شرمیلا کو سمجھانے لگی۔ اس نے ماں کی بات خاموشی سے سنی مگر اس کے ارادوں پر ذرا سی بھی ضرب نہ پڑسکی۔

''لیکن اماں......مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔ پلیز سمجھنے کی کوشش کریں یہ شادی نہیں کرسکتی۔ آپ بس وہاں انکار کردیں۔'' وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

✿......✿......✿

''ویسے مجھے تمہاری اس بات پر اعتراض ہے۔'' عاصم نے پیار بھری نگاہوں سے دوست کو دیکھا۔

''کس بات پر؟'' فائزہ کا انداز کچھ کھویا کھویا سا تھا۔

''میرے حساب سے تم سے بہتر تو دنیا میں کوئی اور ہو نہیں سکتا ہاں یہ ضرور ہے کہ نصیب میں تم دونوں کا جوڑ لکھا ہی نہیں تھا۔''

''میں تو اسی بات پر خوش ہوں کہ اگر میرے ساتھ سنی کی شادی ہوتی تو شاید اسے وہ سب نہیں ملتا جو وہ ڈیزرو کرتی ہے۔'' فائز نے شکست خوردہ انداز میں سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑا۔ وہ کوشش کے باوجود سفینہ کو بھول نہیں پارہا تھا۔

''ایسا ہی ہونا تھا' اب تو کیوں سوچ سوچ کر خود کو ہلکان کررہا ہے۔'' عاصم نے اسے دکھی نظروں سے دیکھا۔

''پتا نہیں مگر میں یہ بات جان گیا ہوں کہ سنی کی شادی شدہ زندگی کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ میں اس سے بہت دور رہوں اب میری خواہش بھی ہے کہ ہم دونوں کا زندگی بھر سامنا نہ ہو پائے۔'' سرد آہ بھرتے ہوئے اس نے بات مکمل کی۔

''میں تیری اس بات سے ایگری کرتا ہوں۔'' عاصم نے سر ہلایا۔

''پتا نہیں وہ اب کیسی ہوگی؟'' اس کی سرگوشی خود تک محدود نہ رہ پائی۔

''چلو چھوڑو کوئی اور بات کرتے ہیں۔'' عاصم نے اس کی پشت کو تھپتھپایا' مگر وہ بولتا رہا۔

''ساری باتیں ایک طرف مگر اب اس دل کا کیا کروں جو کبھی بھی اسے دیکھنے کو تڑپ اٹھتا ہے۔'' فائز اداس اور غم زدہ ہونے لگا۔

''میرے بھائی......وہ اب کسی اور کی امانت ہے دل ناداں کو سمجھاؤ۔'' عاصم نے تسلی دی۔

''دل ہی تو نہیں سمجھتا۔'' فائز نے چوڑے سینے پر دل کے مقام کو بے چینی سے مسلتے ہوئے سر ہلایا۔

''مجھے یقین ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے کچھ اچھا سوچ رکھا ہوگا' اس لیے دل کو کہیں اور لگانے کی کوشش کرو۔'' عاصم کو اس کی حالت پر افسوس ہوا مگر مشورہ دینا ضروری سمجھا۔

''پتا نہیں یار......یہ کہیں اور لگتا ہی نہیں۔'' اس نے مسکرا کر عاصم کو دیکھا۔

''ایک بات یاد رکھنا' زندگی کی گاڑی رکتی نہیں۔ آگے بڑھتی چلی جاتی ہے' بس تمہاری گاڑی ابھی اس مقام تک پہنچی نہیں جہاں تمہارے جیون میں شامل ہونا والا نیا ہمراہی کھڑا ہے۔'' عاصم نے ہاتھ کے اشارے سے گاڑی چلاتے ہوئے اسے سمجھایا۔

''اگر ایسا ہوجائے تو شاید کوئی معجزہ ہی ہوگا۔'' فائز نے کافی مایوسی سے کہا۔

''مجھے معجزوں پر یقین ہے۔'' عاصم کی سرگوشی اس کے کان میں اُبھری اور امید کی ایک نئی لہر وجود میں سرائیت کرتی چلی گئی۔

✿......✿......✿

''شرمیلا میری بچی تھوڑی سمجھداری سے کام لو اور الطاف کے لیے ہاں کردو' مجھے یقین ہے تم اس کے ساتھ خوش رہوگی۔'' بتول نے پھر اسے سمجھانا چاہا۔

''اماں......کیوں اپنا وقت ضائع کرتی ہیں۔'' اس نے چڑ کر ماں کو دیکھا۔

''دیکھ شرمیلا اگر تیرے دل میں کوئی ایسی ویسی خواہش ہے بھی تو اسے دل سے نکال دے اور مجھے عزت سے جینے دے۔'' بیٹی کے مسلسل انکار پر بتول کے دل میں شک کی پرچھائیاں پنجے گاڑنے لگیں۔

''نہیں اماں......ایسی کوئی بات نہیں' اچھا اگر میرے حالات مجھے اس مقام تک لے ہی آئے ہیں تو پھر کچھ سوچنے کا موقع تو دیں۔'' شرمیلا نے پہلے تو بھونچکی ہو کر ماں کی صورت دیکھی پھر بہانے سے تھوڑا وقت مانگا۔

''تو چاہتی کیا ہے؟'' بتول چلائیں تو شرمیلا بھی ضد میں آئی۔

''اماں......میں نے کچھ اور سوچ رکھا ہے۔'' اس نے بڑی دلیری سے جواب دیا۔

''اب تم کون سا قہر ڈھانا چاہتی ہو پہلے ہی محلے کے لوگ تمہارے حوالے سے مشکوک ہو رہے ہیں۔'' بتول نے دانت کچکچا کر بیٹی کو جھنجھوڑا تو شرمیلا نے غیر یقینی سے ماں کو دیکھا۔

✿......✿......✿

''روشنی کے آنے سے پہلے میں وہ کام بھی کرلوں۔'' سفینہ کچھ سوچ کر بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھی تو تخت پر جائے نماز بچھائے بیٹھی عائشہ بیگم کے کان کھڑے ہوگئے۔

سفینہ روشنی کے کمرے کی طرف آہستگی سے بڑھی۔ عائشہ بیگم جو لاؤنج میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ ان کے کان اسی طرف لگ گئے' سفینہ کو بلی کی چال چلتے ہوئے روشنی کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا تو جھٹ پٹ سلام پھیرا اور متجسس انداز میں دعا مانگنا بھول بھال اٹھ کر دبے قدموں سفینہ کے پیچھے چل دی۔ سفینہ نے روشنی کے کمرے دروازہ کھولا اور اطمینان سے اندر داخل ہوگئی۔ عائشہ بیگم نے دیوار کی آڑ سے اس پر نگاہ رکھنا چاہی مگر اندر کا منظر واضح دکھائی نہ دیا تو دروازے پر جا کھڑی ہوئی۔ سفینہ نے مڑ کر دیکھے بناء جلدی سے وارڈ روب کھولی۔ عاشہ بیگم نے روشنی کے کمرے کے دروازے کی آڑ سے جھانکا تو دلہن کو روشنی کے کپڑوں میں گھسا دیکھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں' کچھ اور سمجھ میں نہ آیا تو جوش وخروش میں خود بھی کمرے میں داخل ہوگئیں۔

''خیریت ہے دلہن' آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔'' عائشہ بیگم نے سفینہ کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے کامیاب چھاپہ مارا۔

''مجھے کچھ کام تھا......مگر آپ ایسے کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' سفینہ تیزی سے مڑی' اس کا رنگ ایک دم فق ہوگیا' مگر خود کو سنبھالنے میں لمحہ لگا۔

''جی کچھ نہیں میں تو آپ کو ڈھونڈتی ہوئی یہاں آئی تھی۔ بس یہ پوچھنا تھا کہ کوفتے میں ہر امسالہ ملادوں۔'' عائشہ بیگم نے بہانے بناتے ہوئے اس کا سر سے پیر تک جائزہ لیا' وہ سمجھ تو گئی کہ سفینہ کچھ چھپانا چاہ رہی ہے۔

''ہاں ٹھیک ہے آپ کچن میں جائیں اور جا کر کوفتوں میں ہرا مسالہ ملادیں۔'' اس کا لہجہ غیر متوازن ہوا تو عائشہ بیگم کے ہونٹوں کو مکاری بھری مسکراہٹ نے چھوا۔

''کیا بات ہے دلہن۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی' پسینہ کیوں آرہا ہے۔'' عائشہ بیگم نے قریب ہوتے ہوئے مزہ لیا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ شکستہ لہجے میں بولتی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی۔

''روشنی بٹیا کی غیر موجودگی میں آخر دلہن یہاں کس چیز کی تلاش میں آئی تھیں؟'' وہ بڑبڑاتی ہوئی اِدھر اُدھر نگاہیں گھما کر دیکھنے لگیں۔

✿......✿......✿
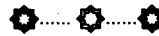
''میں جانتی ہوں کہ مجھے کون پورے محلے میں بدنام کرتا پھر رہا ہے۔'' شرمیلا نے سائرہ بیگم کا نام لیے بغیر جتادیا۔

''سمجھ گئی ہو تو احتیاط ضروری ہے' مجھ میں نئے محلے میں جا کر آباد ہونے کا حوصلہ نہیں۔'' بتول نے اثبات میں سر ہلا کر اس کے بیان کی تصدیق کی۔

''خیر اماں...... اب کی بار میں جو کچھ کرنے جارہی ہوں۔ اس سے کم از کم آپ سب کو زندگی بھر کا آرام مل جائے گا یا شاید اپنا مکان بھی۔'' شرمیلا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھری۔

''شرمیلا...... میری بچی یہ میرے جڑے ہوئے ہاتھ دیکھ لو اور مجھ بیوہ اور کمزور عورت پر رحم کرو۔ کیا چاہتی ہو کہ دلشاد خالہ ہمیں یہاں سے دھکے دے کر نکال دیں۔'' شرمیلا کے انداز پر بتول کی ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''اماں...... پلیز آپ ایسے نہ کہیں۔'' شرمیلا نے جلدی سے ماں کے ہاتھ چوم لیے۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ بڑبڑائیں۔

''اماں...... اب کی بار قسمت کو مجھ سے ہارنا ہوگا۔'' وہ ماں کو گلے لگا کر بڑی استقامت سے بولی۔

''بیٹا...... کیا کفر بک رہی ہو؟'' وہ ایک دم چونک کر شرمیلا کا چہرہ تکنے لگی۔

''کچھ نہیں اماں...... جب مرنا ہی ٹھہرا تو پھر جگہ کا انتخاب کرنا تو میرا حق بنتا ہے۔'' وہ بڑبڑائی اور فون نکال کر ماں سے دور ہوتے ہوئے صائمہ کو کال ملانے لگی۔

⚙......⚙......⚙

''کیا بات ہے اماں؟'' روشنی جو پارٹی میں جانے کے لیے کپڑوں کے سلیکشن میں مگن تھی' اپنے پیچھے کھڑی عائشہ بیگم کو دیکھ کر سوال کیا۔

''بیٹی ایک بات بتانا تھی۔'' وہ دبے لہجے میں اس کے قریب ہو کر بولیں۔

''اچھا ایسی کیا خاص بات ہے جو آپ اس قدر رازداری سے مجھے بتانے آئی ہیں۔'' اس کا موڈ اچھا تھا تو شوخی سے پوچھا۔

''شش...... آہستہ بولو دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔'' وہ ایک دم گھبرا اٹھی۔

''اچھا بھئی جلدی بولیں۔ مجھے ابھی تیار بھی ہونا ہے۔'' اس نے کوئی خاص دلچسپی نہ دکھائی تو عائشہ بیگم کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

''وہ یہ جو دلہن ہیں ناں تمہارے کمرے میں آ کر کچھ ڈھونڈتی رہتی ہے۔'' عائشہ بیگم نے بات کو خوب بڑھا چڑھا کر اس کے کانوں میں انڈیلا۔

''مگر بھابی کو کیا ضرورت ہے۔ ایسے چھپ چھپ کر میرے وارڈروب میں گھسنے کی؟'' وہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی۔

''بھئی یہ تو دلہن ہی جانیں۔'' تیر نشانے پر لگتا دیکھ کر عائشہ بیگم ریلکس ہوئی۔

''آپ کو کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی؟'' روشنی کو اس بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''ہائے اللہ ان گناہ گار آنکھوں نے دلہن کو کئی بار ایسا کرتے دیکھا ہے' چاہو تو مجھ سے بڑی سی بڑی قسم اٹھوا لو۔'' عائشہ بیگم نے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھے۔

''میری غیر موجودگی میں ہی کیوں میں نے کبھی بھابی کو اپنے کمرے میں آنے سے روکا نہیں۔'' اس کی خود کلامی عائشہ بیگم کے کانوں تک پہنچیں تو من میں لڈو پھوٹ پڑے۔

''میرے بچے تو بڑی بھولی ہے' مجھے تو لگتا ہے کہ کوئی جادو ٹونا کروا رہی ہے۔'' روشنی کو سفینہ سے بدگمان ہوتا دیکھ کر' عائشہ بیگم کا لہجہ مزید ڈرامائی ہوا۔

''واٹ ربش۔'' روشنی کہتی ہوئی مڑی تو دروازے پر سفینہ کو دیکھ کر چونک گئی۔

''جی بھابی۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ اب کی بار ہلنے کی باری عائشہ بیگم کی تھی جلدی سے چہرے پر منافقانہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

''جان...... پارٹی میں جانا ہے ناں چلو تیار ہو جاؤ۔ میں نے تمہارے لیے یہ سوٹ سلیکٹ کیا ہے۔'' چمکتا روشن چہرہ بے ریا سی مسکراہٹ' محبت بھرا لہجہ' سفینہ کو دیکھتے ہی روشنی کے دل پہ چھائے بدگمانی کے بادل چھٹ گئے۔

''اوہ...... میں کتنی کنفیوز تھی کے کیا پہن کر جاؤں۔ بھابی آپ نے تو پرابلم ہی حل کر دیا۔ آئی رئیلی لو یو۔'' وہ عائشہ بیگم کی

طرف دیکھے بنا تیزی سے بڑھی اور سفینہ کی بانہوں میں سما گئی۔
"ہونہہ.....لب یو۔" عائشہ بیگم جلن وحسد میں ہونٹ کاٹتے ہوئے انہیں زخمی کر بیٹھی۔

⁂

"پیسے کی فکر بالکل مت کرو' تمہاری دونوں بہنوں کی اچھی تعلیم' اچھی خوراک اور پھر شادیوں کے لیے بھی اتنا ہوگا کہ تمہاری ساری فکریں اڑن چھو ہو جائیں گی۔" صائمہ کے لہجے میں ایک عجیب سی پر اسراریت تھی۔
"سچ مچ وہ لوگ اتنا پیسہ دینے کو تیار ہیں۔" شرمیلا اس کی صورت ٹکر ٹکر دیکھنے لگی پھر پپڑی زدہ لب کھولے۔
"ہاں تمہاری سوچ سے بھی زیادہ مگر ان کا ایک ہی مطالبہ ہے کہ لڑکی حسین وجمیل اور ہر لحاظ سے صحت یاب ہو' تاکہ بچہ خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا میں کوئی بیماری لے کر نہ آئے۔" صائمہ نے دھیرے دھیرے بتایا۔
"کیا میں زندگی میں کبھی اپنے بچے سے مل سکوں گی؟" شرمیلا کا چہرہ سپید ہوا' خلاء میں گھورتے ہوئے پوچھا۔
"شرمیلا جان...... یہ تو دنیا کا اصول ہے۔ تم ان کو کچھ دے رہی ہو تو اس کے بدلے میں وہ تمہیں بہت کچھ دیں گے پھر جو تمہیں دیا جائے گا' اس پر ان کا کوئی حق نہیں ہوگا اور تم انہیں جو دو گی اس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔" صائمہ نے شرمیلا کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا۔
"ہاں مگر مادی اشیاء انسانی جذبات کا بدل نہیں ہو سکتے' خاص طور پر ایک ماں کے دل کا۔" آنسو شرمیلا کے حسین گالوں پر بہتے چلے گئے۔
"اگر تم اپنے گھر والوں کی زندگی سنوارنا چاہتی ہو تو تمہیں اتنی بڑی قربانی دینی ہوگی۔" صائمہ نے سرد آہ بھری اور اپنی سہیلی کو دیکھا' جس کے حالات نے اس کے دل کو بھی دکھوں کی گہرائیوں میں دھکیل دیا تھا۔
"چلو ٹھیک ہے اگر تم چاہتی ہو کہ بعد میں بچے سے ملتی رہو تو تم اس بچے سے کیا کہوں گی کہ تم نے ایسا قدم پیسے کے لیے اٹھایا' پھر اس کے دل میں تمہاری کوئی عزت ہوگی...... قطعی نہیں۔" اس نے حقیقت کا آئینہ سامنے رکھا تو شرمیلا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک اٹھی۔
"ایک بات سوچو' اگر تمہارا بچہ آرام وآسائش میں پلے گا' دنیا کی ہر نعمت اس کے قدموں میں ہوگی تو کیا تمہاری ہمت ہوگی کہ تم اسے ایسے اچھے ماحول سے نکال کر اپنے ماحول میں لے آؤ۔" صائمہ نے اس کے سامنے تصویر کا دوسرا رخ بھی رکھا تو وہ رونا بھول کر سوچ میں گم ہوگئی۔
"سب سے بڑھ کر یہ بات سوچو کہ وہ بعد میں ان لوگوں کی ساری جائیداد کا اکیلا وارث بن سکتا ہے۔ تمہارے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات بھلا کوئی اور ہو سکتی ہے۔" لوہا گرم تھا۔ صائمہ چوٹ پر چوٹ لگاتی گئی اور شرمیلا فولاد سے مٹی کا ڈھیر بن گئی۔

⁂

سفینہ کافی تھک گئی تو لمحہ بھر کو کمر ٹکائی' روشنی کی تیاری میں مکمل طور پر مدد دینے کے بعد ڈرائیور کے ہاتھ اس کی سہیلی کے گھر بھجوایا' پھر اس کے کمرے میں جا کر وہ اہم کام سرانجام دیا جو اسے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کرنا پڑ رہا تھا۔ سفینہ کو جانے کیوں لگنے لگا تھا کہ شاہ ہاؤس میں کوئی ہے جو اس کی جاسوسی کرتا ہے۔ اس کا پکا شک عائشہ بیگم پر تھا جو بہانے بہانے سے اس پر نگاہ رکھتی تھی۔ خاص طور پر جب وہ روشنی کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے میں جا کر بڑی تندہی سے اپنا کام سرانجام دیتی' تو عائشہ بیگم بہانے بہانے سے وہاں آنے کی کوشش کرتی۔ اسی لیے اب سفینہ اندر سے دروازہ بند کر کے اپنا کام انجام دیتی۔ اس کام کے لیے اس نے بہانے سے روشنی کے کمرے میں مشین بھی رکھوا دی تھی۔ وہ اس روٹین سے بہت تھک گئی تھی مگر شاہ کی خوشی کے لیے وہ سب کچھ کر سکتی تھی۔ کچھ دیر آرام دہ بستر پر اپنے ٹیڈی کے ساتھ لیٹنے کے بعد سفینہ نے اپنی سنہری آنکھوں کو مخروطی انگلیوں سے ڈھانپ لیا' تھکا دینے والی سوچوں سے چھٹکارا پاتے ہوئے گھڑی کی جانب دیکھا تو شاہ کے آنے میں تھوڑا سا ٹائم رہ گیا تھا' شوہر کا خیال آتے ہی اس کے وجود میں جیسے توانائی سی بھر گئی' بیڈ سے اتر کر جلدی جلدی سلیپر پہنے اور واش

روم کی طرف بھاگی۔

آسمانی رنگ کا شیشے کے کام والا نیا سوٹ نکالا جس کے سرخ دوپٹہ پر سجے شیشے اسے بہت پسند تھے نہا کر زیب تن کیا اور مسکراتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ بیٹھی۔ دل لگا کر میک اپ کیا۔ لائنر نے سنہری آنکھوں کی سحر انگیزیوں میں اضافہ کردیا' کالے سیاہ بالوں کو برش کرنے کے بعد پشت پر کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پرفیوم اٹھایا اور اپنی مخصوص خوشبو میں خود کو بسالیا' وہ شروع سے ایک ہی برانڈ کا پرفیوم استعمال کرتی آئی تھی' شادی کے بعد بھی یہ عادت نہیں چھوٹی' اب تو وہ جہاں ہوتی' جاسمین کی خوشبو اس کا پتا بتا دیتی اور شاہ اسے ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچ جاتا۔ کانوں میں گولڈ کے نازک سے ٹاپس پہنتے ہوئے اس کے سرخ لبوں کو مسکراہٹ چھوگئی۔ سنہری ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہننے کے بعد اس نے پاس رکھا لوشن اٹھایا اور ہاتھ پیروں کا مساج کرتے ہوئے وہ مسلسل شاہ کو ہی سوچ رہی تھی' جس کی محبت میں شادی کے پہلے دن سے اب تک کمی نہیں آئی تھی بلکہ کبھی کبھی تو سفینہ کو لگتا' اس کی چاہتوں کی شدتوں میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے۔

✿......✿......✿

روشنی کی اسکول کی چند سہیلیوں نے دو سال قبل ''اولڈ گرلز ایسوسی ایشن۔'' کی بنیاد رکھی تھی۔ اب یہ لوگ سال میں ایک بار کسی ایک سہیلی کے گھر جمع ہوتیں اور چھوٹی سی پارٹی انجوائے کرتے کیوں کہ ان سب نے میٹرک ایک ہی اسکول سے کیا تھا اس لیے ماضی کی حسین یادوں کو تازہ کرنے کا یہ ایک بہانہ تھا۔ روشنی بھی اس پارٹی میں بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتی۔ اس بار یہ پارٹی نرمین کے گھر پر منعقد کی گئی باقی ساری لڑکیاں تو پہنچ گئیں بس روشنی کو پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ اس پر اس کا تذکرہ نکلا۔

''یہ لڑکی تو کبھی بھی لیٹ لطیف نہیں تھی پھر اس بار کہاں رہ گئی' کوئی اسے کال تو کرو۔'' نرمین نے منہ بنا کر بلند آواز میں اظہار خیال کیا۔

''لڑکی کہاں......لڑکا بولو ناں......'' ایک اور نے ہانک لگائی۔ سب کو ایک موضوع مل گیا اور اسی کے بارے میں بات ہونے لگی۔

''ویسے روشنی کو دیر ہونی نہیں چاہیے' اسے کون سا ہماری طرح سجنا سنورنا ہوتا ہے۔'' ایک کونے سے آواز آئی۔

''ہاں ناں ایک گھسی پٹی جینز نکالے گی اور پھر اس پر کوئی سمپل سا ٹاپ پہنے گی' بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرے گی اور منہ دھو کر چل پڑے گی۔'' رشنا نے بھی ہنستے ہوئے اس کا نقشہ کھینچا۔ روشنی جو ابھی پہنچی تھی کمرے کی دہلیز پر کھڑی اپنی سہیلیوں کی گفتگو سے لطف اندوز ہونے لگی پھر مسکراتے ہوئے بڑے اعتماد سے انہیں سرپرائز کرنے اندر کی جانب بڑھی۔

''میں یہاں ہوں فرینڈز۔'' دلکش لب ولہجہ سریلی آواز پر ان سب کی نگاہیں' دروازے تک گئیں اور پھر سب کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

✿......✿......✿
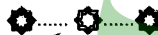
آفاق شاہ بناء دستک دیے کمرے میں داخل ہوا تو سوچوں میں گم من موہنی سی بیوی پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ دھیرے سے اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہوگیا۔

''ہائے پرنسز......کیا قتل کا ارادہ ہے؟'' بڑی محبت سے آئینے میں اس کا حسین عکس دیکھتے ہوئے شرارت سے پوچھا تو وہ چونک کر مسکرائی۔

''نہیں......بس شاور لیا تھا' سوچا ذرا تیار ہوجاؤں۔'' سفینہ نے بالوں کو ایک سائیڈ پر ڈالتے ہوئے بڑی ادا سے کہا تو شاہ گھائل ہوگیا۔

''ایسے نیک خیال آتے رہنا چاہیں۔'' شاہ نے اس کے کاندھے پر دباؤ ڈال کر اس کا رخ اپنی جانب پھیرا۔

''اچھا جی سچ مچ۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکائی۔

''ہاں یار......کیا کریں ہماری پرنسز نے تو ہمیں لفٹ کرانا ہی کم کردی ہے۔'' شاہ نے پیار سے اس کے ہاتھوں میں پڑے

کنگن سے کھیلتے ہوئے شکوہ کیا۔

"بس وہ روشنی کے ساتھ اتنا بزی رہتی ہوں اس لیے۔" سفینہ کو خود بھی افسوس ہوا تو صفائی دینا چاہی۔

"کچھ نہ کہو پرنسز۔" آفاق نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ایک ہاتھ سے اس کی بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔

"ہمارے درمیاں پھیلی محبت بھری خاموشی کی زبان میں جذبوں کو بات کرنے دیتے ہیں۔" شاہ کی پیار بھری سرگوشی پر سفینہ شرما گئی اور سر جھکا لیا۔ اس کی ادا پر شاہ کے ہونٹوں کے کناروں سے دلکش مسکراہٹ چمکی۔

"تم سن رہی ہو ناں۔" قریب ہو کر بڑی محبت سے بیوی کا چہرہ اوپر اٹھایا' آنکھوں سے ٹپکتے جذبوں نے سفینہ پر سحر طاری کر دیا' ہاتھ پاؤں سرد ہونے لگے۔

دونوں چند لمحے دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے کی آنکھوں میں گم ہو گئے' اچانک دروازے پر ہونے والی آہٹ نے انہیں ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹنے پر مجبور کیا۔

❁......❁......❁

روشنی بلیک کلیوں والی فراک اور پنک چوڑی دار پائجامے میں فرشی دوپٹہ لیے بالوں کی اونچی سی پونی بنائے بغیر کسی جیولری کے بہت پیاری لگ رہی تھی' خوب صورت ہونٹوں کو لائٹ پنک لپ اسٹک نے اور بھی خوب صورت بنا دیا تھا۔ روشنی بڑے پُروقار انداز میں نپے تلے قدم اٹھاتی اندر آئی۔ اس کے چہرے پر غضب کی کشش تھی اور اس کی بے داغ گوری رنگت سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں وہ سب اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں۔

"اف کوئی مجھے ہوش میں لائے۔" نرمین نے بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"یہ ہماری روشنی ہی ہے ناں؟" رشنا نے بھی خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو کر پوچھا۔

"یار......تم تو بالکل ہی بدل گئی ہو۔" سب نے مل کر نعرہ بلند کیا اور اسے گھیرتے ہوئے سوالات کی بوچھاڑ کر دی' اس نے ہائی ہیل پہنی ہوئی تھی' جس کی وجہ سے وہ سب میں نمایاں نظر آ رہی تھی۔ روشنی کے دل میں اچانک سفینہ کے لیے محبتوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ابلنے لگا' صرف وہ ہی تو تھی جس کی وجہ سے روشنی یوں سر اٹھائے ان سب کے بیچ میں کھڑی تھی۔

"یار......سچ سچ بتا دو تم نے کس سے اپنا میک اوور کرایا ہے۔" نرمین کے پیٹ میں شدید درد اٹھا۔

"اس کا کریڈٹ صرف اور صرف میری بھابی کو جاتا ہے۔" اس نے بڑی ایمان داری سے اپنی سہیلیوں کے سامنے سفینہ کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا۔

"بھابی......واؤ اس دور میں اچھی بھابی کا ملنا بھی معجزے سے کم نہیں۔" سب نے مل کر سراہا۔

"اچھا وہ خود کیسی ہیں؟" ان سب کی فرمائش پر روشنی نے سیل فون میں موجود شاہ کی شادی کی تصاویر بھی دکھائیں۔

"واؤ......شی از بیوٹی فل۔" نرمین نے سفینہ کی تصاویر دیکھتے ہی سراہنا شروع کر دیا۔

"ویسے ایک بات ہے تمہاری بھابی تو تم پر بھی بھاری ہے' کیا قاتلانہ حسن ہے۔" رشنا نے چپس اُٹھاتے ہوئے اس کے سیل فون پر سفینہ کی مسکراتی تصویر پر نگاہ جمائی۔

"ہاں یار بھابی ہیں بہت پیاری' تمہارے بھیا تو بس ان کا پلو پکڑ کر گھومتے ہوں گے۔" ایک اور نے گردن ہلائی تو روشنی نے تفاخر سے گرن اٹھا کر سب کو دیکھا۔

"اللہ ایسی بھابی سب کو دے ورنہ میری بھابی تو شادی کے چند مہینوں بعد ہی بھائی کو لے کر الگ ہو گئیں۔" ایک لڑکی نے اپنی بپتا سنائی۔

"میری بھابی ایسی نہیں......ان کے آنے سے ہمارے گھر کا ماحول بہت اچھا ہو گیا ہے۔" سفینہ یہاں ہوتی تو روشنی کے منہ سے اپنی اتنی حمایت سن کر شاید بے ہوش ہو جاتی۔

"ہائی داوے تم کب شادی کے ڈھول بجوا رہی ہو؟" نرمین نے کھلکھلاتے ہوئے اسے گدگدی کی' جو مشرقی لک کے ساتھ

بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔
''نہیں ابھی تو ایسی کوئی بات نہیں۔'' روشنی نے گھبرا کر سہیلیوں کو دیکھا۔
''ہاں تو ایسی باتیں ہوتے دیر کب لگتی ہے......'' رشنا نے اسے کہنی ماری۔
''بس......اپنے آپ کو تھوڑا سا اور گروم کرلو پھر دیکھو ہر لڑکا قدموں میں دل نچھاور کرنے پر تیار نظر آئے گا۔'' ایک اور سہیلی نے اس کے وزن پر نگاہ ڈالتے ہوئے پتے کی بات بتائی۔
''کیا رومیو بھی؟'' وہ ایک دم سوچ میں پڑ گئی۔
''یو آر لکی' تمہارے پاس تو بھابی کی شکل میں رول ماڈل بھی موجود ہے۔'' زرمین نے جوس کا آخری سپ لیتے ہوئے کہا۔
''کیا مجھے رومیو کے لیے خود کو مزید بدلنا ہوگا۔'' وہ سوچتے ہوئے من ہی من میں مسکائی۔
''چلو بھئی کھانا لگ گیا ہے۔'' اس آواز کے ساتھ ہی سب ڈائننگ روم کی طرف بڑھے تو روشنی نے بھی خیالات کی یلغار سے پیچھا چھڑایا اور پہلے بریانی کی ڈش کی جانب بڑھی پھر کچھ سوچ کر پلیٹ میں سلاد بھر کر ایک کونے میں جا کر کھڑی ہوئی۔

❁......❁......❁

''دلہن۔'' دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور عائشہ بیگم اسے پکارتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔
''جی اماں۔'' سفینہ نے مڑ کر دیکھا۔ شاہ بری طرح سے تپ گیا۔
''کھانا لگادوں کیا؟'' عائشہ بیگم نے ہمیشہ کی طرح رنگ میں بھنگ ڈالا تھا۔
''آؤٹ آف مینرز۔'' شاہ کے چہرے کی رنگت ایک دم غصے سے سرخ ہوگئی مگر سفینہ نے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اسے کچھ کہنے سے باز رکھا۔
''آپ کھانا لگائیں ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔'' اس نے سہولت سے عائشہ بیگم کو واپس بھیجا تو وہ آنکھیں مٹکاتی ہوئی مڑ گئیں۔
''یہ اماں کو کب عقل آئے گی۔ مجھے تو لگنے لگا ہے کہ یہ چھپ چھپ کر ہماری باتیں بھی سنتی ہیں۔'' آفاق نے سانس کھینچ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔
''آپ کی تو نہیں مگر یہ میری جاسوسی پر ضرور معمور ہیں۔'' سفینہ نے شوہر کی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے دھیرے سے شکوہ کیا۔
''کیا مطلب؟'' شاہ نے اس کے ٹائی تھامے ہوئے ہاتھوں پر اپنے بھاری ہاتھوں کا دباؤ ڈالا۔
''کچھ نہیں چھوڑیں۔'' اس کے کانوں میں ماں کی نصیحت گونجی تو بات کو ٹالنا چاہا۔
''نہیں پرنسز آپ مجھے ساری بات بتائیں۔'' وہ بضد ہوا تو سفینہ نے دھیرے دھیرے اسے ساری بات بتادی۔
''اچھا تو یہ معاملہ ہے۔'' وہ کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ ''ٹینشن مت لیں میں ہوں ناں۔'' شاہ نے اس کے کاندھے کو تھپک کر تسلی دی۔
''چلیں اب کھانا کھاتے ہیں' پیٹ میں چوہے بلی سب نے ایک ساتھ ادھم مچایا دیا ہے۔'' شاہ نے بیوی کے چہرے پر تفکر کے بادل دیکھے تو ہلکے پھلکے انداز میں کہا اور ہاتھ تھام لیا' سفینہ کو لگا جیسے اس کی تمام فکریں اڑن چھو ہوگئیں' دونوں نے ایک ساتھ باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

❁......❁......❁

اگلے دن کی صبح عام دنوں کی صبح جیسی روشن تھی مگر بتول کے چھوٹے سے گھر پر تو جیسے اماوس کی کالی رات طاری تھی۔ سب سے پہلے بتول اٹھیں۔ وضو کرنے کے بعد بیٹیوں کو جگایا مگر شرمیلا کے قریب بھی نہیں گئیں اور نماز پڑھنے لگیں۔ شرمیلا قدرے تاخیر سے اٹھی اور نماز قضا ہونے میں چند منٹ ہی رہتے تھے جب اس نے نماز ادا کی اور نم آنکھوں' کپکپاتے لبوں اور لرزتے ہاتھوں سے بہت دیر تک دعا کرتی رہی۔ بتول کو شرمیلا پر کچھ زیادہ تاؤ آیا ہوا تھا لیکن وہ حسب معمول خاموش رہیں' اس سے

کلام بھی نہیں کیا۔ ناشتے سے فارغ ہوکر بتول برآمدے میں چارپائی پر آکر بیٹھی۔ چند لمحوں بعد دروازے پر دستک ہوئی' شرمیلا نے جھرجھری لی اور جاکر دروازہ کھولا۔ صائمہ نے اس کا سفید ہوتا چہرہ دیکھ کر مسکرا کر ہمت دلائی۔

''کون آیا ہے؟'' بتول کے پیٹ میں کھد بد ہوئی۔

''السلام علیکم خالہ! میں ہوں صائمہ۔'' وہ ان کے سامنے آبیٹھی۔

''وعلیکم السلام! خیر تو ہے صبح صبح کیسے آنا ہوا؟'' وہ نروٹھے پن سے بولیں' شرمیلا سینے پر ہاتھ باندھے پاس ہی کھڑی تھی' اس کا دل دھک دھک کررہا تھا۔

''جی میں شرمیلا کے لیے ایک رشتہ لائی ہوں۔'' صائمہ نے اٹک اٹک کر کہا۔

''اچھا تو پھر جلدی سے بتاؤ۔'' وہ اس کے نزدیک ہوکر دلچسپی سے دیکھنے لگیں۔

''وہ خالہ...... اصل میں بات یہ ہے......'' صائمہ نے اٹک اٹک کر بولنا شروع کیا اور پھر شرمیلا کو دیکھ کر چپ رہ گئی۔

''ارے بتاتی کیوں نہیں کہ کون لوگ ہیں' کہاں رہتے ہیں' لڑکا کیسا ہے؟'' بتول نے پے در پے کئی سوال پوچھے۔

''خالہ خاندان تو بہت اعلیٰ ہے۔ شہر کے امیر ترین لوگ ہیں۔'' صائمہ بولی

''سچی اور لڑکا؟'' وہ ایک دم حیرت زدہ رہ گئیں۔

''ایک شادی شدہ جوڑا ہے وہ لوگ......'' صائمہ بتاتے بتاتے تذبذب کا شکار ہوئی تو شرمیلا کی طرف گھبرا کر دیکھا۔

⁂......⁂......⁂

''یار شکر ہے تمہارے دل پر بھی کسی نے دستک تو دی' کیا وہ بھی تمہیں چاہتا ہے؟'' زرمین جو روشنی کے اصرار پر یہاں آئی تھی' اس کی بات سننے کے بعد جوش میں آکر چھیڑنے لگی۔

''یار بات ایسی نہیں ہے جیسی کہ تم سمجھ رہی ہو۔'' روشنی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''تو پھر بات کیسی ہے۔'' زرمین نے مٹھی میں کاجو بھرے جو سفینہ نے عائشہ بیگم کے ہاتھ اندر بھجوائے تھے۔

''بس میں نے صرف ایک بار اسے دیکھا ہے' وہ بھائی کے آفس میں منیجر ہے اور شاید مجھے جانتا تک نہیں۔'' اس نے ہونٹ لٹکا کر کہا۔

''دھت تیرے کی' مجھے تم سے یہ ہی امید تھی مگر وہ بندہ ہوگا زبردست جس نے ہماری روشنی کے دل میں کھلبلی مچادی۔'' زرمین بولی۔

''واقعی اس میں کچھ تو ایسا ہے' جو میں چاہ کر بھی اسے بھلا نہیں پارہی ہوں۔'' روشنی نے سر جھکا کر اعتراف کیا۔

''اچھا نام کیا ہے؟''

''نام اس کا ہے رومیو۔'' روشنی بڑے اسٹائل سے بولی تو زرمین کی ہنسی نکل گئی۔

''یہ کیسا نام ہے؟'' زرمین نے ڈرائی فروٹ کی پلیٹ میں پستہ ڈھونڈتے ہوئے تجسس بھرے انداز میں روشنی سے پوچھا۔

''پتا نہیں اس کی لائف کی کوئی ٹریجڈی ہے جس کی وجہ سے اس کے دوست اسے رومیو کے نام سے پکارتے ہیں۔'' روشنی نے کچھ تفصیل بتائی۔

''اچھا'' زرمین کچھ دیر سوچنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوئی اور گرو کی طرح سر ہلاتے ہوئے اسے گھورا۔

''میں نے تمہیں اسی لیے بلوایا تھا کہ مشورہ دو کہ کیا کروں؟'' وہ ایک دم گھبرا کر بولی۔

''دیکھو اگر آسامی خالی ہے تو تم فوراً اپلائی کردو......'' زرمین نے آنکھ ماری۔

''وہ کیسے۔ جانے میں اسے پسند بھی آؤں گی یا نہیں۔'' اس کا اعتماد رخصت ہوا۔

''اب تم جتنی پیاری ہوگئی ہو وہ تمہیں اگنور کرہی نہیں سکتا۔'' زرمین نے ہمت بندھائی۔

''اگر شاہ بھائی کو اعتراض ہوا تو؟'' اس کی باتوں سے روشنی کے دل میں دبی چنگاری کو ہوا ملی۔

''لو یہ تو کوئی مشکل بات ہی نہیں' بھابی تمہاری اتنی اچھی ہیں کہ وہ خود ہی شاہ بھائی کو ہینڈل کرلیں گی۔ بس تم پہلے رومیو کے

دل کی بات جان لو پھر تو سمجھو چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہو جائے گا۔'' نرمین نے بولتے ہوئے اس کے گدگدی کی تو دونوں کا قہقہہ فضاء میں بلند ہوا۔ دروازے کی دہلیز پر کھڑی سفینہ کے کانوں میں یہ باتیں پڑیں تو وہ ششدر رہ گئی۔

''کیا روشنی رومیو کو پسند کرتی ہے؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔ کوئی جواب نہ پا کر اپنی سوچوں کو جھٹکا اور انہیں جوس دینے کے لیے کمرے میں داخل ہوگئی۔

❁......❁......❁

''ہائے...... صائمہ کیا الٹا سیدھا بول رہی ہو بیٹا۔ مجھے لڑکے کی تفصیل بتاؤ۔'' بتول نے بے قراری سے پوچھا۔

''وہ ہی تو بتا رہی ہوں خالہ...... آزر صاحب کی شادی کو بارہ سال ہوگئے مگر ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوسکی......'' صائمہ نے بولنے کے بعد ان کی شکل دیکھی۔

''یہ شرمیلا کے رشتے کے بیچ میں آزر صاحب اور ان کی بے اولادی کا کیا ذکر؟'' بتول نے نہ سمجھنے والے انداز میں پہلے صائمہ اور پھر شرمیلا کو دیکھا۔

''پوری بات سن لیں پھر آپ کو سارا کنکشن سمجھ میں آجائے گا۔'' شرمیلا نے ماں کے اتاؤلے پن کو دیکھتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی لب کھولے۔

''اچھا اب میں کچھ نہیں بولوں گی تم مجھے پوری بات بتاؤ۔''

''ان کی اپنی کزن مہرین سے لو میرج ہوئی تھی' وہ اپنی بیوی کو بہت شدت سے چاہتے ہیں' اسی لیے مہرین کا برسوں علاج کرایا مگر اب ڈاکٹر نے ان کے بانجھ ہونے کی تصدیق کردی ہے' مہرین سے ان کی چاہت اتنی گہری ہے کہ وہ اسے چھوڑ بھی نہیں سکتے ہیں مگر اولاد کی خواہش انہیں بے قرار رکھتی ہے۔ پرایا بچہ لینا نہیں چاہتے۔ اس لیے آزر صاحب کی بیوی نے اپنے شوہر کی دوسری شادی کروانے کا سوچا ہے۔'' اس نے نگاہیں جھکا کر سب کچھ بتا دیا۔

''دوسری شادی...... کس کے ساتھ؟'' وہ سمجھ تو گئیں پھر بھی تصدیق چاہی۔

''اپنی شرمیلا کے ساتھ۔'' صائمہ نے بڑی ہمت کرتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو صائمہ۔'' بتول کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ سینہ پر ہاتھ مار کر تیز لہجے میں پوچھا۔

''خالہ...... انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس شادی کے بدلے میں گھر' جائیداد' گاڑی بنگلہ اور بینک بیلنس جو بھی آپ کی شرائط ہوں گی سب پوری کریں گے۔ بس ایک بار اولاد ہو جائے اور......'' صائمہ کو بتول کی قہر برساتی نگاہوں کا احساس ہوا تو وہ رک گئی۔

''تم اس رشتے کے بارے میں پہلے سے جانتی تھی ناں۔'' بتول نے منہ اٹھا کر بیٹی کو شرمندہ کرنے والی نگاہوں سے دیکھا۔

''جی...... مجھے ساری بات پتا ہے میں نے مہرین سے فون پر کئی بار بات کی ہے۔'' اس نے دانستہ نظریں چرائیں۔

''اچھا تو سارے فیصلے خود ہی کرلیے' مگر کان کھول کر سن لو مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔'' بتول نے ہاتھ اٹھا کر انکار کیا۔

''مگر......'' صائمہ نے بے تابی سے شرمیلا کو دیکھا۔

''ایک منٹ اماں مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔'' شرمیلا نے ضدی انداز میں دھماکا کیا اور بتول دل پر ہاتھ رکھ کر جھکتی چلی گئیں۔

❁......❁......❁

ان چند مہینوں میں کافی کچھ بدل گیا تھا۔ سفینہ کی محنت رنگ لے آئی روشنی میں ہر لحاظ سے فرق آگیا تھا۔ اسریٰ بیگم بہت خوش تھیں انہوں نے چپکے چپکے سفینہ سے درخواست کی تھی کہ وہ روشنی کو لڑکیوں والے سارے گن سکھا دیں۔ سفینہ بھی اگر عام طریقہ اپناتی اور ہر چیز روشنی سے زبردستی کرانے کی کوشش کرتی تو شاید وہ بھی اس کوشش میں ناکام رہتی مگر اس نے روشنی کے مزاج کو سمجھتے ہوئے لائحہ عمل تبدیل کرلیا۔ اس کی نشست و برخاست سے نزاکت اور تہذیب جھلکنے لگی' اس کی ڈریسنگ سے مردانہ پن ختم ہوگیا بلکہ اب اسے جینز کے مقابلے میں سفینہ کے ہاتھ کا سلا ہوا چوڑی دار پائجامہ پسند تھا۔ وہ

بھی اپنی بھابی کی طرح کرتے اور چوڑی دار پائجامے کے ساتھ فرشی دوپٹے لینے لگی۔ اس کے کپڑوں میں بھی سفینہ کی طرح ہلکے گہرے رنگوں کی آمیزش ہوتی۔ کاٹن یا شیفون کے کڑھائی والے سوٹ اسے بھی اچھے لگنے لگے۔ اس کی کلائیوں میں بھی سفینہ کی طرح چوڑیاں چھن چھن کرتیں۔ یہاں تک کے ایک دن اس نے سفینہ سے ضد کر کے اس کے ہیئر ڈریسر سے اپائنمنٹ لیا اور اپنے بالوں کی بھی ری باؤنڈنگ کرائی۔ آفاق شاہ تو بہن کی حرکتوں پر ہنستا اور عائشہ بیگم جھلا جھلا کر روشنی کو سفینہ کے خلاف بھڑکاتی مگر اب وہ ان کی باتوں پر کان کم ہی دھرتی۔ اپنے سارے منصوبے فیل ہوتے دیکھ کر ان کا بی پی ہائی ہوتا رہتا مگر مجبوری تھی کے اب تو روشنی نے بھی عائشہ بیگم کو منہ لگانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بس بھابی کے پلو سے بندھی رہتی اس کے ایک ایک اشارے پر نثار ہوتی رہتی۔

❁......❁......❁

دھوپ بڑی تیزی سے آنگن میں پھیلنے لگی سب جاگ گئے اور ناشتہ بھی کر چکے تھے۔ فائز آفس کے لیے نکل گیا دلشاد بانو باہر چارپائی پر آ کر لیٹ گئیں۔ رات کو کمرے میں بڑا حبس تھا تو سائرہ بیگم نے ایک چارپائی باہر لگا کر جلال خان کو اس پر لٹا دیا تھا وہ تو اندر جا چکے تھے مگر چارپائی ابھی تک صحن میں تھی۔

''اُف اللہ آدھا دن گزر گیا اور کسی سے اتنا نہیں ہوا کے صفائی کر کے گھر سمیٹ دے۔'' وہ لیٹے لیٹے چلائیں۔

''سائرہ تو بھی بڑی سُست ہو گئی ہے۔'' ان کی بات پر کچن میں کام کرتی ہوئی سائرہ بیگم کمر پر ہاتھ رکھ کر غصے میں باہر چلی آئی۔

''کیا کروں اماں میرا بھی بڑھاپا ہے مجھ سے اکیلے نہیں ہوتے اتنے کام۔'' وہ فضاء میں چھری لہرا کر بولیں۔

''ہائے اسی لیے تو کہتی ہوں۔ بیٹے کی شادی کر دے۔'' دلشاد نے ٹانگ سیدھی کرتے ہوئے مزہ لیا۔

''جس کو دیکھو فائز کی شادی کے پیچھے پڑا ہے میں بھر پائی ایسے مزے سے۔'' سائرہ بیگم نے دونوں ہاتھ اوپر لے جا کر جوڑے۔

''ہائے اللہ کیوں اس قدر بھڑک رہی ہے۔'' دلشاد بانو اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''کیا کروں ابھی اتنے ڈھیر سارے برتن دھوئے اس سے پہلے ناشتہ تیار کیا۔ مشین لگانی ہے کتنے دنوں کے کپڑے اکٹھے ہوئے پڑے ہیں۔ ابھی دوپہر کے لیے کھانا پکا رہی ہوں۔'' سائرہ بیگم نے پلنگ پر بیٹھے ہوئے کاموں کی تفصیل بیان کی۔

''میں کچھ بولوں گی تو تجھے برا لگے گا۔'' دلشاد نے بیٹی کو ترحم بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''اماں اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ بہو لانے سے مشکلیں کم ہو جائیں گی تو مجھے یہ دم چھلا نہیں لگانا۔'' اس نے زچ ہو کر ماں کو مزید کچھ کہنے سے روکا۔

''اے لو تو کیا زمانے سے الگ چلے گی سب ہی جوان بیٹے کی شادی کر کے بہو لاتے ہیں آخر میں نے بھی تیرے بھائی کی شادی کی ہے یا نہیں؟'' وہ الٹا سوال جواب میں پڑ گئیں تو سائرہ بیگم کو تاؤ آ گیا۔

''اس کا انجام بھی بھگت رہی ہیں۔ ایک وہ ہے ناں نرما آپ کی بہو ہم پر ساری ذمہ داریاں ڈال کر کیسے مزے میں باہر آزاد بھری زندگی گزار رہی ہے۔'' سائرہ بیگم اتنی بھری ہوئی تھیں کہ بے سوچے سمجھے بولتی چلی گئیں۔

''کسی کو ہماری مشکلوں کا احساس ہی نہیں۔'' وہ بڑبڑ کرتی رہی یہ دیکھے بناء کہ دلشاد بانو کے چہرے کی رنگت بدل گئی ہے۔

''ہائے اللہ میری دو روٹیاں تجھ پر اتنی بھاری ہو گئیں نہ بیٹا یہ احسان نہ کیا کر۔'' دلشاد بانو پہلے تو ششدر ہو کر بیٹی کی بات سنتی رہی پھر ایک دم سینے پر ہاتھ مار کر واویلا مچانے لگیں۔

''اماں پلیز میرا وہ مطلب نہیں تھا۔'' سائرہ بیگم کو ایک دم خیال آیا جیسی بھی تھیں ان کی ماں تھیں لگی ہاتھ پیر جوڑنے۔

''نہ میری بچی حرام ہے جو تیرے ہاتھ کا پانی بھی پیوں۔'' وہ ضدی بنی انکار میں سر ہلاتی رہیں۔

''اماں یہ دیکھیں میں نے ہاتھ جوڑ لیے کان پکڑ لیے۔ اب تو معافی دے دیں۔'' سائرہ بیگم نے کان پکڑ لیے۔ بڑی

مشکلوں کے بعد جا کر دلشاد کا موڈ ٹھیک ہوا تو مسکرائیں۔

''اچھا چل جا کر میرے لیے ایک کپ گرم چائے کا تو لا۔'' موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دلشاد بیگم نے فرمائش کی۔

''اچھا...... اچھا لاتی ہوں۔'' سائرہ بیگم نے مجبوری میں حامی بھری' کوئی اور وقت ہوتا تو وہ انکار بھی کرسکتی تھیں' مگر تازہ تازہ معرکے کے بعد ایسا کرنا مشکل تھا۔

ایک کپ گرم چائے لا کر ماں کو تھمائی۔ پھر سب کے کمروں سے میلے کپڑوں کو جمع کرنا شروع کیا۔

''کام ہیں کے جان کو چمٹ گئے ہیں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔'' مشین آن کر کے میلے کپڑے ڈالتے ہوئے پارہ ہائی ہونے لگا۔

دلشاد نے چائے کی پیالی ہاتھ میں پکڑی اور پاپے ڈبو کر کھانے لگیں۔ گرمی ہو یا سردی وہ ناشتے کے بعد چائے ضرور پیتی تھیں۔

''اماں...... برا مت مانئے گا مگر اس بار جب شکیل کی کال آئے تو اسے کہیے گا یا تو وہ اب واپس آجائے یا چند دنوں کے لیے آپ کو اپنے پاس بلا لے۔'' سائرہ بیگم کے لہجے میں تھکان کے ساتھ ایسی التجا تھی کہ دلشاد بانو کے دل کو کچھ ہوا ہاتھ سے چائے کی پیالی چھوٹ کر صحن کے پکے فرش پر جا گری۔

❁......❁......❁

دراصل شروع سے کوئی روشنی کے اتنا قریب نہ آسکا تھا' عائشہ بیگم بھی مطلبی اور پیسے کی بھوکی نکلی' اس لیے صرف اپنی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے اس کے کمرے کا رخ کرتیں۔ اب جو سفینہ نے بے غرض ہو کر اسے پیار سے مشرقی سانچے میں ڈھالا اور سیدھا راستہ دکھایا تو وہ اس کی ہی ہوگئی۔ سب سے بڑھ کر اس کی شخصیت کی مثبت تبدیلی پر جب ہر طرف سے سراہا گیا تو اسے اپنی ذات کا ادراک ہوا کہ وہ بھی اچھی لگ سکتی ہے۔ ایک زندگی وہ تھی جس میں اسے ہر طرف سے مذاق کا نشانہ بنایا جاتا تھا' اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ وہ اچھی ہے ہی نہیں' موٹی بھدی' مردانہ لب و لہجے والی ٹام بوائے ٹائپ کی لڑکی' جو کسی تعریف کے لائق نہیں...... مگر سفینہ کی کوششوں نے اس خام پتھر کو تراش خراش کر ہیرے کی شکل دی تو اسے اپنی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ اسی لیے زبان پر ہر وقت بھابی بھابی کا وِرد رہتا۔ سفینہ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا ایسے خیال رکھتی جیسے وہ چھوٹی سی بچی ہو' اسے ماں کا پیار تو نہ ملا مگر بھابی نے سگی بہنوں والا کردار ادا کرتے ہوئے اندر بھڑکتی پیاس کو سیراب کردیا۔ پھر وہ اس کی ہر بات کیوں نہ مانتی۔

اب تو یہ حال ہوگیا تھا کہ سفینہ اس کی آئیڈیل بن چکی تھی اور روشنی لاشعوری طور پر اس کے جیسا بننے کی کوشش کرتی۔ سفینہ نے اس کے اندر صرف ظاہری خوبیاں پیدا نہیں کی بلکہ اسے سلیقہ شعار بنانے کے لیے بھی جان توڑ کوشش کی' اسی وجہ سے اس کی شرارتیں کم ہوگئیں' ہر وقت غل غپاڑہ مچانے والی روشنی تھوڑی سنجیدہ دکھائی دینے لگی۔ اب اس نے بھابی کے ساتھ گھر کے کاموں پر بھی دھیان دینا شروع کردیا۔ سفینہ جب بھی کچن میں جاتی بہانے سے روشنی کو بلا لیتی اور کھانا پکاتے ہوئے اسے اپنے مفید مشورے دینے کے ساتھ اس کی رائے بھی مانگتی۔ یہ سب دیکھ کر روشنی کو بھی کوکنگ کا شوق اٹھا۔

شروع میں نند بھاوج نے مل کر کچھ نئے تجربات کیے اور جب داد سمیٹی تو روشنی کا اعتماد بحال ہونے لگا۔ وہ لڑکی جو چولہا جلانا نہیں جانتی تھی' اب آسان آسان چیزیں پکا لیتی' آہستہ آہستہ سفینہ نے خود کوکنگ کم کردی اور روشنی سے کھانے پکوانے لگی۔ اس نے بھی بڑے ذوق و شوق سے سب کچھ سیکھا اور پھر اسے کھانا پکانا آسان لگنے لگا۔ سفینہ نے جان بوجھ کر رات کو آفاق کو چائے دینے کی ذمہ داری بھی روشنی کو سونپ دی تاکہ دونوں بھائی بہن کے بیچ کی دوری گھٹ جائے' ایسے وقت میں وہ جان بوجھ کر اِدھر اُدھر ہوجاتی۔ روشنی بھائی کے لیے چائے لے کر جاتی اور وہیں بیٹھ کر پہلے کی طرح اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں شاہ سے ڈسکس کرتی' شروع میں تو آفاق نے اس کی پکائی ہوئی بدمزا چائے بڑی مشکلوں سے برے برے منہ بناتے ہوئے حلق سے اتاری۔ وہ ہنستی رہتی اور چائے لے کر جاتی رہی مگر جب روشنی نے اچھی سی چائے پکانا سیکھ لی تو آفاق کو اس کے ہاتھ کی چائے پیے بناء نیند نہیں آتی۔ سفینہ خوش تھی کہ ابھی تک تو کامیابی اس کے قدم چوم رہی تھی آگے کیا ہوتا ہے وہ اس بات سے انجان تھی۔

٭......٭......٭

ملازمہ لوازمات سے بھری ہوئی چائے کی ٹرالی لے کر ڈرائنگ روم کے دروازے سے اندر داخل ہوئی تو شرمیلا کو خاصی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک بار تو دل چاہا کہ اٹھ کر چلی جائے مگر پھر اپنی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے جبراً بیٹھی رہی۔ اسے اور صائمہ کو یہاں بیٹھے ہوئے پندرہ منٹ گزر چکے تھے مگر ابھی تک گھر والوں نے انہیں شرف ملاقات نہیں بخشی تھی۔

''بی بی جی نے کہا ہے آپ لوگ چائے پی لیں' وہ صاحب کے ساتھ تھوڑی دیر میں آتی ہیں۔'' ملازمہ نے چائے پیش کرتے ہوئے بتایا۔

صائمہ نے تو جلدی سے پلیٹ کو مزیدار چیزوں سے لبالب بھر لیا مگر شرمیلا نے صرف چائے پینے پر اکتفا کیا' وہ عالیشان ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتی رہی جس کی ایک ایک شے سے امارت ٹپک رہی تھی۔ ان دونوں نے جیسے ہی چائے ختم کی اسی وقت مہرین' آزر جاوید کا بازو تھامے بڑے استحقاق سے ڈرائنگ روم کے دروازے سے اندر داخل ہوئیں۔ یوں لگا جیسے چاند نکل آیا ہو۔ وہ دونوں گنگ رہ گئیں۔ حسن' دولت ایک جگہ جمع ہو تو کیسی قیامت ڈھاتا ہے۔ مہرین کو دیکھ کر پتا چل رہا تھا۔ سرخ ساڑھی باندھے' ہاتھوں میں سونے کے کنگن' نک سک سے بجی سنوری' مہرین پر نگاہیں جمانا مشکل ہونے لگا۔

صائمہ نے ان سب کا آپس میں تعارف کرایا تو آزر نے شرمیلا پر ایک سرسری نظر ڈالی اور خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئے۔ مگر نہ جانے اس ایک اچٹتی نگاہ میں کون سا جادو تھا کہ جس نے شرمیلا کے دل کو ایک عجیب اور لطیف سے احساس سے روشناس کرادیا وہ آزر کی خوبرو شخصیت کے سحر میں اُلجھ کر رہ گئی۔ مہرین نے شرمیلا کے چہرے کا جائزہ لیا تو وہ اپنی اس سوچ پر خود ہی شرمندہ ہونے لگی اس کے ہاتھوں کی لرزش مہرین سے چھپی نہ رہ سکی۔ ان دونوں کی اس سے پہلے فون پر بات ہوئی تھی صائمہ نے تعریف بھی بہت کی تھی مگر شرمیلا اس سے بھی بڑھ کر نکلی' سیاہ چادر میں چھپا وجود کیا قیامت ڈھا سکتا ہے' اسے اچھی طرح اندازہ تھا مگر اس نے بساط بچھائی تھی' چال بھی خود ہی چلنی تھی' شرمیلا نے تو بس اس کا مہرہ بننا تھا' مہرین نے شرمیلا کے مبہوت کردینے والے حسن کو پسندیدگی سے دیکھا مگر چہرے سے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا اور باقی کے معاملات طے کرنے لگی۔ آزر نے اس معاملے میں ذرا سی بھی دلچسپی نہیں دکھائی' جس پر شرمیلا کا دل بجھ کر رہ گیا تھا۔

٭......٭......٭

سفینہ نے رات کے کھانے پر بہت اہتمام کیا۔ عائشہ بیگم کا دوڑ دوڑ کر برا حال ہوگیا تھا' وہ دانت پیستی من ہی من میں کلستی ہوئی کام کیے جارہی تھیں۔ ٹیبل کو انواع اقسام کے کھانے سجانے کے بعد جب آفاق شاہ ڈنر کرنے آیا تو حیران رہ گیا۔

''پرنسز خیریت تو ہے؟'' شاہ نے نک سک سے بجی سنوری سبز کرتے اور گلابی گھیر والی شلوار میں ملبوس سفینہ کو سراہتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی بالکل آج میں سب کو ایک سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے گلابی چہرے کی چمک بڑھ گئی۔

''اچھا تو بھابی جلدی سے بتادیں تاکہ بھائی کو مزہ آجائے۔'' روشنی جو کباب کی پلیٹ تھامے چلی آرہی تھی مسکرا کر کہا' اس نے بھی سفینہ کی طرح سبز کرتے پر پٹیالہ شلوار اور ٹائی اینڈ ڈائی کا دوپٹہ لیا ہوا تھا۔

''ہوں مزہ تو واقعی بڑا آئے گا مگر شاہ سے زیادہ میری پیاری روشنی کو۔'' سفینہ نے پراسراری ہنسی کے ساتھ کہا اور پلیٹ اس کے ہاتھ سے لے کر ٹیبل پر رکھ دی۔

''اچھا کوئی خاص بات ہے؟'' وہ مسکرائی مگر سفینہ نے کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔

اس کے چہرے کی چمک اور جوش و خروش کو روشنی نے خاص طور پر محسوس کیا مگر آگے سے کچھ پوچھا نہیں۔

''ہونہہ لگتا ہے دلہن بیگم کوئی نیا گل کھلانے والی ہیں۔'' عائشہ بیگم نے سلاد کی پلیٹ ٹیبل پر رکھتے ہوئے دانت پیس کر انہیں دیکھا۔

اچھا تو پھر بتادو نا یار؟'' آفاق نے مسکرا کر کہا۔

''ایک منٹ بس مہمان خصوصی کا انتظار ہے۔'' سفینہ اٹھلائی۔ وہ لوگ ابھی باتیں کر رہے تھے کہ باہر سے اسریٰ بیگم کی آواز آئی۔

''چلیں بھابی تقریب کی مہمان خصوصی بھی آ گئیں۔'' سفینہ کے کہنے پر شاہ چونک اٹھا اور وہ تینوں لاؤنج کی جانب بڑھے۔

''السلام علیکم۔'' آفاق نے بڑے خوشگوار انداز میں ان کا استقبال کیا۔

''وعلیکم السلام جیتے رہو خوش و آباد رہو۔ اسریٰ بیگم نے بھانجے کے ماتھے پر پیار دیا۔

''آپ آ گئیں۔'' سفینہ دوڑ کر ان کے گلے لگی۔ عائشہ بیگم نے پیچھے سے جھانکتے ہوئے برا سا منہ بنایا۔

''ہاں بھئی تم نے فون پر بات ہی ایسی کی مجھ سے گھر میں رکا نہیں گیا' فوراً ڈرائیور سے گاڑی نکلوائی اور دوڑی چلی آئی۔'' اسریٰ بیگم نے اسے جوش سے گلے لگاتے ہوئے تفصیل دہرائی۔

''یہ لڑکی کچھ بھی کر سکتی ہے۔'' شاہ نے سراہتی نگاہوں سے بیوی کے چمکتے دمکتے حسین چہرے کی طرف دیکھا' جہاں خوشیاں رقصاں تھیں۔

❁......❁......❁

بتول کسی بھی طرح اس رشتے پر راضی نہ تھی مگر آزر سے ملنے کے بعد شرمیلا کا دل پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ مہرین نے ان دونوں کو تنہائی میں دس منٹ ملنے کا موقع فراہم کیا' اس وقت آزر نے صرف ایک ہی بات پوچھی کے وہ اپنی ایماء سے یہ شادی کرنے پر راضی ہے ناں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا تب بھی آزر نے کہا کہ اس کے ساتھ ابھی بھی کوئی زور زبردستی نہیں' چاہے تو پیچھے ہٹ جائے مگر معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد اسے ساری شرائط پر عمل کرنا ہوگا۔ وہ شگفتہ لب و لہجہ اس کے کانوں میں رس گھولنے لگا۔ وہ اور بھی بہت کچھ بولتا رہا مگر شرمیلا تو اسی بات پر خوش تھی کہ قسمت نے ان کا ہاتھ تھام کر زندگی کی روشن شاہراہوں پر چلنے کا موقع دیا ہے تو وہ بھلا کیسے اپنے قدم پیچھے ہٹاتی۔ اس نے ماں کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اگر ساری دنیا پوری شدت سے مل کر بھی زور لگاتی تب بھی کوئی اس کا ارادہ نہیں بدل سکتا تھا۔ فائز کے ٹھکرانے اور نبیل سے چوٹ کھانے کے بعد اس کے لیے ایسے ہی میچور اور دولت مند شخص کی رفاقت مناسب تھی۔ وہ غربت زدہ ماحول سے نکل کر کسی اور غریب کے گھر جا کر سمجھوتوں میں زندگی بسر کرنے کو بالکل بھی تیار نہ تھی۔ ویسے بھی مہرین نے آنکھ بند کر کے اس کی ساری شرائط مانی تھی۔ اب اس کے پاس دولت کی بھی کمی نہیں رہے گی' پھر وہ دنیا کو بتا دے گی کے اسے پیروں تلے کچلنا اتنا سہل نہیں رہا۔ یہ انعام اسے آزر جاوید کی منکوحہ بننے کی صورت میں ملنے والا تھا۔

''یہ شادی ہو گی یا قربانی جانے ایسی کیا خوبی نظر آ گئی کہ ان کی ہر شرط ماننے کو تیار ہو گئی ہے۔'' بتول نے ماتھا پیٹا۔

''سب سے بڑی خوبی ہے پیسہ جو ان کے پاس ہے اور ہمارے پاس نہیں۔'' شرمیلا نے ناگواری سے جواب دیا۔

''میں پوچھتی ہوں آخر پیسے کو لے کر کب تک چاٹو گی جو تمہیں اس شخص کا بٹا ہوا وجود نظر نہیں آ رہا؟'' وہ بیٹی کو سمجھانے کی حتی المکان کوشش کر رہی تھیں۔

''اب مجھے کچھ اور نظر بھی نہیں آئے گا۔'' شرمیلا نے دھیرے سے کہا اور اس کے ذہن میں بے اختیار وہ لمحہ ابھر آیا جب اس نے پہلی بار آزر کو دیکھا اور پھر اس کے سحر میں مبتلا ہو گئی۔

❁......❁......❁
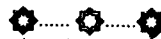
''ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔'' روشنی نے غمگین آواز میں مسخری کی تو اسریٰ بیگم نے ہنستے ہوئے اس کا ماتھا چوما۔

''میری بچی کیسی ہے؟'' وہ اندر کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے بولیں۔

''ایک دم فریش آپ کو کیسی لگ رہی ہوں؟'' اس کے پوچھنے پر اسریٰ بیگم نے بھانجی کو غور سے دیکھا اور بھونچکی رہ گئیں' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتی سفینہ نے روشنی کو سر کے اشارے سے بلایا۔

''افوہ...... پرنسز اب تو بتا دیں کہ کیا خاص بات ہے؟'' کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو نے اسے بے چین کر دیا ہے

صبری سے پوچھا۔

''ہاں تو روشنی تم ذرا میدان میں آجاؤ۔'' سفینہ نے پیار سے نند کا ہاتھ تھاما اور سب کے بیچ میں لے آئی۔

''جی بھابی۔'' اس نے پریشان نگاہوں سے بھائی کو دیکھا اور بیچ میں آ کھڑی ہوئی۔

''حاضرین محفل آپ لوگ غور سے روشنی کو دیکھیں اور بتائیے کہ میں نے جو ٹارگٹ سیٹ کیا تھا' یہ اس سے بھی زیادہ سلم اور بیوٹی فل دکھائی دے رہی ہے یا نہیں؟'' اس کے انداز پر روشنی کو ایک دم شرم آ گئی مگر اسریٰ بیگم اور شاہ کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے اور عائشہ بیگم کی بھی حالت بری ہونے لگی۔

''ارے ہم نے تو اب غور کیا ہے واقعی روشنی تو بہت چینج لگ رہی ہے۔'' آفاق کی سراہتی نگاہوں نے بہن کے وجود کا احاطہ کیا۔

''چلو ہٹو......اب میری بچی کو نظر نہ لگا دینا۔'' اسریٰ بیگم اسے ساتھ لگاتے ہوئے بولیں۔

''اوں......'' عائشہ بیگم نے سفینہ کے مسکراتے چہرے کو منہ چڑایا۔

''بہو تم نے واقعی کمال کر دیا۔'' اسریٰ بیگم نے شکر گزاری سے سفینہ کو دیکھا۔

''یہ میرا نہیں شاہ کا کمال ہے مجھے چیلنج کیا تھا کہ میں یہ کام ایسے کروں کہ روشنی کو پتا بھی نہ چلے اور میں نے ایسا ہی کیا۔'' سفینہ کی نقرئی ہنسی شاہ کے کانوں میں گونجی تو نگاہوں نے بیوی کی بلائیں لیں۔

''بھابی سچ کہہ رہی ہیں مجھے تو پتا بھی نہ چلا اور میں اتنی سلم ہوگئی۔'' روشنی بھی چہکی۔

''بھئی میں نے تمہیں پتا ہی نہیں لگنے دیا' وہ سوپ جو میں اپنی ڈائٹ کے لیے تیار کرتی دراصل تمہارے لیے ہوتا' روزانہ واک پر بہانے سے لے جانا تمہیں دبلا کرنے کی مہم کا حصہ تھا۔ بھوک لگنے کا بہانہ کر کے فریش جوس پینا اور تمہیں پلانا' تمہاری اسکن کو فریش کرنے کا ایک طریقہ تھا۔'' سفینہ نے مزے سے ساری تفصیل بتائی۔

''یہ تو ٹھیک ہے بیٹا مگر اس کے کپڑوں کی فٹنگ لوز نہیں ہوئی کیا؟'' اسریٰ بیگم کو دھیان آیا کہ روشنی تو فٹنگ کے کپڑے پہنتی تھی' دبلا ہونے پر اس کے کھلے کپڑوں کو ڈھیلا ہو جانا چاہیے تھا۔

''اس کا جواب میں دیتا ہوں وہ جو یہ چھپ چھپ کر روشنی کے کمرے میں جاتی تھی تو اس کے کپڑوں کی فٹنگ کرنے۔'' شاہ نے نگاہوں کی زد پر عائشہ بیگم کو رکھا اور جواب دیا۔ سچائی جان کر وہ اپنے آپ میں سکڑنے لگیں۔

''ہائے بھلا وہ کیسے؟'' اسریٰ بیگم کے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

''جی مجھے یہ خدشہ تھا کہ روشنی کا وزن جس تیزی سے کم ہو رہا تھا اس کے کپڑے لوز ہو رہے تھے' مجھے خوف ہوا کے کہیں روشنی کو احساس ہو گیا تو یہ بیچ میں ہی ساری احتیاط نہ چھوڑ دے' بس اسی لیے میں ہر پندرہ دن اس کے کالج جانے کے بعد اس کے کمرے میں جاتی اور اس کے کپڑوں کی فٹنگ کرتی جاتی' اس طرح سے اسے پتا بھی نہیں چلا اور میرا کام بھی آسان ہو گیا۔'' سفینہ کھلکھلائی تو روشنی نے کھا جانے والی نگاہوں سے عائشہ بیگم کو دیکھا جو پچھلے کئی دنوں سے اسے سفینہ کے خلاف یہ کہہ کر بھڑکا رہی تھیں کے وہ اس کے پیچھے سے کمرے میں جا کر تلاشی لیتی ہے۔

''آئی ایم ریئلی پراؤڈ آف یو پرنسز۔'' شاہ نے سب کی پروا کیے بغیر بڑھ کر بیوی کا ہاتھ تھام کر قدرے جھک کر شکریہ ادا کیا۔

''سفینہ تم تو ہماری توقعات سے بڑھ کر ثابت ہوئی۔'' اسریٰ بیگم نے عائشہ بیگم کے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھا اور پھر سفینہ کو گلے لگا لیا۔

''آئی ایم سوری بھابی۔ میں نے آپ کو غلط سمجھا مگر......'' روشنی بے اختیار بڑھی اور سفینہ کے گلے لگی' اس سے جملہ مکمل بھی نہیں کیا گیا' گلا رندھ گیا۔

''بس اب کچھ کھا پی لیا جائے باقی تعریفیں ڈنر کے بعد۔'' سفینہ نے ماحول کی سنجیدگی کو کم کرتے ہوئے روشنی کو ساتھ لگائے ہوئے ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے مسخرے انداز میں کہا تو سب ہنسے اور ٹیبل کی طرف چل دیئے۔
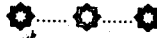
شرمیلا کی شادی بے حد سادگی سے طے پاگئی۔ مہرین نے ایک ہوٹل میں پچاس لوگوں کی موجودگی میں نکاح کی تقریب رکھی۔ بتول نے تو جیسے چپ سادھ لی تھی۔ وہ بس کھلی آنکھوں سے تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ شرمیلا نے نیچے اتر کر خود سے سائرہ اور دلشاد کو دعوت دی۔ وہ دونوں شرمیلا کی اتنی امیر جگہ پر شادی کا سن کر دھک سے رہ گئیں۔ بتول نے سب سے اصل بات چھپالی تھی۔ اس لیے زیادہ لوگوں کو مدعو بھی نہیں کیا آزر اپنے چند دوستوں اور ان کی بیویوں کے ساتھ اسے رخصت کرانے آئے۔ مہرین نے شادی میں شرکت نہیں کی۔ سارا کام اتنے حوصلے سے کرنے کے بعد آخر میں آ کر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ نکاح کے بعد پُرلطف ڈنر ہوا۔ اس کے بعد دلہن بنی ہوئی شرمیلا کو آزر کی بڑی سی چمک دار گاڑی میں لے جا کر بٹھایا گیا۔ رخصتی کے وقت بتول کا سکتہ جیسے ٹوٹ گیا اور وہ بیٹی سے لپٹ کر ہچکیاں لیتے ہوئے رودیں۔

''اماں فکر نہ کریں میں آپ سب کو جلد ہی نئے گھر میں شفٹ کرواؤں گی۔'' اس نے ماں کا ہاتھ تھام کر تسلی دیتے ہوئے کانوں میں سرگوشی کی۔

گاڑی ''آزر ولا'' کے وسیع وعریض کار پورچ میں جا کر رکی تو آزر بڑی لاتعلقی سے اسے چھوڑ کر اندر کی جانب بڑھ گئے۔ وہ ہکا بکا سی ڈرائیور کا منہ تکتی رہ گئی۔ کہیں سے اس دن والی ملازمہ آئی اور بڑے احترام سے اس کا ہاتھ تھام کر لے کر اندر کی طرف بڑھی تو اپنی اتنی سی پزیرائی پر بھی انا کو تسکین ملی۔ ملازمہ نے اسے قیمتی اور نفیس فرنیچر سے آراستہ بڑے سے بیڈروم میں لے جا کر بیڈ پر بٹھایا اور خود آہستگی سے دروازہ بند کر کے لوٹ گئی۔ جانے کیوں شرمیلا کو ملازمہ کی آنکھوں میں اپنے لیے ترحم کی پرچھائیں دکھائی دی۔ وہ تھوڑا فکر مند ہوئی پھر کاندھا جھٹک دیا۔ اپنی زندگی کے اس حسین لمحے کو وہ فضول سوچوں کی نذر نہیں کر سکتی تھی۔ کراؤن سے ٹیک لگا کر خود کو آرام دہ پوزیشن میں لے آئی۔ لمبے چوڑے بیڈ پر سرخ لباس میں سجی ہوئی شرمیلا کو آزر جاوید کا بے چینی سے انتظار کرتے ہوئے گھنٹہ گزر گیا مگر ابھی تک جناب کی آمد نہ ہو سکی اس کی نگاہوں میں رہ رہ کر ان کا شاندار سراپا ابھر رہا تھا۔ زندگی بھر تکلیفیں اٹھانے کے بعد آخر وہ اپنی منزل تک پہنچ گئی تھی۔ اسے اپنی خوش بختی پر بے حد ناز ہونے لگا۔

انتظار کے تکلیف دہ گھنٹے گزر گئے اور بالآخر دروازہ وا ہوا۔ آہٹ پر شرمیلا سٹ کر بیٹھ گئی، سر جھکا لیا اور کنکھیوں سے ان کی جانب دیکھا۔ آزر آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئے سیاہ قمیص اور سفید شلوار میں ان کی دراز قامت شخصیت غضب ڈھا رہی تھی۔ شرمیلا کی دھڑکنوں نے شور مچانا شروع کر دیا لرزتی پلکوں پر حسین خواب اترنے لگے۔ آزر کچھ دیر کھڑے جانے کیا سوچتے رہے پھر بیڈ پر اس کے نزدیک ہو کر بیٹھ گئے ایک مسحور کن سی مہک نے شرمیلا کو اپنے حصار میں لے لیا۔ ان کے ہاتھ میں سیاہ مخملی باکس تھا۔ وہ نزدیک ہوئے تو شرمیلا کے حواس بکھرنے لگے۔

''یہ منہ دکھائی کا گفٹ ہے جو مہرین نے تمہارے لیے خریدا ہے۔'' اس کی گود میں پھینکنے کے بعد پیچھے ہوتے ہوئے وہ شاید پہلی رات ہی اس پر مہرین کی حیثیت واضح کرنا چاہتے تھے۔

''شکریہ۔'' شرمیلا نے خود پر قابو پاتے ہوئے مسکرا کر باکس اٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ ڈائمنڈ کی نازک سی رنگ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں کی چمک میں بھی اضافہ ہو گیا۔

''بیوٹی فل......'' شرمیلا نے خود ہی انگلی میں رنگ پہن لی اور اپنے حسین ہاتھ ان کے سامنے پھیلاتے ہوئے رائے لینا چاہی، مگر آزر بے تاثر چہرہ لیے بیٹھے رہے اور سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ ان کی تکلیف پر اس کے دل پر جیسے ہاتھ پڑا۔

''کیا بات ہے آپ کچھ پریشان ہیں؟'' شرمیلا یوں پیش آ رہی تھی جیسے ان دونوں کا ساتھ بہت پرانا ہو۔

''کوئی خاص بات نہیں تم سو جاؤ میں مہرین کے پاس جا رہا ہوں۔'' آزر نے سرد و سپاٹ لہجے میں جواب دیا، ایک دم جھٹکے سے اٹھے اور اس کی طرف دیکھے بناء کمرے سے باہر نکل گئے۔

ان کے یوں چلے جانے پر شرمیلا کا دل دور کہیں پاتال کی گہرائیوں میں جا گرا۔ وہ کچھ دیر تک گم صم بیٹھی رہی پھر اٹھ کر ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر وہ پل بھر کے لیے خود بھی مبہوت رہ گئی، اس پر روپ بھی ٹوٹ کر آیا تھا، مگر اس ظالم نے نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا جھنجھلاتے ہوئے ایک ایک چیز کو نوچ کھسوٹ کر اُتارنا شروع کیا۔ دل ودماغ میں

آندھیاں سی چلنے لگیں۔ آنکھوں میں غصہ اور بے بسی کی وجہ سے آنسو امڈ آئے۔ اس کے تو وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کے وہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے۔ جب سوگ مناتے ہوئے کافی دیر گزر گئی تو پھر اس نے آنسو پونچھتے ہوئے ہینگر میں لٹکی نائٹی اٹھائی اور سرخ سوٹ سے چھٹکارا حاصل کیا جو جود میں آگ لگا رہا تھا۔ واش روم میں داخل ہوئی اور ہاتھ منہ دھو کر میک اپ اتارنے کے بعد پاس پڑے تولیہ سے رگڑ رگڑ کر چہرہ پونچھا اور تھکے ہوئے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی آزر کی اس حرکت پر غصے کی وجہ سے اس کا پورا وجود جل اٹھا تھا۔ ایک دفعہ پھر بے حد رونا آیا۔

''مہرین کو آپ کی زندگی سے نکال کر دور نہیں پھینکا تو میرا نام بھی شرمیلا نہیں۔'' آنکھوں میں نفرت کی پرچھائیاں لیے وہ خود اپنے آپ سے عہد کر بیٹھی۔

❁......❁......❁

آفاق شاہ کو چھٹی والے دن کی فراغت بہت چبھتی تھی۔ اس نے بیوی سے کہیں باہر گھومنے جانے کا عندیہ دیا مگر سفینہ نے منع کر دیا۔ اصل میں اس نے شام کو ثوبیہ اور سنبل کو بلوایا تھا۔ وہ چاہتی تھی کے کچھ وقت اپنی کزنز کو بھی دے' جواب واپس جانے کو پر تول رہی تھیں۔ اس بات کو لے کر شاہ کا منہ بن گیا۔ ناشتے کے بعد وہ ہاتھ میں اخبار لیے ٹیرس پر نکل آیا۔ موسم بڑا خوشگوار ہو تھا' وہ سبز شیڈ کے تلے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا اور اخبار اپنے سامنے پھیلا لیا۔ سفینہ شوہر کی تلاش میں باہر آئی۔ شاہ کو مطالعہ میں مصروف دیکھ کر ترچھی نگاہوں سے دیکھا اور عجلت میں واپس مڑ گئی۔ شیلف سے شاہ کی پڑھنے والی عینک اٹھائی' دوپٹے سے صاف کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے پہنایا۔ شاہ نے لبوں پر رینگتی مسکراہٹ کو بیوی سے چھپایا اور جان بوجھ کر نظر انداز کرتے ہوئے اخبار کی جانب متوجہ رہا۔ سفینہ کمر پر ہاتھ رکھے کچھ دیر تک شاہ کو گھورتی رہی' مگر جب توجہ حاصل نہ ہوئی تو ریلنگ کے پاس جا کر باہر موسم کا لطف اٹھانے لگی۔ شاہ بظاہر تو مطالعہ میں مشغول تھا لیکن اِس کا دھیان اخبار کے بجائے بیوی پر تھا۔

ٹیرس کی ریلنگ تھامے سفینہ نے چہرہ اٹھایا ہوا تو نیلے آسمان پر سرمئی بادلوں کی چادر سی تنی دکھائی دی۔ ٹھنڈی ہواؤں نے اس کے بالوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تو اس کے لبوں پر معصوم سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ وہ دیر تک کھڑی ٹھنڈی ہوا کا لطف اٹھاتی رہی مگر جب ہلکی ہلکی ٹھنڈی پھوار اس کے وجود کو بھگونے لگی تو شاہ کی برداشت جواب دے گئی' اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی کچھ اور نہیں ملا تو اپنی جیکٹ اتار کر اسے پہنا دی۔

''کیا ہے بھیگنے دیتے ناں مجھے شروع سے بارش بہت اچھی لگتی ہیں۔'' سفینہ نے ہونٹ دبا کر اسے دیکھا۔

''دماغ ٹھیک ہے' بیمار پڑ جاتی تو؟'' اس نے سفینہ کو آنکھیں دکھائیں۔

''اچھا ہے ناں بیمار ہو جاتی تو آپ کی بھی جان چھوٹ جاتی۔'' وہ شرارت بھرے انداز میں بولی۔

''میری دنیا تو تم سے شروع ہو کر تم پر ہی ختم ہوتی ہے' آئندہ ایسی بات منہ سے بھی نہ نکالنا۔'' شاہ کا چہرہ یک دم سرخ ہو گیا' گہری سنجیدگی سے اسے ڈانٹا۔

''اچھا جی۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی' اچانک شاہ کا فون بج اٹھا' وہ فون پر باتوں میں مصروف ہو گیا' پاس کھڑی سفینہ کی سماعت میں بھی اس کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کسی سے اپنے آفس کے لیے نیا اسسٹنٹ رکھنے کی بات کر رہا تھا۔ سفینہ کے دماغ میں ایک دم جھما کا سا ہوا۔ اسے روشنی کو عائشہ بیگم سے دور رکھنے کا راستہ مل گیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی اگلے شمارے میں)

محبت کی ابتدا

رمشا زیب

بارش مسلسل زور و شور سے برس رہی تھی' شام تک موسم نہایت خشک تھا پھر اچانک ہی کالی گھٹاؤں نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ بادلوں کی گھن گرج کے ساتھ بجلی چمکتی رہی اور بارش ایسے ٹوٹ کر برسی کہ ہر چیز کو نکھار دیا اس کے باوجود اس کے رکنے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے' مصفرہ تھوڑی دیر تک تو بارش کو خوب انجوائے کرتی رہی لیکن پھر بارش کے تیور دیکھ کر مزید ارادہ ترک کرکے کاؤچ پر آبیٹھی۔ مصفرہ کو بارش بے پناہ پسند تھی لیکن رات کے وقت اسے بارش سے بے پناہ خوف محسوس ہوتا تھا' یہی وجہ تھی کہ وہ اب سخت کوفت میں مبتلا اپنی توجہ کتاب پڑھنے میں مرکوز کررہی تھی۔

''آپی آجائیں کھانا کھالیں سب انتظار کررہے ہیں۔'' مصفرہ سے چھوٹی حنین نے آواز دی تو مصفرہ نے سخت جھنجھلاہٹ میں بک سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہوا شینی...... اتنا شور کیوں کررہی ہو۔'' اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ چہک کر بولی۔

''مصفی آپی...... آپ یہاں کونے میں بیٹھی ہیں اور ہم سب وہاں کل صبح کے ٹور کی باتیں کررہے ہیں آپ بھی آجائیں۔'' حنین کے کہنے پر اسے یاد آیا کہ کل صبح تو انہیں گڑھی حبیب اللہ کے لیے نکلنا ہے وہ سب اس ٹور کو لے کر بہت ایکسائٹڈ تھے اور اب حنین کے یاد دلانے پر وہ کل کے ٹرپ کے متعلق سوچتی ہوئی اس کے ساتھ لاؤنج میں آگئی' سب لوگ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے بس اسی کا انتظار تھا' ٹیبل پر کھانا لگا دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی۔

''ماشاء اللہ ماما...... پکوڑے' شامی کباب اور ارببین رائس مائے فیورٹ ڈشز' سچ میں دیکھ کر ہی بھوک بڑھ گئی ہے۔'' وہ کسی معصوم بچے کی طرح چہکی۔

''اچھا بیٹا...... اب شروع کرو باتوں سے ہی پیٹ بھرنے کا ارادہ ہے کیا؟'' زمان عابدی نے اپنی لاڈلی بیٹی کو شریر انداز میں مخاطب کیا تو وہ مسکراتی ہوئی اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''مصفرہ...... تمہاری پیکنگ ہوگئی؟'' مریم زمان کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ پھر سے گویا ہوئیں۔

''بیٹا...... آپ بڑی ہو مجھے یہ سب کہنا اچھا تو نہیں لگ رہا لیکن پھر بھی آپ اپنے پہننے اوڑھنے کا خاص خیال رکھیے گا' آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ دانیال بھائی پٹھان قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے قبیلے کے سردار بھی ہیں وہاں پر پردے کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی پر کوئی ناگوار نظر بھی ڈالے' آپ سمجھ رہی ہیں ناں۔'' مریم دھیمے لہجے میں اسے سمجھا رہی تھیں۔

''یس' آف کورس ماما...... میں بچی نہیں ہوں آپ لوگوں کی ہونہار' سمجھ دار' تمیز دار' گریجویٹ مصفرہ زمان عابدی ہوں۔'' اس کے یوں ریکارڈ لگانے پر سب ہی بے ساختہ مسکرائے۔

''ہاں بھی ہم تو بھول ہی گئے تھے کہ ہماری بیٹی اب بچی نہیں رہی' بڑی ہوگئی ہے۔'' زمان ہنستے ہوئے مریم سے کہنے لگے۔

''ماما...... آپ بےفکر رہیں میری طرف سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

زمان عابدی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے اور مریم سے انہوں نے اپنی پسند سے شادی کی تھی ان کے والدین کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہوگیا تھا جبکہ مریم بھی اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھیں اس لیے ان کا کوئی اتنا لمبا چوڑا خاندان نہیں تھا مصفرہ' حنین اور ریان ان کے تین بچے تھے' انہیں بھی بھی کسی دوست رشتہ دار کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی تھی وہ تینوں آپس میں بہت فرینڈلی تھے۔ مصفرہ بیس سال جبکہ حنین اور ریان سولہ سال کے تھے دونوں جڑواں تھے اس لیے دونوں کی خوب بنتی تھی۔ دانیال خان زمان عابدی کے کلاس فیلو اور بیسٹ فرینڈ تھے' زمان نے ایم بی اے کرکے اپنا بزنس اسٹیبلش کیا جبکہ دانیال خان اپنے علاقے واپس جاکر قبیلے کے سردار بن گئے اور اپنے والد کی زمینیں سنبھالنے لگے ان کے دو بیٹے حائم اور زائم جبکہ ایک بیٹی پلوشہ تھی چونکہ وہ خود پڑھے لکھے تھے اس لیے بیٹی کو پرائیوٹ ہی سہی لیکن پڑھا رہے تھے۔ سردار دانیال خان کئی بار زمان عابدی کے گھر آئے تھے اور جاتے ہوئے انہیں بھی اپنے گھر

آنے کی دعوت دیتے تھے لیکن زمان کا کبھی جانا ہی نہیں ہوا اس بار بچوں کی چھٹیاں ہوتے ہی انہوں نے گڑھی حبیب اللہ جانے کا پروگرام بنالیا اور دانیال خان کو بھی اطلاع دے دی جواباً انہوں نے کھلے دل سے انہیں خوش آمدید کہا' صبح ان کی چار بجے پشاور کی فلائٹ تھی اس لیے سب جلدی جلدی سونے کی تیاری کررہے تھے' مصفرہ کی بھی یہ سوچتے ہوئے آنکھ لگ گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

''مریم دیکھیں وہ زائم کھڑا ہے۔'' وہ لوگ جیسے ہی ایئرپورٹ کے احاطے سے باہر نکلے تو زمان عابدی کی نظریں مسلسل حائم کو تلاش کررہی تھیں' آخرکار انہوں نے زائم کو دیکھتے ہی وہیں سے ہاتھ ہلایا اور ساتھ مریم اور بچوں کو بھی مطلع کیا۔ مصفرہ' حنین اور ریان اب اسی جانب دیکھ رہے تھے وہاں کھڑا شخص انہیں ہاتھ ہلا کر ''خوش آمدید'' کہہ رہا تھا وہ سب جیسے ہی اس کے قریب پہنچے وہ فوراً آگے بڑھ کر زمان کے گلے لگ گیا۔

''خوش آمدید زمان انکل......حویلی میں سب بڑی بے صبری سے آپ لوگوں کا انتظار کررہے ہیں۔'' وہ تینوں بہن بھائی بڑی دلچسپی سے اس شخص کا بغور جائزہ لینے لگے مردانہ قد کاٹھ' سفید رنگت' خوب صورت مردانہ نین نقش بڑا بھرپور سراپا تھا۔

''زائم بیٹے دانیال کہہ رہا تھا کہ حائم ہمیں لینے آئے گا۔'' زمان عابدی نے خوش مزاجی سے کہا تو وہ فوراً وضاحت دینے لگا۔

''جی انکل......بس عین وقت پر ایک بہت ضروری کام آن پڑا تو لالہ کو وہاں جانا تھا اس لیے وہ نہیں آسکے۔'' وہ مریم کی طرف جھکا اور ان بھائی بہنوں کا جائزہ لینے لگا' دونوں لڑکیاں سیاہ عبایا میں ملبوس تھیں جبکہ نقاب نہیں لیا گیا تھا اور لڑکا پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا اس کی نظر جب مصفرہ پر گئی وہ اسے اپنی طرف اعتماد سے دیکھتے پاکر ٹپٹا کر سیدھا ہوگیا' اس کا مطلب اس لڑکی میں کانفیڈنس کوٹ کوٹ کر بھرا ہے' وہ سوچنے لگا۔

''چلیں انکل۔'' زمان عابدی اپنے بچوں کا تعارف کروا چکے تو اس نے کہا۔ ایئرپورٹ سے باہر سارا شہر سویا ہوا تھا' صبح کا اندھیرا آہستہ آہستہ چھوٹ رہا تھا ان کی چار بجے کی فلائٹ تھی اور ایک گھنٹے میں وہ یہاں موجود تھے وہ دونوں بہنیں ابھی بھی حیرت زدہ تھیں کہ پٹھان بھی ہینڈسم ہوسکتے ہیں ورنہ ان کا تو یہی خیال تھا کہ سارے پٹھان قمیص شلوار میں پشاوری ٹوپی پہنے کندھے پر رومال رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کو گاڑی تک لایا وہاں دو گاڑیاں کھڑی تھیں اور ڈرائیور ویسے ہی تھے جیسا ان کے ذہن میں خاکہ بنا ہوا تھا' منہ میں گھومتی نسوار کو زبان کے نیچے کرکے انہوں نے زائم کو دیکھتے ہی سیلوٹ مارا۔

''انکل' آنٹی میں آپ لوگوں کے ساتھ اگلی گاڑی میں بیٹھ جاتا ہوں جبکہ انہیں میں اس گاڑی میں بٹھا دیتا ہوں۔'' زائم کے خوشدلی سے کہنے پر زمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''نہیں بیٹا......آپ میرے بچوں کے ساتھ ہی بیٹھیں ہم دونوں اگلی گاڑی میں بیٹھ جاتے ہیں' میں اپنے بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا۔ یہ بہت جلد بور ہوجاتے ہیں تم انہیں راستے کے بارے میں بتاتے رہو گے تو یہ فریش رہیں گے۔'' زمان کے کہنے پر وہ خجل سا ہوکر مسکرادیا۔

''اوکے میں اس گاڑی میں بیٹھ جاتا ہوں۔''

''تو جناب میں اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ ہوں امید ہے آپ لوگ سفر کو انجوائے کریں گے ویسے میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ لوگ ایسے ہولناک راستے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھیں گے اس لیے اپنے اپنے گناہوں کی معافی ایک دوسرے سے مانگ لیں' پتا نہیں کل ہو نہ ہو۔'' وہ نہایت شوخ انداز میں ریان کی طرف جھکتے ہوئے مذاقاً بولا۔

''زائم بھائی ہم ڈرنے والے نہیں ڈرانے والے لوگ ہیں۔'' ریان کے کہنے پر وہ ہنستے ہوئے اپنی جگہ پر بیٹھا۔ وہ تینوں پیچھے بیٹھے دلچسپی سے ہر چیز کو دیکھ رہے تھے۔ ریان تو باقاعدہ کیمرے سے تصویریں اتار رہا تھا۔ مصفرہ مسلسل روکھے سوکھے پہاڑ دیکھ کر اکتائے جارہی تھی' پتا نہیں پاپا نے کیوں گڑھی حبیب اللہ کی اتنی تعریفیں کی تھی عمرائی' طلوری' مردان کتنے ہی شہر اس نے تختیاں اور بورڈز پر پڑھتے ہوئے گزار دیئے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے زائم نے انہیں کچھ سامان دیا تھا اس نے اب غور سے دیکھا تو وہ بسکٹ اور اسنیکس تھے اس نے وہ اٹھائے اور تینوں کھانے لگے ویسے بھی وہ لوگ صبح کچھ کھا کر نہیں نکلے تھے اس لیے اب بھوک

لگ رہی تھی۔

''ایسا کریں کہ آپ لوگ اتریں اور کھانا کھالیں یقیناً صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا ہوگا۔'' وہ نرم انداز میں نہایت سنجیدگی سے کہتا ہوا گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا وہ لوگ گاڑی سے اترے تو ماما پاپا ان ہی کے منتظر تھے۔ زائم انہیں ہوٹل میں چھوڑ کر غائب ہوگیا اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کافی سارے شاپنگ بیگز تھے اس نے وہ مریم کی طرف بڑھائے۔

''آنٹی تھوڑی دیر بعد ٹھنڈا علاقہ شروع ہوجائے گا آپ لوگوں کے پاس پتا نہیں گرم کپڑے ہوں یا نہ ہوں اس لیے یہ شالز اور کچھ جیکٹس لے آیا ہوں۔''

''بیٹا...... اس تکلف کی کیا ضرورت تھی گاڑی میں جو کمبل تھے وہ ہمیں کافی تھے۔'' وہ نہایت شرمندگی سے بولیں تو اس نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''بیٹا بھی کہتی ہیں اور تکلف بھی کررہی ہیں۔'' مریم اس کی بات پر لاجواب ہوکر مسکرادیں۔ سب دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔

''اتنی گرمی ہے' سورج سوا نیزے پر ہے اور یہ جناب گرم شالز لے آئے ہیں۔'' مصفرہ خفگی سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے مسلسل بڑبڑا رہی تھی ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ انہیں خنکی کا احساس ہونے لگا اور کچھ دیر بعد وہ سردی سے ٹھٹھرنے لگے۔

''ہائے اللہ کیا شان ہے تیری۔'' مصفرہ پل کے دونوں اطراف بہنے والے نالے کو دیکھ کر حیرت زدہ ہورہی تھی' سردی کے بڑھتے ہی انہوں نے شالز اور جیکٹس پہن لی تھیں اس کے باوجود اب بھی سردی محسوس ہورہی تھی' اصل راستہ تو اب شروع ہوا تھا' گہری گہری بل کھاتی کھائیاں جن کی کوئی حد نہیں تھی۔ آسمان سے باتیں کرتی پہاڑوں کی چوٹیاں' مضبوط اور لمبے توانا درخت' اخروٹ اور بادام سے لدی ٹہنیاں وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں یہ سب دیکھے جارہی تھی۔

''ریان کیمرہ دو۔'' اس نے ریان سے کیمرہ لیا اور ان حسین مناظر کو اس میں قید کرنے لگی اچانک ہی گاڑی ڈگمگانے لگی وہ لوگ خوف سے سیٹ کے ساتھ چپک گئے' سڑک آہستہ آہستہ تنگ اور سنگلاخ ہوتی جارہی تھی۔ گاڑی کے ایک طرف دیوقامت پہاڑ تو دوسری طرف گہری کھائی

میں ٹھاٹھیں مارتا نیلا شفاف پانی اس کے تو حواس باختہ ہونے لگے۔ ریان اور حنین اس کے ساتھ چپکے ہوئے تھے جبکہ ڈرائیور بے پروائی سے گاڑی بھگائے لے جارہا تھا ان کو سفر کرتے کافی دیر ہوچکی تھی وہ سب بہت تھک گئے تھے انہوں نے کبھی زندگی میں اتنا طویل سفر نہیں کیا تھا اب تو مصفرہ کے ساتھ ساتھ ریان اور حنین بھی بےزار ہونے لگے، خنکی مسلسل بڑھ رہی تھی اس نے ریان اور حنین پر کمبل اچھی طرح سے لپیٹ دیا اور خود کو بھی اچھی طرح سے ڈھانپ لیا ریان اور حنین تھوڑی ہی دیر میں خواب خرگوش کے مزے لینے لگے جبکہ مصفرہ اب اردگرد کا تفصیلی جائزہ لینے لگی، بہتے آبشار، آسمان سے باتیں کرتا ہرا بھرا جنگل، چاندنی کی طرح چمکتی ندیاں اور نالے پہاڑوں سے بہتا گلیشیئر کا پانی اسے لگا وہ کسی جنت سے گزر رہے ہو۔ پتا نہیں وہ کس طرف جارہے تھے اور انہیں مزید کتنی دیر لگے گی، یہی سوچتے اس کی آنکھ کب لگی اسے پتا ہی نہیں چلا البتہ اردگرد سے غافل ہونے سے پہلے ان کی گاڑی چھوٹی سی سڑک پر مڑی تھی اور اردگرد لوگ بھی نظر آنے لگے تھے، وہ نیند میں اس قدر غرق تھی کہ زائم کے شیشہ بجانے پر اسے لگا کوئی اس کے سر پر ہتھوڑے برسا رہا ہو اس نے آنکھیں کھولیں تو گاڑی رک چکی تھی اور سامنے ایک دیو قیامت حویلی دکھائی دے رہی تھی۔ مصفرہ نے ریان اور حنین کو بھی جگایا اور اپنا حلیہ درست کرتی باہر نکل آئی۔ بلند و بالا دیوہیکل اینٹوں سے بنی حویلی کی دیواریں جن کے درمیان لوہے کا بڑا سا دروازہ تھا، ریان اور حنین بھی اس کے پیچھے آکھڑے ہوئے اور اب وہ ماما پاپا کی طرف بڑھنے لگے، زائم کو دیکھتے ہی گیٹ پر متعین پہرے داروں نے سلیوٹ مارا، حنین تو ان کے ہاتھ میں کلاشنکوف دیکھ کر حواس باختہ ہوگئی تھی، دروازہ کھولا جاچکا تھا اور زائم ان سب کو لیے اندر کی جانب بڑھنے لگے، پھاٹک کے دونوں اطراف سبزہ ہی سبزہ تھا اور اس گارڈن کی خوب صورتی کو پھل دار درخت مزید بڑھا رہے تھے۔ وہ لوگ سرخ اینٹوں کی راہداری پر چلتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ رہے تھے کہ عمارت کے احاطے میں آکر رک گئے، یہ عمارت قدیم اور جدید طرز کا امتزاج تھی، مصفرہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی خوب صورتی کو سراہا تھا۔

راہداری میں سفید آرائشی لیمپ نصب تھے چونکہ انہیں پہنچتے پہنچتے شام ہوچکی تھی اس لیے وہ روشن تھے، لان کی ترتیب اور سجاوٹ سے پہلے ہی وہ لوگ ان کی نفاست کے معترف ہوچکے تھے اور اب یہ خوب صورت عمارت تو ان کی شان کا منہ بولتا ثبوت تھی، زائم انہیں لیے عمارت کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا، بڑی سی گیلری کے دونوں اطراف جابجا لائٹس نصب تھیں اور اس کے آخر میں ایک انتہائی قیمتی فانوس نصب تھا۔ گیلری کے اختتام پر انہیں میزبان کھڑے نظر آئے ایک مرد اور تین خواتین کھڑی تھیں اور باقی شاید ملازمائیں تھیں، قمیص شلوار پہنے اور ایک کاندھے پر قیمتی چادر ڈالے دانیال خان آگے بڑھے اور پاپا کے گلے لگ گئے۔

''کیسے ہو زمان...... سفر کیسا گزرا؟ آنے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، زائم نے آپ لوگوں کا خیال تو رکھا تھا نا؟'' انہوں نے ایک ساتھ ہی اتنے سارے سوال کر ڈالے کہ پاپا بےساختہ ہنسنے لگے۔

''ارے دانیال..... ہم بالکل ٹھیک ہیں اور سفر بھی بہت خوشگوار گزرا اور زائم تو بہت خوش اخلاق بچہ ہے۔'' زمان عابدی نے ان سے الگ ہوتے ہوئے سارے سوالوں کے جواب دے ڈالے، وہ لوگ تو زمان اور دانیال کی جنونی دوستی سے آگاہ تھے البتہ دانیال کے گھر والوں کے لیے یہ نیا منظر تھا۔

''زمان...... ان سے ملو یہ میری بیوی پشمینہ یہ میری بھابی اور یہ میری بیٹی پلوشہ۔'' ان کا تعارف کروا کر وہ اب مریم اور مصفرہ کی طرف بڑھے، مصفرہ نے سر جھکایا تو انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کا تعارف سب سے کروایا۔

''یہ مصفرہ زمان ہیں، زمان کی بڑی بیٹی اور ان کی زوجہ مریم بہن ہیں اور یہ ان کے جڑواں بچے حنین اور ریان۔'' وہ سب کا تعارف کرواچکے تو پشمینہ آگے بڑھ کر مریم کے گلے لگیں اور آہستہ آہستہ سب سے مل ملا کے وہ لوگ ایک بڑے سے کمرے میں آگئے جہاں ایک طرف آتش دان میں آگ بھڑک رہی تھی پورا کمرہ سرخ اور براؤن کلر کے امتزاج سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ دانیال اور زائم زمان کو لے کر ایک طرف بیٹھ گئے جبکہ پشمینہ خواتین کے ساتھ بیٹھ گئیں وہ خود اب تک حیرت زدہ تھیں کہ ان کی حویلی میں جو بھی مرد آتے تھے وہ مردان خانے میں ٹھہرائے جاتے تھے اور آج پہلی بار دانیال کسی مرد کو حویلی کے اندر لے کر آئے تھے اور اس وی آئی

پی پروٹوکول کی وجہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔ پشمینہ اب ان لوگوں کا جائزہ لینے لگیں لیمن کلر کے شیفون کی قمیص شلوار میں ہم رنگ دوپٹہ سلیقے سے سر پر لیے مریم بہت باوقار لگ رہی تھیں جبکہ مصفرہ اور حنین نے سیاہ عبائے کے اوپر نماز کی طرح دوپٹہ لے رکھا تھا۔ مصفرہ کا معصوم حسن اس کی دلکشی کو مزید بڑھا رہا تھا' حنین بھی بہت خوب صورت لگ رہی تھی جبکہ ریان بلیک پینٹ شرٹ میں شاندار لگ رہا تھا انہیں وہ تینوں بچے ہی نہایت مہذب اور تمیز دار لگے۔

''پلوشہ...... بھائی بہنوں کو ان کا کمرہ دکھاؤ۔'' پشمینہ کی آواز پر تینوں نے پلوشہ کی طرف دیکھا' سیاہ گھیر دار قمیص شلوار میں ہم رنگ دوپٹہ سلیقے سے لیے وہ مصفرہ کو اچھی لگی تھی۔

''بیٹا...... چینج وغیرہ کرلو پھر کھانا کھا کر ایک بار ہی آرام کرنا آپ لوگوں کا سامان کمرے میں رکھوا دیا ہے۔'' مصفرہ نے جاتے ہوئے پشمینہ بی بی کے لب و لہجے پر چونک کر دیکھا وہ مصفرہ کے دیکھنے پر مسکرادیں۔

''میں میٹرک پاس ہوں۔'' ان کی وضاحت پر مصفرہ کو جھٹکا لگا جہاں تک اسے پتا تھا پٹھان اپنی عورتوں کو تعلیم نہیں دلواتے تھے' پلوشہ کی تو الگ بات تھی۔ پشمینہ بی بی بھی تعلیم سے تھوڑی بہت فیض یاب ہیں یہ اس کے لیے حیرت سے کم نہیں تھا پلوشہ اس کی حیرت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی اس لیے چلتے ہوئے اسے مختصراً بتانے لگی۔

''بی بی جان...... ہماری برادری کی پہلی خاتون ہیں جنہوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی ہے' بابا جان نے اسی لیے انہیں پسند کیا تھا حاتم لالہ نے ایم بی اے کیا ہے اور اپنا بزنس سنبھال رہے ہیں جبکہ زائم لالہ کا ماسٹر ابھی کمپلیٹ ہوا ہے اس لیے وہ زمینوں پر ہی ہوتے ہیں۔ میں نے پرائیوٹ ایف اے کیا ہے اور ابھی فارغ ہوں۔'' وہ تینوں خاموشی سے پلوشہ کو سن رہے تھے کہ اچانک پلوشہ کے رک جانے پر وہ تینوں بھی رک گئے ایک دبلی پتلی سی لڑکی ان کی راستے میں کھڑی ان کا بغور جائزہ لے رہی تھی اس نے پشتو میں پلوشہ سے کچھ کہا تو اس نے بے زاری سے پشتو میں ہی جواب دیتے اس کا تعارف ان سے کروایا۔

''مصفرہ آپی...... یہ میری تائی کی بیٹی زرینہ ہے۔'' انہوں نے اسے بغور دیکھا پراندے کو آگے کیے دوپٹے سے بے خبر عجیب طرح سے انہیں دیکھ رہی تھی' مصفرہ نے سلام کر کے باقی دونوں کا تعارف بھی کروایا تو وہ بڑی ادا سے بولی۔

''تو آپ لوگ ہیں چاچا کے خاص مہمان۔'' خاص مہمان پر خاصا زور ڈالا گیا تھا مصفرہ کو اس کے لہجے کی ناگواری با آسانی محسوس ہوگئی تھی۔

''چلیں آپی۔'' پلوشہ نے انہیں اشارہ کیا تو وہ لوگ دوبارہ اس کے پیچھے چل دیے ان کے کمرے رہائشی کمروں کے شروع میں برآمدے کی طرف سیٹ کروائے تھے پلوشہ انہیں لے کر پہلے کمرے میں داخل ہوگئی۔

''حنین' ریان...... آپ دونوں یہاں رہیں گے جبکہ مصفرہ آپی ساتھ والے کمرے میں ٹھہریں گی۔'' پلوشہ کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلا گئے' وہ مصفرہ کو لیے اس کے کمرے میں آگئی۔ ''یہ آپ کا روم ہے کیسا لگا آپ کو؟'' پلوشہ کے کہنے پر اس نے کمرے کا جائزہ لیا' خوب لمبا چوڑا کمرہ تھا' اونچی چھت' کھڑکیوں کے آگے بھاری بھرکم پردے گرے ہوئے تھے' درمیان میں ایک بیڈ اور سائیڈ ٹیبل دروازے کے پاس ہی ان کا سامان رکھا ہوا تھا ابھی وہ کمرہ دیکھ ہی رہی تھی کہ پلوشہ کی آواز پر چونکی۔

''مصفرہ آپی...... مجھے غلط مت سمجھئے گا لیکن زرینہ سے دور رہیے گا اور اس کی باتوں پر دھیان مت دیجیے گا' یہ شروع سے ہی ایسی ہے۔ ایک تائی جان کی تربیت کا نتیجہ اور دوسرا تایا کی وفات کے بعد سخت احساس کمتری کا شکار ہوگئی ہے اور اسی احساس کو چھپانے کے لیے بعض اوقات الٹی سیدھی حرکتیں بھی کردیتی ہے۔'' پلوشہ کے کہنے پر بغیر کسی حیرت کے اس نے اثبات میں سر ہلایا اتنا تو وہ اس سے مل کر ہی سمجھ گئی تھی۔ پلوشہ کے جانے کے بعد اس نے حنین اور ریان کا سامان انہیں دیا اور خود فریش ہونے واش روم چلی گئی' اس نے ہلکے سبز رنگ کی اوپن شرٹ کا انتخاب کیا جس کے گلے بازوؤں اور دامن پر اسکن ایمبرائیڈری تھی' ہم رنگ ٹراوزر کے ساتھ اسکن ڈوپٹہ سلیقے سے سر پر جمائے اس نے حنین اور ریان کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

''وی آر ریڈی آپی......'' دونوں نے نکلتے ہی بیک وقت کہا۔

''ویسے آپی...... ایمان سے بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' حنین نے اس کے سراپے پر نظر ڈالی تو اس نے مسکراتے

ہوئے اسے چپت لگائی۔
"تم دونوں بھی تو کسی سے کم نہیں لگ رہے۔" مصفرہ کی بات پر ریان نے کالر کھڑے کرتے ہوئے حنین کو چھیڑا تو وہ ہنس دی' برآمدے سے گزرتے ہوئے اس کی نگاہ نیلی قمیص شلوار میں ملبوس سگریٹ پیتے ہوئے سجاول پر گئی جو بڑے عجیب انداز میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا' مصفرہ کو دیکھنے پر وہ انتہائی لوفرانہ انداز میں ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔
"اے حسین لوگوں...... اپنا تعارف تو کراؤ کس دنیا سے آئے ہو؟" انتہائی چیپ انداز میں سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے وہ پوچھنے لگا اس کے انداز سے ہی مصفرہ اندازہ لگا چکی تھی کہ وہ کس قماش کا انسان ہے اس لیے بغیر جواب دیئے حنین اور ریان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے انتہائی ناگواری سے اس کے سائیڈ سے نکل گئی' سجاول اپنی اس توہین پر آگ بگولا ہو گیا۔
"کیا یہ حائم ہے؟ لیکن زائم تو اتنا مہذب اور سلجھا ہوا ہے' حائم اس قدر لوفر تو نہیں ہو سکتا خیر مجھے کیا پتا یہ حائم ہے کہ نہیں۔" وہ خود سے ہی سوال جواب کرتی دونوں کو لیے اسی کمرے میں چلی آئی جہاں وہ لوگ پہلے بیٹھے تھے اب وہاں پلوشہ اکیلی بیٹھی تھی۔
"میں آپ لوگوں کے انتظار میں ہی تھی' آئیں کھانے کے کمرے میں سب انتظار کر رہے ہیں۔" پلوشہ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور انہیں ساتھ لیے دوسری جانب چل دی' جس طرف وہ مڑے تھے غالباً وہ ڈائننگ روم تھا بڑے سے ہال میں ایک بڑی سی ڈائننگ ٹیبل طرح طرح کے کھانوں سے سجی ہوئی تھی۔
"ارے آؤ بیٹا...... ہم تم لوگوں کا ہی انتظار کر رہے تھے۔" دانیال خان نے ان کے داخل ہوتے ہی انہیں مخاطب کیا' ٹیبل کے ایک سرے پر مرد حضرات براجمان تھے جبکہ دوسری طرف خواتین بیٹھی ہوئی تھیں۔ پشمینہ نے پلوشہ اور مصفرہ کے لیے جگہ بنائی جبکہ حنین مریم کے ساتھ بیٹھ گئی اور ریان زائم کے ساتھ سب کے بیٹھنے کے باوجود ڈائننگ ٹیبل آدھی خالی تھی۔ مصفرہ نے ایک نظر حاضرین پر ڈالی سربراہی کرسی پر دانیال خان براجمان تھے' ان کے ایک طرف زمان عابدی بیٹھے تھے جبکہ دوسری طرف کرسی خالی تھی ان کے ساتھ ہی زائم اور اس کے مقابل ریان بیٹھا ہوا تھا جبکہ خواتین کی طرف سربراہی کرسی پر رقیہ خانم (تائی جان) براجمان تھیں ان کے ایک طرف ثمینہ اور دوسری طرف مریم بیگم بیٹھی ہوئی تھیں ان کے ساتھ ہی مصفرہ خود' پلوشہ اور مقابل حنین بیٹھی ہوئی تھی۔ کھانا انتہائی سادہ لیکن مزے دار لگ رہا تھا کافی ساری ڈشز تھیں لیکن اسے چکن پلاؤ کے علاوہ کچھ سمجھ نہیں آیا۔ مصفرہ نے جیسے ہی پلیٹ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا کمرے میں انتہائی عجلت میں کوئی مسکراتے ہوئے داخل ہوا۔
"معذرت خواہ ہوں بابا جانی اتنی دیر ہو گئی' انکل کیسے ہیں آپ؟" دانیال سے معذرت کرتے ہوئے وہ زمان سے مصافحہ کرنے لگا۔
"اور آنٹی آپ کیسی ہیں باقی سب سے کھانے کے بعد تعارف ہوگا بھئی سچ میں بہت بھوک لگی ہے۔" وہ انتہائی روانی میں مریم سے حال چال پوچھ کر مصفرہ' حنین اور ریان پر سرسری نظر ڈال کر دانیال کے ساتھ والی کرسی پر زمان کے مقابل بیٹھ گیا' دانیال خان نے فخریہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا انہیں اپنا یہ سادہ اور بے تکلف بیٹا جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔
"یہ میرا بڑا بیٹا حائم دانیال ہے۔" دانیال کے تعارف کروانے پر سب نے انہیں غور سے دیکھا ان کے لہجے میں مان ہی مان تھا اپنے بیٹے کے لیے۔ حائم نے ایک مسکراتی نظر اپنے بابا پر ڈالی جو اسے بہت چاہتے تھے' سب نے کھانا شروع کر دیا تھا۔ مصفرہ پلیٹ میں تھوڑے سے چاول نکال کر اس شخص کا جائزہ لینے لگی' سفید قمیص شلوار میں مردانہ قد کاٹھ' چوڑا سینہ' سفید رنگت' خوب صورت مردانہ نین نقش وہ واقعی حسن و وجاہت کا شاہکار تھا۔ مصفرہ نے شاید ہی اپنی زندگی میں اتنا شاندار اور پُر وقار مرد دیکھا تھا وہ اردگرد سے بے نیاز کھانا کھانے میں مصروف تھا لیکن اچانک مصفرہ پر نظر جاتے ہی چونک گیا وہ دیکھ رہی تھی' حائم کے نارمل سی اسمائل پاس کرنے پر مصفرہ سٹپٹا کر پلیٹ پر جھک گئی۔
"بھابی یہ سجاول اور زرینہ کہاں ہیں؟ کھانے پر کیوں نہیں آئے؟" دانیال خان کے اچانک سوال پر خاموشی کا حصار ٹوٹا رقیہ خانم خفت سے مہمانوں کو دیکھنے لگیں۔
"سجاول بہت تھکا ہوا تھا اس لیے اپنے کمرے میں آرام کر رہا ہے اور زرینہ کو بھوک نہیں تھی اس لیے میں نے

زبردستی نہیں کی۔‘‘ رقیہ کے شرمندگی سے بتانے پر دانیال لب بھینچ کر رہ گئے کھانے کے بعد قہوہ کا دور چلا اسی دوران زرینہ بھی آ گئی خواتین اپنی باتوں میں مشغول ہوگئیں جبکہ لڑکیاں بھی سر جوڑے بیٹھی ہوئی تھیں۔ مرد حضرات بھی الگ اپنے ہی قصے لیے بیٹھے تھے حائم جو بظاہر باتوں میں مشغول تھا دھیان ان لڑکیوں کی طرف ہی تھا۔

’’بابا جان...... میں ابھی آیا۔‘‘ حائم سب سے ایکسکیوز کرتا ہوا خواتین کی طرف آ گیا۔

’’حال بخیر آنٹی جی۔‘‘ حائم کی نرم لیکن بارعب آواز پر سب متوجہ ہوئے مریم کے بخیر کہنے پر وہ ان کی طرف جھک گیا مریم نے آگے بڑھ کر حائم کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کی فراخ وکشادہ پیشانی پر بوسہ دیا مصفرہ اپنی ماں کو اتنا بے تکلف دیکھ کر حیران ہو رہی تھی لیکن مریم جانتی تھیں کہ زمان یہاں کس مقصد کے لیے آئے ہیں اس لیے وہ حائم کو دیکھ کر مطمئن ہوگئی تھیں انہیں ایک دم ہی شوہر کا فیصلہ بہت پسند آیا تھا۔

’’آپ سنائیں بیٹا...... کیا چل رہا ہے آج کل؟‘‘ مریم کے استفسار پر وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

’’کچھ خاص نہیں بس لاہور سے ایک کام کے سلسلے میں آیا ہوا ہوں۔‘‘

’’حائم...... ان سے ملو یہ میری بڑی بیٹی مصفرہ یہ حنین اور وہ ریان۔‘‘ انہوں نے دو لڑکیوں کی طرف اشارہ کرکے مرد حضرات کی طرف سے اٹھ کر آتے زائم کے ساتھ ریان کی طرف اشارہ کیا۔

’’ویل نائس ٹو میٹ یو۔‘‘ حائم نے نہایت خوشدلی سے ان لڑکیوں کو دیکھ کر کہا۔

’’نائس ٹو میٹ یو ٹو مسٹر حائم۔‘‘ مصفرہ نے بااعتماد انداز میں اسے جواب دیا۔ مریم تعارف کروانے کے بعد خواتین کی جانب دوبارہ متوجہ ہوگئیں جبکہ زرینہ جو انتہائی ناگواری سے حائم کی خوش اخلاقیت دیکھ رہی تھی غصہ سے پیر پٹختی وہاں سے نکل گئی ایک پل تو سب نے ہی حیرت سے دیکھا لیکن دوسرے ہی پل سب پھر سے باتوں میں مگن ہوگئے۔

’’مصفرہ کیا کرتی ہیں آپ؟‘‘ حائم کے براہ راست مخاطب کرنے پر پہلے تو وہ اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی پھر خود کو نارمل کرتے ہوئے جواب دینے لگی۔

’’میں نے فائن آرٹس میں گریجویشن کیا ہے اور اب فارغ ہوں۔‘‘ مصفرہ کے بتانے پر وہ حیرت سے اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھنے لگا کوئی بات تو تھی اس میں کہ اس کی نظریں ہی پلٹنا بھول گئی تھیں۔

’’آؤٹ اسٹینڈنگ بھئی آپ کا سبجیکٹ تو بہت انٹرسٹنگ ہے۔‘‘ حائم کی مسکراہٹ گہری ہونے لگی تو اس نے اردگرد دیکھا جہاں زائم حنین ریان اور پلوشہ باتوں میں مشغول تھے۔

’’لالہ...... کیا راز و نیاز کی باتیں کی جا رہی ہیں یہاں آ جائیں ہم سب اتنے مزے مزے کے جوکس سنا رہے ہیں اسی بہانے آپ کے چہرے پر مسکراہٹ تو دیکھنے کو مل جائے گی۔‘‘ زائم کے پکارنے پر وہ ان کے درمیان جا کر بیٹھ گیا جبکہ مصفرہ حیرت سے آخری بات پر زائم کو دیکھتی ہوئی آگے کو سرکی مصفرہ کے اس طرح سے دیکھنے پر زائم نے وضاحت کر دی۔

’’وہ دراصل لالہ بہت کم مسکراتے ہیں تو اس لیے بول رہا تھا۔‘‘ اس کی بات پر حائم کو دیکھنے لگی جو زائم کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا اس نے تو جتنی بار بھی اسے دیکھا تھا مسکراتے ہوئے ہی دیکھا تھا اس بندے کی مسکراہٹ بھی اسی کی طرح شاندار اور مقابل کا دل موہ لینے والی تھی وہ سر جھٹک کر نان اسٹاپ بولتے ہوئے زائم کو سننے لگی۔

☆......☆......☆

اگلی صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ خود کو کافی فریش محسوس کر رہی تھی بال برش کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لینے لگی دیوار میں نصب ایل سی ڈی اور ہیٹر آبادی سے اتنی دور جدید رہن سہن اور سامان تعیش اسے حیران کرنے لگا۔ ایک پل کے لیے اسے لگا کہ وہ کسی وی آئی پی ہوٹل کے کمرے میں موجود ہے دروازے پر دستک ہوئی۔

’’یس کم اِن۔‘‘ مصفرہ نے بالوں کو وقتی طور پر کیچر میں جکڑ کر سر پر دوپٹہ لے لیا۔

’’گڈ مارننگ آپی...... آپ ریڈی ہوگئی ہیں تو چلیں۔‘‘ حنین اور ریان نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

’’آپی آپ کا روم بڑا شاندار ہے۔‘‘ اب کی بار ریان نے دلچسپی سے کہا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا پلوشہ کے آنے پر مصفرہ نے اس سے درخواست کی کہ وہ پہلے انہیں ماما پاپا

کے روم میں لے جائے وہ انہیں زمان اور مریم کے کمرے کے باہر چھوڑ کر چلی گئی۔

''گڈ مارننگ ماما' پاپا.....'' تینوں نے بیک وقت انہیں وش کیا تو انہوں نے آگے بڑھ کر انہیں گلے لگایا۔

''کیسی گزری رات آپ لوگوں کی۔'' زمان کے استفسار پر سب نے اپنی اپنی کہانیاں شروع کردیں۔

''بھئی بس بھی کرو پلوشہ ناشتے کے لیے کب سے بلا کے جاچکی ہے' باقی باتیں بعد میں ہوں گی چلو شاباش۔'' مریم کی دخل اندازی پر سب اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے نکل گئے' ناشتے کی میز پر گھر کے تمام نفوس براجمان تھے زرمینہ اور سجاول بھی۔ دانیال کے گھورنے پر سجاول نے بیٹھے بیٹھے ہی زمان کو سلام کیا' جس کا جواب دیتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بیٹھ گئے۔

''صبح بخیر انکل۔'' حائم اور زائم کے کہنے پر زمان نے مسکرا کر دونوں کو جواب دیا' دانیال جو سجاول کی ہٹ دھرمی پر سخت نالاں نظر آرہے تھے ان دونوں کے رویے سے مطمئن ہوگئے سب لوگ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ رقیہ اور زرمینہ کا سرد رویہ مریم اور مصفرہ صاف محسوس کررہی تھیں لیکن پشمینہ کی خوش اخلاقی اور ملنساری میں اسے نظر انداز بھی کررہی تھیں' ناشتا شروع ہوچکا تو مصفرہ نے ٹیبل پر بیٹھے نفوس پر نظر دوڑائی اس کی نظر جیسے ہی سجاول پر گئی ناگواری سے اس نے سر جھٹک دیا' انتہائی عجیب انداز میں وہ اپنی نظریں مسلسل مصفرہ پر گاڑھے ہوئے تھا۔

زمان نے بھی سجاول کے اس عمل کو نوٹ کیا ان کے چہرے سے صاف ناگواری ظاہر ہورہی تھی' حائم ماحول کی نزاکت محسوس کرگیا تھا جبکہ باقی سب ناشتے میں ہی مصروف تھے' دانیال نے حائم کے ہاتھ کا دباؤ اپنے ہاتھ پر محسوس کرکے اس کی طرف دیکھا تو ماحول کی سنگینی کا احساس ہوا غصے سے وہ آگ بگولہ ہوگئے لیکن انہوں نے تحمل سے سوچتے ہوئے جلدی سے ایک فیصلہ دیا۔

''بھابی.....'' دانیال کے رقیہ کو مخاطب کیے جانے پر سب ان کی جانب متوجہ ہوئے' سجاول نے بھی انہیں دیکھا جو اسے انتہائی غصے سے دیکھ رہے تھے۔

''ناشتے کے بعد سجاول کا سامان پیک کردیں اسے تھوڑی دیر میں ایک کام سے بھیج رہا ہوں اور ہاں اسے وہاں تقریباً ایک ڈیڑھ مہینہ بھی لگ سکتا ہے۔'' دانیال کے تحمل سے کہنے پر رقیہ تو خوشی سے نہال ہوگئی کہ ان کے نالائق بیٹے کو دانیال نے کسی کام کا تو سمجھا دوسری طرف سجاول اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ دانیال اسے محض زمان کی فیملی سے دور رکھنے کے لیے ایسا کررہا ہے' حائم اور زائم نے دانیال کی طرف دیکھا جو لب بھینچے چائے کے کپ پر انگلی پھیر رہے تھے۔

''ٹھیک ہے تم بے فکر رہو میں ابھی سامان پیک کروادیتی ہوں۔'' رقیہ خوش ہوتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں' دانیال اب بھی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ سجاول خاموشی سے سر جھکائے کیوں بیٹھا ہے انہیں پورا یقین تھا کہ وہ انکار کردے گا لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا' رقیہ کے اٹھتے ہی باقی سب بھی اٹھنے لگے۔

''بابا جان میں ابھی جارہا ہوں جرمنی سے جو پارٹی آئی ہوئی ہے' آج ان سے میری ڈیل ہے شام سے پہلے آجاؤں گا۔'' زمان اور دانیال کے اٹھتے ہی وہ بھی کھڑا ہوگیا اور دانیال سے اجازت لے کر زمان کی طرف گھوما۔

''اوکے انکل.....شام کو ملاقات ہوگی۔'' حائم کی خوش اخلاقی پر انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا۔'' سجاول جو اس پیار بھرے ڈرامے کو ناگواری سے دیکھ رہا تھا اٹھ کھڑا ہوا کمرے سے نکلنے سے پہلے اسے اپنے پیچھے دانیال کی آواز سنائی دی۔

''سجاول ایک گھنٹے تک میرے پاس آجانا میں تمہیں کام سمجھادوں گا پھر تمہیں نکلنا بھی ہے۔'' سجاول نے مڑنے کی زحمت نہیں کی اور ان سنی کرتا دروازہ عبور کرگیا' زمان نے بھی خاص طور پر اس کی یہ حرکت محسوس کی۔

حائم زائم کے ساتھ باہر نکلا تو لان میں پلوشہ کے ساتھ مصفرہ' حنین اور ریان کو چہل قدمی کرتے دیکھ کر رک گیا' بے بی پنک کلر کی شیفون کی فراک کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ اور ہم رنگ بڑا سا دوپٹہ سر پر ٹکائے جو اس کی لمبی گھنی زلفوں کو چھپانے میں ناکام ہورہا تھا وہ کوئی روئی کا گالہ محسوس ہورہی تھی اسے اپنی طرف دیکھتے پاکر وہ ان کی طرف بڑھ گیا۔

''میں ایک کام کے سلسلے میں جارہا ہوں' شام تک واپسی ہوگی تب تک زائم اور پلوشہ آپ لوگوں کو کمپنی دیں گے' شام کو میں بھی حاضر ہوجاؤں گا تب تک کے لیے اللہ حافظ۔'' ٹھہرے ہوئے انداز میں وہ کہہ کر سب کو دیکھنے لگا۔

مصفرہ خاموشی سے کھڑی اس کی چوڑی پشت کو دیکھنے لگی‘ بلیک پینٹ وائٹ شرٹ اور بلیک واسکٹ میں وہ غضب کی وجاہت رکھتا تھا اس نے نظریں ہٹا کر دوسری طرف دیکھا تو نظریں خود بخود سجاول پر ٹھہر گئیں جو انتہائی ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے ان کے قریب سے گزر گیا۔ ”کیسا اجڈ جاہل گنوار ہے دیکھنے کی تمیز بھی نہیں ہے۔“ وہ اسے دل ہی دل میں کوستی پلوشہ کی جانب متوجہ ہوگئی۔ پلوشہ انہیں حویلی کے پیچھے باغ دکھانے لے آئی‘ قد آور اخروٹ کے درخت جن پر سبز اخروٹ لگے تھے۔ خوبانی کے درخت‘ رسیلی خوبانیاں دیکھ کر تو اس کے منہ میں پانی آنے لگا اور خوب صورت ہواؤں نے ان کی خوشبو کو مزید بڑھا دیا وہ بے ساختہ زائم کو دیکھ کر خوشی سے چلائی۔

”زائم جلدی آؤ۔“ پلوشہ اسے خوش دیکھ مسکرانے لگی وہ جانتی تھی کراچی والوں کے لیے یہ سب نظارے بالکل نئے ہیں۔

”زائم مجھے یہ خوبانی توڑ کردو پلیز۔“ زائم اس کی التجا پر ہنسنے لگا۔

”زائم بھیا...... آپی نے ایسی بھی کچھ انوکھی التجا نہیں کی جو آپ یوں لوٹ پوٹ ہورہے ہیں۔“ زائم کے مسلسل ہنسنے پر ریان نے چوٹ کی تو وہ سیدھا ہوا۔

”سوری وہ دراصل میں آپ کی آپی محترمہ کی بچوں کی طرح فرمائش کرنے پر ہنس رہا ہوں‘ آپ لوگ خود کو مہمان نہ سمجھیں اپنا ہی گھر سمجھیں اور کسی چیز کے لیے بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں۔“ ہنستے ہوئے زائم نے آخر میں سنجیدگی سے کہتے ہی ڈھیر ساری خوبانیاں توڑ کر ان کو پکڑا دیں۔

”واؤ زائم بھائی میں نے آج تک اتنی شاندار خوبانی نہیں کھائی۔“ اب حنین نے کہا تو باقیوں نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

”ہمارے باغات کے اخروٹ اور خوبانی بہت مشہور ہیں‘ ہم ان کا کاروبار کرتے ہیں۔ بڑے پیمانے پر کنٹریکٹس سائن ہوتے ہیں‘ باہر ممالک سے لوگ ڈیلز کرنے آتے ہیں۔ میں آج کل فارغ ہوں اس لیے زمینوں پر ہی ہوتا ہوں‘ حائم لالہ نے اپنی مرضی سے ایم بی اے کرنے کے بعد لاہور میں ہی اپنا بزنس اسٹیبلش کیا ہے‘ انہیں زمینوں سے خاص لگاؤ نہیں تھا اس لیے بابا جان نے بھی کبھی فورس نہیں کیا کیونکہ وہ خود بھی بزنس اور فنانس کی طرف جانا چاہتے تھے لیکن دادا جان نے انہیں زمینوں کے کاموں میں انوالو کردیا اور پھر انہوں نے بھی اپنی ساری توجہ اور محنت ان زمینوں کو دے دی اگر آج آپ لوگ یہ سب شان و شوکت دیکھ رہے ہیں تو صرف بابا جان کی بدولت۔“ زائم کے لہجے میں ڈھونڈنے سے بھی غرور یا تکبر کا کوئی شائبہ نہیں تھا بلکہ وہ بڑے مان سے اپنے بابا سے عقیدت کا اظہار کررہا تھا۔

”اور اب میں بھی سوچ رہا ہوں زمینوں پر کام بہت بڑھ گیا ہے بابا اکیلے نہیں سنبھال سکتے‘ اس لیے میں اپنا خاندانی بزنس سنبھالوں گا۔“ بات کے اختتام پر وہ ذرا شوخ ہوا‘ مصفرہ نے غور سے اسے دیکھا کس قدر پیار اور قابل پُرکشش‘ بلا کا شوخ‘ شرارت سے بھرپور اور زندگی کے قریب وہ مخلص پلوشہ کا بھائی تھا اسے پلوشہ کی قسمت پر رشک آیا جسے اتنا بہترین بھائی ملا تھا۔

دوپہر کا کھانا کھا کر سب آرام کررہے تھے‘ مصفرہ بھی اپنے کمرے کی کھڑکی کھولے کھڑی تھی یہ کھڑکی حویلی کے دائیں طرف کھلتی تھی۔ کھڑکی کے پٹ کھولے وہ اردگرد کے حسین نظاروں میں کھوئی ہوئی تھی‘ اسے یہ منظر بہت پسند آیا‘ آسمان سے باتیں کرتے دیوہیکل درخت جن کے پتے صاف اور چمکیلے تھے‘ فلک اس قدر صاف و شفاف اور نیلا تھا کہ شاید ہی اس نے اپنی زندگی میں اتنے شفاف بادلوں سے سجا آسمان دیکھا ہو۔ وادی ہر طرح کے خوب صورت پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی‘ غیر ہموار راستے اور حد نگاہ تک پھیلے اونچے اونچے پہاڑ اس کی دیوانگی کو بڑھانے لگے‘ اس کا جی چاہا وہ حویلی سے نکلے اور خوب مزے لے کر ان راستوں پر چہل قدمی کرے اور اس خوب صورتی کو محسوس کرے۔ وہ کسی احساس کے تحت ایک دم ہی ساتھ والے کمرے میں داخل ہوئی‘ ریان سو رہا تھا جبکہ حنین الماری میں کپڑے رکھ رہی تھی‘ مصفرہ کو دیکھتے ہی فوراً بولی۔

”آپی آپ...... آجائیں۔“

”حنین...... کیمرہ کہاں ہے‘ مجھے کیمرہ چاہیے۔“

”یہ لیں آپی‘ لیکن آپ اس وقت اس کا کیا کریں گی۔“

”تم بھی آجاؤ۔“ وہ اس کی بات نظر انداز کرتے اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ ”یہ دیکھو“ اس نے کھڑکی سے باہر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ماشاء اللہ آپی...... کیا خوب صورت نظارہ ہے۔'' وہ کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے بڑے اشتیاق سے بولی تو مصفرہ اسے برابر میں کھڑے ہوکر تصاویر اتارنے لگی۔

''سچ آپی...... روز روز اگر یہ نظارے دیکھنے کو مل جائیں تو انسان کی روح تک سرشار ہوجائے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا' حنین غور سے اسے دیکھنے لگی قدرتی مناظر کی تصاویر لینے میں پوری طرح مگن وہ بھی اسی منظر کا ایک حصہ محسوس ہورہی تھی۔

''آپی سچ میں آپ کیمرہ پکڑے اسی وادی کا پھول لگ رہی ہو۔'' حنین نے اپنے دل کی بات کی تو مصفرہ نے تصویر کھینچتے ہوئے اسے چونک کر دیکھا۔

''اس میں تو واقعی کوئی شک نہیں۔'' پلوشہ جونجانے کب ان کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی حنین کی تائید کرنے لگی' وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''اچھا بس اب اتنا بھی سرمت چڑھاؤ۔'' مصفرہ نے ہنستے ہوئے کہا تو چلانے کی آواز پر وہ تینوں چونکیں۔ یہ اتنے غصے میں کون بول رہا ہے مصفرہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ پلوشہ بولی۔

''بابا جان...... اتنے غصے میں کیوں ہیں اللہ خیر کرے۔'' وہ کہتی ہوئی کمرے سے نکلی تو حنین اور مصفرہ بھی اس کے پیچھے چل دیں' راہداری میں زمان اور مریم بھی کھڑے دکھائی دیئے۔

''بھابی...... اس سے پوچھیں یہ کیوں نہیں گیا جب میں نے صبح کہہ دیا تھا کہ ایک گھنٹے بعد اسے جانا ہے تو یہ کہاں غائب ہوگیا تھا پوچھیں اس سے۔'' دانیال خان غصے سے پھٹ پڑے' ان کا اضطراب دیکھنے لائق تھا' پلوشہ اور مصفرہ جو کمرے میں قدم رکھنے والی تھیں سہم کر پیچھے ہٹ گئیں اور وہیں دروازے میں جم گئیں جبکہ مریم اور زمان اندر داخل ہوئے تو رقیہ جو سجاول کی طرف بڑھ رہی تھی انہیں دیکھ کر ناگواری سے منہ پھیر گئی رقیہ کی اس حرکت پر پشیمنہ مریم کو لے کر صوفے پر بیٹھ گئیں جبکہ زمان دانیال کو الجھن بھرے انداز میں دیکھنے لگا۔

''کیا ہوگیا ہے یار...... اپنا ضبط کیوں کھو رہے ہو' طبیعت خراب ہوجائے گی۔'' زمان نے انہیں ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کہا تو وہ مزید طیش سے سجاول کی طرف بڑھے۔

''جب میں نے صبح تمہیں کہا تھا کہ تمہیں خضدار جانا ہے تو تم جان بوجھ کر کہاں غائب ہوگئے تھے' نہیں جانا تھا تو سیدھے منہ بکواس کرتے میں کوئی دوسرا انتظام کر لیتا۔'' زمان نے ایک ناگوار نظر بے پروا کھڑے سجاول پر ڈالی اور دانیال کو پکڑ کر بٹھایا۔

''بی ریلیکس یار......'' زمان کے کہنے پر دانیال نے سجاول کو دیکھ کر پشتو میں نہ جانے کیا کہا کہ بُت بنا سجاول پشتو میں ایسے دھاڑا کہ ہر فرد اپنی جگہ ساکت ہوگیا' اب وہ انگلی اٹھا کر دانیال خان کو نجانے کیا کچھ کہہ رہا تھا' دانیال نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑا اور اسے دو تھپڑ جڑ دیئے' سجاول سب کے سامنے اپنی اس بے عزتی پر آگ بگولہ ہوگیا' وہ دانیال کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اچانک زمان عابدی بیچ میں آ گئے۔ سجاول نے انہیں دھکا دے کر سائیڈ پر کیا تو زائم جو ابھی ہی آیا تھا زمان کو تھام لیا۔

''نکل جاؤ اس حویلی سے' آئندہ جو قدم رکھا یہاں تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔'' اس ساری گفتگو میں یہ جملہ اردو میں کہا گیا تھا۔

''صرف تمہاری حویلی نہیں ہے میرے باپ کی بھی ہے۔'' دانیال کے غصے سے کہنے پر اس نے بپھرے ہوئے انداز میں کہا تو دانیال مزید آگ بگولہ ہوگئے۔

''کمینے۔ میری محنت کی کمائی سے بنی ہے یہ حویلی' تمہارے باپ مرحوم کو بھی اتنی ہی زمینیں دی گئی تھیں جتنی مجھے۔ لیکن اس نے کیا کیا' ساری زندگی گھر پر بیٹھا رہا اور زمینوں کو رول دیا ان کے مرنے کے بعد اگر میں نے تم لوگوں کو اس حویلی میں خوش آمدید کہا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر تم لوگوں کا کوئی حق ہے' میں چاہوں تو ابھی تم لوگوں کو اس حویلی سے بے دخل کرسکتا ہوں لیکن نہیں میں اتنا کم ظرف نہیں ہوں۔'' وہ نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہے تھے لیکن آواز اب بھی ان کی اونچی ہی تھی' رقیہ بی بی اب ان سے اونچی آواز میں بحث کرنے لگیں مصفرہ نے ناسمجھی سے اِدھر اُدھر دیکھا تو نظر مریم پر گئی جنہوں نے مصفرہ کو دیکھتے ہی جانے کا اشارہ کیا۔ مصفرہ حنین کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی اس کے باوجود بھی وقتاً فوقتاً رقیہ' سجاول اور دانیال کی آوازیں آرہی تھیں تقریباً آدھے گھنٹے بعد بالکل

خاموشی ہوگئی تو مصفرہ ہمت کرکے اٹھی حنین کو اس کے کمرے میں چھوڑا اور خود پاپا کے روم میں آگئی وہاں پر ماما کو اکیلے بیٹھے دیکھ کر ان کی طرف بڑھی۔

''ماما کیا ہوا' پاپا کہاں ہیں؟'' مصفرہ نے بے چینی سے پوچھا تو انہوں نے اسے دلاسہ دیا۔

''وہ دانیال بھائی کے پاس ہیں ان کا بی پی ہائی ہوگیا ہے۔'' مریم کے مختصراً کہنے پر مصفرہ نے ہمت کرکے پوچھ ہی لیا۔

''ماما...... انکل اور سجاول میں کیا بحث ہورہی تھی؟'' اس نے جان کر بھی انجان بننے کی کوشش کی تو مریم ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولیں۔

''اللہ بہتر جانے مصفرہ...... ہمیں کیا پتا لیکن جہاں تک میں نے محسوس کیا ہے سجاول کی حرکتیں ٹھیک نہیں ہیں اسی لیے دانیال غصے میں تھے اور رقیہ بھی سجاول کی حمایت کررہی تھی۔ مجھے تو لگتا ہے رقیہ بیگم نے اپنے بچوں کی صحیح تربیت نہیں کی' زرینہ ہے تو وہ ہر وقت منہ بنا کر بیٹھی رہتی ہے اور سجاول کو دیکھا تھا کیسے دانیال کی طرف آرہا تھا' اُف اللہ کس قماش کی اولاد ہے ان کی۔'' مریم انتہائی دکھ اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں کہہ رہی تھیں۔

''ماما چھوڑیں نا وہ لوگ جیسے بھی ہیں ہمیں کیا' آپ ریلیکس ہوجائیں پلیز۔'' وہ مریم کے اچانک ہی اسٹریس لینے سے پریشان ہوگئی' اس لیے مزید کوئی بات کرنے کے بجائے اپنے کمرے میں آگئی لیکن ذہن اب بھی بری طرح الجھا ہوا تھا' اسی پریشانی میں وہ بستر پر دراز ہوئی تو نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

''زمان تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے تمہیں یہاں کس خاص مقصد کے لیے بلایا ہے' میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد یہ کام بھی ہوجائے تم مصفرہ سے بات کرلو' کوئی زور زبردستی نہیں ہے بس میری زندگی کا کچھ نہیں پتا اوپر سے بھابی اور سجاول کا رویہ تمہارے سامنے ہے' قبیلے والوں کو تو میں کسی طرح راضی کرلوں گا لیکن ان لوگوں سے نمٹنا اتنا آسان نہیں ہے۔ کل کلاں کو مجھے کچھ ہوگیا تو پشمینہ اکیلے یہ سب نہیں سنبھال پائے گی۔'' دانیال خان نہایت کرب سے زمان سے التجا کررہے تھے ان کے دل کو کچھ ہوا۔

''دانیال حوصلہ رکھو کیسی ناامیدی کی باتیں کررہے ہو' اللہ تمہیں صحت دے اور تم اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھو۔ میں مریم اور مصفرہ سے بات کرکے تمہیں جواب دیتا ہوں' تم اطمینان رکھو۔'' زمان کے کہنے پر دانیال نے زمان کے ہاتھ تھام لیے۔

''شکریہ زمان...... بس میری ایک التجا ہے کہ حائم اور مصفرہ کا جلد از جلد نکاح کردینا چاہیے' رخصتی تم جب چاہو تب کرلینا۔'' زمان نے اپنے جگری دوست کو دیکھا کتنا ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا' انہوں نے اس کے ہاتھوں پر بوسہ دے کر اثبات میں سر ہلا کر انہیں پورا یقین اور اطمینان دلایا' آپس میں بات کرتے ہوئے ان دونوں کو کھڑکی کے پاس کھڑی زرینہ کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا۔

❁......❁......❁

''مریم...... مجھے لگتا ہے ہمیں مصفرہ سے چل کر بات کرلینی چاہیے' دانیال کی التجا بڑھتی جارہی ہے اور میں اپنے دوست کو اس قدر دکھی نہیں دیکھ سکتا۔ حائم دیکھا بھالا بچہ ہے نیک اور شریف بھی ہے ہمیں اب فیصلہ کرلینا چاہیے۔'' کمرے میں آتے ہی زمان مریم کے پاس آبیٹھے اور ان سے مشورہ کرنے لگے' مریم شوہر کی پریشانی بخوبی سمجھتی تھیں لیکن وہ ماں تھیں ہر پہلو پر نظرثانی کرلینا چاہتی تھیں۔

''زمان...... حائم تو ماشاء اللہ بہت تمیزدار اور باادب لڑکا ہے' اپنا بزنس بھی ہے لیکن......''

''لیکن کیا......؟'' مریم کو شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر وہ بھی الجھ گئے۔

''سمجھ نہیں آرہی کیسے کہوں لیکن آپ تو دیکھ رہے ہیں نا رقیہ بھابی اور ان کے بچوں کا دانیال کی فیملی کے ساتھ کیسا سرد رویہ ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بچی بھی اس ماحول میں ان کی سردمہری کا نشانہ بنے۔''

''کیسی بیکار کی باتیں کررہی ہیں مریم بیگم...... مجھے کم از کم آپ سے یہ امید نہیں تھی' مصفرہ کی شادی حائم سے ہوگی نہ کہ حائم کے گھر والوں سے اور دانیال کی پوری فیملی ہی بہت ملنسار اور خوش اخلاق ہے جہاں تک رقیہ بھابی کی بات ہے تو جیسے باقی گھر والے رہ رہے ہیں' ہماری بیٹی بھی رہ لے گی۔ میری بیٹی بہت صابر ہے اور آپ اس بات کی کیا گارنٹی دے سکتی ہیں کہ ہم اگر اس کی شادی کہیں اور کریں گے تو وہاں اسے مکمل پُرامن ماحول فراہم کیا جائے گا۔ مریم بیگم...... عقل

سے کام لیں ابھی تو صرف نکاح کریں گے رخصتی بعد میں ہوگی تب تک شاید رقیہ اور سجاول کا رویہ بھی ٹھیک ہوجائے۔'' زمان کے تحمل سے سمجھانے پر مریم مطمئن ہوگئیں لیکن پھر کسی خیال کے تحت بولیں۔

''زمان نکاح...... نکاح کی ابھی کیا ضرورت ہے منگنی کریں گے ناں۔'' مریم کے دوبارہ استفسار پر زمان نے انہیں ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ شرمندہ ہوگئیں۔

''دانیال چاہتا ہے کہ نکاح کیا جائے اور میں بھی منگنی کے بجائے نکاح جیسے مضبوط بندھن پر یقین رکھتا ہوں۔'' زمان دوٹوک لہجے میں کہتے ہوئے اٹھ کر دوسری طرف بیڈ پر دراز ہوگئے۔ ''ہم شام میں مصفرہ سے بات کریں گے اب تم بھی آرام کرو۔'' زمان کے کہنے پر مریم بھی اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

❀......❀......❀

مصفرہ کی اچانک آنکھ کھلی تھی وہ ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''یا اللہ یہ کیسا خواب تھا۔'' وہ سوچتے ہوئے مسلسل پریشان ہورہی تھی جب ہوا کے تیز جھونکوں نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا' مصفرہ نے گردن گھما کر دیکھا کھڑکی کے پٹ کھلے ہوئے تھے اور ہوا سے پردے پھڑ پھڑا رہے تھے' وہ بیڈ سے اتری اور کھڑکی کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی۔ کھڑکی سے نظر آنے والے حسین منظر کو دیکھتے وہ تھوڑی دیر پہلے دیکھے جانے والے خواب کو یکسر بھول گئی تھی' خود کو تروتازہ محسوس کرتے ہوئے وہ کھڑکی بند کرکے باتھ روم میں گھس گئی' جب شاور لے کر باہر نکلی تو ماما پاپا کو اپنا منتظر پایا۔

''مصفرہ...... ہمیں آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' زمان نے سنجیدہ لہجے میں اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''پاپا...... آپ کو کب سے مجھ سے بات کرنے کے لیے اجازت کی ضرورت پڑنے لگی۔'' اس کے الجھن زدہ لہجے پر زمان نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے برابر بٹھالیا۔

''بیٹا دراصل بات کچھ یوں ہے کہ...... سمجھ نہیں آرہا کیسے کہوں' مریم آپ ہی بات کریں۔'' زمان کے سنجیدہ لہجے پر مصفرہ نے ماں کی طرف الجھتی نظروں سے دیکھا تو مریم نے مسکراتے ہوئے اس کا گلابی چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''مصفرہ...... دانیال صاحب چاہتے ہیں کہ ان کی اور زمان کی دوستی رشتہ داری میں بدل جائے وہ تمہیں اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں' ہمارے یہاں آنے کا خاص مقصد یہی تھا۔'' مریم نے ٹھہرے ہوئے انداز میں ساری بات اس کے گوش گزار کردی جو بے یقینی اور حیرت سے کبھی زمان اور کبھی مریم کو دیکھ رہی تھی۔

''بیٹا...... حائم بہت اچھا لڑکا ہے' اپنا بزنس ہے اس کا' مجھے پورا یقین ہے آپ اس کے ساتھ خوش رہیں گی۔'' زمان کی مزید وضاحت پر مصفرہ نے زمان کو دیکھا جو نہایت مان سے اسے دیکھ رہے تھے' مصفرہ کے گم صم انداز پر مریم نے خاموشی کو توڑتے ہوئے دوبارہ گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔

''بیٹا آپ اچھی طرح سے سوچ لو کوئی زبردستی نہیں ہے لیکن ہمیں دانیال بھائی کو جلد ہی کوئی جواب دینا ہوگا۔'' مصفرہ نے سر اٹھا کر دونوں کا جائزہ لیا جو آنکھوں میں امید لیے اس کے پاس بیٹھے تھے۔

''مجھے کچھ وقت چاہیے سوچنے کے لیے۔'' کچھ دیر بعد اس نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا تو زمان اور مریم گہری سانس خارج کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اوکے بیٹا کل صبح تک ہمیں آپ کا جواب مل جانا چاہیے۔'' زمان نے مصفرہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئے' اسے اسی طرح بیٹھے نجانے کتنا وقت گزر چکا تھا' جیسے جیسے وہ سوچتی جارہی تھی اس کا دماغ اس قدر ماؤف ہوتا جارہا تھا۔ ''حائم کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہوسکتا ہے اس میں تو کوئی شک نہیں ہے لیکن یہ سب اچانک کیسے ہورہا ہے' مجھے اچھا کیوں نہیں لگ رہا یہ سب۔ کچھ دیر پہلے میں نے بھی تو یہاں ہمیشہ رہنے کی دعا کی تھی تو کیا دعائیں اتنی جلدی قبول ہوجاتی ہیں؟ میں اتنی دور ماما پاپا' حنین اور ریان کے بغیر یہاں کیسے رہوں گی' نہیں میں یہاں نہیں رہ سکوں گی۔ ماما پاپا کے بغیر تو کہیں بھی رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا' اس کی نظر گھڑی کی طرف گئی جو ساڑھے چھ بجارہی تھی اس نے اپنے اردگرد دیکھا جہاں اندھیرا گہرا ہوتا جارہا تھا اس نے اٹھ کر کمرے کی ساری لائٹس آن کردیں' حبس تھا کہ بڑھتا ہی جارہا تھا وہ کھڑکی کی طرف آگئی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

سورج ڈھل رہا تھا ہر طرف آسمان سرخ نظارہ پیش کر رہا تھا اس نے زندگی میں پہلی بار سورج ڈھلنے کا یہ منظر دیکھا تھا' تھوڑی دیر کے لیے وہ سب کچھ بھول بھال کر اس منظر میں کھو گئی اور پھر بھاگ کر پاس ہی رکھا کیمرہ اٹھا کر اس حسین منظر کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کرنے لگی' حائم جو ایک گھنٹے پہلے ہی لوٹا تھا' فریش ہو کر اس کے کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ اچانک نظر کھلے دروازے سے کھڑکی کے پاس کیمرہ پکڑے کھڑی مصفرہ پر جا ٹکی' وہ مبہوت سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا' جب زرینہ نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونکا۔

''ایسا کیا ہے اس لڑکی میں جو زرینہ خانم میں نہیں؟'' بڑی ادا سے وہ حائم کے سامنے دوپٹہ لہراتے ہوئے بولی۔ زرینہ کے بے باک انداز پر حائم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا منہ توڑ دے' اسی پل مصفرہ نے مڑ کر دونوں کو دیکھا' ان کی نظر بھی اس سے ملی۔ حائم نے اس کے دیکھنے پر اسمائل پاس کرنے پر ہی اکتفا کیا جبکہ زرینہ ناگواری سے رخ موڑ گئی' مصفرہ نے بھی الجھن بھرے انداز میں دونوں کو دیکھتے ہوئے رخ موڑ لیا' حائم ایک نفرت بھری نگاہ زرینہ پر ڈالتے ہوئے جیسے ہی آگے بڑھنے لگا زرینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تم نے جواب نہیں دیا کس چیز کی کمی ہے مجھ میں بتاؤ؟'' وہ دھیمی آواز میں چیختی ہوئی پشتو میں اس سے مخاطب ہوئی' حائم نے نفرت سے جھٹکا دیتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''شرم وحیا کی۔'' حائم کے کہنے پر زرینہ کو لگا جیسے اس نے اسے تھپڑ مارا ہو سخت طیش میں وہ جانے کے لیے پلٹی تو مصفرہ کو کھڑکی بند کیے اپنی طرف ہی دیکھتے پا کر وہ طنزیہ انداز میں مسکراتی اس کی جانب بڑھی۔

''تھوڑا ناراض ہے مجھ سے لیکن تم فکر مت کرو میں جلد ہی منالوں گی' مجھ سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتا محبت کرتا ہے نا مجھ سے۔'' وہ مصفرہ کو بہت کچھ جتاتے ہوئے ایک ادا سے اس کے کمرے سے نکل گئی۔

''اوہ مائی گاڈ...... کیا یہ سچ ہے حائم ایسا لگتا تو نہیں ہے اور ابھی ماما پاپا اس سے میرا رشتہ جوڑنے کی بات کر رہے تھے تو کیا اسے نہیں پتا۔ ایسے کیسے ہوسکتا ہے اس سے پوچھے بغیر اتنا بڑا فیصلہ تو نہیں کیا جاسکتا' تو یہ سب جو میں نے دیکھا وہ کیا تھا' اُف میرا سر پھٹ جائے گا۔'' وہ مسلسل کمرے میں چکر لگاتے ہوئے بڑبڑائی جارہی تھی۔

''مصفرہ آپی...... آپ مجھے غلط مت سمجھیے گا لیکن زرینہ سے دور رہیے گا اور اس کی باتوں پر دھیان مت دیجیے گا۔ تایا کی وفات کے بعد سخت احساس کمتری کا شکار ہوگئی ہے اور اسی احساس کو چھپانے کے لیے بعض اوقات الٹی سیدھی حرکتیں بھی کرتی ہے۔'' مصفرہ کو اچانک ہی پلوشہ کی اس رات کی بات یاد آئی۔ ''تو کیا یہ سب جھوٹ تھا۔ زرینہ نے جان بوجھ کر یہ سب کیا ہے ہاں تبھی تو حائم نے کتنی بری طرح اس کا ہاتھ جھٹکا تھا' ہاں زرینہ مجھے کنفیوژ کرنا چاہتی ہے۔'' وہ دل ہی دل میں خود کو پُرسکون کرنے لگی۔

''مصفرہ آپی...... آج تو آپ کا کمرے سے نکلنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں ہے۔'' اس نے پلوشہ کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا تو حنین اور ریان کو بھی اس کے ہمراہ پایا۔

''آ...... آں...... ہاں...... بس میں ابھی آ ہی رہی تھی۔'' اس نے ہڑبڑا کر جواب دیا اور حلیہ درست کرتی کھڑی ہوگئی۔

''چلو اب......'' انہیں اسی طرح کھڑے دیکھ کر اس نے کہا۔

سب لان ہی میں محفل جمائے بیٹھے تھے' گارڈن کافی بڑا تھا لیکن درمیان میں راہداری کی وجہ سے تقسیم ہوجاتا تھا۔ گارڈن کے ایک طرف سب بڑے کرسیوں پر براجمان تھے تو دوسری طرف حائم' زائم اور زرینہ بیٹھی ہوئی تھی' دوپہر کے برعکس سب کے موڈ خوشگوار تھے اور دوپہر والی تلخی کا کہیں کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔ گارڈن کی طرف آتے ہوئے ان چاروں کو سب نے ہی دیکھا دانیال اور پشمینہ نے بڑی چاہ سے اسے دیکھا جو سلیقے سے دوپٹہ سر پر جمائے واقعی بہت باوقار لگ رہی تھی' رقیہ جس کی توجہ ان کی طرف ہی تھی دانیال اور پشمینہ کے مصفرہ کے سلام کے جواب میں والہانہ انداز پر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ زرینہ کے منہ سے سن تو وہ سب چکی تھیں لیکن موقع کے انتظار میں خاموش تھیں' وہ تو مطمئن تھیں کہ حائم سے ہی ان کی بیٹی کی شادی ہوگی اور یہ سب کچھ اسی کا تو ہوگا لیکن اچانک اس افتاد پر وہ سیخ پا ہوگئیں' مصفرہ کو لگا سب پہلے سے زیادہ اچھے انداز میں اس سے مل رہے ہیں یا پھر شاید رشتے کی نوعیت بدلنے والی تھی اس لیے اسے محسوس ہورہا تھا۔ حائم دور سے ہی اس کا جھنپا جھنپا انداز دیکھ کر محظوظ ہورہا تھا اور پھر اسے اس طرف بڑھتے دیکھ کر اس کی

مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"ویسے لالہ جان..... آپ کی اوران کی خوب جمے گی۔" زائم کی دھیمی آواز میں کہنے کے باوجود زرینہ کی سماعت تک اس کا یہ جملہ پہنچ گیا تھا' ایسے لگا کسی نے سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈال دیا ہو جبکہ حائم نے قہقہہ لگاتے ہوئے زائم کو ایک دھپ رسید کی۔ مصفرہ نے اسے بغور دیکھا ہنستے ہوئے وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا' اس نے نظروں کا رخ فوراً بدل لیا جہاں زرینہ نے اسے دیکھتے ہی نہایت اطمینان سے حائم کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے بہت کچھ باور کرایا۔

"وہ لالہ جان جب سے زمان انکل آئے ہیں آپ کی ہنسی اور مسکراہٹیں دیکھنے کو مل رہی ہیں' کہیں تو انہیں کہہ دوں یہاں رہ جائیں کم از کم اس بہانے آپ ہنس تو لیا کریں گے اور میں مصفرہ آپی کی کمپنی میں رہ کر بوریت سے بھی بچ جاؤں گی' کیوں کیسا لگا میرا آئیڈیا؟" پلوشہ کے نان اسٹاپ بولنے پر جہاں مصفرہ خجل سی ہوئی وہیں باقی سب بھی ہنس دیئے۔

"ویسے لالہ..... میرے پاس دوسرا آئیڈیا بھی ہے آپ کہیں تو بتاؤں؟" زائم نے معنی خیز انداز میں حائم کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا تو حائم اسے گھورنے لگا۔

"تم اپنے آئیڈیاز اپنے پاس ہی رکھو۔" حائم نے مصنوعی غصے سے اسے تنبیہہ کی تو وہ مزید شوخ ہوا۔

"لیڈیز اینڈ جنٹلمین..... ہم ابھی کھیل رہے ہیں بوتل گھماؤ گیم۔" زائم کے کہنے پر سب ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھنے لگے جس پر زائم نے چیئر کے پیچھے سے ایک بوتل نکال لی۔ "بے وقوفو..... یہ بوتل گھمائی جائے گی جس پر رکی اسے وہی کرنا ہوگا جو اسے کہا جائے گا۔"

"تو سیدھا کہیے ناں Bottle Twister کھیلتے ہیں۔" حنین کے ٹوکنے پر زائم نے برا سا منہ بنایا۔

"اچھا جی اگلی بار آپ سے ضرور رائے لوں گا۔" اب کے منہ بنانے کی باری حنین کی تھی سب کا قہقہہ برجستہ تھا حنین غصے سے جانے لگی تو مصفرہ نے اسے پکڑ کر بٹھالیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" مصفرہ کے پیار سے کہنے پر حنین بیٹھ گئی سب گول دائرہ بنا کر نیچے گھاس پر ہی بیٹھ گئے' زرینہ بھی حائم کے ساتھ آ گئی۔ حائم نے زائم کے ساتھ جگہ بدل لی جسے وہاں بیٹھے ہر فرد نے محسوس کیا' اب مصفرہ حائم کے بالکل مقابل آ گئی۔ مصفرہ کے دیکھنے پر اس نے بھرپور مسکراہٹ پاس کی' مصفرہ ایک دم ہی گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی' تمام حضرات بظاہر اپنی باتوں میں مصروف تھے لیکن بچوں کی سرگرمیوں پر بھی بھرپور نظر رکھے ہوئے تھے' خاص طور پر سردار دانیال خان محسوس کر رہے تھے ان کے بچے بہت خوش تھے۔ زمان کی فیملی کے آنے سے خاص کر حائم' وہ باپ تھے اپنے بیٹے کی پسند جانتے تھے' وہ قبیلے کی کسی لڑکی سے شادی کے لیے تیار نہ تھا' اس لیے دانیال خان نے زمان سے اپنی دستی کو رشتہ داری میں بدلنے کی ٹھان لی وہ کئی بار ان کے گھر جا چکے تھے ان کے بچوں سے بھی مل چکے تھے۔ اس لیے مطمئن تھے اگرچہ مصفرہ آزاد ماحول میں ضرور پلی بڑھی تھی لیکن تمیز و تہذیب اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

"کہاں کھو گئے دانیال۔"

"آں..... ہاں کچھ نہیں وہ بس ویسے ہی تم نے مصفرہ سے بات کی۔" انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا تو زمان کا سر اثبات میں ہلتا دیکھ کر پُرسکون ہو گئے انہیں یقین تھا مصفرہ اپنے والدین کی مرضی میں راضی ہوگی۔

"ہرّے..... چی چی چی..... افسوس لالہ جان گیم کا تخلیق کار پہلے ہی اوور میں گیم سے باہر۔" بوتل کا سر زائم کے سامنے رکا اور سب اپنے اپنے کمنٹس پاس کرنے لگے۔

"ارے یہ کیا بدتمیزی ہے بے چارے زائم کو تنگ مت کرو' یہ ابھی سب کو ڈانس کر کے دکھائے گا۔" مصفرہ کے شرارت سے کہنے پر سب نے ہاں میں ہاں ملائی جبکہ زائم جو مظلومیت کی تصویر بنا بیٹھا تھا' مصفرہ کو گھورنے لگا۔

"مصفرہ جی..... آپ نے اچھا نہیں کیا' آپ کو تو میں دیکھ لوں گا۔"

"میری آپی کو بعد میں دیکھئے گا پہلے ڈانس تو کرلیں۔" ریان کی مداخلت پر زائم کا منہ بن گیا۔

"یار تم لوگ اور بھی کچھ کہہ سکتے تھے ڈانس وانس میرے بس کی بات نہیں۔"

"یعنی کہ آپ ہار مانتے ہیں۔" اب کی بار حنین نے چوٹ کی۔

"ہاں..... ہنہہ..... ہم پٹھان ہیں' ہار نہیں مانتے۔" اب حائم صحیح معنوں میں جھنجلانے لگا تھا۔

''چلو زائم...... اور کچھ نہ سہی مقامی ڈانس ہی کرلو۔'' حائم کے کہنے پر وہ گھور کر رہ گیا لیکن اچانک خوش ہوکر اچھلا۔
''مجھے کپل ڈانس آتا ہے۔''
''خیر تو ہے لالہ جان...... آپ وہاں کپل ڈانس سیکھا کرتے تھے کیا؟'' پلوشہ کی مصنوعی تفتیش پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔
''ایسا ہی سمجھ لو مائی ڈیئر سسٹر...... اچھا اب بتاؤ میرا پارٹنر کون بنے گا؟'' حاضرین محفل پر نگاہ دوڑائی تو سب ہی اپنی جگہ جُز بُز سے ہوگئے۔
''کیا بدتمیزی ہے زائم...... آرام سے بیٹھ جاؤ' پاپا جان اور بی بی جی ادھر ہی دیکھ رہے ہیں ڈانس کے بدلے تم کچھ اور کرلینا اب گیم آگے بڑھاؤ۔'' زائم کے اٹھ کر ایک ایک کے آگے جاکر پیشکش کرنے پر حائم نے اسے لتاڑا۔
''شکریہ لالہ...... میرا مقصد بھی یہی تھا۔'' دوبارہ بوتل گھمائی گئی سب کی نظریں بوتل پر تھیں اور جیسے جیسے وہ سلو ہوتی جارہی تھی سب کے دلوں کی دھڑکنیں بھی تیز ہوتی جارہی تھیں' اچانک بوتل پلوشہ پر رک گئی ایک بار پھر شور بلند ہوا اور پلوشہ کو شاعری کا ہدف دیا گیا اور وہ بلا چوں چراں شروع ہوگئی۔

کچھ میٹھے پل یاد آتے ہیں
پلکوں پر آنسو چھوڑ جاتے ہیں
کل کوئی ملے تو ہمیں نہ بھول جانا
دوستی کے رشتے زندگی بھر کام آتے ہیں

''واہ واہ...... واہ واہ...... پلوشہ بہت اچھے۔'' سب نے ہی اسے سراہا' زرمینہ بھی اپنا موڈ ٹھیک کرچکی تھی البتہ حائم اب بھی وقفے وقفے سے مصفرہ کے سراپے پر نظر ڈال رہا تھا۔ بوتل دوبارہ گھمائی گئی اور اس بار ٹارگٹ بنا ریان۔
''ہاں تو ریان صاحب' کریں اب ڈانس' ہم بھی دیکھیں کراچی والوں میں کتنا ہے دم۔'' کوئی کچھ کہتا اس سے پہلے ہی زائم نے ریان کا ہدف مقرر کردیا۔
''زائم بھیا...... آپ غلط بندے سے انتقام لے رہے ہیں کیوں مصفرہ آپی......'' ریان نے مصفرہ سے تائید چاہی تو اس نے زائم کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔
''ریان اسکول میں ڈانس کمپٹیشن میں ہمیشہ فرسٹ آتا تھا۔'' اب حنین نے بھی تائید کی۔

کالج فرینڈز کے نام

لب پہ مسکان سجاؤں کیسے
دن وہ کالج کے بھلاؤں کیسے
اپنے بچھڑے ہوئے سب دوستو کی
یاد اس دل سے مٹاؤں کیسے
پھر کبھی بھی نہ ملیں ہم شاید
بات دل کو یہ بتاؤں کیسے
جو ہمیشہ سے مرے دل میں رہے
پیارے چہرے وہ بھلاؤں کیسے
جان بن کر رہے جو دوست مرے
ان کے بن خوشیاں مناؤں کیسے

اقراء عافیہ...... ٹانکہ

''چلیں دیکھ لیتے ہیں ریان صاحب آپ کا کمال۔'' اس نے ریان کو چیلنجنگ انداز میں کہا تو ریان نے اپنی ہیٹ اسٹائل سے گھماتے ہوئے سر پر رکھی اور اٹھ کھڑا ہوا اور ایک فاسٹ سانگ پلے کردیا اور ہپ ہاپ ڈانس کرنے لگا' بلیک جینز پر بلیو ٹی شرٹ اور بلیک ہیٹ پہنے زرمینہ کو تو وہ بالکل انگلش فلموں کا ہیرو لگ رہا تھا۔ حائم اور پلوشہ بھی یکساں کنڈیشن میں اسے داد دیتی نظروں سے سراہ رہے تھے البتہ مصفرہ اور حنین پُرسکون تھے' باقی سب ایک ٹرانس کے تحت ریان کو فاسٹ اور سلو موشن میں ہلتے دیکھ رہے تھے اس کا فاسٹ سانگ بڑوں کی توجہ بھی حاصل کرچکا تھا وہ دور سے ہی دیکھ کر لطف اندوز ہورہے تھے آخر میں اس نے ایک ٹانگ کو ٹیڑھا کیے ایک کو پیچھے کیے ایک ہاتھ بیلٹ پر اور دوسرا ہیٹ پر رکھ کر ڈانس کا اختتام کیا تو سب خود بخود ہی تالیاں بجانے لگے۔
''واؤ ریان...... تم تو بہت اچھے ڈانسر ہو۔'' حائم کے تعریفی انداز پر وہ فخر سے مسکرایا۔
''شکریہ حائم بھائی...... ویسے زائم بھائی آپ چپ کیوں ہیں؟'' ریان نے شرارت سے زائم کو چھیڑا تو وہ منہ بسورتے ہوئے بولا۔
''تم نے ڈانس ہی ایسا کیا ہے بولتی تو بند ہونی ہی تھی۔'' زائم کے انداز پر سب ہنس دیئے' بوتل پھر سے گھمائی گئی اب

قرعہ حائم کے نام نکلا اور فیصلہ ہوا کہ کوئی غزل سنائی جائے' حائم نے مصفرہ کو دیکھا وہ اعتماد سے اسے ہی دیکھ رہی تھی اس بار اس نے نظریں ہٹانے کی زحمت نہیں کی۔

تیرا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہو اگر
تو سفر ہی اصلی حیات ہے

ہاتھوں کو آپس میں رگڑتی مصفرہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ نہایت مدہم پُرسوز آواز میں وہ اپنی غزل شروع کر چکا تھا۔

تیرے ہر قدم پہ ہیں منزلیں
تیرا پیار گر میرے ساتھ ہے
میری بات کا میرے ہم نفس
تُو جواب دے نہ دے مجھے
تیری اک چپ میں چھپی
وہ ہزار باتوں کی بات ہے

اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا وہ کن الفاظ میں اس کا اقرار چاہ رہا تھا۔

میری زندگی کا ہر اک پل
تیرے نشے سے جدا ہوا
تیرے ہونٹ تھر کے تو صبح ہے
تو چپ بکھرے تو رات ہے

مصفرہ نے اردگرد دیکھا سب حائم کو بغور سن رہے تھے اور اس کی نظریں تک مسلسل مصفرہ پر ہی ٹکی ہوئیں تھیں۔

تیرا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہو اگر
تو سفر ہی اصلی حیات ہے

غزل کب کی ختم ہو چکی تھی محفل پر سکوت چھایا ہوا تھا اچانک ہی زرمینہ غصہ سے اٹھی ابھی وہ جانے ہی لگی تھی کہ سجاول کو دیکھ کر رک گئی وہ پاس ہی کھڑا غزل سن چکا تھا' تالی بجانے پر سب اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

''واہ بھئی حائم خان..... آپ تو اچھی خاصی شعروشاعری بھی کر لیتے ہیں اور کتنی خصوصیات چھپا کر رکھی ہوئی ہیں۔'' سجاول کی آواز پر جیسے سکوت ٹوٹا' زائم کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی جبکہ پلوشہ اور حنین نے حائم کی بھرپور تعریف کی۔

''شکریہ۔'' اس نے سب کی تعریف کا جواب دے کر ایک اچٹتی نگاہ زرمینہ پر ڈالی جو غصے سے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ویسے شعروشاعری ہماری بھی بہت اچھی ہے مصفرہ جی' آپ کہیں تو ارشاد کریں۔'' وہ بڑے حبیثانہ انداز میں کہتا ہوا مصفرہ کے سامنے آن کھڑا ہوا' حائم نے غصے سے لب بھینچ لیے جبکہ مصفرہ نے بھی اس کی ناگواری کو محسوس کیا خود اسے بھی یوں مخاطب کیے جانا کم ناگوار نہیں گزرا تھا۔

اکثر ہمیں نشہ ہوجاتا ہے
اور الزام بے چاری شراب پر آجاتا ہے
قصور اس شراب کا نہیں دوستوں
قصور اس چہرے کا ہے جو اس شراب کے گلاس میں نظر آتا ہے

اتنی بے ہودا اور واہیات شاعری پر وہاں بیٹھا ہر شخص ہی خفیف ہو گیا' حائم غصے سے ہاتھ بھینچے اٹھ کھڑا ہوا اس کے کھڑے ہونے پر زائم نے ایک ناگوار نظر اس پر ڈال کر حائم کو بٹھایا اور سب سے معذرت کرنے لگا' پلوشہ اپنی جگہ شرمندہ سی ہو رہی تھی جبکہ زرمینہ سجاول کی بیان بازی کے بعد مسکراتی ہوئی وہاں سے کھسک گئی۔ سجاول جا چکا تھا لیکن حائم کا غصہ تھا کہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا' مصفرہ الگ خفت سے دوچار ہو رہی تھی۔ زائم حائم کو لے کر سائیڈ پر ہو گیا جبکہ پلوشہ ان تینوں کو باتوں میں مصروف کرنے لگی لیکن اس کی ساری توجہ حائم اور زائم کی طرف ہی تھی' دونوں کافی دیر سے بحث و مباحثہ کر رہے تھے' زائم نے آرام سے دوپہر کا سارا قصہ اس کے گوش گزار کر دیا وہ تو غصے سے پاگل ہونے لگا۔

''مجھے پتا تھا وہ نہیں جائے گا' کیا بابا اس کو جانتے نہیں' بابا نے اسے صرف اور صرف اس لیے یہاں سے ہٹانا چاہا کہ وہ اس کی گندی نظروں سے مصفرہ کو بچانا چاہتے تھے لیکن یہ گھٹیا انسان مجال ہے کہ باز آئے' سن لو زائم' اگر اس نے مصفرہ کے ساتھ مزید کوئی بدتمیزی کی تو میں سارے لحاظ بھول جاؤں گا۔'' وہ نہایت جوش سے بولتے ہوئے زائم کو ساکت کر گیا۔

''تو وہ غزل مصفرہ کے لیے ہی تھی؟'' زائم کے اچانک حملے پر وہ بوکھلا گیا۔

''کون سی غزل؟'' حائم کے نظریں چرانے پر زائم نے اسے گلے لگالیا۔

''اب مجھ سے بھی چھپائیں گے لالہ جان..... چلیں بتاتے جائیں اپنی داستان عشق۔'' زائم کی اس شوخی پر وہ

اسے گھور کر رہ گیا۔

''پلوشہ تمہارا روم کہاں ہے؟'' مصفرہ کے استفسار پر وہ بتانے لگی۔

''میرا کمرہ حائم اور زائم لالہ کے رومز کے ساتھ ہے لائبریری کی طرف۔''

''یہاں لائبریری بھی ہے؟'' مصفرہ حیرت سے پوچھا۔

''ایسی ویسی، آپ دیکھیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔ اتنی بڑی اور شاندار لائبریری ہے۔ بابا جان کو کتب بینی کا بہت شوق ہے اور حائم لالہ بھی اسی شوق کے ہاتھوں مجبور ہیں' انہوں نے ہی ہماری لائبریری کو دنیا کی بہترین کتابوں سے سجایا ہے اور ہاں صرف سجایا ہی نہیں ہے بلکہ روز مطالعہ بھی کرتے ہیں۔ رات کو جب تک کسی کتاب کا مطالعہ نہ کرلیں سوتے ہی نہیں ہیں' اب بھی یقیناً لائبریری میں براجمان ہوں گے۔'' پلوشہ بڑے اشتیاق سے اسے تفصیل بتانے لگی۔

''پھر تو مجھے بھی لائبریری دیکھنی ہے کیونکہ اس مشغلے میں تو میں بھی انکل کی پیروکار ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو پلوشہ نے سر پر ہاتھ مارا۔

''ہرگز نہیں' ہم بابا اور لالہ جان سے ہی خائف رہتے ہیں جب دیکھو ہیں پائے جاتے ہیں۔'' مصفرہ نے اس کی معصومیت پر اس کے سر پر چپت لگائی۔

❋......❋......❋
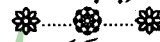
''لالہ..... ہمیں جلد ہی کچھ کرنا ہوگا اور نہ وہ کراچی کی میڈم تو حائم کو لے اڑے گی' آپ کو پتا ہے میں نے خود اپنے کانوں سے چاچا کو زمان چاچا سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ مصفرہ سے جلد از جلد بات کریں کیونکہ چاچا حائم اور اس مصفرہ کا جلد از جلد نکاح کرنا چاہتے ہیں۔'' زرینہ نے زہر خند لہجے میں اسے اطلاع دی' پلوشہ جو اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی' زرینہ کی زہر افشانی پر ساکت رہ گئی' جو پشتو میں سجاول سے محو گفتگو تھی۔

''یہ کیا بکواس کر رہی ہو زری' ایسا کیسے ہوسکتا ہے اصولاً تو اس کی شادی تم سے ہونی چاہیے۔'' سجاول نے بھرے لہجے میں اسے کہا تو وہ مزید مظلومیت طاری کرتے ہوئے بولی۔

''یہی تو میں بھی کہوں کیا کمی ہے لالہ مجھ میں آخر چاچا

غزل

خواب دیکھتے ہیں روشن آنکھوں سے
پھر خوابوں کے ٹوٹنے پر دل بجھ بھی جاتے ہیں
چلتے ہیں نئی راہوں پر اک عزم سے
پھر راہوں پر اگنے والے کانٹوں سے رستے موڑ بھی لیتے ہیں
جستجو ہے اک' راز پالینے کی دنیا سے
پھر جستجو کے رائیگاں جانے پر دنیا سے نفرت بھی کرجاتے ہیں
امید رکھتے ہیں محبت کی آفرین جن رشتوں سے
پھر امید کے کرچی ہونے پر دوسروں کے جذبات کچل بھی جاتے ہیں
اس ہستی کو بنایا ہے رب نے نور کی ٹھنڈک سے
پھر اس ٹھنڈک کے سرد ہونے پر من اداس بھی ہوجاتے ہیں

اقرا آغا آفرین فائزہ بلال...... جام پور' پنجاب

ہمارے ساتھ کیوں دشمنوں کی طرف پیش آرہے ہیں' آخر کیوں؟'' اس نے آنسو بہا کر سجاول کو مزید سلگایا۔

''تم فکر نہ کرو پہلی بات تو یہ ہے کہ قبیلے والے کبھی نہیں مانیں گے اس نکاح کے لیے اور دوسری بات کہ میں اس لڑکی کو اس قابل ہی نہیں چھوڑوں گا کہ چاچا اسے بہو بناسکیں۔ تم دیکھو اب میں کیا کرتا ہوں۔'' سجاول غصے سے کہتے ہوئے بیڈ پر دراز ہوگیا' پلوشہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا' وہ خود کو سنبھالتی آگے بڑھ گئی' اب اس کا رخ لائبریری کی طرف تھا' زرینہ لالہ کو سوچ میں گم لیتے دیکھ کر باہر نکل آئی۔

''اب آئے گا مزہ' میں بھی دیکھوں میری جگہ کیسے کوئی لیتا ہے۔''

❋......❋......❋

مصفرہ سونے کے لیے بیڈ پر لیٹی تو دن بھر کی کارروائی ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگی' ویسے یہ سجاول بہت گھٹیا انسان ہے سب سے پہلے اس کا ذہن اسی طرف گیا' اس نے بازو کے سہارے اٹھ کر دروازے کو دیکھا' آیا اس نے کنڈی لگائی ہے کہ نہیں حنین اور ریان کو بھی وہ خاص تاکید کرکے آئی تھی دروازہ چیک کرنے کے بعد وہ دوبارہ سوچنے لگی۔ صبح ماما پاپا کو جواب بھی دینا ہے کیا بولوں گی میں' ویسے تو حائم ٹھیک ٹھاک

ہے آنٹی انکل بھی بہت اچھے ہیں یہ جگہ کراچی سے بہت دور ہے لیکن ابھی کون سا شادی ہورہی ہے صرف ہاں یا ناں میں ہی تو جواب دینا ہے ویسے بھی ماما ماما انکار تو ہرگز نہیں سنیں گے کتنی امید سے دیکھ رہے تھے وہ میری طرف اور انکار کیوں کروں؟ کوئی معقول وجہ بھی تو نہیں ہے میرے پاس جہاں تک زرینہ کا تعلق ہے تو مجھے پورا یقین ہے وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ حائم کو میں جتنا جان پائی ہوں اس لحاظ سے تو وہ کافی مہذب ثابت ہوا ہے اس کی آنکھیں اُف ہر وقت گھورتا رہتا ہے لیکن ایک بات ہے اس کی آنکھوں میں سجاول کی طرح غلاظت و کمینگی نہیں ہوتی بلکہ عزت واحترام ہوتا ہے یعنی کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر ہاں بول دوں؟ ہائے اللہ یہ کیا ہورہا ہے میں سیدھی طرح بول دوں گی آپ لوگوں کی مرضی میں ہی میری مرضی ہے بس ختم اب سو جاؤ اس نے سختی سے آنکھیں بھینچ لیں۔

تب کچھ دیر اس کی آنکھ لگ گئی اسے لگا جیسے اس کے سر پر ہتھوڑے سے ضربیں لگائی جارہی ہوں دھڑ دھڑ دھڑ...... آواز مسلسل صاف ہوتی جارہی تھی اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر آنکھیں کھولیں لیمپ کی مدھم روشنی میں اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جو سوا ایک بجا رہی تھی اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے صورت حال سمجھنے کی کوشش کی تو محسوس ہوا دروازے پر آہستہ آہستہ دستک ہورہی ہے اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی اس وقت کون ہوسکتا ہے؟ میں دروازہ نہیں کھولوں گی وہ ڈر کے مارے کمبل میں دبک گئی اگر ماما پاپا ہوئے...... کہیں ماما پاپا کسی مصیبت میں تو نہیں ہیں یا حنین اور ریان...... اللہ خیر کرے۔ وہ ڈرتے ڈرتے بیڈ سے اتری دردروازے کی جانب بڑھی۔

''کون......؟'' ڈرتے ڈرتے اس نے کانپتی آواز میں پوچھا۔

''ک ک...... کون......؟'' اس نے ذرا اونچی آواز میں پوچھا تو کوئی جواب نہیں ملا وہ دروازہ کھولنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے مڑنے ہی لگی تھی جب مدھم آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''مصفرہ میں...... میں حائم ہوں دروازہ کھولو۔'' حائم اس وقت کہیں واقعی کوئی ایمرجنسی تو نہیں ہوگئی اس نے بنا سوچے سمجھے دروازہ کھول دیا لیکن دروازہ کھولتے ہی وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔

''یا اللہ میں نے کیا کردیا...... تت...... تم...... تم......'' اس نے سجاول کو دیکھ کر دروازہ بند کرنے کی پوری کوشش کی لیکن وہ مکروہ انداز میں ہنستے ہوئے اسے دھکا دے کر اندر داخل ہوچکا تھا۔

''ہاں میں...... تم کیا سمجھ رہی تھیں تمہارا یار ہوگا۔'' نہایت نفرت سے کہتے ہوئے اس نے دروازے کو کنڈی لگادی۔

''یہ...... یہ تم کیا کررہے ہو؟'' مصفرہ کو اپنی آواز کسی کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''اب تم اتنی ناسمجھ یا کم عقل تو نہیں کہ آدھی رات کو ایک مرد کی عورت کے کمرے میں آنے کی وجہ نہ سمجھ سکو۔'' وہ اب چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا مصفرہ کی جانب بڑھ رہا تھا مصفرہ کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔

''بچاؤ...... بچاؤ......'' وہ آہستہ آہستہ کہتی ہوئی ایک دم زور سے چلائی۔ ''کوئی ہے...... بچاؤ......'' وہ دروازہ کی طرف بڑھنے لگی جب سجاول نے بازو سے پکڑ کر اسے بیڈ پر گرادیا۔

''خبردار جو آواز نکالی جان لے لوں گا۔'' اس نے سر اٹھا کر اس شیطان صفت آدمی کو دیکھا جس کے حواس پوری طرح شیطان کے قابو میں تھے۔

''بچاؤ...... بچاؤ...... کوئی ہے...... بچاؤ......'' اب وہ پہلے کے مقابلے میں زور سے چلائی۔ حائم جو پلوشہ سے ساری صورت حال سننے کے بعد ابھی تک جاگ رہا تھا۔ مصفرہ کی آواز سن کر چونکا۔

''مصفرہ اس وقت...... کہیں وہ کسی مصیبت میں تو نہیں......'' حائم نے حواس باختہ انداز میں اس کے کمرے کی طرف دوڑ لگائی سجاول خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ چکا تھا۔

''بند کرو اپنی بکواس فی الوقت تو تمہیں مجھ سے کوئی نہیں بچاسکتا جان من......'' وہ مصفرہ کے منہ پر ہاتھ رکھے اسے خود سے قریب کیے انتہائی مکروہ انداز میں اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔ مصفرہ کا تو تن من ہی سلگ اٹھا اس نے اپنے دانت اس کے ہاتھ میں گاڑدیئے۔

''چھوڑو...... کمینے دور ہوجاؤ مجھ سے۔'' سجاول کی

کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اسے دھکا دے کر دروازے کی طرف دوڑی‘ کنڈی کھولنے ہی لگی تھی جب ہی سجاول نے اسے دوبارہ گھیر لیا۔

”کمینی تُو آرام سے نہیں مانے گی ناں‘ اب دیکھ میں تیرے ساتھ کیا کرتا ہوں۔“ ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھے ایک ہاتھ سے اس کا بازو موڑے وہ اسے بیڈ پر لے آیا‘ مصفرہ اس کی گرفت میں بے آب مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی‘ سجاول اس پر جھکنے کو تھا جب دروازہ پیٹا گیا۔

”مصفرہ...... مصفرہ تم ٹھیک ہو...... مصفرہ کیا ہوا؟ جواب دو مصفرہ‘ تم ٹھیک ہو......؟“ دروازہ مسلسل پیٹا جارہا تھا اور حائم مسلسل اسے پکار رہا تھا‘ سجاول کے تو حواس بے قابو ہونے لگے۔ یہ کہاں سے آگیا اس نے بجتے دروازے کو نظر انداز کرکے مصفرہ کو خود سے قریب کرلیا اس کی گھٹی گھٹی چیخیں صرف اس کے کانوں تک ہی سنائی دے رہی تھیں جنہیں اس نے نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ہونٹ اس کی گردن پر رکھ دیئے‘ مصفرہ کو لگا کسی نے اس کی گردن پر آگ کے انگارے رکھ دیئے ہوں اس کی مزاحمت میں تیزی آگئی۔ وہ دوبارہ اس پر جھکنے کو تھا جب ایک زوردار دھماکے کے ساتھ دروازہ کھل۔ سجاول نے حائم کی طرف دیکھا اس کے پیچھے رقیہ اور زرینہ بھی کھڑی تھیں۔ حائم کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں سجاول مصفرہ کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا مصفرہ اس رہائی پر حواس باختہ سی بھاگتی حائم کے بازو سے جالگی۔

اتنی دیر میں دانیال پشمینہ اور زمان مریم کے ساتھ آن پہنچے تھے لیکن موجودہ صورت حال سمجھنے سے قاصر تھے‘ وہاں موجود ہر شخص کبھی سجاول کو دیکھتا تو کبھی حائم کے بازو سے لگی مصفرہ کو مریم کا تو دل بیٹھا جارہا تھا زمان انہیں سہارا دیئے ہوئے تھے پشمینہ نے آگے بڑھ کر مصفرہ کو حائم سے الگ کیا جو زاروقطار آنسو بہا رہی تھی۔ حائم نے بیڈ سے مصفرہ کا دوپٹہ اٹھایا اور اس کے شانوں پر پھیلادیا‘ سجاول جیسے ہی کمرے سے نکلنے لگا حائم نے اسے پکڑ کر زوردار دھکا دیا۔ وہ اچانک اس حملے پر سنبھل نہ سکا اور بھاری بھرکم الماری سے جا لگا اتنے میں زائم اور یلوشہ بھی پہنچ گئے انہیں ساری صورت حال سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی اسے ہاتھ لگانے کی۔“ حائم دیوانہ وار اس پر ٹوٹ پڑا تھا اس نے اپنے بچاؤ کی بہت

پھول

ایک پھول کھلا تھا گلشن میں
اس پھول کی پتیاں ایسی تھیں
جیسے خوشنما وہ لڑکی ہے
اس پھول کا سایہ ایسا تھا
جیسے کالی گھٹائیں برکھا میں
زلفوں کی شکل میں ہوتی ہیں
اس پھول کی خوشبو ایسی تھی
جیسے گزرے وہ جب بھی گلیوں سے
اور بکھرے فضا میں خوشبو سی
اس پھول کی رنگت ایسی تھی
جیسے کھلتا گلاب وہ لڑکی ہے
جسے دیکھ کر گل شرما جائے
اس پھول کا ناز بھی کیا کہنا
وہ لڑکی پھول کے جیسی ہے

شمع ناز شکیل...... کراچی

کوشش کی لیکن حائم پر تو جنون سوار تھا اس نے سجاول کو مار مار کر ادھ موا کردیا‘ رقیہ بیٹے کو بچانے آگے بڑھیں اور حائم کو اس سے جدا کیا۔

”بس کرو‘ کیوں فضول میں میرے بچے کو مار رہے ہو؟“ رقیہ بیگم کی بے پروائی پر حائم سلگ اٹھا۔

”فضول میں...... کیا آپ میرے ساتھ باہر کھڑی دروازہ نہیں پیٹ رہی تھیں؟ کیا دروازہ کھلنے پر آپ نے اس کمینے کو مصفرہ کی عزت پر ہاتھ ڈالتے نہیں دیکھا تھا؟ جواب دیں......“ آخر تک آتے آتے اس کی آواز کانوں کو پھاڑ دینے کے لیے کافی تھی‘ مریم تو زمین پر ڈھے سی گئیں جبکہ دانیال مارے غصے کے بے قابو ہونے لگے‘ مصفرہ نے اس کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا غصے کی شدت سے دماغ کی رگیں ابھری ہوئی تھیں‘ مٹھیوں کو بھینچے وہ نہایت غیض وغضب سے رقیہ کو دیکھ رہا تھا جسے اس کی بات کا کوئی جواب نہ بن پڑا وہ سجاول کو ساتھ لے کر جانے لگی جب دانیال نے انہیں روک لیا۔ دانیال اپنی جگہ سے آگے بڑھے اور سجاول کے سامنے

آن کھڑے ہوئے۔

"تڑاخ..... تڑاخ....." تھپڑاتنے زوردار تھے کہ سجاول اپنی جگہ پر کھڑا نہ رہ سکا اور صوفے پر گر گیا' رقیہ بیٹے کے ساتھ اس قدر سفاک سلوک پر چیخ اٹھیں۔

"بس دانیال...... بہت ہوگیا اسے تو اپنی غلطی کی سزا مل گئی ہے اس لڑکی سے بھی پوچھ لیں آخر آدھی رات کو اسے اپنے کمرے میں کیوں بلایا تھا۔" اس الزام پر جہاں باقی سب ششدر رہ گئے' وہاں مصفرہ کا ضبط بھی بکھر گیا وہ شدت جذبات سے باپ کے قدموں میں گر گئی۔

"پا..... پاپ...... پاپا...... مم...... میں نے کچھ نہیں کیا' میرا یقین کریں پاپا...... یہ دھوکے سے میرے کمرے میں آیا پاپا...... میرا یقین کریں یہ جھوٹ بول رہی ہیں۔" وہ زمان کے پاؤں پکڑے سسکیوں کے بیچ بمشکل بول پارہی تھی' حائم نے اس کے سسکتے وجود پر نظر ڈالی اس کا کلیجہ پھٹ پڑنے کو تھا' زمان نے اسے بازوؤں سے اٹھا کر سینے سے لگالیا۔

"مجھے آپ پر پورا یقین ہے بیٹا...... مجھے آپ پر پورا یقین ہے۔" وہ ہچکیوں سے لرزتی زمان سے الگ ہوتی مریم کے سینے سے جالگی۔

"بس بہت ہوگیا بھائی' میں نے آپ لوگوں کو بہت برداشت کیا' سامان پیک کریں کل حائم اور مصفرہ کے نکاح کا کھانا کھا کر جایئے گا۔ اب آپ لوگ مزید اس حویلی میں نہیں رہ سکتے۔" اس کایا پلٹ پر جہاں رقیہ حیران اور بے یقین کھڑی رہ گئیں وہیں سجاول اور زرینہ بھی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"دانیال ایسا غضب مت کرو' ہمیں مت نکالو یہاں سے ہم تو جیتے جی مر جائیں گے خدارا رحم کرو۔" وہ اب پشتو میں ہاتھ جوڑے ان سے منت سماجت کرنے لگیں' مریم اور زمان آہستگی سے مصفرہ کو لیے اپنے کمرے میں آگئے۔ مریم مسلسل مصفرہ کے ساتھ آنسو بہائے جارہی تھیں۔

"شکر کرو بیگم ہماری بچی کی عزت محفوظ رہی اگر آج حائم نہ ہوتا تو ہماری بچی جیتے جی مر جاتی۔" زمان نے مریم کو آنسو بہاتے دیکھا تو دلاسہ دیا اور مصفرہ کو علیحدہ کرتے ہوئے بستر پر لٹا کر اچھی طرح سے چادر اوڑھادی۔

"وہ ڈری ہوئی ہے مریم' اسے مزید مت سہاؤ۔" مریم کے برابر میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے زمان نے دھیمے سے کہا۔

"زمان صاحب...... آپ کے سہارے ہی تو میں نے آج حوصلہ کیا ہے' ورنہ آج جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس کے بعد تو میرا دل پھٹا جارہا ہے۔" زمان کی پناہ میں وہ آہستہ آہستہ اپنا دل ہلکا کرتی جارہی تھیں تقریباً آدھے گھنٹے بعد دانیال پشمینہ کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوئے دانیال کو دیکھتے ہی زمان مریم کو خود سے علیحدہ کرتے سنجیدگی سے اٹھ کھڑے ہوئے دانیال شکستہ قدم اٹھاتے زمان کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

"سخت شرمندہ ہوں زمان میں تمہاری بچی کی حفاظت کرنے میں ناکام رہا جو سزا دو گے مجھے منظور ہے بس مجھے معاف کردو۔" دانیال دونوں ہاتھ جوڑے ٹوٹے لہجے میں زمان کے آگے گڑگڑا رہے تھے۔ زمان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا۔

"اللہ کے واسطے دانیال...... مجھے شرمندہ تو مت کرو' جو کچھ ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں' جو ہونا تھا وہ ہوچکا ہے بس شکر ہے حائم وقت پر پہنچ گیا' میری بیٹی کو اگر آج کچھ ہوجاتا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کرپاتا۔" انہوں نے دانیال کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے خفت سے کہا لیکن آخر میں وہ خود کو شکوہ کرنے سے نہ روک پائے اور دانیال کا سر مزید شرمندگی سے جھک گیا۔

"زمان...... مجھے اپنی بیٹی دے دو میں اسے اپنی بیٹی بنا کر رکھوں گا' تمہیں کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ زمان' مجھے اپنے حائم کے لیے مصفرہ دے دو۔" دانیال کرب سے التجا کرتے ہوئے زمان کے قدموں میں بیٹھ گئے جہاں زمان حیرت سے دانیال کو دیکھنے لگا وہیں پشمینہ اور مریم بھی کرب سے آگے بڑھیں' مریم نے شوہر کو حیرت و بے یقینی سے دیکھا جو دانیال کو اٹھا رہے تھے۔

"دانیال یہ کیا حرکت ہے تم صرف میرے دوست ہی نہیں بھائی جیسے بھی ہو میری ہر چیز پر تمہارا حق ہے اس طرح سے پیش آ کر کیوں مجھے تکلیف دے رہے ہو۔" زمان دانیال کو گلے لگائے غصے سے کہہ رہے تھے جبکہ پشمینہ اور مریم بھی ان کے اس انداز پر ایک دوسرے کو گلے لگا کر رو دیں۔

"بھائی صاحب آپ لوگ بے فکر رہیں آپ لوگ کل نکاح کرنا چاہتے ہیں' نکاح کل ہی ہوگا میں مصفرہ کو تیار

کرلوں گی' آپ لوگ اب بے فکر ہوجائیں۔" مریم نے زمان کی طرف دیکھتے ہوئے اعتماد سے ان لوگوں سے کہا تو وہ خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"ہاں دانیال میری بیٹی اب تمہاری ہوئی' کل عصر کی نماز کے بعد نکاح کا پروگرام رکھ لیتے ہیں۔"

"شکریہ زمان...... بہت بہت شکریہ۔" دانیال زمان کے ہاتھ چومتے ہوئے بولے۔

"چلو بیگم ذرا بچوں کو اطلاع تو دے دیں' ان کے لالہ کا کل نکاح ہے۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بیوی کو لے کر چل دیے۔

"مجھے آپ پر فخر ہے مریم......" ان کے جاتے ہی زمان نے بیوی کا ہاتھ تھامتے ہوئے خوشی سے کہا۔

❁......❁......❁

آج صبح سویرے ہی حویلی میں گہما گہمی شروع ہوچکی تھی حویلی کے سارے ملازم پھرتی سے سارے کام نمٹا رہے تھے دانیال اور زمان دونوں اپنے اپنے بچوں کو آج کے پروگرام کے متعلق مطلع کرچکے تھے ریان اور حنین گزشتہ رات کے واقعے سے کچھ کچھ باخبر ضرور تھے مگر باقاعدہ انہیں کچھ بھی نہیں بتایا گیا تھا' پلوشہ اور زائم بھی سب کچھ بھول بھال کر پُرجوش ہورہے تھے۔ پشمینہ بی بی کی خوشی تو دیدنی تھی' ان کے پہلے بیٹے کا نکاح تھا' گڑھی حبیب اللہ کے سردار کے بیٹے کا نکاح' البتہ دانیال تھوڑے سے پریشان تھے انہوں نے قبیلے والوں سے براہ راست کوئی بات نہیں کی تھی اور انہیں یقین تھا کہ قبیلے والے اس شادی پر اعتراض اٹھانے والے ہیں' انہوں نے صبح ہی صبح مردان خانے میں قبیلے کے بڑے بزرگوں کو بلالیا تھا۔

کافی دیر سے محفل جمی ہوئی تھی اب تو پشمینہ کو بھی فکر ہونے لگی تھی' حائم اور زائم بھی مردان خانے میں دانیال کے ساتھ ہی تھے باقی سب ناشتا کرکے فارغ ہوچکے تھے' مصفرہ کو تیز بخار ہورہا تھا۔ مریم نے ناشتے کے بعد اسے ٹیبلٹ دے دیں تھیں۔

"مما......" مریم اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"مصفرہ' میری بچی اب طبیعت کیسی ہے۔" وہ اسے خود سے لپٹائے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"مما...... میرا جسم بری طرح سے دکھ رہا ہے اور سر میں

نظم

بچھڑے تو قربتوں کی دعا بھی نہ کرسکے
اب کے تجھے سپرد خدا بھی نہ کرسکے
تقسیم ہوکر رہ گئے خود کرچیوں میں ہم
نام وفا کا قرض ادا بھی نہ کرسکے
نازک مزاج لوگ تھے جیسے کہ آئینہ
ٹوٹے کچھ اس طرح کہ صدا بھی نہ کرسکے
ہم منتظر رہے کہ کوئی مشق ستم ہو فراز
تم مصلحت شناس جفا بھی نہ کرسکے

عاصمہ ابراہیم...... شہر تلمبہ' ضلع خانیوال

بھی شدید درد ہے۔" وہ مریم کے سینے سے لگی بری طرح کراہ رہی تھی۔

"مصفرہ میری جان' خود کو سنبھالو شام کو تمہارا نکاح ہے۔" مریم کے انکشاف پر وہ خوف سے کانپنے لگی۔ "کیا سجاول سے یہ لوگ میرا نکاح کررہے ہیں' ہرگز نہیں۔"

"ہرگز نہیں...... میں یہ نکاح نہیں کروں گی۔" مصفرہ کو لگا اس کی آواز کسی کنویں سے آرہی ہو وہ ہانپتی کانپتی مریم سے دور ہونے لگی۔

"کیا بول رہی ہو مصفرہ' تمہارا آج شام نکاح ہے خود کو ذہنی طور پر تیار کرلو' ہم نے تمہارے بھلے کے لیے ہی بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے میری جان۔" مریم دوٹوک لہجے میں کہتی ہوئی آخر میں نرم ہوتے اس کے ہاتھ تھام گئیں اور وہ ماں کا دوٹوک انداز دیکھ کر خوف سے دہل اٹھی۔

"نہیں...... ہرگز نہیں ماما' وہ کمینہ میرے کمرے میں دھوکے سے گھسا تھا' اس کی مجھے اتنی بڑی سزا نہیں مل سکتی' ایسا غضب نہ کریں ماما' ایسا غضب نہ کریں۔ میں مرجاؤں گی لیکن سجاول سے نکاح نہیں کروں گی۔" زمان جو کمرے میں داخل ہورہے تھے مصفرہ کی بات پر چونک کر مریم کو دیکھنے لگے' مریم بھی بے یقینی سے کبھی زمان کو تو کبھی قدموں میں بیٹھی مصفرہ کو دیکھنے لگیں۔

"تم سے کس نے کہا کہ تمہارا نکاح سجاول سے ہورہا ہے؟" زمان مصفرہ کو اٹھاتے ہوئے سراپا سوال بنے۔

"کک...... کیا...... مطلب؟" وہ ناسمجھی سے ہکلاتے

ہوئے پوچھنے لگی۔

"مصفرہ آپ کا نکاح حائم سے ہورہا ہے ہم نے آپ سے بات کی تھی نا اس بارے میں۔" زمان ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے بتانے لگے۔ حائم کے نام پر اس کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی وہ حیرت سے اثبات میں سر ہلاتی مریم کو دیکھنے لگی۔

"ہاں بیٹا' حائم سے آپ نے بولنے ہی کب دیا جو میں آپ کی غلط فہمی دور کرتی۔" مریم اب مسکراتے ہوئے اسے بتانے لگیں۔

"ہمیں اپنی بیٹی پر خود سے بڑھ کر اعتماد ہے ویسے تو حائم نے ہمیں سب بتادیا ہے لیکن وہ نہ بھی بتاتا تو ہمیں آپ پر پورا یقین اور اعتماد ہے میری جان۔" زمان بیٹی کی ناسمجھی پر وضاحت دیتے ہوئے اسے اعتماد میں لینے لگے۔

"پاپا میں نے کچھ نہیں کیا تھا وہ دھوکے سے میرے کمرے میں آیا تھا۔" مصفرہ رات کا واقعہ یاد آنے پر پھر سے مچلنے لگی۔

"ہمیں آپ پر خود سے زیادہ بھروسہ ہے مصفرہ......" مریم نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

❁......❁......❁

پشمینہ اب صحیح معنوں میں پریشان ہونے لگی تھیں' ایک گھنٹے سے مردان خانے کے باہر کھڑے ان کی ٹانگیں شل ہونے لگی تھیں لیکن مجال ہے جو کوئی باہر آیا ہو۔

"بی بی جان آپ کو مریم بیگم بلا رہی ہیں۔" ریاست (ملازمہ) کے اطلاع دینے پر وہ اس کے ساتھ جانے کے لیے آگے بڑھی ہی تھیں کہ زائم مردان خانے سے باہر نکلا۔

"بی بی جی' کھانے پینے کی سب چیزیں تیار ہیں تو بھجوادیں۔" زائم ماں کو جلدی میں کہتے ہوئے جانے لگا جب انہوں نے اسے پکڑلیا۔

"کیا ہوا زائم' قبیلے والوں نے کیا کہا؟" پشمینہ پریشانی سے اس سے پوچھنے لگیں۔

"ہونا کیا تھا بی جان' ہم تو اب تک محو حیرت ہیں' بابا جان کے جلال کو دیکھ کر انہوں نے تو آج ایسا جلال دکھایا کہ قبیلے والوں کو تو مانتے ہی بنی آپ بس جلدی سے کھانے پینے کی چیزیں بھجوادیں۔" زائم کے دلاسہ دینے پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتی ریاست کو ساتھ لیے کچن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

❁......❁......❁

وہ کب سے بجی سنوری ہوئی بیٹھی تھی سرخ بھاری کامدار فراک کے ساتھ بھاری بھرکم گولڈ کی ڈھیر ساری جیولری پہنے وہ بے انتہا حسین لگ رہی تھی۔ آدھا گھنٹہ پہلے ہی پلوشہ اسے تیار کرکے گئی تھی' حنین اور پلوشہ ساتھ ساتھ اس کی تیاری میں مدد کررہی تھیں اور ساتھ ہی اس کی خوب صورتی میں زمین آسمان ایک کررہی تھیں وہ سوائے ہلکے سے مسکرانے کے علاوہ کچھ نہ کہہ سکی' لباس بہت بھاری تھا۔ اس کی کمر جھکی جارہی تھی البتہ دوپٹہ ڈھیلا ڈھالا سا تھا جس پر اس نے شکر کا کلمہ پڑھا' ادھر اُدھر دیکھتے اس کی نظر آئینہ کی طرف اٹھی تو نظروں نے خود کے سراپے سے ہٹنے سے انکار کردیا۔ سرخ و سفید دودھیا چہرے پر کاجل اور آئی لائنر سے بجی کالی سیاہ آنکھیں' سرخ لپ اسٹک سے سجے بھرے بھرے ہونٹ اس کے چہرے کو نئے طرز کی رونق بخش رہے تھے' اس نے سرخ رنگ اپنی زندگی میں بہت کم استعمال کیا تھا' کھٹکے کی آواز پر اس نے زمان' دانیال' زائم' ریان اور نکاح خواں کو اندر داخل ہوتے دیکھا' مصفرہ محتاط انداز میں بیٹھتے ہوئے سر جھکا گئی' نکاح خواں نے ایجاب اور قبول کی کارروائی کی اور اس کے بعد مبارک باد دیتے باہر چلے گئے۔

پشمینہ نے دو بھاری کنگن مصفرہ کو پہنادیئے مریم خفا ہوتی رہیں لیکن انہوں نے دھیان نہیں دیا۔ پلوشہ اور حنین بھی مصفرہ کے پاس بیٹھ کر سرگوشیوں میں اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگیں' تھوڑی ہی دیر میں سب جاچکے تھے اسے ابھی بھی بخار اور سر درد محسوس ہورہا تھا' بیڈ کے کراؤن سے سر ٹکا کر وہ آنکھیں موندگئی' ابھی چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ دروازے پر دستک ہوئی اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی' حائم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا' بیڈ کے کراؤن سے سر ٹکائے اس نے مصفرہ کے خوب صورت سراپے کا بھرپور جائزہ لیا اتنی دیر میں مصفرہ ٹھیک ہوکر بیٹھ چکی تھی۔

کچھ تو بات تھی اس لڑکی میں کہ بابا جان بذات خود قبیلے والوں سے ٹکر لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اس کے بابا بہت صابر اور تحمل پسند تھے اس نے بابا کو آج تک غصے میں نہیں دیکھا تھا سوائے ایک بار کے جب وہ آٹھ سال کا تھا' بابا اسے اپنے ساتھ قبیلے کے ایک جرگے میں لے گئے تھے' وہ وادی میں اسکول تعمیر کروانا چاہتے تھے لڑکیوں کے لیے لیکن

کوئی بھی ان کا حامی نہ تھا' ان کے لیے تو لڑکیوں کا پڑھنا کسی گناہ سے کم نہ تھا۔ سردار دانیال خان کی بیوی پشمینہ بی بی گڑھی حبیب اللہ کی واحد لڑکی تھیں جو دس جماعتیں پڑھی ہوئی تھیں۔ دانیال چونکہ خود ماسٹرز کیے ہوئے تھے اس لیے وہ بیوی بھی پڑھی لکھی ہی چاہتے تھے وہ برادری میں کسی بھی لڑکی سے شادی کے حق میں نہ تھے لیکن باپ سے ٹکرانا نہیں چاہتے تھے' اس لیے اپنا موقف صاف صاف ان کے سامنے رکھ دیا اور سردار جمال خان نے بہت ڈھونڈ ڈھانڈ کر پشمینہ کو دانیال کے لیے منتخب کرلیا' جمال کے انتقال کے بعد دانیال نے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اقدامات کرنا شروع کردیئے' اسی سال پلوشہ ان کے ہاں پیدا ہوئی وہ اپنی بیٹی کو اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے اپنی کوششیں مزید تیز کردیں لیکن وادی والے ان کے جانی دشمن بن گئے اور مجبوراً انہیں وادی میں رہنے کے لیے اپنی خواہش کو دبانا پڑا لیکن اس سے پہلے جو طوفان ان کے اندر اٹھا وہ حائم سے چھپا نہیں رہ سکا تھا انہوں نے جرگے میں کھلے عام اعلان کردیا تھا کہ وہ نہ صرف اپنی بیٹی کو اعلیٰ تعلیم دلوائیں گے بلکہ اپنے بچوں کی شادی بھی برادری سے باہر کریں گے چونکہ حائم جرگے میں موجود تھا اس لیے اس نے یہ بات ذہن نشین کرلی تھی۔ بزنس اسٹیبلش کرنے کے بعد دانیال نے جب شادی پر اصرار کیا تو حائم نے برادری میں شادی کرنے سے صاف انکار کردیا اور دانیال نے بھی اصرار کرنے کے بجائے لڑکی کی تلاش شروع کردی اس دوران دانیال کی زمان سے دوستی عروج پر تھی۔

کراچی کام کے سلسلے میں دانیال کی آمد پر زمان اسے گھر لے آیا وہاں اپنی بیوی بچوں سے اسے ملوایا دانیال نے مصفرہ کو دیکھ کر یکا ارادہ کرلیا کہ اب یہی لڑکی ان کی بہو بنے گی اور آج ان کی کوششوں سے وہ اس خاندان کا حصہ بن چکی تھی۔

رقیہ نے اپنے لوگوں کے ذریعے بہت رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوششیں کی لیکن دانیال خان کے سامنے انہیں منہ کی کھانی پڑی' رقیہ بی بی صبح ہی صبح سجاول اور زرمینہ کے ساتھ حویلی چھوڑ چکی تھیں۔

اس نے اپنی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا جو بڑی دلچسپی سے مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا' وائٹ قمیص شلوار پر بلیک خوب صورت سی پشاوری واسکٹ پہنے اور کندھے پر ہم رنگ قیمتی چادر رکھے وہ کسی جاگیردار سے کم نہیں لگ رہا تھا

> **نظم**
>
> سنا تھا ہم نے بچپن میں
> کبھی بھی یوں نہیں ہوگا
> کہ گندم بو کے جو کاٹو
> مگر ہم پہ جوانی میں
> حقیقت یہ کھلتی ہے
> بھلے جتنی خوشی بو'لو
> محبت کی زمینوں سے
> دکھوں کی فصل اگتی ہے
>
> رخسانہ' نگینہ......کوٹ قیصرانی

اوپر سے اس کی دلفریب مسکراہٹ' اس کی وجاہت کو مکمل کررہی تھی' اسے خود کا جائزہ لیتے دیکھ کر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا آگے بڑھنے لگا اور مصفرہ کو لگا اس کی سانسیں رک جائیں گی' بیڈ کے قریب پہنچ کر اس نے مصفرہ کا ہاتھ تھام کر اسے نیچے اتارا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی تھیں جاناں' مجھے پتا ہے میں اچھا لگ رہا ہوں' ویسے تم کہو تو آج ہی رخصتی نہ کروادوں۔'' اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے وہ مزید شوخ ہوا' مصفرہ کا اس کی قربت میں سانس رکنے لگا۔

''کک......کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' وہ پسینہ پسینہ ہوتی ہوئی منمنائی اور حائم کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے قدرے فاصلے پر جا کھڑی ہوئی وہ اس کی گھبراہٹ سے حظ اٹھانے لگا۔

''جانِ حائم' آپ بہت خوب صورت ہو۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے لب اس کی صبیح پیشانی پر رکھ دیئے' مصفرہ کو لگا کسی نے جلتے انگارے اس کی پیشانی پر رکھ دیئے ہوں۔ گزشتہ رات کی ساری کارروائی آنکھوں کے سامنے آگئی' اس نے چیختے ہوئے حائم کو دھکا دے کر خود سے جدا کیا اور لمبے لمبے سانس لیتی بیڈ پر جاگری۔ حائم اس کی حالت اچھی طرح سے سمجھ رہا تھا اس لیے آگے بڑھ کر اسے دلاسہ دینا چاہا جب مصفرہ کے چلانے پر وہیں تھم گیا۔

''آگے مت بڑھیے گا...... ہرگز نہیں...... آگے مت آنا۔''

''مصفرہ..... آپ کو مجھ پر یقین رکھنا چاہیے میں آپ کا شوہر ہوں' آپ کے جذبات واحساسات کی قدر کرتا ہوں آپ پلیز روئیں مت' مجھے تکلیف ہو رہی ہے پلیز۔'' وہ مسلسل اسے روتا دیکھ کر کرب سے کہتا ہوا اس کے قدموں میں جا بیٹھا' مصفرہ کو احساس ہوا اس نے اچانک کیا کر دیا۔

''وہ..... وہ..... میں.....'' حائم نے اس کے چہرے پر الجھن دیکھتے ہوئے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

''نہیں مصفرہ آپ کچھ مت کہیں' غلطی میری ہے لیکن میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں..... آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن میری محبت بالکل پاک ہے۔ میں نے ہمیشہ آپ کو احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے مجھے معاف کر دیں۔'' حائم کے لہجے اور آنکھوں میں جو سچائی دکھائی دے رہی تھی اس نے مصفرہ کو مزید شرمندہ کر دیا۔

''لالہ..... جلدی کریں' زائم لالہ بلا رہے ہیں۔'' پلوشہ نے دستک دیتے ہوئے آواز لگائی تو حائم اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ کو کافی بخار ہے اب آپ کو آرام کرنا چاہیے۔'' اسے لٹا کر کمبل اچھی طرح سے اوڑھا کر اس نے اجازت طلب نظروں سے مصفرہ کو دیکھا۔ ''اب میں چلتا ہوں جلد ہی ملاقات ہوگی۔'' وہ خوش اخلاقی سے کہتے ہوئے باہر نکل گیا' مصفرہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا ایک پل کے لیے تو اس کا دل چاہا بھاگ کر جائے اور اسے روک لے لیکن وہ ایسا نہ کر سکی' بخار شدت اختیار کرتا جا رہا تھا اور اس پر بے ہوشی طاری ہونے لگی تھی' تھوڑی ہی دیر میں اس کی آنکھیں بند ہوگئیں تھیں۔

❁.....❁.....❁
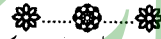
''مصفرہ..... مصفرہ اٹھو۔'' اسے لگا کوئی اسے آوازیں دے رہا ہے لیکن آواز اتنی دور سے کیوں آ رہی ہے' اچانک ہی مریم نے اسے جھنجوڑ کر اٹھایا وہ آنکھیں وا کیے مریم کو خود پر جھکے ہوئے دیکھنے لگی۔

''مصفرہ..... جلدی سے اٹھو۔'' مریم اسے اٹھانے لگیں' وہ درد سے پھٹتے سر کو تھام کر اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہوا مما.....؟'' کمرے کی لائٹس اس کی آنکھوں میں چبھنے لگیں وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ مریم اسے اٹھتے دیکھ کر جلدی سے الماری کی طرف بڑھ گئیں۔

''مصفرہ جلدی کپڑے چینج کر لو ہم ابھی کراچی کے لیے نکل رہے ہیں۔'' مریم کپڑے سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے ساتھ ساتھ اسے ہدایت کرنے لگیں' مصفرہ جو بیزاری سے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی مریم کی بات پر چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''ماما اس وقت ہم کراچی جا رہے ہیں' ابھی تو رات.....''

''ماما یہ پلوشہ آپی کیا بول رہی ہیں' حائم بھیا کو کیا ہوا ہے؟'' ریان اور حنین بوکھلائے ہوئے اندر داخل ہوتے ہی پوچھنے لگے اور مصفرہ جو مریم کے رویے پر حیران ہو رہی تھی' ریان کی بات پر پریشانی سے ماں کو دیکھنے لگی۔ ریان اور حنین اسے دیکھ کر اپنی اپنی جگہ ٹھٹک کر رک گئے۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں ماما..... حائم کو کیا ہوا؟ آپ کچھ بولتی کیوں نہیں.....'' مریم کو ساکت دیکھ کر وہ دیوار کا سہارا لیتی ہوئی ان کی طرف بڑھنے لگی۔

''ماما..... پلوشہ آپی جو کہہ رہی ہیں وہ سچ ہے کیا؟'' حنین جو خود پر ضبط کیے ہوئے تھی' مریم کے ردعمل پر بے یقین سی ان سے پوچھنے لگی۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے' کوئی مجھے بھی کچھ بتائے گا؟'' مصفرہ ہانپتے ہوئے چلا اٹھی اور مریم گہری سانس خارج کرتے ہوئے صوفے پر ڈھے سی گئیں۔

''حائم کو گولی لگی ہے' سجاول اور اس کے ساتھیوں نے دانیال کی فصلوں کو آگ لگا دی تھی اور ساتھ ہی ان پر حملہ بھی کر دیا تھا' زائم جوابی حملہ کرتے ہوئے زخمی ہوگیا ہے جبکہ حائم..... حائم کی حالت بہت نازک ہے۔'' مریم کہتے ہوئے آخر میں رو دیں' حنین بھی روتے ہوئے ان کے کندھے سے جا لگی جبکہ ریان وہیں ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''یہ نہیں..... نہیں ہو سکتا ماما' ابھی تو حائم کہہ کر گیا تھا جلد ہی ملاقات ہوگی' وہ..... وہ کیسے ہمیں چھوڑ کر جا سکتا ہے۔'' مصفرہ ہذیانی انداز میں کہتی ہوئی بیڈ پر جا بیٹھی' وہ مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی' اتنے میں پشمینہ اور پلوشہ بھی وہاں آ گئیں' پشمینہ نے مصفرہ کو یوں گم صم بیٹھے دیکھا تو ان کا درد مزید بڑھ گیا۔

''میری بچی.....'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے مصفرہ کو اپنے ساتھ لگا لیا' وہ مسلسل روئے جا رہی تھیں جبکہ مصفرہ کو لگا اس کی آنکھوں میں آنسو پتھر ہوگئے ہیں وہ کسی مجسمے کی طرح

ساکت پشمینہ سے لگی رہی، مریم بیٹی کی حالت دیکھ کر ان کے پاس ہی آ گئیں۔ مریم کے دلاسہ دینے پر پشمینہ ان کے گلے لگ کر دھاڑے مار مار کر رونے لگیں، مریم کا بھی خود پر سے ضبط ختم ہونے لگا، ان دونوں خواتین کو دیکھ کر وہاں موجود تینوں نفوس خود پر بمشکل ضبط کر پا رہے تھے، سوائے مصفرہ کے جو ابھی تک ساکت و جامد زمین کو تک رہی تھی۔

''آپ لوگ جلدی سے آ جائیں، دانیال کہہ رہے ہیں آدھے گھنٹے میں آپ لوگوں کو نکلنا ہے۔'' پشمینہ مریم سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہنے لگیں اور پلوشہ کمرے سے نکل گئیں۔ مریم نے ریان اور حنین کو پیکنگ کرنے کی ہدایت دی اور خود بھی جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگیں۔ مصفرہ بخار سے تپ رہی تھی اس لیے مریم اپنی پیکنگ مکمل کرنے کے بعد مصفرہ کو لیے اس کے کمرے میں آ گئیں، مصفرہ غائب دماغ سے خلاء میں گھورتی رہی، اس کی پیکنگ کرنے کے بعد انہوں نے اسے ایک سوٹ تھما کر ڈریسنگ روم میں بھیج دیا، مصفرہ نے دیکھا وہ ابھی تک نکاح والے سوٹ میں تھی اس کا زیور مریم پہلے ہی اتار چکی تھیں۔

کافی دیر غائب دماغی سے بیٹھے رہنے کے بعد وہ ڈریس تبدیل کر کے باہر نکلی تو مریم کہیں دکھائی نہیں دیں، مصفرہ بیڈ پر آ بیٹھی اسی وقت مریم کے ساتھ پشمینہ اندر داخل ہوئیں اور مصفرہ کے ہاتھ میں وہی کنگن پہنا دیئے جو نکاح کے وقت انہوں نے پہنائے تھے۔

''میں تمہیں اور تو کچھ نہ دے سکی یہی رکھ لو میرا بچہ زندگی و موت کی کشمکش میں ہے، مصفرہ دعا کرنا میرا بیٹا بچ جائے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں، مصفرہ مریم کی طرف دیکھنے لگی۔ سارے زیورات مریم نے اتار دیئے تھے اور شاید بی بی جان کو واپس کر دیئے تھے، اسی لیے وہ بھاگی بھاگی آئی تھیں اسے وہ تحفہ واپس کرنے جو انہوں نے نکاح کے وقت اسے دیا تھا۔

''بھابی حوصلہ کریں حاتم کو کچھ نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔''

''کیسے حوصلہ کروں دانیال کہہ رہے ہیں وہ آئی سی یو میں ہے جبکہ باہر کے لوگ کہہ رہے ہیں کہ میرا حاتم مر گیا ہے، وہ نہیں رہا کیسے حوصلہ کروں۔'' مریم کے تسلی دینے پر وہ پہلے سے زیادہ بے اختیار ہو گئیں، مصفرہ جو پشمینہ کی بات غور سے سن رہی تھی، اپنے ہوش و حواس کھونے لگی، اسے لگا کمرا گول

آہ محبت......واہ محبت

یہ گھاؤ لاعلاج ہیں
تلخ سی یادیں
تلخ سی باتیں
دل میں اک انی گڑی ہے
پھانس دھڑکن میں چبھ گئی ہے
آج کوئی یہ چیختا ہے
کہ میرا بس اتنا گناہ ہے
یہ ''محبت'' ہی خطا ہے
آ رہے ہیں لوگ مجھ تک
سنگ ریزوں کو لیے
ہے تماشوں سے بھی آگے
ہر کوئی یہ بولتا ہے
واہ محبت......آہ محبت
تجھ کو پانے کا صلہ ہے
کہ دھرتی میری ذات
آفتوں کا زلزلہ ہے
سانس رکتا ہے ہر قدم پر
ٹیس اٹھتی ہے زخم پر
جسم کے زخموں کو وقت اک دن
بھر تو دے گا مگر یہ لیکن
تلخ سی باتوں کے تیر ہیں جو
یہ خنجروں کی زبان ہے جو
جو گھاؤ اس سے لگے ہیں ان کو
کون ہے اس روح کا معالج
میں بھول جاؤں بھلا یہ کیسے
میں کر دوں نظروں سے دور کیسے
سینا سور جو ابل رہا ہے
کوئی ہے مقتل میں ڈھل رہا ہے
روح کا ہے نہ علاج کوئی
نہ اپنا دھڑکن سے رابطہ ہے
آہ محبت......واہ محبت

نورین مسکان سرور......سیالکوٹ، ڈسکہ

گول گھوم رہا ہے اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا' اسے ہوش آیا تو وہ گاڑی میں لیٹی ہوئی تھی اس کا سر مریم کی گود میں تھا۔ ہر طرف سیاہ تاریکی چھائی ہوئی تھی' جیپ کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں راستہ دکھائی دے رہا تھا وہ کراہتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور دماغ پر زور دینے لگی' وہ لوگ حویلی سے نکل چکے تھے اور اب راستے میں تھے۔

''مصفرہ میری جان کچھ کھالو تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔''

''ماما پانی دیں...... مجھے۔'' اسے اپنے حلق میں کانٹے چبھتے ہوئے محسوس ہوئے' مریم نے اسے پانی پلایا۔ وہ پانی پی کر دوبارہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی' مریم نے بھی پھر مزید اصرار نہیں کیا' اس کی آنکھ پھر صبح کھلی' سورج کی روشنی ہر سو پھیلنے کے لیے تیار تھی لیکن موسم نم تھا۔ مصفرہ کو اٹھتے دیکھ کر زمان نے گاڑیاں رکوادیں اور قریبی ہوٹل ناشتہ کے لیے چل دیئے' مصفرہ کو منع کرنے کے باوجود بھی مریم اسے زبردستی لے کر چل پڑیں' مصفرہ نے اردگرد دیکھا وہ لوگ کھیتوں سے گزر رہے تھے' ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ اور بیچ میں سبزہ ہی سبزہ تھا' وہ لوگ قریبی ہوٹل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مصفرہ سے چلنا دشوار ہو رہا تھا' بخار کی شدت ابھی بھی برقرار تھی' دو قدم چلنے کے بعد ہی اس کی ٹانگیں جواب دے گئیں وہ وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی' اسے بیٹھتے دیکھ کر سب اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

''مصفرہ بیٹا کیا ہوا؟'' زمان نے پریشانی سے پوچھا تو اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے انہیں مطمئن کیا۔

''پاپا...... مجھ سے چلا نہیں جا رہا' آپ لوگ جائیں میں یہیں انتظار کرتی ہوں۔'' زمان کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر مریم سے مخاطب ہوئے۔

''میں اور ریان کھانے کے لیے کچھ لے آتے ہیں' آپ لوگ انتظار کریں۔'' زمان ریان کو لے کر چل دیئے جبکہ مریم مصفرہ کو سہارا دیتے ہوئے ایک بڑے سے پتھر تک لے آئیں۔

مصفرہ کا غم پھر سے تازہ ہونے لگا۔ ایک دن میں اس کے ساتھ کیا سے کیا ہو گیا' آنسو پھر سے گالوں پر بہنے لگے۔ مصفرہ گر کر بے ہوش ہو گئی۔ مریم جو بیٹی کی حالت غیر ہوتی دیکھ چکی تھیں تیزی سے اس کی طرف بڑھیں اور اسے بازوؤں میں بھر لیا' زمان اور ریان بھی آ چکے تھے وہ بھی مصفرہ تک پہنچ گئے۔ مریم نے اسے ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود' زمان نے اس کی نبض چیک کی جو بہت مدھم چل رہی تھی ان کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو ہسپتال میں مشینوں میں گھیرے ہوئے پایا' دماغ پر بہت زور ڈالنے کے باوجود بھی اسے یاد نہ آیا کہ آخری بار وہ کہاں تھی اور اسے کیا ہوا تھا' اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر نرس نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا' ڈاکٹر نے چیک اپ کرنے کے بعد گھر والوں کو اس سے ملنے کی اجازت دیتے ہوئے مبارک باد دی۔ وہ ابھی دواؤں کے زیر اثر تھی' دوبارہ آنکھیں بند ہونے سے پہلے اس نے باری باری سب کو دیکھا' پاپا' ماما' حنین' ریان اور یہ آخری شخص کون ہے اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔ اسے لگا کوئی نرمی سے اسے پکار رہا ہے' اسے ہلا رہا ہے' اس کا لمس اسے پھولوں کی خوشبو کی طرح لگ رہا تھا پھر اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا اور وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گی۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں' اب یہ بالکل ٹھیک ہیں' صبح تک ہوش میں آجائیں گی تو ہم انہیں پرائیوٹ روم میں شفٹ کردیں گے۔'' ڈاکٹر کے دلاسہ دینے پر وہ سب شکر ادا کرتے باہر نکل گئے۔

❁......❁......❁

''بس ماما اور نہیں میرا دل نہیں کر رہا۔'' مصفرہ نے بے زاری سے کہا تو انہوں نے اصرار کرنے کے بجائے اثبات میں سر ہلا کر سوپ کا باؤل سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ دو دن قبل رات کو اسے ہوش آیا تھا۔ پشاور سے اسے کراچی کے ہسپتال منتقل کردیا گیا تھا۔ مریم کے بتانے پر اسے پچھلی تمام باتیں یاد آئیں تھیں۔ نکاح کے یاد آتے ہی ساری یادیں پھر سے ذہن میں تازہ ہونے لگیں' اس کا دل درد سے پھٹنے لگا اس کی اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اپنی ماں سے پوچھتی کہ حاتم زندہ ہے یا...... لیکن وہ اس کے زندہ ہونے کی دعا کرنے لگی۔

ہوش میں آنے کے پہلے دن تو وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار رہی لیکن دو دن بعد وہ کافی سنبھل گئی تھی اور اب تھوڑی دیر میں اسے ڈسچارج ہو کر گھر جانا تھا۔

''مصفرہ اٹھو دیکھو کون آیا ہے؟'' ہسپتال سے آنے کے

بعد وہ سو رہی تھی جب مریم کے اٹھانے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور سامنے پشمینہ اور پلوشہ کو دیکھ کر ساکت رہ گئی' وہ بے یقینی سے ان کی طرف دیکھنے لگی تو پشمینہ نے پیار سے اسے گلے لگالیا' اسے احساس ہوا کہ وہ رو رہی ہیں' اس کی افسردگی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ پشمینہ کے بعد پلوشہ نے بھی اسے گلے لگالیا' ان میں سے کوئی بھی حائم کی بات نہیں کررہا تھا مصفرہ سے حال چال پوچھنے کے بعد پشمینہ اور مریم باتوں میں لگ گئیں اور وہ سوچنے لگی' کیا میری زندگی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہوگئی' اس نے کرب سے آنکھیں بند کرتے ہوئے سر بیڈ کراؤن سے ٹکایا' وہ زمان کے ساتھ اندر داخل ہوا بلیک ڈریس میں بیڈ کراؤن سے سر ٹکائے کافی اذیت میں لگ رہی تھی۔ اب اس کی حالت پہلے سے کافی بہتر لگ رہی تھی' چہرے کی پیلاہٹ بھی کافی کم ہوگئی تھی' آہٹ پر مصفرہ نے آنکھیں کھول کر دیکھا دونوں کی نظریں ملیں اور ساکت ہوگئیں' مصفرہ کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اس کا خواب حقیقت بن کر کسی بھی وقت اس کے سامنے آکھڑا ہوگا' وہ مسکراتے ہوئے زمان کے ساتھ ہی صوفے پر جا بیٹھا اس کی مسکراہٹ آج پہلے سے زیادہ دلکش تھی' بے ساختہ اس کے آنسو بہہ نکلے اس کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر روئے اور اپنے دل کا سارا غبار نکال دے' ان تین دنوں میں اس نے کتنی اذیت برداشت کی تھی' یہ وہی جانتی تھی حائم اب بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا وہ اس کا ردعمل محسوس بھی کررہا تھا اس کی وجہ سے آج وہ اس حال کو پہنچی تھی۔ مصفرہ نے کسی کے دیکھنے سے پہلے ہی اپنے آنسو صاف کردیئے لیکن پلوشہ سے اس کے آنسو چھپے نہ رہ سکے' وہ اٹھ کر اس کے پاس آبیٹھی۔

''لالہ کو دل کے قریب گولی لگی تھی ان کا بچنا بہت مشکل تھا لیکن آپ کی محبت اور دعائیں ہی تھیں جن کی بدولت لالہ جان آج آپ کے سامنے ہیں' حملے کے دوران سجاول اور اس کے ساتھی مارے گئے اور لالہ کو گولی لگ گئی' قبیلے میں جو بابا جان کے مخالفین تھے وہ آپ کے اور لالہ کے نکاح پر سخت غصہ تھے اور اس موقع کو غنیمت جان کر انہوں نے آپ لوگوں پر حملے کا منصوبہ بنایا' جب بابا جان کو اپنے ایک حمایتی کے ذریعے یہ خبر ملی تو بابا جان نے یہ افواہ پھیلا دی کہ لالہ جان گولی لگنے سے انتقال کرگئے جب ان کے مخالفین تک یہ خبر پہنچی تو وہ تھوڑے ٹھنڈے پڑ گئے اور بابا جان نے اس موقع کا

فائدہ اٹھاتے ہوئے راتوں رات آپ لوگوں کو وادی سے بحفاظت بھیج دیا' ہم سب بہت پریشان تھے آپ کی حالت اتنا لمبا سفر کرنے کے قابل نہیں تھی لیکن ہماری مجبوری تھی آپ لوگوں کی جان خطرے میں تھی اس لیے ہمیں یہ سب کرنا پڑا لیکن جب اگلی صبح ہمیں خبر ملی کہ آپ کی حالت بہت خراب ہے اور آپ پشاور کے ہسپتال میں داخل ہیں تو بابا جان اور بی بی جان آپ کے پاس پہنچ گئے۔ زائم لالہ تو مسلسل حائم لالہ کے ساتھ ہسپتال میں تھے۔ لالہ جان کا آپریشن کامیاب ہوا تھا' خوشی اور غمی کی ملی جلی کیفیت میں بابا اور بی بی جان واپس حویلی آئیں تو قبیلے والوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کر رکھا تھا انہیں پتا چل گیا تھا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے اس سے پہلے کہ وہ پشاور تک پہنچتے' باباجان کے کہنے پر زمان انکل نے آپ کو کراچی کے ہسپتال منتقل کروادیا۔ حائم لالہ کے ہوش میں آتے ہی انہیں ساری صورت حال سے باخبر کردیا گیا تھا وہ پریشانی اور غم سے نڈھال ہوئے جارہے تھے لیکن ان کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ ہل بھی سکتے' اس دوران باباجان نے حویلی چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا اور اپنے فیصلے سے قبیلے والوں کو بھی باخبر کردیا' بابا نے حویلی اور ساری زمینیں اپنے جاننے والوں کے حوالے کردیں اور لاہور آ گئے۔ قبیلے کے کچھ لوگوں نے باباجان کو روکنا چاہا لیکن انہوں نے صاف انکار کردیا کہ جہاں ان کی اور ان کے بچوں کی جان اور عزت محفوظ نہیں وہاں رہ کر کیا کریں گے وہ۔'' پلوشہ دھیمی آواز میں اسے ساری صورت حال سے باخبر کررہی تھی اور وہ سر جھکائے اس کی باتیں غور سے سن رہی تھی' اسے پتا ہی نہیں چلا کب اس کے آنسو دوبارہ باڑ توڑ کر بہہ نکلے اس نے سر جھکایا ہوا تھا اس لیے پلوشہ نہ دیکھ سکی۔

اس کی حالت عجیب سی ہورہی تھی مریم' زمان' پشمینہ کب کے جاچکے تھے اور حائم خاموشی سے بیٹھے ہوئے اس کا جائزہ لے رہا تھا' اس کے آنسو اب بھی مسلسل بہہ رہے تھے' حائم اٹھ کر اس کے قریب آیا اس کے اشارہ کرنے پر پلوشہ اٹھ کر باہر چلی گئی' وہ بیڈ پر اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا اس نے اب بھی سر اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔

''کیا ہوا مصفرہ' کیوں روئے جارہی ہو؟ تمہارے آنسو مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔'' اس کی آواز میں کتنا کرب تھا' مصفرہ نے نم آنکھوں سے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور حائم اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

''کیا ہوا مصفی جان' فضول میں کیوں اپنے ان انمول موتیوں کو ضائع کررہی ہو' مرتو نہیں گیا زندہ ہوں اس لیے رو رہی ہو؟'' حائم کے سنجیدگی سے کہنے پر اس کا دل کانپ اٹھا اور وہ بے تاب ہوتی ہوئی اس کے سینے سے جا لگی۔

''میں بہت ڈر گئی تھی' آپ کو پتا ہے میں کتنا روئی تھی خود کو آپ کی حالت کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا کہ اگر اس دن میں آپ کو ناراض نہ کرتی تو یہ سب نہ ہوتا۔ بی بی جان کو روتے دیکھ کر مجھے لگا میں نے آپ کو کھو دیا ہے۔'' وہ ہچکیوں سے روتی اسے اپنے جذبات سے آگاہ کرتی ہوئی ساکت کرگئی اور وہ حیرت و بے یقینی سے اپنے سینے سے لگے اس حسن کے پیکر کو دیکھنے لگا' جو کن الفاظ میں اظہار محبت کرگئی تھی اس نے مصفرہ کے گرد اپنی بانہوں کا حصار باندھ دیا' مصفرہ کو جونہی اس کا احساس ہوا تو وہ حائم سے علیحدہ ہوگئی۔ حائم نے اس کی گھبراہٹ محسوس کرتے ہوئے پورے اعتماد سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں اپنی آخری سانس تک تمہارے لیے جیوں گا اپنی آخری سانس تک' میں صرف تمہارا ہی رہوں گا اپنی آخری سانس تک تمہیں پوری شدت سے چاہوں گا۔ میری ہر سانس صرف تمہارے نام میری آخری سانس تک تم مجھے خود سے وفادار پاؤ گی۔'' وہ جذبوں سے چور لہجے میں اسے اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا اور مصفرہ اس کی آنکھوں کی سچائی سے اس بار نظریں نہ چرا سکی۔

❀.......❀.......❀

مصفرہ اپنی خوب صورت آواز میں کلاس کے بلیک بورڈ پر ڈرائنگ بناتے ہوئے بچوں کو نظم پڑھا رہی تھی سب بچے اس کے پیچھے پڑھنے لگے۔ ڈرائنگ بناتے ہوئے اس کی نظر دروازے کی چوکھٹ پر گئی تو وہ حیرت سے مسکراتے ہوئے خاموش ہوگئی' بچوں کے شور کرنے پر اس نے جلدی جلدی نظم پڑھا کر ڈرائنگ کمپلیٹ کی اور سب کو ڈرائنگ پیپر اور کلرز دے کر باہر آ گئی' وہ اطمینان سے کلاسز کا جائزہ لے رہا تھا' مصفرہ اسے دیکھ کر اس کی طرف آ گئی۔

''السلام علیکم!'' اس کے سلام کرنے پر وہ ایڑی کے بل گھوما اور اسے گلے لگا لیا۔

''تین دن بعد شوہر کے آنے پر ایسے ملتے ہیں جاناں۔''

''ارے کیا کررہے ہیں حائم...... کوئی بچہ آجائے گا ہٹیں پیچھے۔'' وہ اسے خود سے دور کرتے ہوئے خفگی سے گھورنے لگی۔

''بڑی ظالم ہوتم۔'' ہنستے ہوئے اس نے کہا۔ ''چھٹی نہیں ہوئی' میں دیر سے اس لیے آیا تھا کہ تمہیں یہاں سے لے کر وادی گھومنے جائیں گے اور تم ہو کہ خود کو اب تک مصروف کیا ہوا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا ہوا اسے دیکھنے لگا۔

یلو قمیص شلوار میں دوپٹہ گلے میں ڈالے اور کندھوں پر شال اوڑھے وہ آج بھی روز اول کی طرح حسین تھی۔

''سوری حائم' بس دس منٹ ویٹ کریں میں ابھی آئی۔'' یہ کہہ وہ کلاس کی طرف بڑھ گئی جبکہ وہ کوریڈور سے باہر کا نظارہ کرنے لگا۔

ان کی شادی کو ڈیڑھ سال ہوگیا تھا شادی کے بعد مصفرہ رخصت ہوکر لاہور آگئی لیکن چھ ماہ بعد ہی ایک دن گڑھی سے کچھ لوگ آئے اور وہ واپس تب ہی گئے جب دانیال کو واپس گڑھی حبیب اللہ جانے کے لیے راضی کرلیا۔ دانیال خان نے واپس جانے کے لیے کچھ شرطیں رکھیں جن میں ایک شرط گڑھی حبیب اللہ میں لڑکے لڑکیوں کے لیے اسکول بنوانے کی تھی۔ قبیلے والوں نے بھی زیادہ اعتراض نہ کیا دراصل اب وہ خود بھی تھک گئے تھے' اپنے خود ساختہ جاہلیت کے خول میں رہ رہ کر اب وہ بھی آگے بڑھنا چاہتے تھے' جاہلانہ طور طریقوں اور رسم ورواج سے آزادی چاہتے تھے وہ اب اپنے ہی پیدا کردہ اندھیرے کو ختم کرنا چاہتے تھے' ایک نئی صبح چاہتے تھے جس میں سورج اپنی کرنوں سے ہر سو روشنی بکھیر دے ہاں وہ لوگ چاہتے تھے کہ سردار دانیال خان واپس آجائے کیونکہ وہی ان کی اندھیری زندگی میں روشنی لاسکتا تھا۔

یہاں آتے ہی دانیال نے بیٹوں کے ساتھ مل کر زمینوں پر اسکول کی عمارت تعمیر کروانا شروع کردی۔ اسکول کا افتتاح دانیال خان کے ہاتھوں ہوا تھا' وہ بہت خوش تھے وہ کیا سب ہی بہت خوش تھے۔ انہوں نے تمام ضروری مواد کتابیں' کاپیاں اور دیگر سامان شہر سے منگوایا تھا۔ مصفرہ نے بچوں کی کلاسز کی ڈیکوریشن اپنے ذمہ لی اور اپنی فائن آرٹس کی ڈگری کا بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ پورا اسکول اس کے آرٹ کا منہ بولتا ثبوت تھا' سب نے ہی اسے خوب سراہا تھا' وہ صبح صبح پلوشہ کے ساتھ اسکول آجایا کرتی تھی' زائم تھوڑا وقت زمینوں پر گزار کر دو گھنٹے اسکول کے بچوں کو دیا کرتا تھا وہ بھی اس کار خیر میں ان دونوں کی مدد کرنا چاہتا تھا' سو انہوں نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا وہ جاتے ہوئے پلوشہ کو لے جاتا تھا جبکہ مصفرہ چھٹی کے وقت بچوں کے ساتھ ہی حویلی جاتی تھی' وہ بچوں کی پڑھائی کے ساتھ ساتھ انہیں آرٹ کی طرف بھی راغب کررہی تھی۔ حائم اپنی ہی سوچوں میں گم تھا اسے پتا ہی نہیں چلا کب بچے دوڑتے ہوئے اس کے پاس سے گزر گئے وہ مصفرہ کی آواز پر چونک کر پلٹا۔

''چلیں جناب......''

''کیوں نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو مصفرہ نے بلا جھجک اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اسکول کی عمارت سے نکل کر وہ وادی کی طرف بڑھنے لگے' تھوڑی دیر بعد وہ ایک آبشار کے کنارے بڑے سے پتھر پر آبیٹھے۔

''تم نے مجھے مس کیا تھا؟'' حائم کی آواز پر وہ چونکی۔

''ہمیشہ کی طرح۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہمارا اسکول بورڈ نے رجسٹرڈ کردیا ہے۔'' اب کی بار وہ صحیح معنوں میں چونکی۔

''کیا......؟'' وہ تقریباً خوشی سے چلا اٹھی۔ ''تم سچ کہہ رہے ہو حائم......!''

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''واؤ' واٹ آ گریٹ نیوز۔ حائم پتا ہی نہیں چلا ڈیڑھ سال کیسے گزر گیا ہے ناں؟'' اس نے کچھ دیر بعد دھیرے سے کہہ کر اس کی تائید چاہی تو اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''تمہارے قریب رہ کر وقت کا پتا ہی نہیں چلا اور تم سے دور رہ کر ایک ایک پل صدیوں کے برابر لگا۔'' اس نے جذبات سے چور لہجے میں کہا۔ مصفرہ نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اس کے کندھے سے ٹکا دیا۔ وہ جان گئی تھی کہ حائم ہی اس کی محبت کی ابتداء ہے اور انتہاء بھی اسے کو ہی ہونا تھا۔

''زندگی کتنی بے معنی اور فضول سی چیز ہے۔'' میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''صرف تمہارے لیے۔'' دوسری طرف سے جواب مصروف سے انداز میں آیا تھا کیونکہ روزی آپی اس وقت ہاتھ میں اپنی ڈائری لیے پینسل انگلیوں میں پھنسائے گود میں کوئی رسالہ رکھے اس میں سے کچھ اہم پوائنٹس' کچھ اقوال زریں وغیرہ اپنی ڈائری میں نوٹ کررہی تھیں۔

''آپ کہہ رہی ہیں درپردہ کہ میں فضول اور بے کار ہوں؟'' میں نے تنک کر پوچھا۔

''نہیں' تمہاری سوچ۔'' دوسری طرف سے پھر اسی مصروف لہجہ اور ہمیشہ کی طرح مختصر بات۔

''میری سوچ......'' میں نے کنپٹی پر انگلی رکھی اور کسی مفکر کا سا انداز اپناتے ہوئے سوچنے لگی لیکن روزی آپی کی آواز نے چونکا دیا۔

''اب کیا سوچنے بیٹھ گئی ہو' یہی تو نہیں کہ اپنی سوچ کو درست کیسے کرنا ہے؟'' انداز چڑانے والا تھا۔

''نہیں' یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ کی سوچ اپنی سوچ جیسی کیسے بناؤں۔'' چڑتے ہوئے کہہ کر میں اٹھ گئی۔

''چچ......چچ......'' آپی نے افسوس سے سر ہلایا۔

''دنیا اچھی سوچ کو پروموٹ کرتی ہے' لوگوں کو نیکی کا درس دینے کے لیے دھکے کھاتی ہے اور تم برائی کو پھیلانے کا سوچ رہی ہو تب ہی میں کہوں ہمارے ہاں بوئے گئے نیکی کے بیج سے ابھی تک پودے کیوں نہیں نکلے۔'' روزی آپی کے طنز نے مجھے مزید تپا دیا۔

❁......❁......❁

تہمینہ آئی تھی' ہاتھ میں سوٹ کا کوئی نیا نمونہ پکڑے روزی آپی کو دکھانے میں بھی پاس ہی تھی۔ سرخ اور فیروزی کنٹراس تھا' دوپٹہ تو سادہ ہی تھا ہاں فیروزی رنگ کا پٹی دوپٹے کے چاروں طرف لگایا تھا۔ دو کلر کی لیس لے کر اس کو کسی کپڑے پر لگا کر آج کل کے فیشن کے مطابق گلہ بنایا تھا اور اسے قمیص پر جوڑ دیا تھا۔ ہاتھ میں صفائی تھی اور وہ واقعی میں لگ بھی زبردست رہا تھا۔ سب نے تعریف کی وہ آپی سے مزید کوئی مشورہ لینے آئی تھی میں ان معاملات میں کوری تھی سو اٹھ گئی۔

سوٹ کا ڈیزائن تو سادہ ہی تھا' رات بستر پر سونے کے لیے لیٹی تو وہ سوٹ ہی دماغ میں بسا رہا تھا۔ اس کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی کہ ایک دم جھٹکا کھا کر اٹھی۔

''ارے...... وہ تو ڈرامے میں بے چاری حیا نے پہنا تھا' دھت تیری......'' وہ واقعی میں اچھا تھا اور مجھے بھی ڈیزائن پسند آیا تھا لیکن میں بنانے کا سوچتی رہی اور یہاں تیار بھی ہوگیا۔ کچھ اس وجہ سے بھی نہیں بنایا کہ یہ تو پرانی چیز ہوئی نا مجھے کچھ نیا اور انوکھا کرنا چاہیے۔

❁......❁......❁

گھر کی صفائیاں ہورہی تھیں سال میں دو بار امی تفصیلی صفائی کرتی تھیں' پورا گھر صفائی کے چکروں میں بکھر کر رہ جاتا تھا اور جب کام مکمل ہوجاتا تو یہی گھر نیا نیا لگتا تھا۔ روزی آپی امی کی مدد کرواتی تھیں' انہیں گھر ڈیکوریٹ کرنے کا بہت شوق تھا۔ دیواروں پر کارڈز لگا کر دیوار سجا دیتیں' جہاں سے چونا اکھڑا ہوتا وہاں خود سے کوئی پینٹنگ بنا کر لگا دیتیں۔ اکھڑے چونے کی بدصورتی بھی ختم ہوجاتی اور دیوار کو ایک نئی لک بھی مل جاتی تھی۔

میں ان کاموں میں بھی اناڑی تھی اور میرے کمرے کی حالت بھی ہمیشہ دیکھنے لائق ہوتی تھی' وہیں آپی کا کمرہ تھا حالانکہ اسٹور روم تھا اسے بڑی مشکل سے کمرے کی شکل دی تھی اور جب سامان رکھا

اور آپی نے اسے سجایا تو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ وہی اسٹور تھا۔

کچھ زیادہ خرچہ بھی نہیں ہوا تھا اس کی الماریوں میں شیلس بچھا کر اوپر کچھ چھوٹے چھوٹے ڈیکوریشنز (آپی ٹیچنگ کرتی تھیں اور اسٹوڈنٹس میں کافی مقبول تھیں وہ انہوں نے ہی گفٹ دیئے تھے) رکھ دی تھیں۔ دیوار پر سینری تو ایک ہی تھی‘ ہاں باقی آپی نے خود کہیں سے پھول کاٹ کر پرانے کلینڈر لے کر ان کے اوپر بنی ڈیزائننگ آیتیں اور گلدستہ کاٹ کر سینری کے انداز میں دیوار پر لگائے تھے۔ کمرے کے کونے میں ایک ٹیبل رکھی تھی‘ ٹیبل بھی بے کار مطلب کہ گھر میں استعمال کی نہیں تھی اور کہیں جگہ بھی نہیں تھی اسے رکھنے کی وہی ٹیبل آپی اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئیں‘ ایک فالتو اور خراب ٹیبل لیمپ بھی تھا۔ جو اِدھر اُدھر رلتا رہتا تھا‘ اسے اٹھا کر اچھی طرح صاف کیا اس کے اندر ایک فیوز بلب لگایا اور ٹیبل پر رکھ دیا ایک سائیڈ پر کچھ کتابیں وغیرہ رکھیں‘ ایک ٹوٹے ہوئے کنڈے والا مگ لے کر اس میں کلرز بال پوائنٹس اور پین وغیرہ رکھ دیئے‘ ٹیچر ہونے اور ڈرائنگ بنانے کا شوق ہونے کے ناطے ان چیزوں میں زرخیز تھیں۔

”لو جی...... کمرے میں ہی اسٹڈی روم بھی بن گیا‘ رونق بھی اور کمرا اتنا زبردست لگتا کہ جو بھی دیکھتا واہ واہ کرتا۔ ایک میرا کمرا لگتا ہی نہیں تھا کہ یہاں کوئی انسان بھی رہتا ہے۔“

❀......❀......❀

”میزاب گھر میں فارغ ہوتی ہو (میٹرک کے امتحانات کے بعد) سارا دن کمپیوٹر پر بیٹھ کر گیمز کھیلتی ہو اور گانے سن کر فضول میں وقت برباد کرتی ہو۔ کتابیں منگوا کر ایف اے کی تیاری ہی کرلو اور نہیں تو کوکنگ ہی سیکھ لو۔“ ایک دن امی نے کہا۔

”امی......“ ساری عمر یہی کام کرنے ہیں اور پھر یہ سب ہی کرتے ہیں‘ مجھے کچھ نیا اور انوکھا کرنے کا شوق ہے امی اور......“ امی کو غصہ آ گیا۔

”کمپیوٹر پر گیمز سب ہی کھیلتے ہیں اور گانے بھی ساری دنیا ہی سنتی ہے یہ بھی کچھ انوکھا نہیں ہے جو تم کرتی ہو البتہ فضول ضرور ہے۔“

”امی میں اسپائیڈر (تاش) کھیلتی ہوں اور چار کارڈز والے۔ وہ آج تک کسی سے جیتی نہیں گئی وہ جیتوں گی‘ ان شاء اللہ۔“ گیم واقعی میں مشکل تھا وہ کارڈز ایسے پھنستے تھے کہ بندہ ان کو ٹھیک کرتے ایک پیئر بناتے اپنا آدھا دماغ خراب کرلیتا تھا اور مجھے وہی جیتنے کا شوق تھا۔

❀......❀......❀

مجھے ایک نفسیاتی بیماری تھی اور مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ مجھے یہ بیماری ہے‘ مجھے لگتا تھا یہ میرا شوق ہے‘ میری زندگی کا مقصد ہے۔ میری اچھی سوچ ہے جو

میں ہمیشہ کچھ اچھا، کچھ نیا، کچھ انوکھا کرنے کا سوچتی ہوں حالانکہ اس میں بڑا مسئلہ تو یہی تھا کہ میں صرف سوچتی ہی تھی کچھ کر نہیں پاتی تھی۔ کئی کام کرنے کو دل کرتا، ڈائری لکھوں یہ تو بہت سے لوگ لکھتے ہیں سوچ کر رد کر دیا کرتی۔

''کوکنگ کروں گی، اچھے اچھے کھانے پکایا کروں گی، سب سے تعریف حاصل کروں گی۔ وہ تو امی اور آپی بھی پکا لیتی ہیں، تعریف بھی حاصل کر لیتی ہیں، چلو آئندہ سے گھر کی صفائی میں کیا کروں گی، ہر چیز کو ایک نئے انداز میں ایک اچھے انداز میں سیٹ کروں گی اور پورا دن پھیلاوا بھی ہونے نہیں دوں گی لیکن یہ کام تو کام والی ماسی بھی کر سکتی ہے۔ مجھے اعلیٰ درجے کا کوئی کام کرنا چاہیے۔'' (وہی ڈھاک کے تین پات)

❁......❁......❁

میٹرک کے بعد پرائیوٹ ایف اے بھی کر لیا تھا اور میں تاش والی گیم کھیل کھیل کر بے زار بھی ہو چکی تھی، پر ابھی تک جیت نہیں سکی تھی۔ زندگی بے کار اور فضول ہی تھی۔ روزی آپی کے جواب ''صرف تمہارے لیے اور تمہاری سوچ نے'' واقعی میں میرے دماغ پر دستک دی تھی۔ میری روٹین یہی تھی سارا دن بے کار بیٹھی رہتی۔

کوکنگ کا شوق نہیں تھا کچھ کام کرنے نہیں آتے تھے اور کچھ پر میری وہی اعلیٰ وارفع سوچ اور پھر روز روز امی کی ڈانٹ سے بھی میں عاجز ہی آ گئی تھی۔ اردگرد دیکھو تو ساری دنیا ہی مصروف نظر آتی، محلے کی ساری دوستیں کوئی بہترین قسم کی کڑھائیاں کرتی تھیں، کوئی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے پوزیشنز لے رہی تھیں۔ بوتیک اسٹائل کپڑے ڈیزائن کر رہی تھیں اور کسی نے اپنے گھر کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا تھا، ایک میں ہی تھی چار سال سے کچھ نیا اور انوکھا کرنے کا سوچ رہی تھی اور صرف سوچ ہی رہی تھی۔

❁......❁......❁

''روزی آپی......آپ نے کہا کہ میری سوچ بے کار اور فضول ہے۔'' اس رات میں آپی کے کمرے میں آئی اور ان کے سیٹ کیے اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

آج صبح پھر امی سے ذرا جدید قسم کی ڈانٹ پڑ گئی تھی، امی نے کچھ زیادہ ہی سخت الفاظ کا استعمال کیا تھا اور میرا تو دل ہی ٹوٹ گیا تھا۔ قصور ان کا بھی نہیں تھا وہ بھی شاید تھک گئی تھیں، مجھے سمجھا سمجھا کر اور اب انہوں نے اپنی بھڑاس تو نکالنی ہی تھی لیکن سچ ہے آج کی ڈانٹ نے مجھے بہت ہی رنجیدہ کر دیا تھا، میں سوچ رہی تھی کہ اب کچھ نہ کچھ تو ضرور ہی کروں گی چاہے یہ ادنیٰ درجے کے کام ہی سہی اور اب آپی کے پاس تھی کہ انہیں یہ سب کام آتے تھے تو کچھ مدد ہی سہی لیکن منہ سے بات ہی اور نکل گئی۔

''تمہارے سوچنے کا انداز ہی غلط ہے۔''

''کیا کچھ نیا اور انوکھا کرنے کے بارے میں سوچنا غلط ہے؟'' میں روہانسی ہوئی۔

''نہیں، یہ غلط نہیں ہے تم ایک دم سے اونچی چھلانگ لگانے کا سوچ رہی ہو کہ تم اچانک سے کچھ نیا اور کچھ انوکھا کر لو گی۔ یہ غلط ہے خود سوچو اگر تم اسکول نہ جاتیں اور یہی سوچتی رہتی کہ اسکول تو آدھی سے زیادہ دنیا جاتی ہے، اے بی سی اور الف ب ہی پڑھتی ہے یہ کون سی نئی بات ہے تو کیا تمہیں آج اردو لکھنی پڑھنی، انگلش سمجھنی آ جاتی۔'' آپی نے میرا چہرہ دیکھا ان کی بات میں وزن تھا میرا منہ کھل گیا۔

''جیسے چھوٹے چھوٹے حروف سمجھنے یاد کرنے سے تمہیں پڑھنا لکھنا آیا ایسے ہی یہ چھوٹے چھوٹے کام جو تمہارے نزدیک ہر کوئی کر لیتا ہے کرنے سے تمہارا ہاتھ کھلے گا۔ اب دیکھو کپڑے ایک عام لڑکی بھی ڈیزائن کرتی ہے اور ایک ڈریس ڈیزائنر بھی، ڈریس ڈیزائنر کا مشن ہوتا ہے ایک اچھی اور مشہور و معروف ڈیزائنر بننا تو وہ صرف سوچتی نہیں ہے بلکہ روزانہ کپڑا اور مشین لے کر بیٹھتی ہے اس پر طبع آزمائی کرتی ہے پھر

سالوں کی محنت کے بعد جا کر اس کا نام اور مقام بنتا ہے۔ کپڑوں کی ڈیزائننگ میں ہم جانتے ہیں نیا کچھ نہیں ہوتا' وہی دامن' گلے اور آستین پر ڈیزائن لیکن ہر بار ان کو پیش کرنے کا انداز الگ ہوتا ہے اور وہ انداز ہی انہیں منفرد بناتا ہے' بالکل ایسے ہی ہر فیلڈ کا بڑا آدمی چھوٹے سے بڑے تک نیچے سے اوپر تک جاتا ہے۔ ایک ایک سیڑھی پر قدم رکھتا ہے' ایک ہی جست میں چھلانگ لگا کر چھت پر نہیں چڑھ جاتا۔ تم سمجھ دار اور عقل مند ہو (یہ آپی نے زندگی میں پہلی بار کہا تھا) پڑھی لکھی ہو میرا کام تمہاری راہنمائی تھا' آگے تمہارا کام ہے مزید سوچنا اور عمل کرنا لیکن سوچ کا انداز بدل کر۔'' میں اٹھ کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

آپی کی بات ٹھیک تھی اور سوچنے کا کام تو شیخ چلی بھی کر ہی لیتا تھا اصل چیز تو عمل ہوتا ہے اور عمل سے پہلے علم اور مجھے چھوٹی چھوٹی چیزوں کا' کاموں کا' علم ہی نہیں تھا۔ اگلی صبح میں نئے عزم کے ساتھ بیدار ہوئی تھی' امی کے ساتھ حتی المقدور ہاتھ بٹایا اور چھوٹی چھوٹی چیز کا بغور مشاہدہ کیا اور اب مجھے گھر یہ ادنیٰ درجے کے کام کرتے ہوئے کرتے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ ذہن پر جمی کثافت' سستی اور کاہلی آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ میں نے الف ب اور اے بی سی پڑھنی شروع کی ہے اور اب مجھے یقین ہے کہ جلد ہی (ایم اے) کی ڈگری (سگھڑاپے) میں لے لوں گی' تو آپ بھی سوچیے ہمیشہ انداز بدل کر' منفی کو مثبت انداز سے......!

تکمیل

آسیہ مظہر چوہدری

شادی کے چند مہینوں بعد اس کے گھر خوش خبری کی نوید آئی تو وہ ہواؤں میں اونچا اڑنے لگی تھی۔ آخر اس کی قسمت میں ماں کا رتبہ رب نے لکھ دیا تھا یہ کوئی عام خبر تو نہ تھی' یہ تو بہت خاص بلکہ خاص الخاص خبر تھی۔ یہ خبر سنتے ہی وہ کتنے دن شادمانی کیفیت میں جھومتی رہی تھی۔ پورا گاؤں اس کی ساس کو مبارک باد دینے آیا تھا۔

''ہاں اللہ نے آس دی ہے' مگر پوتا ہو تو زیادہ اچھا رہے گا۔'' وہی ازلی بڑائی کے جملے اللہ کو اپنے فیصلے سنانا' وہ رحیم کریم جانتا ہے اس نے کس کو کیا دینا ہے کیا نہیں مگر ہم لوگ ناشکری کی اعلیٰ مثال ہیں۔

''بہن صفورہ' وہ تو اللہ کی مرضی ہے وہ پتر دیتا ہے یا دھی' بس یہ دعا کرو جو بھی ہو صحت مند ہو۔'' ہمسائی نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''اے بہن میں کون سا بد عادے رہی ہوں' آخر سب سے زیادہ تو خوشی مجھے ہے کہ میرے بیٹے کی نسل آگے بڑھے گی۔ اکو اک تو پتر ہے ہمارا اور رقیہ بے اولاد' بس اللہ کرم کردے اور میرے جہانگیر کو بیٹا دے دے آخر ہم نے اپنے خاندان کی نسل تو چلانی ہے ناں۔'' صغریٰ بولی۔

''آمین۔'' رقیہ نے صدق دل سے دعا دی۔

''وے کلثوم چائے لے آ' خالہ رجو کے لیے۔'' صغریٰ نے کلثوم کو آواز دی اور اگلے ہی لمحے وہ چائے لے آئی تھی۔

''یہ لیں خالہ گرما گرم چائے۔'' اس نے چائے کی پیالی خالہ رجو کو تھمائی اور خود ساتھ والی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ خالہ رجو نے محبت بھری نگاہوں سے اسے تکا' اس کا سنہری رنگ جیسا چہرہ ایک الوہی لو سے دمک رہا تھا' یہ روپ شاید ممتا کا نور تھا جو کلثوم کے چہرے پر لشکارے مار رہا تھا۔

''ایک بات بتا دوں کلثوم...... مجھے بیٹا چاہیے صرف بیٹا۔'' وہ رات کو کمرے میں آتے ہی بولا تھا' کلثوم سمجھ چکی تھی کہ ماں کے پاس حاضری لگوا کر آیا ہے' اس لیے ماں ہی کی زبان بول رہا تھا۔

''جہانگیر......ایک بات کا جواب دے دو' کیا بیٹا پیدا کرنا میرے اختیار میں ہے۔ میں کیسے اس سوہنے رب کے کاموں میں دخل دے سکتی ہوں وہ جسے چاہے بیٹا نوازتا ہے اور جسے چاہے بیٹی' میری کیا مجال کہ اس کی مرضی کے خلاف جاؤں میرے لیے تو اس سوہنے نے اپنا کرم کیا کہ مجھے ماں جیسے خوب صورت مرتبے سے نوازا ہے۔'' اس کے لہجے سے تشکر ٹپک رہا تھا۔

''تو پھر تو اماں کو سمجھا دے۔'' جہانگیر اب کے نرم ہوا تھا۔

''میں کسی کو کیا سمجھا سکتی ہوں جہانگیر...... پتا نہیں ہمارا معاشرہ بیٹیوں سے کیوں نفرت کرتا ہے' ازل سے ہی بیٹیوں سے بیر رکھتا آیا ہے اگر بیٹیاں نہ ہوتیں تو مائیں ہوتیں اور مائیں نہ ہوتیں تو بیٹوں کے خواہش مند بیٹوں کو کہاں سے لاتے۔ بیٹیوں سے نفرت کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ بیٹوں کو جنم دینے والی عورت ہی ہوتی ہے جس سے وہ حقارت کرتے ہیں۔'' تیز بولنے کی وجہ سے اس کا سانس پھول گیا تھا' جہانگیر نے فوراً پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا' چند گھونٹ پانی کے پی کر اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

❀......❀......❀

''وے کلثوم...... میری اک بات کن کھول کر سن لے مجھے تو پوتا ہی چاہیے۔ ایک تو انتظار کی سولی پر لٹکایا اور اب اوپر سے قصیدے پڑھتی ہے' پوتا نہ ہوا تو چلی جانا اپنے پیکے (میکے) ہمیں خالی ٹھیکرے (برتن) کی کوئی ضرورت نہیں۔'' صغریٰ کی باتوں سے اسے درد محسوس ہوا تھا۔

''یا اللہ مجھے معاف کردے' ان لوگوں کو بھی معاف کردے' یہ جاہل لوگ کچھ نہیں جانتے۔'' وہ یک لخت کچی

زمین پر ہی سجدے میں گر گئی تھی۔

❀......❀......❀

''یا اللہ...... مجھے تیرا ہر فیصلہ قبول ہے‘ میں جانتی ہوں تیرا ہر فیصلہ میرے حق میں بہتر ہوگا تُو اپنے بندوں کے بارے میں کبھی برا نہیں سوچتا لیکن ہم بندے غرور وتکبر کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں‘ تجھے غرور نہیں پسند‘ ہم جانتے ہیں لیکن پھر بھی غرور وتکبر میں ڈوبے لفظ بولتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں معاف کردے‘ اے ہمارے مالک ہمارے گناہوں کو بخش دے۔'' وہ سجدے میں گری‘ اپنے اللہ سے معافیاں طلب کررہی تھی باہر سیاہ رات میں چمکتے ستارے کچھ اور تیز چمکنے لگے تھے‘ انسان کی شکر گزاری پر جیسے کائنات کی ہر شے مسکرانے لگی تھی۔

اور پھر تین دن بعد کلثوم کے گھر بیٹا پیدا ہوا تھا‘ ہاں صغریٰ کی مراد برآئی تھی‘ جہانگیر کو بیٹے کے باپ کا لقب ملا تھا پر ایک مسئلہ ہوگیا تھا بیٹا تو ہوا تھا لیکن ابنارمل پیدا ہوا تھا۔

وہ پاک ذات شکر خورے کو اور زیادہ دیتا ہے‘ پر جو اس کے فیصلوں کے خلاف جاتے ہیں انہیں وہ ان کی اوقات ضرور یاد دلاتا ہے۔ انسان کو بڑائی زیب نہیں دیتی‘ بڑائی صرف اس کی ذات کو ہی سجتی ہے۔

❀......❀......❀

ایک ماں کی ممتا کی تکمیل آج مکمل ہوگئی تھی‘ کیا ہوا اس کے لعل کا سر تھوڑا بڑا آنکھیں چھوٹی‘ ہونٹ موٹے تھے لیکن کلثوم کو تو یہ سارے جہان سے پیارا تھا۔

''اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تُو نے مجھے ماں کے مرتبے پر فائز کردیا‘ مجھے کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ میں جانتی ہوں یہ تیری کوئی آزمائش ہے‘ اے اللہ مجھے ثابت قدم رکھ اور وہ بوجھ نہ ڈالنا جسے میں اٹھا نہ سکوں۔'' ننھے یاسین کو سینے سے لگائے اس کا دل اللہ سے فریاد کررہا تھا‘ وہ مطمئن تھی۔

❀......❀......❀

یاسین کی آمد اس گھر میں بہت سی تبدیلیاں لائی تھی‘ صغریٰ کو یاسین کی پیدائش کے بعد چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ اب زیادہ تر وقت کمرے میں گزارنے لگی تھی۔ یہ وہ صغریٰ تھی جس نے کبھی زندگی میں نماز نہ پڑھی تھی‘ اب اس کا زیادہ تر وقت عبادت میں گزرنے لگا تھا۔ کلثوم کبھی رات کے وقت اس کے کمرے کے آگے سے گزرتی تو اسے سسکیوں کی آوازیں سنائی دیتیں وہ مطمئن سی وہاں سے ہٹ جاتی۔ اللہ ہمیشہ ہی توبہ کا در کھلا رکھتا ہے اور منتظر رہتا ہے کہ کوئی معافی کی بخشش کی عرضی لے کر آئے اور وہ اسے بخشش عطا کرے‘ بے شک اللہ غفور ورحیم ہے۔

جو اللہ کی رضا میں راضی رہتا ہے وہ اپنی مرادیں پالیتا ہے اور جو اللہ کے فیصلوں کے خلاف جاتا ہے بے شک رسوائی اور ذلت ہی اس کا مقدر بنتی ہے۔

قسط نمبر 7

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

عرش کی ماں (شازمہ) عرش کو زنائشہ سے شادی کے لیے کہتی ہے۔ شازمہ کو زنائشہ پسند آئی تھی وہ عرش کے جذبات سے بھی واقف تھی، عرش انہیں ٹھیک ہونے کی تسلی دیتا زنائشہ سے شادی کر لینے کی حامی بھر لیتا ہے۔ ندا راسب کو تایا اور حاذق کے آنے کی اطلاع دیتی ہے، ندا کو ان لوگوں کا آنا خطرے سے خالی نہیں لگتا اس لیے وہ راسب کو سمجھانے کی کوشش کرتی رجاب کی دوسری سرجری کا بتاتی ہے جس پر راسب غصہ میں آتا تایا اور حاذق کو اپنے عتاب کا نشانہ بناتا ہے۔ حاذق سے باپ کی بے عزتی برداشت نہیں ہوتی اور وہ رجاب کو طلاق بھیجنے کی دھمکی دیتا وہاں سے چلا جاتا ہے۔ دوسری طرف دراج زرکاش کو متوجہ کرنے کے لیے اپنے اوپر توجہ دینی شروع کر دیتی ہے، شاپنگ کے بعد اس نے پارلر کا رخ کیا تھا جبکہ زرکاش کے کہنے پر دراج ڈنر تیار کرتی ہے لیکن مذاق میں اس کی ڈش میں نقص نکالتا زرکاش اس کا موڈ غارت کر جاتا ہے ساتھ ہی زرکاش کو یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ کہیں اس نے دراج کو اپنے فلیٹ پر لا کر کوئی غلطی تو نہیں کی جبکہ اس کا ارادہ صرف اسے مایوسی سے نکالنا تھا۔ دراج مسلسل اس سے اپنی محبت کا اظہار کرتی ایک بار پھر شادی کی بات کرتی ہے جس پر زرکاش ٹال دیتا ہے۔ شازمہ دنیائے فانی سے کوچ کر جاتی ہے تب عرش زنائشہ کو شازمہ کی خواہش بتا کر پرپوز کرتا ہے، عرش کو اب اپنے تنہا رہ جانے کا دکھ بھی ہوتا ہے ایسے میں زنائشہ اسے حوصلہ دیتی ہے۔ حاذق رجاب کو طلاق نامہ بھیج دیتا ہے، رجاب کاغذ کو غور سے دیکھتی رہتی ہے۔ راسب رجاب سے معافی مانگتا ہے جبکہ رجاب بھائی کے سامنے خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ عرش دکھ کی کیفیت میں زنائشہ سے شہر چھوڑنے کی بات کرتا ہے جس پر وہ اسے سمجھاتی ہے اور نکاح کرنے کی کچھ شرائط رکھ کر عرش سے نکاح کر لیتی ہے۔ دوسری طرف رجاب حاذق سے جڑی ہر یاد کو آگ لگانے کے ساتھ اپنی پرانی تصویروں کو بھی آگ لگا دیتی ہے۔ وہ اب اپنے نئے چہرے کے ساتھ دنیا کا سامنا کرنا چاہتی تھی جبکہ راسب اس کی سرجری کروانے پر بضد ہوتا ہے تب ندا راسب کو رجاب کی ذہنی حالت کے بارے میں بتا کر تشویش میں ڈال دیتی ہے۔ رجاب اب نفسیاتی ہوتی جا رہی تھی۔

(اب آگے پڑھیے)

○......❁......○

"تم سب اسے جانتے ہو، انتہائی شاطر لڑکی ہے وہ، جس نے کبھی نوٹوں کی شکل بھی نہ دیکھی، وہ گندگی میں سے بھی اٹھا لے گا جبکہ بھائی کی بے جا ہمدردیوں نے تو اسے ہر طرح سے سہولتیں فراہم کر رکھی ہوں گی...... مجھے بھائی کے لیے بھی اس پر یقین نہیں ہے، وہ کچھ بھی کر سکتی ہے ایسا نہ ہو پانی سر سے گزر جائے، وہ کوئی شاطرانہ کام کر جائے اور ہم سب لکیر پیٹتے رہ جائیں...... مجھے اس کے پاس جا کر اسے اس کی اوقات یاد دلانی ہوگی اگر اس نے بھائی کو اپنے جال میں پھانسنے کا ارادہ بھی کیا تو جان سے مار ڈالوں گا اسے......"

"چپ ہو جاؤ...... بھائی نے سن لیا تو کیا سوچیں گے وہ...... دراج کے شاطر ہونے میں مجھے بھی کوئی شک نہیں ہے مگر تم زرکاش بھائی کے بارے میں اس طرح کیسے سوچ سکتے ہو۔" دھلی پلیٹیں خشک کرتی شزا نے ہلکی آواز میں شیراز کو گھرکا جبکہ وہ ناگواری سے سر جھٹک کر رہ گیا۔

"زرکاش بھائی ٹوتھ پیسٹ تک برانڈڈ استعمال کرتے ہیں، وہ اپنے لیول سے اس طرح نہیں گر سکتے جیسا تم سوچ

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماء راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

رہے ہو...... اور پھر دراج عمر میں تم سے بھی کم ہے...... زرکاش بھائی کو اپنا تماشہ نہیں بنوانا اس کے جال میں پھنس کر...... اپیا نے فون پر تمہیں جو سمجھایا تھا اس پر عمل کرو' تمہارے فیوچر کا سارا دارومدار زرکاش بھائی پر ہے فی الحال اپنے غصے کو کنٹرول میں رکھ کر زرکاش بھائی کے سامنے منہ کھولا کرو' اس دراج کی وجہ سے کیوں تم اپنے تعلقات زرکاش بھائی سے خراب کرنے پر تلے ہو......''

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ بھائی اس ناگن سے دور رہیں' اپنی محنت کا پیسہ اس احسان فراموش پر خرچ نہ کریں' مت بنیں اس کے لیے اس حد تک اتنے مہربان۔'' شیراز ناگواری سے بولا۔

''اپیا نے زرکاش بھائی کو سمجھا دیا ہے' مجھے یقین ہے کہ ان کا تعلق دراج سے صرف اتنا ہی رہے گا کہ ہر ماہ اسے اخراجات کے لیے رقم دیں' اسے ہمارا صدقہ ہی سمجھ لو...... تم بس اب اطمینان سے باہر جا کر اپنی اسٹڈیز مکمل کرو' جیسا زرکاش بھائی کہتے ہیں ویسا ہی کرو' یہاں کی فکر نہ کرو' یہاں کے معاملات دیکھنے کے لیے امی' اپیا اور میں بھی ہوں' زرکاش بھائی سب کچھ برداشت کرسکتے ہیں مگر ہم میں سے کسی کی ناراضی نہیں...... اپیا سے بھی انہوں نے یہی کہا ہے کہ وہ ایسا کوئی کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے جو ہماری دل آزاری کا سبب بنے' دراج کے منہ لگ کر تم اپنا امیج زرکاش بھائی کی نظروں میں خراب مت کرنا' میرے اور اپیا کے ہوتے ہوئے تمہیں یہ اندیشے ہونے ہی نہیں چاہئیں' بے فکر رہو ایسا کبھی نہیں ہوسکتا جو تمہیں لگ رہا ہے نہ ہی میں اور اپیا ایسا کچھ ہونے دیں گے۔'' شزا کے سمجھانے پر وہ خاموش ہوگیا تھا مگر اس کے ذہن میں بار بار دراج کی معنی خیز مسکراہٹ اور اس کی باتیں گھوم رہی تھیں جو گھر سے نکلنے سے پہلے آخری بار اس نے کی تھیں' جب سے اس نے دراج کو زرکاش کے ہمراہ گاڑی میں دیکھا تھا جانے کیوں اس کی چھٹی حس کسی انہونی کا اشارہ دے رہی تھی۔ بہرحال دل ہی دل میں وہ یہ طے کرچکا تھا کہ ملک سے باہر جانے سے پہلے وہ ضرور دراج کو وارن کرے گا کہ زرکاش کے سائے سے بھی دور رہے ورنہ دنیا کے آخری کونے سے بھی واپس آ کر وہ اس کا گلا گھونٹنے میں وقت نہیں لگائے گا۔

''تم مجھے کل یونیورسٹی ڈراپ کردینا' ایک آواز میں اٹھ جانا صبح۔'' پلیٹیں کیبنیٹ میں رکھتی وہ شیراز سے کہہ رہی تھی کہ تب ہی زرکاش کچن میں داخل ہوا۔

''کیوں...... احمد بھائی کل نہیں جارہے یونیورسٹی؟'' شیراز نے اپنے ماموں زاد بھائی کے بارے میں پوچھا۔

''احمد کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' کیا تمہیں نہیں پتہ؟'' شزا سے پہلے زرکاش بولا۔

''نہیں بھائی مجھے تو ابھی معلوم ہوا' کسی نے بتایا ہی نہیں۔'' شیراز حیرت سے بولا۔

''تم گھر میں ٹک کر بیٹھو تو خبر بھی ہو کچھ...... جب تم بائیک سے گرے تھے تو تمہاری فکر میں دن میں دس' دس چکر احمد لگاتا رہا تھا۔'' شزا نے اسے شرمندہ کیا۔

''ویسے بری بات ہے' ماموں کا گھر ساتھ ہی ہے اور تمہیں پھر بھی خبر نہیں۔'' زرکاش نے پھر گھرکا۔

''میں کل ہی جاؤں گا احمد بھائی کی خیریت معلوم کرنے۔'' شیراز خجالت سے بولا۔

''ابھی تو گیٹ پر جاؤ' تمہارا دوست وہاں انتظار کررہا ہے تمہارا۔'' زرکاش کی اطلاع پر شیراز فوراً کچن سے نکلا۔

''اب یہ اپنے دوست کے ساتھ باتوں میں لگ کر آدھی رات کردے گا اور صبح میں اس کی وجہ سے یونیورسٹی سے لیٹ ہوجاؤں گی۔'' شزا نے زچ ہو کر کہا۔

''میں تمہیں یونیورسٹی ڈراپ کردوں گا...... ویسے بھی ابھی میں نے احمد کو کال کی تھی اس کی طبیعت پوچھنے کے لیے تو اس نے مجھ سے کہہ ہے کہ کل میں تمہیں یونیورسٹی لے جاؤں۔''

''فائنل پیپرز قریب ہیں تو اس لیے اسے فکر ہے کہ اس کی وجہ سے میرا یونیورسٹی جانا بھی کینسل نہ ہوجائے...... میں اپنے لیے کافی بنارہی ہوں' آپ لیں گے؟'' وہ مصروف انداز میں بولی۔

''ہاں ضرور...... ویسے میں نے یہ دیکھا ہے کہ شزا کے بھائیوں سے زیادہ اس کی فکر احمد کو رہتی ہے۔'' زرکاش کے

اچانک کہنے پر شزا نے چونک کر اسے دیکھا مگر پھر جھینپے انداز میں مسکرائی۔
''پتہ نہیں آپ کو ایسا کیوں لگا......''
''اس لیے کہ جب سے میں واپس آیا ہوں' کچھ ایسا ہی دیکھ رہا ہوں...... خیر یہ اچھی بات ہے۔'' زرکاش نے مسکراتی نظروں سے شزا کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا جبکہ شزا اس کی بات ان سنی کیے کافی بنانے میں مصروف ہوگئی تھی' اس کی خاموشی پر زرکاش کو بھی مزید کچھ جاننے کی ضرورت نہیں تھی' احمد سے بہت قریبی رشتہ تھا' بہت قابل' ملنسار اور پُرخلوص بندہ تھا' شزا اور احمد میں انڈراسٹینڈنگ بھی کمال کی تھی' ابھی تو دونوں پڑھ رہے تھے' آگے جاکر ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق بندھنا زرکاش کے لیے باعث اطمینان اس لیے بھی تھا کہ شادی کے بعد بھی شزا قریب ہی رہے گی' صبغہ کو بھی دوسری بیٹی کی جدائی گراں نہیں گزرے گی پہلے کی طرح وہ شادی کے بعد بھی ان سب کی نظروں کے سامنے ہی رہے گی۔

○......❀......○

مسلسل زرکاش کو کال کرتی وہ اب پریشان ہونے لگی تھی' پہلے ہی وہ زرکاش کو بروقت برتھ ڈے وش نہیں کرسکی تھی' رائمہ کی طرف آنے کے بعد وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا' رات میں اسد اور رائمہ اسے گھر کے باقی بچوں کے ساتھ آئسکریم کھلانے لے گئے تھے' باہر سے واپس آنے کے فوراً بعد بھی وہ زرکاش کو کال نہیں کرسکتی تھی' سب کے درمیان ایسا ممکن تھا بھی نہیں...... رات میں ربیعہ بچیوں کے ساتھ ہی ان کے کمرے میں تھی' ان کے سوجانے کے بعد کوئی ایک بجے کا وقت تھا جب اس نے زرکاش کو کال کی مگر اب ایک گھنٹہ گزرنے کے باوجود مسلسل زرکاش کا نمبر مصروف جارہا تھا' اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس سے اتنی طویل گفتگو کرنے میں مگن ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اگر کال نہ کرے تو دراج خود اسے کال کرلیتی ہے لیکن رات سونے سے پہلے زرکاش سے بات کرنا اس کے لیے لازمی بن چکا تھا۔ بے چینی اور انتظار سے تنگ آکر وہ دبے قدموں کمرے سے نکل آئی تھی' رہ رہ کر اسے زرکاش کی بے پروائی پر غصہ آرہا تھا' لاؤنج میں ٹہلتی وہ وقفے وقفے سے زرکاش کو کال ملارہی تھی تب ہی امان کی آواز نے اسے چونکایا تھا' سرعت سے فون کو اپنے عقب میں چھپاتے ہوئے اس نے اوپر دیکھا۔
''میں ذرا کچھ ضروری بات کررہا ہوں زرکاش سے' تھوڑا انتظار کرلو' وہ خود تمہیں کال کرلے گا۔'' ریلنگ پر جھکے امان نے کہا اور واپس اپنے کمرے میں چلا گیا جبکہ وہ ساکت رہ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ امان بہت عزیز ترین اور قریبی دوست ہے زرکاش کا' زرکاش کے ہر معاملے سے وہ باخبر رہتا ہے مگر دراج ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اس کے اور زرکاش کے درمیان معاملات کی بھنک بھی امان تک پہنچے...... اس کے پلان میں یہ چیز شامل ہی نہیں تھی کہ رائمہ تک کو اس بات کی خبر ہو...... اسے زرکاش سے مستقبل میں شادی تھوڑی رچانی تھی کہ سب کے علم میں یہ بات لاکر فخر محسوس کرتی کہ وہ زرکاش کی محبت میں صدیوں سے غرق ہے' زرکاش سے جو کچھ اسے حاصل ہورہا تھا اور آگے بھی حاصل کرنا تھا اس سب کے لیے وہ زرکاش کے سامنے تو جھوٹے اظہار محبت کے ڈرامے کرسکتی تھی مگر باقی سب کی نظروں میں اپنا امیج خراب کرنا گوارا نہیں کرسکتی تھی' اسے اب اپنی غلطی کا احساس ہورہا تھا کہ اسے پہلے ہی زرکاش سے کہہ دینا چاہیے تھا کہ وہ امان کو اپنے اور اس کے تعلق سے الگ رکھے۔
بری طرح ڈسٹرب وہ بیک کراؤن سے پشت ٹکائے بیٹھی تھی' اسے ربیعہ کی بچیوں پر رشک آرہا تھا کہ وہ کتنی میٹھی نیند سو رہی ہیں جبکہ اس کی تو غصے میں نیند بھی اڑ چکی تھی' غنیمت تھا کہ آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد ہی زرکاش کی کال آگئی تھی۔
''آپ نے امان بھائی کو میرے بارے میں کیا بتایا؟ اس سے پہلے کبھی انہوں نے مجھ سے آپ کے بارے میں اس طرح بات نہیں کی' میں نہیں چاہتی کہ ان کو کچھ معلوم ہو' وہ آپ کے دوست ہیں' میں تو ان کے سامنے جانے سے بھی گریز کرتی ہوں اور آپ......''
''ایک منٹ...... ہوا کیا ہے؟'' زرکاش نے حیران ہوکر اسے درمیان میں روکا۔ ''کیوں اس قدر پریشان ہورہی ہو......؟ مجھ سے کوئی تعلق رکھنا کیا تمہارے لیے اتنا شرمندگی کا باعث ہے کہ تم اسے خفیہ رکھنا چاہتی ہو؟ کیا گناہ ہے جو تم

ڈسٹرب ہوگئی ہو؟'' زرکاش کے سنجیدگی سے پوچھنے پر وہ لاجواب سی ہوتی فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی تھی۔ ''امان مجھ سے ضروری بات کررہا تھا مجھے پتہ تھا تم کال کررہی ہوگی' میں نے امان سے صرف اتنا کہا تھا کہ دراج کو مجھ سے کوئی ضروری بات کرنی ہے' امان نے کہا دراج گھر آئی ہوئی ہے میں اسے کہہ دیتا ہوں ذرا انتظار کرلے...... اور تم بات کو کہاں سے کہاں لے گئی۔''

''ایم سوری...... میں اچانک بہت پریشان ہوگئی تھی' اگر امان بھائی کو پتہ چل سکتا ہے سب تو بجیا اور اسد بھائی کو بھی معلوم ہوجائے گا کہ میں آپ سے کس حد تک محبت کرتی ہوں اور پھر کل بات آپ کے گھر تک بھی پہنچ سکتی ہے' مجھے ویسے ہی ڈر اور خوف لگا رہتا ہے...... شیراز مجھے جان سے ماردے گا وہ آپ سے مجھے دور کرنے کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہے' اتنی نفرت کرتا ہے وہ مجھ سے' آپ سے محبت گناہ ہے' نہ شرمندگی...... بس مجھے خوف ہے تو آپ کے گھر والوں کا' شیراز کا جو سلوک آپ نے میرے ساتھ دیکھا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بدتر سلوک میرے ساتھ کرچکا ہے' میں اس کے لگائے گئے کوڑے بھی برداشت کرسکتی ہوں مگر یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ اس کی وجہ سے آپ مجھ سے دور چلے جائیں...... میرے خوف کو سمجھنے کے بجائے آپ اسے غلط معنوں میں لے جاکر تکلیف پہنچارہے ہیں میرے دل کو......'' آنسو بہاتی وہ گلوگیر لہجے میں بولتی چلی گئی۔

''تم پہلے رونا بند کرو ورنہ میں بات نہیں کروں گا' روتی رہنا پھر دل بھر کے۔'' زرکاش نے اسے گھر کا۔

''دیکھو...... نہ تو مجھے تمہارے بارے میں ہر طرف پرچار کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی تمہیں کسی سے خوف زدہ ہونے کی' ٹھیک ہے رنجشیں ہیں ابھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ رنجشیں اور نفرتیں ختم ہوجائیں گی...... میں جانتا ہوں شیراز کا غصہ کتنا خراب ہے' اس کی تمہارے ساتھ بدلحاظی اور سلوک کو میں نے دیکھا ہے' میں اسے غلط کہتا ہوں' ان نفرتوں اور اختلافات کے پیچھے بہت سی ایسی وجوہات رہی ہیں جن کی تلخیاں زائل ہونے میں وقت لگے گا' تم اس سے خوف زدہ مت ہو' نہ تم کمزور ہو نہ تنہا ہو' نہ کسی ایسے جرم کی مرتکب ہوئی ہو کہ کوئی بھی آکر میری وجہ سے تمہیں پھانسی لگادے گا...... شیراز میرا بھائی ہے' میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں' وہ جذباتی ضرور ہے مگر اس حد تک وہ کبھی نہیں جائے گا۔'' زرکاش کے لہجے میں شیراز کے لیے اتنا یقین اور بھروسہ محسوس کرکے دراج کی رگوں میں شرارے دوڑنے لگے تھے۔

''ہیپی برتھ ڈے۔'' یک دم وہ سرد لہجے میں بول اٹھی۔

''اوہ...... تھینک یو' تمہیں یاد تو آیا......'' زرکاش اور بھی کچھ بول رہا تھا مگر وہ کھولتے دماغ کے ساتھ لائن ڈسکنیکٹ کرچکی تھی۔

''شیراز...... تمہارا پتا کٹنے کا وقت شروع۔ تمہیں زرکاش کے دل سے نہ اتار پھینکا تو میرا نام دراج نہیں۔'' زیرلب وہ پھنکارتی فون مکمل آف کرگئی تھی۔

O...... ❀ ......O

معنی خیز گمبھیر خاموشی میں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے عرش نے ایک بار پھر اسے دیکھا تھا' جس کا چہرہ اس وقت بھی لٹھے کی مانند سفید ہورہا تھا' جیسے اس وقت تھا جب وہ نکاح نامے پر دستخط کررہی تھی' اس کے ہاتھوں کی لرزش بھی اس لمحے عرش کی نظروں سے چھپی نہیں رہی تھی۔ اضطرابی نظروں سے وہ اس کی پشت کو دیکھ رہی تھی جو اپنے فلیٹ کا دروازہ کھولتا پلٹ کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''وہاں کیوں رکی ہو......؟ آجاؤ۔'' عرش نے اسے مخاطب کیا جو دور کھڑی کافی ہراساں سی نظر آرہی تھی' بمشکل وہ اپنے لرزتے قدموں کو اس کی سمت کھینچ سکی تھی۔

''تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟'' اندر جانے سے پہلے اس نے رک کر پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

''اس لیے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا شوہر کہاں رہتا ہے...... میں بس یہ چاہتا ہوں کہ تم یہاں کچھ دیر ٹھہرو' مجھے اچھا لگے گا۔'' عرش کے سنجیدہ لہجے پر وہ گم صم سی اندر داخل ہوئی۔

''اپنا گھر چھوڑ کر مجھے ماما کے ساتھ اس فلیٹ میں آنا پڑا تھا...... تم جب میرے ماما' پاپا کا وہ گھر دیکھو گی تو یقیناً یہ سوچ کر حیران ہو گی کہ میں نے اور ماما نے کس طرح یہاں رہنا قبول کیا......'' اسے اردگرد کا جائزہ لیتے دیکھ کر عرش نے کہا۔

''جنت سے نکلنے کے بعد زمین پر جگہ ملے یا کسی کھائی میں...... کیا فرق پڑتا ہے...... تم یہاں آجاؤ۔'' عرش کی آواز پر چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ایک کمرے کا دروازہ کھولے وہ منتظر تھا۔

''یہاں بس تقریباً یہی دو کمرے ہیں اور یہ کمرہ ماما کا ہے' اس وقت یہی کچھ بہتر حالت میں ہے ورنہ تو سب کچھ بے ترتیب' بکھرا ہوا ہے' تمہیں اندازہ ہو رہا ہو گا کہ میں کتنا بدسلیقہ اور پھوہڑ ہوں۔'' بیڈ کی بے شکن چادر کو ہاتھوں سے درست کرتا وہ ہلکے پھلکے انداز میں اس سے مخاطب تھا۔ جو اسی گم صم کیفیت میں کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ باہر والے حصے کے مقابلے میں یہ کمرہ واقعی کچھ بہتر حالت میں تھا' بیڈ کے ساتھ رکھی ٹیبل پر ایک فریم میں قید تصویر پر اس کی نگاہیں ٹھہر سی گئی تھیں۔

''یہ ماما اور پاپا کے ساتھ میرے اچھے دنوں کی آخری تصویر ہے۔'' اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتا وہ بولا تھا۔

''مجھے ہمیشہ اس بات کا افسوس رہے گا کہ ماما کی شدید خواہش کے باوجود یہ موقع نہیں ملا کہ تمہاری ان سے دوبارہ ملاقات اس گھر میں ہوتی۔'' عرش کے افسردہ لہجے پر وہ دوبارہ اس تصویر کو دیکھنے لگی تھی جس میں شازمہ کے حسین چہرے کی مسکراہٹ بھی بہت خوب صورت تھی اور ان کے ساتھ ہی ایک وجیہہ مرد کا چہرہ نمایاں تھا' جن کی آنکھوں اور عرش کی شہد رنگ آنکھوں میں کوئی فرق نہیں تھا' اپنے ماں باپ کے درمیان مسکراتا' جگمگاتا عرش کا چہرہ بھی تھا' اس کے ماں باپ کو دیکھنے کے بعد اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ وہ اتنا منفرد و خوب صورت کیوں ہے۔

''تم یہاں آرام سے بیٹھ جاؤ' میں ابھی آتا ہوں۔'' عرش اسے تاکید کرتا کمرے سے چلا گیا۔ ادھ کھلے دروازے سے نظر ہٹا کر اس نے بیڈ کی سمت دیکھا ضرور مگر جرات نہیں ہوئی تھی بیٹھنے کی' اپنے گرد چادر کو مزید درست کرتے ہوئے اس کی پیشانی عرق آلود ہونے لگی تھی' عجیب سی گھبراہٹ اس پر طاری ہونے لگی تھی' یک دم اسے احساس ہوا کہ عرش کے ساتھ اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا' اپنی گھبراہٹ پر قابو نہ پا کر وہ تیز قدموں سے کمرے سے نکلتی بمشکل عرش سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی جو اس کی عجلت پر بروقت ایک طرف ہو گیا تھا۔

''کیا ہوا......؟'' عرش نے حیرت سے اس کے چہرے پر پھیلی وحشت کو دیکھا۔

''میں وہاں بیٹھ جاتی ہوں۔'' خشک ہوتے حلق کے ساتھ بمشکل بولتے ہوئے اس نے سامنے دیوار کے ساتھ رکھے کاؤچ کی طرف اشارہ کیا اور عرش کی جانب دیکھے بغیر ہی کاؤچ کی طرف بڑھ گئی' دوسری جانب عرش جو جانچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا' ایک گہری سانس لیتا اس کی طرف بڑھا' کاؤچ کے کنارے وہ اس طرح بیٹھی تھی جیسے کسی بھی پل اٹھ کر بھاگ جائے گی۔ قدرے جھک کر عرش نے چھوٹی سی طشتری میں رکھا خوش رنگ مشروب کا گلاس اسے پیش کیا' گلاس اٹھانے سے پہلے اس نے نظر اٹھا کر عرش کی کھوجتی نظروں میں دیکھا اور پھر فوراً ہی مشروب سے لبالب بھرا گلاس اٹھا لیا تھا۔

''یہ دیکھنے کے لیے نہیں' پینے کے لیے ہے۔'' اسے تذبذب میں مبتلا گلاس کو تکتے دیکھ کر عرش نے کہا۔

''رک کر پیتی ہوں...... ابھی یہ ٹھنڈا بہت ہے۔'' پیاس کی شدت سے حلق میں چبھتے کانٹوں کے باوجود وہ بولی مگر اگلے ہی پل اس کی سانس رک گئی جب عرش یک دم نیچے اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

''میں اس گلاس سے تمہارے سامنے چند گھونٹ لیتا ہوں اگر میں بے ہوش ہو جاؤں تب تم اسے ہرگز مت پینا۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ گہری سنجیدگی سے بولا اور پھر گلاس اس سے لے کر چند گھونٹ لیے تھے' وہ نظر اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھ سکی تھی جو دوبارہ گلاس اسے تھما چکا تھا' اس کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرتی وہ لرزتے ہاتھ سے گلاس ہونٹوں سے لگا چکی تھی جبکہ عرش اس کے سامنے سے اٹھتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

گلاس سے آخری گھونٹ لے کر اس نے اپنے قریب ہی کاؤچ پر رکھی طشتری میں گلاس رکھ دیا' چادر کے پلو سے اس

نے اپنی بھیگی پیشانی کو خشک کیا' عرش جانے کہاں گم تھا مگر رفتہ رفتہ اس کی گھبراہٹ کم ہوتی جارہی تھی۔ وحشت کی جگہ اب اسے شرمندگی گھیر رہی تھی' کچھ دیر بعد جب اس نے عرش کو آتے دیکھا تو نظریں نہیں ملاسکی مگر اس وقت بری طرح چونک کر اسے دیکھنے پر مجبور ہوگئی تھی جب عرش دوبارہ گھٹنوں کے بل سامنے بیٹھتا ایک پتلی سی نائلون کی رسی اس کی گود میں رکھ رہا تھا' جبکہ وہ حیران و پریشان نظروں سے کبھی اسے اور کبھی رسی کو دیکھ رہی تھی۔

''بہتر ہوگا کہ تم میرے ہاتھوں کو اس رسی سے مضبوطی سے باندھ دو...... کیونکہ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ تم مجھ سے اس طرح خوف زدہ رہو۔'' وہ پُرشکوہ لہجے میں بولا۔ ''اب اس مقام پرآ کر اتنی بے یقینی...... اس حد تک بے اعتباری میں اپنی ہی نظروں میں مجرم بن رہا ہوں......'' عرش ابھی اتنا ہی بولا تھا کہ وہ یک دم چہرہ ہاتھوں میں چھپا گئی تھی' عرش خاموشی سے اس کی سسکیاں سنتا رہا کچھ دیر گزری جب وہ بمشکل خود کو سنبھالتی نظر نہیں اٹھاسکی تھی' اس کا چہرہ اب بھی کرب سے متغیر تھا' آنسو قطار در قطار بہتے چلے جارہے تھے۔

''مجھے اب یوں محسوس ہورہا ہے جیسے اپنے ساتھ ایک رشتے میں باندھ کر میں نے بہت غلط کیا ہے تمہارے ساتھ۔'' وہ بجھے لہجے میں بولا۔

''ایسا مت سوچو...... اس سب میں میری مرضی بھی شامل ہے۔'' لبریز سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ رندھے لہجے میں بولی۔ چند لمحوں تک عرش پُرسوچ نظروں سے اسے بس دیکھتا رہا جو بار بار بہتے آنسوؤں کو صاف کرتی نظر جھکائے بیٹھی تھی۔

''جانتا ہوں تمہاری مرضی شامل ہے مگر اب تمہارے یہ آنسو دیکھ کر میرا دم گھٹ رہا ہے کہ کہیں تمہیں کوئی پچھتاوا تو نہیں ہورہا...... اپنے فیصلے پر۔''

''یہ کسی پچھتاوے کے آنسو نہیں ہیں۔ میں اپنے فیصلے پر تم سے زیادہ مطمئن ہوں۔'' وہ درمیان میں بول اٹھی۔

''تو پھر یہ سب کیا ہے؟ تم مجھے نہ خوش نظر آرہی ہو نہ ہی مطمئن...... میں تمہیں اس طرح دیکھ کر پریشان و شرمسار ہورہا ہوں......'' وہ مضطرب ہوتا ہوا بولا۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا عرش...... مجھے نہیں سمجھ آرہا کہ مجھے کیا کہنا چاہیے' تمہیں کیسے یقین دلانا چاہیے کہ میں خوش ہوں...... ایسا لگ رہا ہے سب کچھ اچانک بدل گیا ہے جبکہ اچانک یہ سب نہیں ہوا پھر بھی......'' عجیب سی الجھن میں وہ بات ادھوری چھوڑ گئی تھی۔

''شاید سب کچھ بدل جانے کا احساس تم فوری طور پر قبول نہیں کرپارہی ہو...... مگر کوئی بات نہیں' کچھ وقت تو لگے گا قبول کرنے میں۔'' اس کی بھیگی پلکوں پر نظر جمائے وہ بولا اور پھر دھیرے سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے تھے۔

''آج کے بعد اب پھر کبھی میں تمہیں اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھ سکوں گا...... تم اپنے ساتھ ساتھ میرے دل پر بھی آئندہ یہ ظلم نہ کرو تو اچھا ہے۔'' عرش کے سنجیدہ گمبھیر لہجے پر وہ چپ رہی تھی۔

''جانتی ہو ماما کو مجھ سے بھی زیادہ خبر میرے دل کی تھی...... وہ میرے کچھ بتائے بغیر ہی میری زندگی میں تمہاری اہمیت کو پہچان گئی تھیں' انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ تمہیں میرے ساتھ ہمیشہ دیکھنے کی وہ خواہش دل میں رکھتی ہیں' وہ یہ چاہتی تھیں کہ میں زندگی میں آگے بڑھتے ہوئے تمہیں نہ گنوادوں' وہ جانتی تھیں کہ تم اس قابل ہو کہ تمہاری قدر کی جائے' وہ جانتی تھیں کہ میرا دل صرف تمہارے ہی حق میں گواہی دے گا' ان کی خواہش کہیں نہ کہیں میری خواہش بھی بن چکی تھی' میں بے خبر رہا مگر وہ بے خبر نہیں رہی تھیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

''یہ سب تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے؟''

''اس وقت سے زیادہ بہتر اور کوئی وقت نہیں تھا تمہیں یہ سب بتانے کا...... میں یہ باتیں تمہیں ایسے ہی وقت میں بتانا چاہتا تھا جس میں ہمارے درمیان ایک مضبوط تعلق ہو جس میں کوئی بناوٹ' کوئی ریاکاری نہ ہو۔''

''مجھے ہمیشہ یہ دکھ سنبھال کر رکھنا پڑے گا کہ وعدے کے باوجود میں ماما سے ملنے یہاں نہیں آسکی...... میرے بارے

میں انہوں نے تم سے جو کچھ کہا وہ سن کر میرے دل میں ان کی محبت اور احترام میں مزید اضافہ ہوا ہے...... وہ بہت گہری عورت تھیں...... پہلی ملاقات میں ہی مجھے ان کے لہجے کے ٹھہراؤ اور اس کی شیرینی سے اندازہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے زندگی میں کتنے مصائب کتنی تکلیفوں کا سامنا کیا ہوگا...... یہ میری بدنصیبی ہے کہ میں ان سے دوبارہ نہ مل سکی۔'' اس کے آزردہ لہجے پر عرش نے گہری سانس لے کر سر جھکا لیا' چند لمحوں تک وہ اسے دیکھتی رہی تھی اور پھر اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکال کر اس کی پیشانی کے زخم کو چھوا۔

''اب تو ٹھیک ہو گیا ہے یہ زخم...... تم نے جو چھو لیا ہے۔'' اس کی مسکراتی نظروں پر وہ سرخ چہرے کے ساتھ نگاہ چراتی نامحسوس انداز میں پیچھے ہوگئی تھی۔

''مگر زخم گہرا تھا اس لیے نشان باقی ہے۔'' عرش کو خاموشی سے اپنی سمت دیکھتا پا کر وہ گھبراہٹ چھپائے بولی۔

''برا لگ رہا ہے میرے چہرے پر؟'' عرش کی تشویش پر اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

''پتہ ہے' میں کھیل کود اور شرارتوں میں خود کو بہت زخمی کر لیتا تھا' ماما کو سب سے زیادہ یہ فکر رہتی تھی کہ کہیں میرے چہرے پر کوئی چوٹ نہ لگ جائے' پاپا ان کو یہی کہہ کر تسلی دیتے تھے کہ لڑکوں کے چہرے پر چوٹ کے نشان لڑکیوں کو بہت اچھے لگتے ہیں...... اب تم بتاؤ پاپا ٹھیک کہتے تھے ناں؟''

''ہاں' میرے نزدیک تو ان کی یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''یاد آیا...... ایک منٹ' ابھی آتا ہوں۔'' وہ یک دم بولتا اپنی جگہ سے اٹھا' حیران نظروں سے وہ اسے سامنے کمرے میں غائب ہوتا دیکھتی رہی' کچھ لمحوں بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں مخملی سرخ کیس تھا۔

''پتہ نہیں تمہارے لیے اب بھی اسے اپنے ساتھ رکھنا ممکن ہے یا نہیں...... مگر میں چاہتا ہوں کہ ماما کی یہ نشانی تم ہمیشہ پہن کر رکھو۔'' عرش کے کہنے پر اس نے ایک پل رک کر جگمگ کرتی انگوٹھی کو دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''پہنا دو' میں اسے کبھی اپنے ہاتھ سے الگ نہیں کروں گی۔'' انگوٹھی اسے پہنا کر عرش نے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''میں بہت خوش ہوں تمہارا ساتھ پا کر...... میں تمہارا شکر گزار اور احسان مند بھی ہوں...... میں نے سوچ لیا ہے کہ میں تمہاری ہر ذمہ داری کو بانٹوں گا...... اس پر یقیناً تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا...... میں کسی اچھے اسپشلسٹ کو جلد ہی تلاش کروں گا تاکہ تمہاری امی کا بہتر علاج شروع ہو سکے جس کی انہیں ضرورت ہے میں زرق کو بھی ڈھونڈ رہا ہوں' مطمئن رہو' میں پتہ کر چکا ہوں وہ اس شہر سے باہر نہیں گیا' وہ جا بھی نہیں سکتا' یہیں' کہیں چھپا ہوا ہے' ایک بار مل جائے تو میں خود اس سے بات کروں گا' اسے ہر ممکن سمجھانے کی کوشش کروں گا' اس کو نشے کی لت سے آزاد کروانے اور اس کے علاج کی ذمہ داری میری ہے' صرف تمہارے لیے ہی نہیں' میں خود بھی چاہتا ہوں کہ اس کی زندگی تباہ نہ ہو' ابھی بہت زیادہ دیر نہیں ہوئی' تم دیکھنا آہستہ آہستہ سب کچھ ٹھیک ہوتا چلا جائے گا پھر ہم دونوں مل کر اپنی زندگی کا آغاز کریں گے' اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹیں گے۔'' نم آنکھوں سے وہ بس اسے دیکھ رہی تھی' جو بولتا جا رہا تھا۔

''سب کچھ بہت سہل ہو جائے گا اگر تم مجھ پر اعتبار و بھروسہ رکھو جو کہ فی الوقت بہت زیادہ نہیں ہے تمہیں مجھ پر......'' عرش نے شکوہ کرتے ہوئے اس کے شرمندہ تاثرات کو دیکھا۔

''عرش...... یہاں آتے ہوئے میں گھبرائی ہوئی ضرور تھی لیکن مجھے تم پر اعتبار ہے ورنہ میں تمہارے ساتھ یہاں تک آتی نہ ہی تمہارے سامنے موجود ہوتی۔'' اس کے مدھم لہجے پر عرش خاموش رہا۔ ''میں سچ کہہ رہی ہوں' ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''دیکھ رہا ہوں کہ تم قریب سے بھی ویسی ہی نظر آتی ہو جیسی دور سے دکھائی دیتی ہو۔'' عرش کے حسکمیں لہجے نے اسے حیران کیا۔

''کیسی......؟''

''سڑی ہوئی سی۔'' عرش کے جواب پر اس کا چہرہ اتر گیا جبکہ عرش بے ساختہ اس کے تاثرات پر مسکرا اٹھا تھا۔

''مذاق کر رہا ہوں' تم جانتی ہو میں نے جھوٹ کہا ہے۔'' بولتے ہوئے عرش نے اس کے رخسار کو چھوا کہ وہ سن سی ہوتی خود میں سمٹ گئی تھی۔

''میں تمہارے لیے کچھ کھانے کے لیے تو لاؤں' تمہیں بھوک لگی ہوگی۔ میں بس دس منٹ میں واپس آیا.....'' اچانک یاد آنے پر وہ عجلت میں بولتا اٹھا۔

''عرش...... پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے اور مجھے امی کی فکر ہونے لگی ہے' اس وقت مجھے صرف گھر جانا ہے۔''

''تم پریشان مت ہو' میں پندرہ منٹ میں تمہیں گھر پہنچا دوں گا۔''

''تو پھر چلو۔'' عرش کی بات مکمل سنے بغیر وہ اس سے پہلے ہی گیٹ کی سمت بڑھی۔

''سنو......'' عرش کی پکار پر وہ گیٹ کھولتے کھولتے رک کر متوجہ ہوئی۔

''ایک بار بھی یہ نہیں پوچھوگی کہ میں تمہارے لیے کیا محسوس کر رہا ہوں؟'' کچھ تھا عرش کے لہجے میں' گہری نظروں میں کہ دھڑکنیں تھمنے لگی تھیں' نگاہیں چراتی وہ باہر نکل گئی' گہری سانس بھر کر عرش کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی تھی۔

○......❀......○
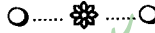
''کیا ہم ابھی پولیس اسٹیشن نہیں جا سکتے؟''

''ابھی رات ہو چکی ہے' تمہیں صبح تک انتظار کرنا ہوگا۔'' راسب بولے' جس پر وہ خاموش ہوتی کچھ سوچنے لگی تھی۔ اس کے بنوائے گئے اسکیچ کے مطابق پولیس نے تلاش شروع کر دی تھی' آج ایک اہلکار کچھ فوٹو گرافس لے کر گھر آیا تھا' اسکیچ کے مطابق کچھ افراد کو پولیس نے حراست میں لے رکھا تھا' ان افراد کی تصویروں میں سے دوسری ہی تصویر اسی مطلوبہ شخص کی تھی جسے پہچاننے میں رجاب کو زیادہ وقت نہیں ہوئی تھی۔

''آغا جان...... آپ فون پر انسپکٹر کو تاکید کر دیں کہ اس کے ساتھ کوئی سختی نہ کی جائے' نہ ہی اس سے سوال جواب کرنے کا کوئی فائدہ ہے' وہ کچھ نہیں جانتا میرے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔''

''رجاب...... اگر وہ کچھ نہیں جانتا تو تم نے اس کا اسکیچ کیوں بنوایا تھا؟ اب پولیس کو تفتیش کرنے دو شاید وہ کچھ جانتا ہو۔'' ندا بولیں۔

''میں نے اس کا اسکیچ اس لیے بنوایا تھا کیوں کہ میں اس تک پہنچنا چاہتی ہوں' اس کی وجہ سے میں آپ کے سامنے موجود ہوں' کیا یہ کافی نہیں اسے ڈھونڈنے کے لیے......؟'' بولتے ہوئے اس نے راسب کو بھی دیکھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو' ہم اس کے احسان مند ہیں' اس کا ملنا ضروری تھا' ہم پر فرض ہے کہ ہم اس کا شکریہ ادا کریں۔'' راسب نے تائید کی۔

''آغا جان...... بات صرف شکریہ ادا کرنے تک محدود نہیں' میرا مقصد کچھ اور ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' راسب نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''آغا جان...... میں اس کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں' آپ نے اسے تصویر میں دیکھا ہے' مگر میں نے اسے اپنے قریب دیکھا ہے' اس کی آواز سنی ہے' وہ ایک ایسا لڑکا ہے جس کا چہرہ جھریوں زدہ ہے کسی بوڑھے ضعیف انسان جیسا......''

''ہاں...... اس لڑکے کو تصویر میں دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی خطرناک قسم کے نشے کا عادی ہے' اس کی حالت اگر اس سے بھی زیادہ بگڑی ہوئی ہوتی تو بھی یہ حیرت انگیز نہیں ہوتا...... نشے کی عادت تو موت ہے' مگر تم اس کے لیے کیا کرنا چاہتی ہو؟''

''میں چاہتی ہوں وہ سمجھے اس بات کو کہ زندگی کی ایک اہمیت ہے......''

''رجاب...... ایسے لوگ کسی کی نہیں سنتے' ان کو صرف اپنے نشے کی طلب سے مطلب ہوتا ہے۔'' ندا درمیان میں بولیں۔

''لیکن میرے ساتھ تو اس نے ایسا نہیں کیا...... میں بول بھی نہیں سکتی تھی پھر بھی اس نے میری بات کو سمجھنے کی کوشش کی'

میری مدد کی وہ چاہتا تو مجھے وہاں ایسے ہی چھوڑ کر بھاگ سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا......''

''ٹھیک ہے اب بتاؤ ہم کیا کر سکتے ہیں اس کے لیے...... کیا سوچا ہے تم نے؟''

''میں چاہتی ہوں کہ وہ تباہ نہ ہو آپ اسے سمجھائیں اس سے بات کریں...... اگر اسے ڈاکٹر شرجیل کے ری ہیب سینٹر پہنچا دیا جائے، پچھلے سیشن میں، میں نے ڈاکٹر شرجیل سے ساری معلومات لے لی تھیں ڈاکٹر اپنی نگرانی میں اس کا علاج کریں گے زیادہ عرصہ نہیں لگے گا اسے ایک نارمل زندگی کی طرف آنے میں اس نے جو احسان کیا اس کے بعد ہم اس کے لیے اتنا تو کر سکتے ہیں۔'' رجاب کے لہجے میں اصرار تھا جبکہ راسب اثبات میں سر ہلاتے کچھ سوچنے لگے تھے۔

دوسرے دن وہ خود بھی خاص طور پر راسب کے ہمراہ پولیس اسٹیشن میں موجود تھی راسب نے سر سے پیر تک اسے دیکھا جو پولیس اہلکار کے شکنجے میں بے چین ہو رہا تھا۔

''آپ کو یقین ہے کہ یہ وہی ہے؟'' انسپکٹر نے رجاب کو مخاطب کیا جواباً وہ کوئی جواب دیئے بغیر کرسی سے اٹھ کر اس کے سامنے آ رکی تھی جو حیران کھڑا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا' میں ان لوگوں کو جانتا بھی نہیں ہوں۔'' نقاب میں چھپے رجاب کے چہرے سے نگاہ ہٹاتا وہ انسپکٹر کو بتا رہا تھا۔

''ابھی جان پہچان کروا دیتے ہیں ذرا صبر رکھو سب یاد آ جائے گا۔'' انسپکٹر کے کہنے پر اس نے ہونقوں کی طرح پہلے راسب کو اور پھر رجاب کو دیکھا۔

''تم تک پہنچنے کے لیے میں نے پولیس کی مدد اس لیے حاصل کی کیونکہ میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی اگر اس رات تم میرے بھائی کو فون پر اطلاع نہ دیتے تو شاید میں اسی سڑک پر مر جاتی۔'' رجاب کی بات سنتا وہ پہلے الجھا مگر پھر حیرت سے اس کا منہ کھل گیا تھا۔

''تو...... تو زندہ کیسے بچ گئی......؟''

''تمیز سے بولو۔'' اہلکار نے اس کی گردن پر دھپ لگا کر گھرکا۔

''ساری رات آرام سے گزاری ہے تم نے تھانے میں اب سیدھی طرح سچ سچ بتا دو اس رات کیا ہوا تھا...... تم نے وہاں کیا دیکھا؟'' انسپکٹر نے کڑے لہجے میں باز پرس کی۔

''صاحب...... میں کچھ نہیں جانتا کیا ہوا تھا...... میں سچ کہہ رہا ہوں...... آپ اس لڑکی سے پوچھ لیں...... میں نے صرف اس کو ہی وہاں زخمی حالت میں دیکھا تھا۔ میں نے اس کی مدد کی اور اس کی وجہ سے ہی مجھے ساری رات آپ نے یہاں بند رکھا' اب مجھ پر کوئی جھوٹا الزام لگایا جائے گا کہ میں نے اس لڑکی سے ہزاروں روپے یا پرس ہتھیا لیا' اس کے زیور چھین لیے' میں قسم کھانے کے لیے تیار ہوں' میں نے ایسا کچھ نہیں کیا' میں نے اس لڑکی کی مدد کرنے کا جرم ضرور کیا ہے مجھے کیا پتہ تھا یہ احسان فراموش نکلے گی۔'' سرخ آنکھوں کے ساتھ اس نے آخر میں رجاب کو گھورا۔

''بکواس بند کرو...... یہ صاحب اور بی بی جو بول رہے ہیں اب وہ سنو۔'' انسپکٹر نے سخت لہجے میں جھڑکا۔ رجاب نے ایک نظر راسب کو دیکھا جو فی الوقت بغور وہ سب سن رہے تھے اور جانچ بھی رہے تھے۔

''میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ تم نے میرے لیے جو کیا میں اس کے لیے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی' مجھے تمہارا احسان یاد ہے اس لیے میں تمہارے ساتھ کچھ اچھا ہی کرنا چاہتی ہوں...... مجھے تم پر کوئی جھوٹا الزام لگانے کی ضرورت نہیں...... مگر یہ تو سچ ہے کہ تم نے میرے زیور اپنی تحویل میں لینے کے بعد ہی میری مدد کی تھی۔'' رجاب کے کہنے پر اس نے گڑبڑا کر انسپکٹر کو دیکھا۔

''کون سا زیور' کیسا زیور؟ میرے پاس تمہارا کوئی زیور نہیں ہے۔'' وہ بوکھلا کر بولا۔

''رجاب......'' راسب کی آواز پر وہ کچھ کہتے کہتے رکی تھی اور پھر ان کو کرسی سے اٹھتے دیکھ کر خاموشی سے ایک طرف ہٹ گئی۔

''ہمیں وہ زیور نہ تم سے واپس چاہئیں نہ ہی اس کے لیے تم ہمیں درکار تھے......تم نے میری بہن کی زندگی بچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے' ہم تمہارے احسان مند ہیں اور بدلے میں تمہاری زندگی کو بہتر کرنا چاہتے ہیں۔''

''تم میرے لیے بس اتنا کردو کہ مجھے یہاں سے نکلوادو' باقی مجھے کچھ بہتر ہونے نہ ہونے کی پروا نہیں۔'' وہ بیزاری سے بولا۔

''دیکھو' تم نوجوان ہو' یہ تمہاری عمر کا سنہری دور ہے' اسے نشے کی تاریکی میں گم نہ کرو' تم دوسروں کی مدد کرنے والے ایک اچھے انسان ہو اور......''

''تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟'' وہ درمیان میں بولا۔

''ہم تمہیں ایک ایسی جگہ لے جانا چاہتے ہیں جہاں رہ کر تمہیں نشے کی لت سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی' تم ایک اچھی زندگی گزارنے کے قابل ہوجاؤ گے......''

''میں نہیں جاؤں گا' تم مجھے یہاں سے آزاد کرواؤ بس۔'' وہ بدک کر بولا۔

''تمہیں ہمارے ساتھ وہاں جانا ہی پڑے گا ورنہ مجبوراً مجھے تمہارے خلاف لوٹ مار کی رپورٹ درج کروانی پڑے گی' سالوں تک جیل میں قید رہنے سے بہتر ہے کہ تم ہمارے ساتھ چلو۔'' رجاب نے سردسپاٹ لہجے میں اسے دھمکایا۔

''نہیں جاتا میں' جاؤ کرلو جو کرنا ہے۔'' وہ ہتھے سے اکھڑا۔

''تمہارے فرشتے بھی جائیں گے' تم خود نہیں جاؤ گے تو پولیس کی تحویل میں جانا پڑے گا......اسے ہتھکڑی لگا کر وین میں بٹھاؤ' ہم آرہے ہیں۔'' اسے گھرک کر انسپکٹر نے اپنے اہلکار کو حکم دیا' اس کے احتجاج کے باوجود اہلکار اسے زبردستی کھینچتا لے گیا تھا۔

O......❀......O
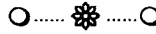
تیسری بار ڈور بیل دینے کے بعد اس نے زیادہ انتظار کیے بغیر اپارٹمنٹ کی دوسری چابی نکال لی تھی' اسے پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی ورنہ کافی دیر پہلے ہی دراج نے اسے کال کرکے بتادیا تھا کہ وہ اپارٹمنٹ میں ہے اور اس کا انتظار کررہی ہے' ہال کے سامنے سے گزرتے ہوئے اسے دراج کے اچانک یہاں آنے کی وجہ سمجھ آگئی تھی' ڈائننگ ٹیبل پر کیک' کینڈل' فلاورز سب سجے تھے اور یقیناً وہ اس کا انتظار کرتے کرتے سوچکی تھی' بیڈروم میں داخل ہوتے ہی زرکاش کا یقین مستحکم ہوگیا تھا۔

اس کا رخ دروازے کی ہی سمت تھا' دوپٹہ اچھی طرح خود پر پھیلا کر اس نے پیروں کے نیچے اس طرح دبا رکھا تھا کہ فین کی تیز ہوا سے اس کی غفلت میں بھی دوپٹہ اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتا تھا' دوپٹے کا اوپر والا کنارا اس کے بازو تلے دبا تھا جس کی ہتھیلی پر چہرہ ٹکائے وہ بڑی پُرسکون نیند میں تھی' اس کا اتنا احتیاطی انداز میں محو استراحت ہونا زرکاش کو مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا' زرکاش کی پہلی پکار اس تک نہیں پہنچی تھی' دوسری بار اس کا نام لیتے ہوئے زرکاش نے دھیرے سے اس کے پیر کو تھپتھپایا مگر وہ ہنوز نیند میں غرق تھی' دھیرے سے بیڈ کے کنارے بیٹھتا وہ اس کے خوابیدہ چہرے کو ہی دیکھ رہا تھا' جو کسی چھوٹے سے بچے کی طرح معصوم دکھائی دے رہی تھی' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ زرکاش نے دھیرے سے اس کی پیشانی پر ہوا سے بکھرتے تراشیدہ بالوں کو احتیاط سے سمیٹنا شروع کیا تھا کہ تب ہی دراج کی بند پلکوں میں لرزش ہوئی تھی' یقیناً پیشانی سے مس ہوتیں پوروں کے لمس نے اس کی حسیات کو بیدار کردیا تھا' زرکاش نے چاہا تھا کہ اسے پھر آواز دے مگر اس سے پہلے ہی دراج کی خمار زدہ گلابی آنکھوں کے کٹورے کھل گئے تھے' وہ نہیں جانتا تھا کہ ان کھلتی آنکھوں نے کس عجیب سحر میں اسے جکڑا کہ وہ سب کچھ بھولنے لگا تھا' اردگرد سے اپنے آپ سے بھی وہ غافل ہوتا جارہا تھا' گلابی ڈوروں سے سجی خمار آلود آنکھوں نے آج پہلی بار اپنا وار کر ہی ڈالا تھا اور وہ اس کی زد میں ساکت وجامد رہ گیا تھا......لیکن یہ سکتہ یہ اسرار بھرا لمحہ اس وقت ٹوٹا جب دراج نے زرکاش کو قریب بیٹھے دیکھا اور بے اختیار اپنی پیشانی پر ٹھہرے اس کے ہاتھ کو جھٹکتی گھبرا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ دنگ نظروں سے زرکاش اس کے فق چہرے کو دیکھتا ہی رہ گیا تھا جو سرعت سے بیڈ سے اترتی تیزی سے بیڈروم سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اپنے عقب میں ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کرتے ہوئے جہاں اس کا دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا وہیں اس نے اپنا سر بھی پکڑ لیا تھا......اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے کیا کر ڈالا ہے' اپنی ساری ریاضتوں پر اس نے خود ہی پانی پھیر ڈالا تھا۔

روہانسے تاثرات کے ساتھ سر ہاتھوں میں تھامے وہ گرنے والے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی تھی' اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اپنی اس بے اختیاری حرکت کے بعد اب وہ کس طرح زرکاش کا سامنا کرے گی......کیا کہہ سکے گی' اس سے جب وہ پوچھے گا کہ یہ تھا وہ اعتبار' یہ تھا وہ یقین جس کی وہ دعوے دار تھی' یہ تھی وہ محبت جس کا اظہار اب تک وہ برملا کرتی رہی تھی' شدید اضطرابی کیفیت میں اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے تھے مگر سامنا تو کرنا ہی تھا......دروازے پر ابھرتی آہٹ نے اسے سر جھکانے اور چہرہ چھپانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''دراج......'' زرکاش کی پکار کے ساتھ ہی یکا یک اس کے دماغ میں بجلی کا کوندا سا لپکا تھا' جھکے سر کے ساتھ اس کا ذہن سو کی اسپیڈ سے دوڑ اٹھا اور پھر پلک جھپکتے ہی میں وہ زرکاش کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔

''دراج! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اچانک کیا ہوا تھا تمہیں' کیا تھا وہ سب؟'' گہرے سنجیدہ لہجے میں وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

''میں نے آوازیں دی تھیں تمہیں' پھر مجھے احساس ہوا کہ تم بہت گہری نیند سو رہی ہو یہ سچ ہے کہ تم پر بے اختیار مجھے پیار آ گیا جیسے کسی سوئے ہوئے معصوم بچے میں پاکیزگی اور تقدس ہوتا ہے' حلاوت ہوتی ہے' مہربانی ہوتی ہے' کسی قسم کا کھوٹ نہیں ہوتا' میں صرف تمہیں جگانے کے لیے تمہارے قریب بیٹھا تھا......اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ میرا کوئی غلط ارادہ تھا' اگر تمہیں میری نیت پر شک ہوا تھا تو تم......''

''زرکاش......یہ سب مت کہیں' آپ کے لیے میں ایسا کچھ گمان میں بھی نہیں لاسکتی' مجھے میری نظروں میں اور مت گرائیں......'' چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ رندھے لہجے میں بولی۔

''تم نہیں......میں اپنی ہی نظروں میں گر گیا ہوں' اپنی نیت کے معاملے میں خود ہی مشکوک ہو گیا ہوں......مانتا ہوں کہ اچانک مجھے قریب دیکھ کر تمہارا ڈرنا' چونک اٹھنا فطری تھا مگر جس طرح تم میرا ہاتھ جھٹک کر مجھ سے دور بھاگی ہو' ایک پل کو تو مجھے بھی یہی لگا کہ واقعی میں کوئی عفریت ہوں اور تمہیں دبوچنے والا ہوں۔'' سر جھکائے وہ بالکل ساکت بیٹھی تھی' زرکاش کے خطرناک حد تک سنجیدہ لہجے میں شدید تاسف بھی جھلک رہا تھا۔

''جو تم سے سرزد ہوا وہ صرف ڈر نہیں تھا' وہ کچھ اور ہی تھا جو نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا' میں یہ سوچنے پر مجبور ہو رہا ہوں کہ مجھ سے کب اور کہاں کوئی ایسی غلطی سرزد ہوئی ہے کہ میں تمہارے اعتبار کے اونچے پیڈسٹل سے اس حد تک نیچے آ گیا ہوں......'' شدید تاسف سے بات کرتا وہ دراج کی طرف ہی متوجہ تھا اس کے آنسوؤں سے تر چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ مزید کچھ بول بھی نہیں سکا تھا۔

''آپ نے ٹھیک کہا' وہ صرف ڈر نہیں تھا' وہ کچھ اور تھا جو میرے دل و دماغ میں پنجے گاڑھ کر بیٹھا ہوا ہے' دیمک کی طرح اندر ہی اندر چاٹ رہا ہے مجھے' جس کا خوف مجھ پر نیند سے بیدار ہونے کے بعد بھی حاوی رہتا ہے' میں اس کے بارے میں کسی کو کچھ بتا بھی نہیں سکتی۔''

''دراج......صاف صاف بتاؤ مجھے کہ بات کیا ہے' میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''میں آپ کو بھی نہیں بتا سکتی' بجیا نے مجھے قسم دی تھی کہ میں اپنی زبان بند رکھوں۔''

''مگر پھر بھی تمہیں بتانا ہوگا مجھے۔ میں کسی قسم کو نہیں جانتا' مجھے فکر ہو رہی ہے تمہاری' یہ سب نارمل نہیں ہے۔''

''مگر......میں کس طرح بتاؤں گی آپ کو یہ سچ کہ جب گھر کے محافظ ہی نقب زنی پر اتر آئیں تو دن رات کس عذاب سے گزرتے ہیں۔'' اس کا سسکتا لہجہ زرکاش کا اضطراب بڑھا گیا تھا' دراج کے قریب بیٹھتا وہ اسے شانوں سے تھام کر روبرو کر گیا تھا۔

''اگر میں واقعی تمہارے اعتبار اور بھروسے کے قابل ہوں تو مجھے سب سچ بتاؤ۔'' اپنے لفظوں پر زور دیتا وہ کچھ سخت

لہجے میں بولا۔

''آپ میری بات پر یقین کریں گے......؟'' دھندلائی آنکھوں سے دراج نے اس کے تاثرات جانچے تھے۔

''میں یقین کیوں نہیں کروں گا......؟''

''کیونکہ نقب لگانے والا آپ کا اپنا بھائی ہے، جس پر آپ کو بہت بھروسہ اور یقین ہے۔'' اس کے لرزتے لہجے نے چند لمحوں کے لیے زرکاش کو پتھرا کر رکھ دیا تھا۔

''دراج......تم جانتی ہو تم کس کے بارے میں کیا کہہ رہی ہو......؟'' زرکاش کو اپنی ہی آواز اجنبی لگی تھی، دراج کے شانوں پر اس کی گرفت کمزور ہونے لگی تھی۔

''ہاں، میں جانتی ہوں، بھگت چکی ہوں اور بھگت رہی ہوں کہ حقیقت میں وہ انسان کیا ہے، جسے آپ اپنا بھائی کہتے ہیں، جس پر بہت مان اور یقین ہے آپ کو۔'' دراج کے گھٹے گھٹے لہجے پر وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''کیا......کیا تھا شیراز نے؟'' زرکاش کمزور لہجے میں پوچھا۔

''بجیا، امی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی ہوئی تھیں، میں سو رہی تھی، اس وقت جب شیراز کمرے میں گھس آیا تھا، میں گہری نیند میں نہیں تھی، بروقت ہوشیار ہوگئی، وہ ہوش میں نہیں تھا، مجھے فوراً ہی اندازہ ہوگیا تھا، دو دن پہلے گھر کے معاملے کو لے کر میری اس سے لڑائی ہوئی تھی، پہلے مجھے لگا وہ اسی لڑائی کو آگے بڑھانے آیا ہے مگر مزاحمت کرتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں، اس پر شیطان سوار تھا، میں اس کے مغلظات آپ کے سامنے دہرا بھی نہیں سکتی......میری قسمت اچھی تھی کہ امی اور بجیا گھر آگئیں ورنہ میں زیادہ دیر تک اس کی شیطانیت کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی، امی اور بجیا کی چیخ و پکار پر وہ بزدل بھاگ نکلا، بھاگتے ہوئے اسے آپ کی ماں اور بہنوں نے بھی دیکھا مگر پھر بھی وہ ان کی نظروں میں بے گناہ اور پاک باز ہے اور میں بدکردار......وہ سب آپ کو کبھی یہ نہیں بتائیں گی کہ شیراز کی صحبت کس حد تک خراب رہی ہے، میں جانتی ہوں اس نے ہوش و حواس میں میری عزت پر حملہ نہیں کیا تھا مگر کیا وہ اس قابل رہا ہے کہ ہوش و حواس میں بھی اس پر اعتبار کیا جائے......؟ کیا وہ اس قابل ہے کہ آپ کی خاطر، اپنے باپ اور تایا کی خاطر میں اسے بھائی کا درجہ دوں اس کی غلیظ حرکت اور ارادوں نے بھیانک خوف ساری زندگی کے لیے مجھ پر طاری کردیا ہے اور میں کچھ نہیں کرسکی، سوائے آہ وزاری کے، آج آپ سے زیادہ تکلیف مجھے پہنچی ہے، میرے خوف نے آپ کو اپنی نظروں میں بے اعتبار کیا، مجھے معاف کردیں، آپ اپنے دل سے پوچھیں، کیا مجھے آپ پر اندھا اعتبار نہیں رہا تھا؟ انجانے میں مجھ سے یہ غلطی ہوگئی، اللہ کے لیے مجھے معاف کردیں۔'' زاروقطار روتے ہوئے دراج نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے جو بالکل سناٹے میں تھا، دھیرے سے اس نے روتی بلکتی دراج کا سر اپنے شانے سے لگایا تھا، آنکھوں کے سامنے چہیتے بھائی کا چہرہ گھوم رہا تھا تو دوسری طرف دراج کی سسکیاں اسے جھنجوڑ رہی تھیں، یقین و بے یقینی کے درمیان اس کا دماغ ماؤف ہوتا جارہا تھا۔

☆

جانے اس بندھن میں کیسا کیف آگیں احساس تھا، یہ جذبوں کی جانے کون سی انتہا تھی کہ جس سے گزرتے ہوئے لطف و مسرت کے جھرنے رگ و پے میں سرایت کرتے ہی جارہے تھے، اس ایک تعلق نے اس کی ساری دنیا کو ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ یہاں تک کہ خود اسے بھی......سنسان سڑک کی وحشتوں کو تکتے ہوئے اس نے جانے کتنی بار یہ خواہش کی تھی کہ کاش کوئی شہزادہ بھٹک کر اس شہر ویراں میں آجائے، ویرانیوں کی قید سے اسے نجات دلادے......اور یہ خواہش جانے کس لمحے اس کے دل سے نکل کر فلک تک پہنچی قبولیت کا درجہ پاگئی تھی......دنیا کی نظروں میں وہ جیسا بھی ہو مگر اس کے لیے تو نجات دہندہ تھا، وہ خواب تھا جو حقیقت کا روپ دھار چکا تھا، اسے فتح کرگیا تھا......ورنہ وہ خود کو اس قابل نہیں گردانتی تھی کہ قدرت یوں اس پر مہربان ہوتی، یوں اسے ایک پیارے سے شخص سے نواز دیا جاتا......اسے گنوا کر وہ کہاں ہوتی......؟ کہیں بھی تو نہیں، اس شہر خموشاں میں ہی رل جاتی، کھو جاتی......کل تک وہ تہی دست، تہی داماں تھی اور آج جیسے ساری کائنات اور اس کی رنگینیاں اس کی دسترس میں تھیں، ایک شخص سے تعلق اور سنگت اسے زمین سے اٹھا کر جیسے جنت میں

لے آئی تھی' قدم فرش پر تھے مگر یوں لگتا تھا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر عرش کو چھو سکتی ہے' ایک بار پھر اس نے کھڑکی کے پٹ کھولے دھڑکتا دل آنکھوں میں سمٹ آیا تھا' پول سے برستی سنہری روشنیوں میں وہ نمودار ہوتا روشنیوں کو بڑھا گیا تھا' اسے ایک ٹک دیکھتی وہ سر سے پیر تک گلاب بن کر مہک اٹھی تھی' لبوں پر مسکراہٹ کے گل کھل گئے تھے' چاہتوں کے امڈتے سمندر کا ریلا اسے بہا کر کب' کس وقت زنگ آلود گیٹ تک لے آیا پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

کیا دیکھیں گے ہم جلوہ محبوب کہ ہم سے
دیکھی نہ گئی دیکھنے والے کی نظر بھی
جلوؤں کو تیرے دیکھ کے جی چاہ رہا ہے اب
آنکھوں میں اتر آئے میرا کیف نظر بھی

بڑی بے تابی سے وہ اس کی طرف دوڑا آیا تھا' جو ابھی سڑک کے وسط تک بھی نہ پہنچی تھی۔ خاموشی سے اس کا ہاتھ تھام کر وہ واپس پول کی جانب بڑھا۔

''زُنائشہ......'' حیرت سے اسے مخاطب کرتے ہوئے عرش الجھا بھی تھا دوسری جانب وہ پول سے شانہ ٹکا کر ذرا رخ پھیرے سر جھکائے اپنے ناخن کریدتی رہی تھی' اس کا آدھا چہرہ بھی نیلی چادر کے گھونگھٹ میں چھپا ہوا تھا' عرش نے دوبارہ اسے متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی' چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے خود ہی نظر اٹھا کر عرش کو دیکھا' سیاہ شلوار سوٹ میں وہ اسے پہلے سے زیادہ شاندار لگ رہا تھا' اس کی سنہری آنکھوں سے پھوٹتی شعاعوں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ دوبارہ سر جھکا گئی تھی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' عرش کے سوال پر وہ مزید خود میں سمٹتی پول کو ناخن سے کریدنے لگی تھی۔

''تمہیں کیا اس پول سے عشق ہو گیا ہے جو چھپکلی کی طرح چپکی کھڑی ہو اس سے' میں یہاں تمہارے انتظار میں پاگل ہو رہا تھا اور تم...... سیدھی طرح میری طرف رخ کرو ورنہ ایک تھپڑ لگا کر سیدھا کر دوں گا۔'' عرش نے خشمگیں لہجے میں گھرکا۔

''تو مجھے تم سے شرم آ رہی ہے میں کیا کروں......؟'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ منمنائی۔

''ارے جہنم میں بھیجو شرم کو' کل سے میرا سانس لینا مشکل ہو گیا ہے' وقت گزر کے نہیں دے رہا تھا' رات ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی' سورج طلوع ہونا بھول گیا تھا' ایسا لگ رہا تھا ساری کائنات میرے اور تمہارے درمیان آ کھڑی ہوئی ہو' پاگل ہو چکا ہوں میں انتظار کرتے کرتے کہ کب یہ وقت آئے اور میں یہاں تم سے ملوں...... اور اب تم اور تمہاری شرم میرا امتحان لینے پر تلی ہے۔'' وہ شدید ناراضگی سے بولا۔ ''اب آؤ میرے ساتھ۔'' اس کی خاموشی پر اب کے وہ نرمی سے بولتا یقیناً باؤنڈری تک لے جانا چاہتا تھا۔

''میں وہاں نہیں جا رہی۔'' وہ پھر منمنائی۔

''کیوں......؟'' عرش دنگ ہوا۔

''وہاں اتنا اندھیرا ہے۔'' اس کا جواب عرش کے دماغ پر لگا۔

''پہلے تو وہاں تک آرام سے چلی آتی تھیں' اب اندھیرے پر کیوں اعتراض ہو رہا ہے؟''

''پہلے کی بات اور تھی۔'' وہ ذرا جھلا کر بولی۔

''دیکھو' آخری بار پوچھ رہا ہوں' ساتھ آ رہی ہو یا نہیں......؟'' عرش کے لہجے میں چھپی دھمکی کو محسوس کرنے کے باوجود وہ نفی میں سر ہلا گئی مگر چونکی اس وقت جب جھکی نظروں سے اس نے عرش کو اپنے سامنے جھکتے دیکھا' اگلے ہی پل اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا' چیخ حلق میں گھٹ گئی تھی جب وہ پلک جھپکتے ہی بڑے اطمینان سے اسے اپنے کندھے پر ڈالتا گھنے درخت کی تاریکی سے گزرتا باؤنڈری تک لے آیا تھا۔

''میں کیا بھیڑ' بکری نظر آتی ہوں تمہیں؟'' عرش اسے باؤنڈری پر بٹھا رہا تھا جب وہ اس کے ہاتھ جھٹکتی جھلا کر چیخی۔

''بالکل نہیں' تم تو میری بیوی ہو۔'' وہ شرارتی انداز میں بولا۔
''کوئی نہیں' خوامخواہ میری کوئی باقاعدہ شادی نہیں ہوئی تم سے۔'' وہ خفگی سے بولتی عرش سے ذرا اور پرے ہوئی۔
''حواسوں میں تو ہو تم......؟ نکاح ہوا ہے' گواہوں کی موجودگی میں نکاح نامے پر دستخط ہوئے ہیں' کون سے قاعدے قوانین رہ گئے ہیں اب؟'' عرش نے حیرت سے اسے دیکھا۔
''ابھی میں تمہارے ساتھ رخصت تو نہیں ہوئی ناں۔'' وہ فوراً بولی۔
''میں تو ابھی ساتھ لے جاؤں تمہیں' تم چلنے والی تو بنو۔'' عرش کے کہنے پر وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی۔
''چپ کیوں ہوگئیں؟ میں بس تمہیں تنگ کررہا تھا ورنہ مجھے یاد ہے کہ ہمارے درمیان کیا طے پایا تھا۔'' عرش سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔
''میرے لیے یہی بہت ہے کہ تم نے مجھ پر اعتبار کرکے اپنی زندگی میں اتنا اہم مقام دے دیا ورنہ میں تمہارا حق دار نہیں تھا...... مجھے اپنی حدود یاد ہیں اور یہ میں بھی چاہتا ہوں کہ آگے جو بھی ہو سب تمہاری خوشی اور رضامندی سے ہو۔'' عرش کے خاموش ہونے پر وہ بھی سر جھکائے خاموش تھی۔
''تم میری طرف تو دیکھو' نظر بھر کر صرف تمہیں دیکھنے ہی تو آیا ہوں' ابھی اتنا ہی حق ملا ہے مجھے اور تم اس سے بھی محروم کررہی ہو...... کتنی ظالم ہو کیا تم کچھ دیر کے لیے یہ بھول نہیں سکتیں کہ میں کون ہوں؟'' عرش کے زچ ہوجانے والے انداز پر وہ گہری سانس بھرتی مکمل اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
''نہیں عرش...... میں یہ نہیں بھول سکتی کہ تم کون ہو...... تم نے ہی تو مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ اس زمین پر میرا بھی کوئی وجود ہے جو اہمیت رکھتا ہے' سانس لیتا ہے' جس میں دل دھڑکتا ہے' جسے خوش ہونے کا حق ہے' جسے تنہائی سے نجات کی اور تم جیسے ساتھی کی ضرورت ہے تم تو صلہ ہو میرے صبر کا' بند لبوں کی دعاؤں کا......'' وہ مدھم لہجے میں بولتی رہی۔
''کل پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ تم سے تو میرا تعلق روح اور جسم جیسا ہوچکا ہے' جو تم پہلے تھے' جو تم اب ہو' مجھے ہر صورت یاد ہو' کیونکہ مجھے زندہ رہنا ہے' تمہارے ساتھ منزل تک پہنچنا ہے۔'' یک دم وہ خاموش ہوکر اس کے ہاتھ کو دیکھنے لگی جس پر بینڈیج نظر آرہی تھی۔
''یہ کیا ہوا' چوٹ کیسے لگی؟'' بے اختیار وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر تشویش میں مبتلا ہوئی۔
''کچھ مت پوچھو' کل سے عجیب حال ہے میرا' کرتا کچھ ہوں ہوتا کچھ ہے بات کوئی بھی کررہا ہوتا ہوں مگر دھیان تمہاری طرف ہی ہوتا ہے ساری رات میں تمہیں اپنے اردگرد محسوس کرکے چونکتا رہا تھا' گھر سے گیرج تک ہر طرف تم ہی تم نظر آرہی تھیں' سب غلط سلط' گڈمڈ ہورہا تھا اور اسی میں یہ چوٹ لگ گئی بس دل چاہ رہا تھا کہ سب چھوڑ چھاڑ کر تمہارے پاس آجاؤں۔'' اس کے بے بس انداز پر زُنائشہ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی' خاموشی سے وہ اس کی بینڈیج کو نرمی سے سہلاتی رہی تھی۔
''تم خوامخواہ ڈر رہی تھیں' کہاں ہے یہاں اندھیرا...... چاند کو دیکھو ذرا' اس کو بھی آج ہی پورا نکلنا تھا۔'' عرش کے لہجے میں رقیبانہ جلن تھی' سر اٹھا کر زُنائشہ نے پوری آب و تاب سے چمکتے چاند کو دیکھا اور بے ساختہ ہنس دی۔
''اچھا ہے میں چاند کی روشنی میں تمہیں صاف دیکھ سکتی ہوں' آج اس لباس میں تم بہت اچھے لگ رہے ہو۔'' اس کی تعریف پر وہ جھینپے انداز میں سر پر ہاتھ پھیرتا دھیرے سے ہنسا۔
''اب یہ جو تمہیں شرم آگئی تعریف سن کر اس کا کیا......؟'' وہ مسکراتے لہجے میں بولی۔ ''مجھے پتہ ہے ہزاروں لوگوں نے تمہاری تعریف کی ہوگی پھر بھی اتنی شرمیلی ہنسی کیوں؟''
''کیونکہ میرے سامنے تم ہو ہزاروں لوگوں کی تعریف سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا' میرے نزدیک بس تمہارے لفظوں کی اور تمہاری نظروں کی اہمیت ہے لہٰذا آئندہ میری تعریف کرنے سے ذرا گریز کرنا۔'' وہ تاکید کررہا۔
''مگر کیوں......؟ اب تو مجھے حق بھی ہے' تم جب' جب مجھے بہت زیادہ اچھے لگو گے مجھے تعریف ہر صورت کرنی ہے'

تمہیں ڈھٹائی کا مظاہرہ کرنا پڑے گا' کب تک شرماتے رہو گے' شادی ہوئی ہے ہماری' قبر تک پیچھا نہیں چھوڑنے والی اب میں۔'' اس کے احتجاج پر وہ بے ساختہ ہنسا۔

''دیکھو' اس چیز کو قبول کرتے ہوئے مجھے کوئی شرمندگی نہیں کہ تم جب' جب میری یوں تعریف کرو گی' مگر تعریف کے لیے منع اس لیے کررہا ہوں کہ میں شرماتا رہوں گا تو رومانس کب کروں گا اور اب تو مجھے پورا یقین ہے کہ جب تم میرا موڈ رومینٹک ہوتا دیکھو گی فوراً میری تعریف کرنے لگ جاؤ گی بے ایمانی کرنی ہے تم نے ضرور......'' عرش کے گھرکنے پر وہ بے اختیار ہنستی چلی گئی۔

''پھر تمہارا سارا رومانس دھرے کا دھرا رہ جائے گا...... یہ اچھا ہو گیا' اب تو میں خود چاہوں گی کہ تم رومانٹک موڈ میں آؤ تاکہ میں تمہاری تعریف میں زمین و آسمان کی قلابیں ملا دوں۔'' وہ ہنسی کے درمیان بولتی پھر کھلکھلا اٹھی تھی۔ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے عرش نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ چونکی۔

''میرے پاس ابھی تمہیں دینے کے لیے کوئی اچھا سا تحفہ نہیں ہے مگر میں جلد ہی اس قابل ہو جاؤں گا کہ اپنی محنت اور حلال کے روپوں سے تمہارے لیے قیمتی تحفہ حاصل کرسکوں اور اس کے لیے تھوڑا انتظار کرنا ہوگا۔''

''عرش...... میرے لیے سب سے قیمتی تحفہ تم ہی ہو۔ تمہاری ہر کامیابی میرے لیے تحفہ ہی ہوگی' مجھے اور کسی چیز کی خواہش نہیں۔'' وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''عرش...... تم نے کھانا کھایا......؟'' اسے اچانک یاد آیا۔

''ہاں' گیراج میں ہی سب کے ساتھ۔''

''مگر میں نے تو سوچا تھا کہ تم آؤ گے تو ہم ساتھ کھانا کھائیں گے۔''

''تمہاری خاطر مجھے دوبارہ کھانے پر کوئی اعتراض نہیں مگر اب تم جاؤ گی' کھانا لے کر آؤ گی...... پہلے ہی وقت پر لگا کر اڑا جارہا ہے یہاں آنے کے بعد سے۔''

''تو پھر اٹھو' ہم دونوں چھپتے چھپاتے میرے گھر چلتے ہیں' ساتھ کھانا کھائیں گے پھر اسی طرح چھپتے چھپاتے میں واپس تمہیں یہاں لے آؤں گی۔'' زنائشہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی۔

''کیا فائدہ مجھے گھر لے جانے کا جب واپس یہیں لا کر پٹخنا ہے؟'' عرش نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''عرش...... میں نے اتنی محنت اور دل سے تمہارے لیے اچھا سا کھانا پکایا تھا۔'' اس نے خفگی سے جتایا۔

''تو پھر کیا کرنا چاہیے؟''

''کرنا کیا ہے میرے گھر چلو' کھانا کھا کر فوراً ہی میں تمہیں واپس یہاں لے آؤں گی۔''

''کتنی ذمہ دار' فرض شناس بیوی ہونے کا ثبوت دے رہی ہو تم میں بھوکا فقیر ہوں جسے کھانا کھلاؤ گی اور چلتا کردو گی۔''

''یہ کیا بات کی تم نے' ہمیں ساتھ کھانا ہی تو کھانا ہے۔'' وہ الجھ کر بولی۔

''ہاں...... بالکل ساتھ کھانا کھانے کے لیے ہی تو شادی کی ہے ہم نے' بیٹھ جاؤ احمق اعظم......'' وہ اپنی ہنسی نہیں چھپا سکا تھا۔ ''بہت توانائی خرچ کرنی ہوگی تمہیں سدھارنے کے لیے۔''

''سدھرنے کی ضرورت مجھے نہیں تمہیں ہے' یہ کہو تمہیں کھانا' کھانا ہی نہیں۔'' وہ واپس بیٹھتی خفت سے بولی۔ ''اب کل سے تم گیراج سے سیدھا یہاں آؤ گے میرے ساتھ کھانا کھاؤ گے اس کے بعد گھر جاؤ گے۔'' وہ تاکید کررہی تھی۔

''ضرور اب تو تمہارے ہی احکامات پر چلنا ہوگا مجھے' ویسے یہ یقین مجھے ہوگیا ہے کہ فی الحال کھانے کے سوا تم سے مجھے کوئی فیض حاصل نہیں ہونے والا۔'' وہ سنجیدہ لہجے میں مگر شوخ نظروں سے اسے دیکھتا جتا رہا تھا۔

''میرا خیال ہے اب تمہیں گھر جا کر آرام کرنا چاہیے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''ہاں...... جانا تو ہے۔'' رسٹ واچ میں وقت دیکھتا وہ بولا۔

''یہاں آتے ہوئے ایک یہی چیز بہت تنگ کررہی تھی کہ تمہیں یہاں چھوڑ کر مجھے واپس جانا ہوگا' بہت مشکل ہے روز'

روز اس اذیت کو سہنا' یہ سچ کہنے میں مجھے کوئی عار نہیں کہ میں کسی قیمت پر تم سے دور نہیں ہونا چاہتا مگر......'' بجھے لہجے میں بات ادھوری چھوڑ کر اس نے زُنائشہ کو دیکھا اور پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''میں تمہیں بالکل بھی مایوس نہیں کروں گا' میں جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ ایک خوشحال اور کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ابھی کچھ سمجھوتے کرنے ہوں گے اور میں کروں گا' بس جو اعتبار تم نے مجھ پر کیا ہے اسے ہمیشہ قائم رکھنا' مجھے تمہارے ساتھ کی تمہارے یقین و اعتبار کی قدم قدم پر ضرورت ہے۔'' اس کے گہرے سنجیدہ لہجے پر زُنائشہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☾ ...... ☆ ...... ☾
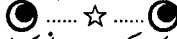
عجیب کیفیت تھی دل کی' گھر کے ایک ایک حصے کو دیکھتے وہ لاؤنج کی طرف آئے تھے۔ سب سامان پیک ہو چکا تھا' کل اس گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ جانا تھا' اس گھر میں انہوں نے ہوش سنبھالا تھا' ماں باپ کی محبتیں سمیٹی تھیں' رجاب کی شرارتیں دیکھی تھیں' اس گھر کے در و دیوار ان آہوں' کراہوں کے گواہ تھے جس کے کرب سے وہ اور ان کے گھر کے سب فراد گزر رہے تھے...... زندگی نام ہی تغیر کا ہے مگر کبھی کبھی یہ تغیرات ایسے طوفان کی صورت میں آتے ہیں کہ مضبوط سے مضبوط تناور درخت بھی زمین بوس ہو جاتے ہیں پھر وہ تو گوشت پوست سے بنے انسان تھے جو سینے میں دل رکھتے تھے' ایسا دل جس میں اس بہن کا روگ ناسور بن کر پھیل رہا تھا' جوان کو اپنی زندگی' اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر عزیز تھی' رجاب کی زندگی میں آنے والا طوفان ان کی بنیادیں بھی کھوکھلی کر گیا تھا مگر رجاب کے لیے' اسے ایک نارمل اور کامیاب زندگی دینے کے لیے ان کو ساری اذیتیں اور روگ چھپا کر رکھنے تھے' اس گھر کو فروخت کرنا ان کے لیے آسان نہیں تھا مگر وہ یہ کام بہت سوچ سمجھ کر کر رہے تھے' ان کو اپنا بزنس شروع کرنا تھا' فنانشلی اپنے خاندان کو مضبوط کرنا تھا اور سب سے اہم یہ کہ وہ ان سب کو گزرے طوفان کی تباہ کاریوں سے دور لے جانا چاہتے تھے۔ دھیرے' دھیرے قدم بڑھاتے وہ رجاب کے کمرے کی طرف آئے تھے' دروازہ کھلا ہوا تھا' سامنے ہی بیڈ پر سوٹ کیس کھلا رکھا تھا' اور اس کے قریب ہی رجاب سر جھکائے ساکت بیٹھی تھی' اسے دیکھتے ہوئے آج پھر کوئی خنجر راسب کے دل میں اترا تھا' رجاب کی خاموشی اور الگ تھلگ رہنے کی عادت اب نئی نہیں رہی تھی' راسب جانتے تھے کہ اس گھر کو چھوڑنا رجاب کے لیے بھی کسی صدمے سے کم نہ ہوگا مگر جو کچھ وہ برداشت کر چکی ہے اس سب کے سامنے یہ صدمہ بہت معمولی تھا۔ ایک پل کو رک کر انہوں نے خود کو مضبوط کیا اور پھر ہلکا سا کھنکھارتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے مگر رجاب ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی' سر جھکائے وہ بس یک ٹک گود میں رکھے سرخ لباس کو دیکھ رہی تھی' راسب اسے مخاطب کرتے کرتے یک دم رکے تھے' اس کی گود میں رکھے سرخ لباس کو دیکھتے ہوئے ان کی آنکھوں میں خون اترنے لگا تھا بڑھتے اشتعال سے ان کا چہرہ کھنچ گیا تھا' آگے بڑھ کر انہوں نے وہ سرخ لباس رجاب کی گود سے یوں دور پھینکا جیسے وہ کپڑے نہ ہوں کالے بچھو ہوں دھاڑتے ہوئے انہوں نے ندا کو آواز دی' ندا دوہاں بھاگی آئی تھیں۔

''اس درندہ صفت شخص سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز اس گھر میں باقی کیسے رہ گئی' اسے کیوں ضائع نہیں کیا؟'' وہ گرجے فق چہرے کے ساتھ ندا نے فرش پر پڑے لباس کو دیکھا' یہ وہ لباس تھا جو رجاب نے اپنے نکاح کے دن پہنا تھا' ندا بس گنگ کھڑی رہ گئی تھیں۔

''رجاب...... تم ان کپڑوں کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگاؤ گی ابھی اور اسی وقت......'' بھڑکتے لہجے میں وہ ساکت بیٹھی رجاب سے مخاطب ہوئے اور پھر خونخوار نظروں سے ندا کو دیکھتے کمرے سے نکل گئے۔

''رجاب تمہارے آغا جان ابھی غصے میں ہیں مگر تم یہ بدشگونی مت کرنا' یہ تمہارے جسم سے اترے کپڑے ہیں' ان کا تو کوئی قصور نہیں' جو ہونا تھا' وہ ہو چکا اب یوں اپنے کپڑوں کو جلا کر راکھ کرنا اچھی بات نہیں۔'' ندا اسے سمجھا رہی تھیں جو سپاٹ چہرے کے ساتھ ان کپڑوں کو ہی دیکھ رہی تھی۔

''رجاب...... تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟'' ندا نے اس کے شانے کو ہلایا مگر وہ ان کے بجائے جارحانہ تیوروں کے

ساتھ واپس آتے راسب کی طرف متوجہ تھی' لائٹر نیچے پڑے لباس پر پھینک کر راسب نے اسے دیکھا۔
''لگادو اسے آگ' جلاکر راکھ کردو ہر اس چیز کو جس نے ہم سب کی زندگی کو جہنم بنادیا ہے۔'' راسب کے لہجے میں سنگلاخ چٹانوں جیسی سختی تھی۔ رجاب کو فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر لائٹر اٹھاتے دیکھ کر ندا خاموش نہیں رہ سکی تھیں۔
''راسب...... یہ سب ٹھیک نہیں ہے' بہت برا اثر پڑے گا رجاب پر' آپ اس کے ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ خود اپنی محنت بھی برباد کررہے ہیں' اس طرح تو وہ کبھی نہیں نکل سکے گی ان اذیتوں سے۔'' ندا لرزتے لہجے میں بول رہی تھیں مگر نہ راسب سن رہے تھے نہ رجاب کو کچھ سنائی دے رہا تھا' لائٹر کی بھڑکتی لو پر اس کی سبز پتلیاں چند لمحوں تک ساکت رہی تھیں اور پھر اس نے وہی کیا جو راسب چاہتے تھے۔ چند پل میں ہی نفیس کپڑے نے آگ پکڑلی تھی' بھڑ بھڑ جل کر راکھ بنتے کپڑوں سے نظر ہٹاتے راسب کمرے سے نکل گئے تھے' ندا شدید مایوس اور غمزدہ کھڑیں رجاب کو ہی دیکھ رہی تھیں جس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا' تب ہی ندا بری طرح چونک کر اپنے آتے بیٹے کی طرف متوجہ ہوئی تھیں اور اگلے ہی پل گھبرا کر کمرے سے بھاگی تھیں' راکھ کا ڈھیر بن جانے والے کپڑوں کے پاس بیٹھی وہ کچھ دیر تک باہر سے آتی آوازوں کو سنتی رہی اور پھر اپنے پیروں کو کھینچتی دروازے کی سمت بڑھی۔
''راسب...... دروازہ کھولیں' اللہ کے لیے دروازہ کھولیں۔'' سامنے ہی ندا بند دروازے کو دھڑ دھڑاتیں روتی چیختی بھی جارہی تھیں' رجاب ان کی طرف جانے کی بجائے بند کمرے کی کھڑکی کی سمت بڑھی' بند شیشوں کے دوسری طرف پردہ ذرا سرکا ہوا تھا' اندر کا جو منظر اسے نظر آرہا تھا وہ اس کی آنکھوں کو پتھرا گیا' وجود کانپنے لگا تھا' ندا بند کمرے میں گونجتیں آہ وزاریاں اور سینہ کوبی صرف سن سکتی تھیں وہ یہ سب پھٹی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہی تھی' آوازیں کھو جائیں تو سناٹے چیخ اٹھتے ہیں' اس کے اندر بھی سناٹے سر پٹختے چیخ وپکار کررہے تھے۔

☾ ...... ☆ ...... ☾
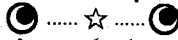
سناٹے میں شزا ہی نہیں شیراز بھی آگیا تھا اس سوال کو سن کر جو زرکاش نے کیا تھا اور اب جواب طلب نظروں سے شیراز کو دیکھ رہا تھا۔
''بھائی...... وہ بہت مکار اور جھوٹی ہے' شیراز سے خار کھاتی ہے اس لیے جھوٹے الزام لگا کر اسے آپ کی نظروں میں گرانا چاہتی ہے اور آپ اس کی بات پر یقین کررہے ہیں......''
''نہیں کیا یقین۔'' زرکاش نے شزا کی بات کاٹی۔ ''شیراز...... میں جانتا ہوں کہ وہ تم سے اور تم اس سے کس حد تک نفرت کرتے ہو...... دراج کا الزام میں تب ہی غلط ثابت کرسکتا ہوں جب تم مجھے بتاؤ گے کہ حقیقت کیا ہے' کیا تم اس کے پاس جھگڑا کرنے کے ارادے سے گئے تھے یا کوئی اور وجہ تھی جس کا اس نے غلط مطلب لیا...... تم دونوں کے تعلقات ایسے رہے ہیں کہ وہ تم پر قاتلانہ حملے کا بھی الزام لگا سکتی ہے' تم خود بھی اس پر کسی حملے کا الزام لگا سکتے ہو' میں دراج کے الزام کی تصدیق نہیں بلکہ سچ جاننا چاہتا ہوں۔'' بہت سنجیدگی سے وہ شیراز سے مخاطب تھا۔
''بھائی...... سب سے پہلے تو میں آپ کو یہ بتادوں کہ مجھے یاد آرہا ہے کہ گھر سے جاتے ہوئے اس نے ڈھکے چھپے انداز میں مجھ کو دھمکیاں دی تھیں' خبردار کیا تھا مجھے اپنی مکاریوں سے...... وہ جو کرنا چاہتی ہے' اس کی شروعات اس نے کردی ہے' وہ آپ کو مجھ سے بدظن کرنا چاہتی ہے' مجھ پر اس کے بے ہودہ الزام کو سن کر آپ کو تو اس کا منہ توڑ دینا چاہیے تھا۔'' شیراز بپھرے تیوروں سے بولا۔
''دراج کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ضرور توڑ دیتا' مگر دراج ہمارے گھر اور خاندان کا حصہ ہے' وہ معاملہ جو بھی تھا' میری غیر موجودگی میں ہوا تھا' مجھے یہی بہتر لگا کہ اس سے بحث کرنے کے بجائے میں پہلے تم سے پوچھوں۔''
''بھائی...... آپ امی سے پوچھیں' انہوں نے......''
''امی کو درمیان میں مت لاؤ' یہ تمہارا اور دراج کا معاملہ ہے' امی بہت پریشان ہوجائیں گی اس لیے میں تم دونوں کو تنبیہہ کررہا ہوں کہ امی تک ان سب باتوں کی بھنک تک نہیں پہنچنی چاہیے۔'' زرکاش نے تنبیہی نظروں سے ان

دونوں کو دیکھا۔
''میں آپ کو سب کچھ سچ سچ بتاتا ہوں' اس دن امی نے مجھ سے کہا تھا کہ رائمہ سے بل لے کر اس کی ادائیگی کرآؤ' ہر ماہ کی یہ روٹین ہے میری' صحن میں مجھے کوئی نظر نہیں آیا' بل جمع کروانے کی آخری تاریخ تھی' مجبوراً مجھے کمرے تک جانا پڑا' بس میرے کمرے میں جاتے ہی اس نے شور مچادیا' واویلہ شروع کردیا' یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسی گھر میں میری ماں' بہنیں بھی موجود ہیں' کیا ان کی موجودگی میں میں ایسا غلیظ کام کرنے کا سوچ بھی سکتا تھا؟''
''اگر تم نے کچھ غلط نہیں کیا تھا تو تم بھاگے کیوں......؟ وہیں رک کر اسے غلط ثابت کیوں نہیں کیا؟'' زرکاش نے پوچھا۔
''اس وقت مجھے یہی لگا کہ وہ زبردستی مجھ سے جھگڑا کرنے کے لیے چیخ وپکار کررہی ہے' میں رک جاتا تو ہنگامہ اور بڑھ جاتا' یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کیسا گھناؤنا الزام مجھ پر لگارہی ہے اور اب اسی الزام کو ہتھیار بنا کر آپ کو میرے خلاف کررہی ہے......میرے پاس اپنی بے گناہی کا کوئی ثبوت نہیں تو ثبوت اس کے پاس بھی نہیں اپنے جھوٹے الزام کا...... میں صرف قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں کیا' آپ سے بڑھ کر مجھے کچھ عزیز نہیں' آپ میرے بھائی ہی نہیں' میرے باپ بھی ہیں' میں آپ کے سر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایسا کوئی بے ہودہ کام نہیں کیا' کبھی بھی نہیں۔'' جذبات کی رو میں بہتے ہوئے اس نے یک دم زرکاش کے سر پر ہاتھ رکھ کر بہت مضبوط لہجے میں کہا جبکہ شنزا کو سانپ سونگھ گیا تھا' وہ بس شیراز کے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جو اس نے زرکاش کے سر پر رکھا ہوا تھا' دوسری جانب زرکاش گہری سنجیدگی سے شیراز کے تاثرات کو جانچ رہا تھا۔
''ٹھیک ہے۔'' گہری سانس بھر کر اس نے شیراز کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔
''کیا تم دراج کے سامنے دوبارہ میرے سر کی قسم کھا کر یہ سب کہہ سکتے ہو؟''
''میں ہزاروں بار یہ قسم کھانے کے لیے تیار ہوں' اس لیے نہیں کہ میں دنیا کی نظروں میں خود کو بے قصور ثابت کرنا چاہتا ہوں بلکہ اس لیے کہ میں آپ کی نظروں میں سرخرو ہونا چاہتا ہوں' اس دو ٹکے کی لڑکی اور اس کے جھوٹے الزام کی مجھے رتی برابر پروا نہیں مگر میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ آپ کے دل میں میرے لیے شک پیدا ہو۔''
''مجھے یقین ہے تم پر۔'' زرکاش نے اتنا ہی کہہ کر ایک نگاہ سوچوں میں گم شنزا کو بھی دیکھا اور پھر جانے کے لیے پلٹ گیا تھا' شنزا نے ایک تیز نگاہ اپنی طرف متوجہ ہوتے شیراز پر ڈالی تھی اور پھر خود بھی وہاں سے چلی گئی۔

☾ ...... ☆ ...... ☾
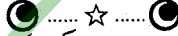
سر پر چادر لیتے ہوئے ایک بار پھر وہ آئینے میں حیرت سے اپنا عکس دیکھ رہی تھی' برسوں کی تھکن' آلام کی زردی چہرے سے مٹ چلی تھی' ہر نقش میں اب پھولوں سا نکھار اور گھلاوٹ در آئی تھی کہ وہ متعجب پہلے بھی تو اب نہیں رہی تھی' حیرت فطری تھی' ایک خوب صورت بندھن نے کیسی کایا پلٹ دی تھی' یہ جو کچھ بھی تھا یقیناً دو آنکھوں کا ہی اثر تھا وہی آنکھیں کہ جن سے نگاہ چرانا اس کے لیے اب ناممکن تھا' ویران بیابان زندگی ایک شخص کی وجہ سے کیسا انوکھا روپ دھار چکی تھی' چہار سمت محبت کے گل کھلے تھے' چاہتوں کے دیے روشن تھے' شاید یہ قرب منزل کے آثار تھے' درست راستے کی نشانیاں تھیں' ایک پُرسکون سانس لیتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کی تھیں' سنہری کرنوں کے ہالے میں ایک چہرہ ابھرتا اسے روح تک سرشار کرگیا تھا' یہ سب حقیقت ہے' سچ ہے' جو ہوچکا ہے' جو ہورہا ہے اور جو ہونے جارہا ہے' خواب نہیں اٹل حقیقت ہے' خود کو یقین دلاتی وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔
ٹفن سنبھالے وہ زنگ آلود گیٹ سے باہر نکلی تو پہلی نظر اس پر ہی گئی تھی جو پول سے پشت ٹکائے اس کی طرف ہی متوجہ تھا' آگے قدم بڑھاتی وہ اس گاڑی کی طرف بھی متوجہ تھی جو سڑک کے دوسرے کنارے پر رکی ہوئی تھی' اس بڑی سی گاڑی کی چھت پر بھی کچھ لوگ بیٹھے نظر آرہے تھے' گاڑی میں یقیناً خواتین بھی موجود تھیں' شور سے اندازہ ہوا تھا۔
''یہ لوگ شاید پکنک پر جارہے ہیں' گاڑی میں خرابی ہوگئی ہے۔'' اس کی حیران سوالیہ نظروں پر عرش نے بتایا۔ جبکہ وہ

گاڑی سے باہر آتیں لڑکیوں کی طرف متوجہ ہوتی دلچسپی سے ان سب کو دیکھنے لگی تھی۔

''وہ سب مجھ سے زیادہ اہم ہیں شاید......'' عرش کی ناراض آواز پر وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''تم جانتے ہو کہ یہ ممکن نہیں۔'' وہ بولی۔ ''کبھی کبھی انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایک ہمارے سوا سب مطمئن ہیں' شاد و آباد ہیں' پتہ نہیں یہ نظر کا دھوکہ ہوتا ہے یا خود ترسی کی کوئی منزل۔'' ان سب لڑکے لڑکیوں کو آپس میں خوش گپیوں میں مگن دیکھ کر وہ عجیب لہجے میں بولی۔

''مگر ہم یہ سچ بھی جانتے ہیں کہ ہر انسان کی زندگی میں دشواریاں' کٹھنائیاں الگ الگ نوعیت کے ساتھ کسی نہ کسی صورت میں داخل ہونے کا راستہ بنا ہی لیتی ہیں۔ اگر کوئی ہر حال میں مسکرا رہا ہے تو یقیناً وہ غم و آلام کے درمیان سے چھوٹی چھوٹی خوشیاں کشید کرنا جانتا ہے۔'' عرش کے سنجیدہ لہجے پر اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔

''ان کی گاڑی کو ٹھیک کرنے میں تمہیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔'' وہ بولی۔

''مجھے نہیں لگتا کہ وہاں میری کسی مدد کی ضرورت ہے' وہ لوگ اچھی طرح ٹائر بدل رہے ہیں۔'' عرش نے کہا۔

''وہ سب لڑکیاں بار بار تمہیں اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟'' زُنائشہ کے خفت زدہ لہجے پر وہ حیران ہوا۔

''پتہ نہیں' مجھے تو یہ تم سے معلوم ہو رہا ہے اگر واقعی ایسا ہے تو مجھے بتاؤ میں اچھا تو لگ رہا ہوں؟'' جینز کی چست جیکٹ کے ادھ کھلے گریبان کی زپ بند کرتے اس نے پوچھا۔

''عرش...... میں مذاق نہیں کر رہی......'' اس کی آنکھوں سے ٹپکتی شرارت پر وہ خفگی سے بولتی یک دم چپ ہوگئی کہ رکی ہوئی گاڑی کی چھت پر موجود لوگوں نے میوزک آن کرنے کا شور مچانا شروع کر دیا تھا' کانوں کو پھاڑ دینے والے میوزک نے کم از کم زُنائشہ کو تو دہلا کر رکھ دیا تھا' مائیکل جیکسن کے ''تھرلر'' نے یک دم ماحول کو ہولناک حد تک بدل کر رکھ دیا تھا' تب ہی وہ ہک دک رہ گئی تھی جب اس نے عرش کو ایک ہی جست میں سڑک پر اترتے دیکھا تھا' عرش کا رخ اس کی ہی جانب تھا اور اب مائیکل جیکسن کے مخصوص مون لائٹ اسٹیپ میں وہ پیچھے کی طرف جا رہا تھا' ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے جوتوں تلے کھردری سڑک نہیں بلکہ شیشے کا فرش ہے جس پر اس کے جوتے پھسلتے جا رہے ہیں' گاڑی کی طرف موجود سب ہی عرش کی طرف متوجہ ہو چکے تھے' تیز چنگھاڑتے میوزک میں سیٹیوں اور آوازوں کا شور بھی شامل ہو گیا تھا' کچھ لڑکے بھی موج میں آتے عرش کا ساتھ دینے آ گئے تھے' اور پھر تھرلر کا باقاعدہ آغاز ہو گیا تھا' زُنائشہ بس دنگ نظروں سے عرش کے جوش اور ولولے کو ہی دیکھ رہی تھی' اس نے ان سب لڑکیوں کو تقریباً پاگل کر دیا تھا جو حلق کے بل چیخ رہی تھیں' عرش سمیت ان سب ہی لڑکوں کی انرجی قابل دید تھی' وہ سب مکمل فارم میں اور مائیکل جیکسن کے سچے پرستار دکھائی دے رہے تھے۔

خوف ناک اور ہیجان خیز ماحول میں پول سے لگی کچھ وقت تو وہ اس سب کو وحشت زدہ نظروں سے دیکھتی رہی تھی' عرش مگن تھا' اس ہولناک شور شرابے میں اس کی گھٹن اور وحشت بڑھتی چلی گئی تھی' اس سے پہلے کہ دم گھٹ جاتا وہ تیزی سے پلٹتی گھنی شاخوں تلے پھیلی تاریکی کی سمت بڑھ گئی تھی' کب وہ ہنگامہ تھما' کس وقت گاڑی وہاں سے گئی اسے پتہ نہیں چلا' باؤنڈری پر سر جھکائے وہ سختی سی کانوں پر ہاتھ جمائے بیٹھی تھی۔ جب عرش اس کی طرف آیا تھا۔

''میں نے تمہیں متاثر کرنے کے لیے اتنی محنت کی اور تم یہاں بھاگ آئیں...... حد ہوتی ہے۔'' اس کے سر کو انگلی سے بجاتا وہ قریب بیٹھا تھا مگر اگلے ہی پل بری طرح چونکا جب زُنائشہ کانوں سے ہاتھ ہٹا کر چہرہ ہاتھوں میں چھپا گئی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' دنگ نظروں سے اسے دیکھتا وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل آ بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ چہرے سے الگ کیے تھے' جو سسکیوں کو روکنے کی کوشش کرتی مزید چہرہ جھکا گئی تھی۔

''زُنائشہ...... میں ابھی اور اسی وقت مر جاؤں گا...... بتاؤ تمہیں ہوا کیا ہے' کیوں اس طرح رو رہی ہو؟'' وہ شدید مضطرب ہوتا پوچھ رہا تھا۔ جواباً وہ بمشکل نفی میں سر ہلا سکی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا' اس لیے رو رہی ہوں......؟'' وہ حیران پریشان تھا جبکہ زُنائشہ اسی طرح لرزتی سسکیاں بھرتی رہی تھی۔

''سنو...... کچھ دیر پہلے جو میں کر رہا تھا' وہ سب تمہیں پسند نہیں آیا؟'' چاند کی دودھیا مدھم روشنی میں عرش نے بغور اس کی بھیگی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتے موتیوں کو دیکھ کر پوچھا۔

''تم کچھ بولو گی نہیں تو مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے' بتاؤ مجھے کیا تمہیں وہ سب پسند نہیں آیا؟'' عرش کے نرم لہجے پر اس نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا' گہری سانس لے کر وہ اس کی پلکوں سے پھسلتے قطروں کو پوروں میں سمیٹنے لگا۔

''بس یونہی خود پر قابو نہ رہا تھا' سوچا تھا' تم خوش ہو جاؤ گی اور وہ سب بھی جو گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے بیزار تھے۔''

''تم یہاں میرے لیے آئے تھے یا ان سب کو اس طرح خوش کرنے؟'' وہ رندھے لہجے میں بولی۔

''ظاہر ہے' میں یہاں تمہارے لیے ہی موجود ہوں...... اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ سب تمہیں ناگوار گزرے گا تو کبھی ایسی جرأت نہیں کرتا' میں ہر اس چیز پر لعنت بھیجتا ہوں جو تمہیں تکلیف پہنچائے' تمہاری آنکھوں میں آنسو لانے کا سبب بنے کیونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں بے تحاشہ محبت۔'' عرش کے گمبھیر مدھم لہجے پر وہ سن ہو گئی تھی' تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے چاہا تھا کہ اپنا ہاتھ عرش کی گرفت سے نکال لے مگر دیر ہو چکی تھی' جذب کی سی کیفیت میں وہ اس کے ہاتھ کی پشت لبوں سے چھو رہا تھا۔

''جانتا ہوں کہ مجھے ابھی اتنا حق نہیں حاصل ہوا' شاید میرا یہ عمل بھی تمہیں پسند نہ آیا ہو' مگر میں جذبوں کے اس اظہار سے خود کو نہیں روک سکوں گا...... یہ ایک پاکیزہ اور مقدس عمل ہے جس میں کوئی کھوٹ' کوئی ملاوٹ نہیں' جو بے اختیاری ہے محبت پر بھی اختیار حاصل ہوا ہے۔'' اس کا سحر انگیز لب ولہجہ زُنائشہ کو روح کی گہرائیوں میں اترتا محسوس ہوا تھا۔

''آئندہ میں ایسا کوئی موقع نہیں آنے دوں گا لیکن انسان ہوں' انجانے میں میری کسی حرکت سے دل کو ٹھیس پہنچے تو مجھے برا بھلا کہہ کر دل ہلکا کر لینا' اس طرح رونے کی اجازت میں تمہیں بالکل نہیں دوں گا...... سمجھ گئیں؟ اب ہاں میں جواب دے کر مسکرا بھی دو تاکہ میری جان میں جان آئے۔'' عرش کی تاکید پر وہ اس کی وارفتہ نگاہوں میں دیکھتی اثبات میں سر ہلاتی ہلکا سا مسکرائی۔

''ذرا اچھی نہیں لگتی روتے ہوئے' میں ڈر کر بھاگنے والا تھا...... اب مجھے کھانا بھی کھلاؤ گی یا یونہی قدموں میں بٹھائے رکھو گی؟'' عرش کے خشمگیں لہجے پر اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

ان کی محفل میں نصیر ان کے تبسم کی قسم
دیکھتے رہ گئے ہم ہاتھ سے جانا دل کا

ٹھنڈی آہ کے ساتھ شعر پڑھتے ہوئے عرش نے شوخ نظروں سے اسے دیکھا۔

''عرش...... یہاں آ کر کھانا کھاؤ۔'' ٹفن کی طرف متوجہ وہ خشمناک لہجے میں بولی۔

''پیار سے نہیں بول سکتیں......؟'' خفگی سے اسے دیکھتا وہ سامنے آ بیٹھا تھا۔

''بول سکتی ہوں مگر بولوں گی نہیں ورنہ گلے ہی پڑ جاؤ گے۔'' مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اس نے نوالہ عرش کی طرف بڑھایا ہی تھا اگلے ہی پل وہ چیخ اٹھی۔

''عرش......'' اپنا ہاتھ جھٹکتے ہوئے زُنائشہ نے جھنجلا کر اس کے شانے پر وہی ہاتھ جڑنا چاہا تھا مگر بلند آواز میں ہنستا عرش صاف بچ نکلا تھا۔

''اب خود ہی کھاؤ' میں نہیں کھلاؤں گی تمہیں۔'' اپنی انگلی سہلاتی وہ ناراضگی سے بولی۔

''مجھ پر ہاتھ اٹھایا تم نے...... توبہ کرو توبہ......''

''میں توبہ کروں اور تم نے جو واہیات حرکت کی؟'' وہ بگڑی۔

''وہ تو عمل کا ردعمل تھا۔ تم نے بات ہی ایسی کی کہ مجھے غصہ آ گیا۔''

''عرش...... میری انگلی کاٹ کر تم ذرا بھی شرمندہ نہیں...... پاگل ہو گیا؟'' وہ اس کی ڈھٹائی پر ہنسی نہیں روک سکی تھی۔
''کھانا کھلا دو' سارا دن کی محنت مشقت کے بعد اتنا لذیذ کھانا تمہارے ہاتھوں سے کھانا نصیب ہوتا ہے۔'' اس کی بے صبری نے زُنائشہ کو مستعد کر دیا تھا۔ ''یہاں سے گیراج جانا ہے۔''
''عرش...... سارا دن کی محنت کے بعد آرام بھی تو ضروری ہے' رات میں تو کام مت کیا کرو ورنہ تمہاری صحت بھی خدانخواستہ خراب ہو سکتی ہے۔'' وہ تشویش سے بولی۔
''گھر جانے کا دل ہی نہیں چاہتا' ماما کی کمی بے حد محسوس ہوتی ہے' کئی طرح کی سوچیں سونے نہیں دیتیں۔'' اس کے بجھے بجھے لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکی۔
''جب تمہیں اپنے گھر ہمیشہ کے لیے لے جاؤں گا تو خوب آرام کروں گا اور تمہیں بھی آرام سے اپنے سامنے بٹھا کر رکھوں گا۔''
''لیکن میں تمہارے سامنے اگر آرام سے بیٹھی رہوں گی تو تمہاری خدمت کون کرے گا گھر کے کام کون سنبھالے گا؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''وہ سب تمہارا درد سر نہیں' ابھی دن رات محنت اسی لیے کر رہا ہوں کہ دو' چار ملازم افورڈ کر سکوں' گھر میں تم میری بیوی بن کر بس احکامات جاری کرو گی' جن کی تعمیل میں بھی کروں گا۔'' اس کے قطعی لہجے پر وہ دھیرے سے ہنس دی۔
''اچھا' سنو زرق کے بارے میں خبر ملی ہے مجھے۔''
''کہاں ہے وہ' کس حال میں ہے؟'' وہ بے چین ہو اٹھی۔
''بتاتا ہوں' سن لو پہلے تسلی سے۔ اس کے ساتھ شغل لگانے والے آج اتفاق سے مجھے اپنے ہوش و حواس میں مل گئے تھے' ان سے پتہ چلا منشیات فروشوں کا مقروض ہو گیا ہے' قرض ادا کرنے کے قابل وہ ہے نہیں اس لیے ان لوگوں سے بچنے کے لیے روپوش ہے' وہ خطرناک لوگ ہیں' زرق کے دشمن بنے اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔''
''بیڑہ غرق ہو اس کا' جان میں جان نہیں اور جان کے دشمن بنائے گھوم رہا ہے' جانے کہاں جا کر چھپا ہے اب۔'' وہ غم و غصے سے بولی۔
''اپنے دشمنوں سے وہ خود ہی نبٹے گا مگر فکر مجھے اب تمہاری ہے کہ اس کے دشمن اس کی تلاش میں تمہارے گھر تک نہ پہنچ جائیں' اس لیے تمہیں اب بہت احتیاط سے کام لینا ہو گا۔'' پانی کی بوتل اٹھاتا وہ بولا۔ ''پریشان مت ہو' پہلے یہ کھانا ختم کرو پھر بتاتا ہوں کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔'' عرش کی تسلی پر بھی وہ مطمئن نہیں تھی' کھانے کے دوران عرش ہلکی پھلکی گفتگو کرتا رہا تھا' کچھ غائب دماغی سے اس کی باتیں سنتی وہ بمشکل چند نوالے ہی حلق سے اتار سکی تھی' جیکٹ کی پاکٹ سے ایک موبائل فون نکالتا وہ اس کے قریب ہوا تھا۔
''مجھے یہ فون تمہیں دینا ہی تھا تاکہ دن میں کسی بھی وقت تم سے رابطہ ہو سکے مگر اب یہ تمہارے لیے بہت ضروری ہو گیا ہے' کسی بھی شخص پر تمہیں ذرا بھی شک ہو' کوئی خطرہ محسوس ہو یا دروازے پر آ کر کوئی زرق کے بارے میں کچھ پوچھے' اسی وقت تم مجھے فون کرو گی' مجھے پہنچنے میں دس سے پندرہ منٹ لگیں گے' بس اور اس دوران گھر کا دروازہ بالکل نہیں کھولنا' زرق کے لیے کوئی بھی کسی قسم کا بھی مطالبہ لے کر آئے' تم نے اندر ہی سے اسے ٹالنا ہے' کسی سوال جواب' بحث یا تکرار سے گریز کرنا' گھبرانا بالکل نہیں' میرے پہنچنے تک بہت احتیاط کرنا' سمجھ گئیں......؟'' عرش کے سوال پر وہ تشویش کے باوجود اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔
''تم ابھی سے پریشان ہونے لگی ہو...... میں پھر کس طرح مطمئن ہو کر یہاں سے جا سکوں گا؟''
''نہیں...... میں ٹھیک ہوں' تم نے جو کچھ کہا اس پر عمل کروں گی' جب تم ہو میرے ساتھ تو مجھے کسی بات کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' وہ سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
''ایک بات اور...... کل میں ایک بہت اچھے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے رہا ہوں' تمہاری امی کا چیک اپ وہی کریں گے'

مجھے پوری امید ہے کہ ضرور کوئی بہتری کی صورت نکل آئے گی۔'' عرش بول رہا تھا جبکہ وہ تشکر سے نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی کچھ بول نہیں سکی تھی۔ اب تک وہ تن تنہا ہی اپنی ماں کے لیے پریشان ہوتی سرکاری ہسپتالوں کے چکر کاٹتی رہی تھی مگر اب جو سہارا اسے عرش سے ملا تھا تو دل بھر آیا تھا۔

☾ ...... ☆ ...... ☽
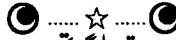
بڑے سے خوش رنگ سیب میں چھری کی نوک اترتی چلی گئی تھی' چھری کو واپس کھینچ کر اس نے دوبارہ سیب میں اتارا...... بار بار یہ عمل دہراتے ہوئے عجیب سا جنون سوار ہو رہا تھا اس پر رفتار تیز تر ہوتی جا رہی تھی' خوش رنگ سیب کا حشر نشر ہو چکا تھا' ہیجانی کیفیت میں اسے ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ چھری کی پے در پے ضربیں اس کی ہتھیلی کو بھی زخمی کر رہی ہیں' کچن میں اسی کی تلاش میں آتی ندا ٹھک رہ گئی تھیں' رجاب کے وحشت انگیز تاثرات اور ہاتھ سے رستے گاڑھے خون کو دیکھتے ہوئے ان کے حواس گم ہوئے تھے' اگلے ہی پل وہ اس کی طرف دوڑیں۔

''رجاب...... یہ کیا کر رہی ہو تم' تمہارا ہاتھ زخمی ہو گیا ہے۔'' چھری اس سے چھینتے ہوئے ندا چیخیں' رجاب کی آنکھیں غیر معمولی حد تک کھلی ہوئی تھیں' جن میں پہچان کا کوئی تاثر نہیں تھا' پلک جھپکے بغیر وہ یک ٹک ندا کو دیکھ رہی تھی جو راسب کو پکارتیں اس کی خون آلود ہتھیلی پر ٹشو پیپر رکھ رہی تھیں۔

اس کے ہاتھ پر بینڈج کرتے راسب نے ایک بار پھر اسے دیکھا تھا جو سرد و سپاٹ نظروں سے ان کو ہی دیکھ رہی تھی۔

''بے فکر رہو میں تم سے یہ سوال نہیں کروں گا کہ تم نے خود کو یہ چوٹ کیوں پہنچائی۔'' انہوں نے کہا۔

''چوٹ پر مرہم لگانے سے کیا ہوگا؟'' اس کے سوال پر راسب نے رک کر اسے دیکھا۔

''تمہارا زخم ٹھیک ہو جائے گا۔''

''غلط فہمی ہے آپ کی......'' اس کے خنک مدہم لہجے پر راسب نے بغور اسے دیکھا' رجاب نے کبھی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کی تھی' کبھی ان کی بات کو رد نہیں کیا تھا' کبھی ان کی بات نہیں کاٹی تھی' وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے جو بول رہی تھی۔

''ہر زخم اپنے وقت پر ہی ٹھیک ہوتا ہے' نہ وقت سے پہلے نہ وقت کے بعد' یہ بینڈج تو آپ نے اپنی تسلی کے لیے کی ہے۔''

''وقت اپنا کام کرتا ہے' میں اپنا کام کر رہا ہوں۔'' اس کی بینڈج کو درست کرتے وہ روانی سے بولے۔

''مگر آپ کے پاس وہ مرہم نہیں جو وقت کے پاس ہے...... یہ بات آپ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔'' سپاٹ لہجے میں کہتی وہ اپنا ہاتھ ان کی گرفت سے نکالتی وہاں سے چلی گئی۔

چھوٹے سے برآمدے کے اسٹیپس پر بیٹھتی وہ صحن کا جائزہ لینے لگی تھی' اس نئے گھر میں شفٹ ہوئے کچھ دن گزر چکے تھے' سب ہی یہاں ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے' یہاں آنے کے بعد راسب نے اس سے کہا تھا کہ ان سب کو کچھ عرصے تک اسی گھر میں رہنا ہوگا' وہ بہت جلد اس قابل ہو جائیں گے کہ ایک بڑا اور ذاتی گھر خرید سکیں' فی الوقت وہ اپنے کاروبار پر ساری توجہ دینا چاہتے تھے' رجاب کی اپنی کوئی رائے نہیں تھی وہ پہلے ہی سب ان کی مرضی پر چھوڑ چکی تھی۔

برآمدے میں آتے راسب نے اسے دیکھا اور پھر اسے پکارتے ہوئے کرسیوں کی سمت بڑھ گئے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

خوابوں سی زندگی

صباء عیشل

وہ گہری نیند میں تھا جب اسے کسی کی دبی دبی سسکیوں کی آواز محسوس ہوئی۔ اس نے آنکھیں سختی سے بند کرتے ہوئے کروٹ بدلی لکڑی کا تخت چرچرایا۔ وہ رخ بدل کر پھر سے خواب خرگوش کے مزے لینے لگا اور کیوں نہ سوتا' مہینوں بعد ایسے سکون سے آرام کرنا نصیب ہوا تھا۔ کچھ پل خاموشی سے گزرے اور ایک بار پھر سسکی کی آواز آئی اب کے آواز قریب سے آئی تھی۔ جیسے کوئی اس سے ذرا سا دور ہولے ہولے رو رہا ہو۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور اندھیرے میں چاروں اطراف دیکھنے کی کوشش کرتا اندازہ لگانے لگا کہ یہ آواز کیسی ہے اور کس جانب سے آئی ہے۔ جب کچھ سمجھ نہ آیا تو اس نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر بلب کا بٹن نیچے کیا۔ ٹک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ہی بلب روشن ہو گیا۔ آواز کی وجہ سے اس کے چہرے پہ صرف اچنبھا نظر آ رہا تھا۔ خوف کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ ویسے بھی پچھلے کچھ عرصے میں وہ آگ اور خون کی ہولی میں اتنا کچھ دیکھ چکا تھا کہ اب ایسی معمولی باتیں اسے کیا پریشان کرتیں۔ بلب کی زرد روشنی میں کمرے کا منظر ہلکا نارنجی نظر آ رہا تھا۔ ایک کونے میں آبنوسی بڑا سا اونچا اور چوڑا صندوق تھا جس کے پٹ الماری کی طرح کھل سکتے تھے گویا ایک ہی وقت میں الماری اور صندوق دونوں کا کام دیتی تھی۔ کمرے کے وسط میں لکڑی کا تخت تھا۔ جس پر وہ کچھ لمحے قبل محو استراحت تھا۔ دائیں جانب لکڑی کی کرسیاں تھی جن کو بان سے بنا گیا تھا اور بائیں جانب تخت کے ساتھ دو تپائیاں تھیں جن پر مختلف موضوعات کی کتابیں دھری تھیں۔ تپائیوں کے اوپر دیوار میں ایک گہرا طاقچہ تھا جس میں ایک چھوٹی سی مورتی تھی۔ مورتی کو سرخ کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا اور اس کے پاس چھوٹے سے پیتل کے تھال میں تین چراغ رکھے تھے۔ ایک چھوٹی سی پیالی میں آٹا بھر کر چند اگربتیاں لگائی گئی تھیں۔ کمرے کے دروازے کے پاس کسی خاتون کے کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے شاید ابھی غور سے کمرے کا جائزہ لیا تھا۔ اسی لیے زنانہ کپڑے دیکھ کر حیران ہوا۔ شور کی آواز پر وہ کپڑوں سے نظریں اٹھا کر آواز کی سمت غور کرنے لگا۔ آواز الماری نما صندوق سے آئی تھی۔ وہ احتیاط سے دبے قدموں چلتا صندوق تک آیا الماری کے پاس پہنچ کر وہ ایک پل رکا اور پھر ایک ہی جھٹکے میں دونوں پٹ وا کر دیئے۔ ایک گول مول سی گٹھڑی اس کے پیروں میں آن گری۔ ساتھ ہی ایک دلدوز انسانی چیخ کی آواز آئی۔ اس نے سنبھلتے ہوئے پیچھے ہونا چاہا لیکن ہو نہ سکا۔ کسی نے اس کے دونوں پاؤں جکڑے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے پیروں کی طرف دیکھا۔

''بھگوان کے لیے مجھے کچھ نہ کہنا بھگوان کے لیے مجھے شما کر دو۔ میں تمہاری خادمہ بن کر رہوں گی مجھے کچھ نہ کہو۔ تم جو کہو گے میں کروں گی جھاڑو برتن سب کروں گی۔ لیکن میری عزت نہ رولو۔'' وہ نسوانی وجود اس کے پیر پکڑے رونے کے ساتھ اپنی عزت کا تحفظ مانگ رہی تھی۔ اوندھی جھکی ہونے کی وجہ سے اس کی کمر اور لمبی چوٹی ہی نظر آ رہی تھی۔ اس کی عمر اور خوب صورت کا اندازہ لگانا ممکن نہ تھا۔ احمد رائے کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس صورت حال میں کیا کرے۔ اسی اثنا میں لڑکی کا چیخنا چلانا رونا سن کر حویلی میں موجود باقی افراد بھی اس کے کمرے میں آ گئے تھے۔

''بس کیجیے محترمہ سیدھی ہو کر بتائیے کون ہیں آپ؟ اور اس پہر یہاں کیا کرنے آئی ہیں؟'' تھکی ہاری کچھ گھنٹوں قبل ہجرت کر کے آئی بوا کی آواز میں کہیں کچھ کھو دینے کا دکھ نہ تھا بلکہ اپنے وطن میں موجود ہونے کا فخر تھا۔ یہ زمین' شہر' یہ ملک اور اس ملک کا ہر گوشہ ان کا اپنا تھا' اور وہ یہاں کسی سے بھی کچھ بھی پوچھ سکتی تھیں۔

''میں یہاں نہیں آئی' میں یہیں رہتی ہوں' یہ ہماری حویلی تھی۔ میرے ماتا پتا' ویر جی' چاچا جی' ان کی دھرم پتنی' ہم سب یہیں رہتے تھے۔ آپ لوگ مجھے کچھ کہیں گے تو نہیں ناں؟ میں آپ سب کی سیوا کروں گی۔ کوئی شکایت نہ ہونے دوں گی۔'' لڑکی نے سر اوپر کیا اور سیدھی ہوئی تو ایک پل کے لیے اس کی طرف دیکھ کر ہر آنکھ حیران رہ گئی تھی۔ وہ بلاشبہ قدرت کا حسین شاہکار تھیں۔ ناگن جیسی چوٹی تو سب نے پہلی نظر میں دیکھی تھی۔ لیکن اب ہرنی جیسی سیاہ بڑی اور رونے کی وجہ سے سرخ ہوتی آنکھوں کی خوب صورتی نے سب کو حیران کر دیا تھا۔ گلابی رنگت اور چہرے پر نرم سی

ملائمت دیکھ کر ایک بار چھونے کا من کرتا تھا۔ بنا دوپٹے کے اس کا حسین تراشا ہوا سراپا اور اس کے پیچ وخم کسی کا بھی ایمان ڈانواں ڈول کرسکتے تھے۔ وہ ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑتی ہچکیاں لیتی ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بات سمجھا رہی تھی۔ بات کے آخر میں اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر باری باری سب کو دیکھا۔ احمد رائے نے ایک نظر دیوار پر لٹکے کپڑوں کو دیکھا آگے بڑھ کر دوپٹہ اتارا اور اس کے شانوں پر ڈال دیا۔ لڑکی نے شانوں پر دوپٹہ دیکھ کر حیرانی سے احمد رائے کی طرف دیکھا اور بے یقینی سے دوبارہ دوپٹے کو دیکھا اور اس کا مطلب سمجھ کر دوزانو ہوکر زمین پر بیٹھ کر دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عزت محفوظ رہ جانے کی خوشی وہ ایسے ہی منا سکتی تھی۔

''یقین رکھیں اس گھر میں آپ کی عزت پر کوئی آنچ نہ آئے گی۔ ہم وعدہ کرتے ہیں ہر طرح سے آپ کی مدد کریں گے۔ ہاجرہ آپ ان کے ساتھ اسی کمرے میں سو جائیں۔'' احسن رائے نے آگے بڑھ کر لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔ ایک پل کے لیے ان کا دل بھر آیا آج اباجی زندہ ہوتے تو یہ ہاتھ ان کا ہوتا۔ ظالموں نے کس بے دردی سے ان پر ظلم ڈھائے تھے۔ احسن رائے نے تحریک پاکستان کا سرگرم کارکن ہونے کی بہت بڑی قیمت چکائی تھی۔ اپنے باپ کا آخری دیدار تک نہ کرسکے تھے۔ سکھوں نے ان کی دکان پر حملہ کرکے انہیں زندہ ہی جلادیا تھا۔ جس وقت حملہ ہوا احسن رائے وہاں موجود نہ تھے۔ دکان کے باہر چبوترے پر ان کے والد اپنے ادھیڑ عمر دوستوں کے ساتھ موجود تھے۔ حملہ آوروں نے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ پہلے خنجروں اور تلواروں کے وار کرکے زخمی کیا اور پھر ان کے بے بس اجسام کو دکان میں پھینک کر آگ لگا کر دکان کا دروازہ بند کردیا۔ زخموں سے چور بے بس بوڑھے تڑپ تڑپ کر اپنی جان خالق حقیقی کے سپرد کرگئے تھے۔ احسن رائے جب تک دکان پہنچے تو وہاں صرف جاندار اور بے جان اشیاء کی راکھ ہی باقی تھی۔ باپ کی یاد آئی تو ان کا دل کرب سے بھر گیا' باقی گھر والوں کے سامنے بھرم رکھنا ضروری تھا اسی لیے وہ دل کے کرب کو

آنکھوں میں اترنے سے قبل صبر سے ضبط کر گئے تھے۔
ہاجرہ اثبات میں گردن ہلا کر اس لڑکی کے پاس آگئی۔
"آپ ہمارے ساتھ چلیے۔ صبح بات کرتے ہیں۔"
آخری جملہ انہوں نے یقیناً اس لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

"آجاؤ وہاں چل کر بیٹھتے ہیں۔" ہاجرہ لڑکی کو ساتھ لے کر تخت پر آگئی۔ وہ اب بھی رو رہی تھی۔
"پریشان نہ ہوں۔ میرے ابو جی قول کے پکے ہیں۔ انہوں نے آپ کی مدد کا وعدہ کیا ہے تو اس کو ضرور نبھائیں گے۔ ہم مسلمان ضرور ہیں لیکن کسی کی عزت کے لٹیرے نہیں۔" لڑکی کی سسکیاں دھیرے دھیرے تھمنے لگیں تھیں۔
"کیا نام ہے آپ کا؟" ہاجرہ نے اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔
"نرملا۔" یک لفظی جواب آیا۔
"اور آپ کا خاندان؟" ادھورا لیکن مکمل سوال تھا۔ جو نرملا کے اندر کو چھیدتا چلا گیا۔
"سب چلے گئے میں اکیلی رہ گئی۔" وہ بلک اٹھی۔
"روئیے مت نرملا...... میں ہوں ناں آپ کے ساتھ اور ہمارے سب خاندان والے ہم کریں گے آپ کی مدد۔ آپ اپنے بارے میں سب کچھ تفصیل سے ہمیں بتائیے۔"
"میں نرملا۔ اپنے ماتا پتا کی شادی کے دس سال بعد پیدا ہوئی تھی' میری پیدائش سے پہلے سب بہت خوش تھے کہ میرے پیدا ہونے پر میرے دادا جی نے اس پوری حویلی کی نئے سرے سے تزئین و آرائش کروائی اور راجپوت حویلی کا نام نرملا حویلی رکھ دیا تھا۔ پچھلے پورا سال سے ہر شام حویلی کے برآمدے میں ہندو گھرانوں کے مرد و خواتین آتے ہندوستان کی بگڑتی صورت حال پر گفتگو ہوتی اور پچھلے کچھ ماہ سے ہر روز سکھوں اور ہندوؤں کے مظالم کی داستانیں بہت فخر سے سنائیں جاتیں۔ ہمارے اس علاقے میں چند ہی گھرانے ہمارے دھرم کے تھے۔ میرے دل میں ڈر تھا کہ جیسے ہم مسلمانوں کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں وہ بھی ہماری تاک میں ہوں گے۔ یہ ڈر اتنا بڑھا کہ میں نے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا۔ ہر پل ایسا لگتا کہ ابھی مسلمان مرد حویلی پھلانگ کر ہم پر حملہ کر دیں گے۔ پرسوں ہم نے یہاں سے نکلنا تھا۔ میرے دل میں ڈر تھا کہ اگر میں یہاں سے نکلی تو مسلمان میری عزت......" نرملا کے رونے کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ ہاجرہ نے اسے اپنے شانے سے لگا کر دلاسا دیا۔ نرملا نے آنچل سے آنکھوں کو رگڑا۔
"ماتا جی نے کہا کہ میں کپڑے تبدیل کر لوں۔ میں کپڑے تبدیل کرنے کی غرض سے حویلی کے چھوٹے کمرے میں گئی ہی تھی کہ اچانک چکر آیا اور میں لہرا کر گر گئی۔ ہوش آیا تو صبح ہو گئی تھی میں نے چپہ چپہ چھان مارا پوری حویلی خالی تھی۔ سب مجھے تلاش کر کے ناامید چلے گئے۔ چھوٹے کمرے میں شاید کسی نے دیکھا ہی نہیں اور دیکھا بھی ہو تو میں جس جگہ گری تھی وہاں سامنے سے دیکھنے پر میں کبھی نظر نہ آتی۔ میں پاگلوں کی طرح ہر طرف دیکھتی رہی شاید کوئی ایک شخص ہی مل جائے لیکن یہاں کوئی نہ تھا۔ پھر حویلی کا دروازہ جس پر باہر سے تالا لگایا گیا تھا اس کے توڑنے کی آوازیں آنے لگیں میں سہم گئی کھڑکی سے دیکھا تو آپ سب اندر آرہے تھے۔ میں ڈر کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ ایک آدھ گھنٹے بعد مجھے ایسا لگا جیسے میرے کمرے کی طرف کوئی آرہا ہے۔ مجھے چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہ ملی تو میں الماری میں چھپ گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ میرا سانس گھٹ رہا تھا' میں تکلیف سے سسک رہی تھی' جب ہی کسی نے الماری کھولی اور میں نیچے گر پڑی۔ مجھے لگا بس اب میں نہیں بچوں گی لیکن بھگوان کی کرپا کہ میری جان اور عزت دونوں بچ گئیں' لیکن اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ میں مر جانا چاہتی ہوں۔" روتے ہوئے داستانِ غم سنا کر اب وہ خاموشی سے نیر بہا رہی تھی۔
"نرملا...... اگر آپ نے دکھ سہے ہیں تو یقین مانیے ہم بھی جان' مال' آبروؤں کی قربانی دے کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ ہم نے بھی دو مذہبوں کی اس جنگ میں بہت کچھ لٹایا ہے۔ صرف دو میل کی دوری سے آئے ہیں ہم۔ لیکن جانتی ہیں صرف ایک گھنٹے کی مسافت کا یہ سفر ہم نے کتنے دنوں میں طے کیا؟" ہاجرہ بھیگے لہجے میں کہہ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ نرملا نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا یقیناً وہ آگے جاننا چاہتی تھی۔
"پانچ دن سے زیادہ ہم نے اس فاصلے کو طے کرنے میں لگا دیئے۔ اس دو میل کے راستے میں ہم نے جو مناظر دیکھے وہ دل دہلا دینے والے تھے۔ ہم دن بھر کھیتوں ٹیلوں

اور جھاڑیوں کے پیچھے چھپے رہتے اور رات کو گھٹنوں کے بل تو کبھی پیٹ کے بل رینگ کر آگے بڑھتے اور ایک رات تو ہم ساری رات دم سادھے بانس کے گھنے درخت کے نیچے چھپے رہے کہ ساتھ ہی سکھوں کا مسلحہ جتھہ جمع ہو کر اپنے شرمناک مظالم کی داستانیں بیان کر رہا تھا ہم سانس بھی زور سے لیتے تو وہ ہماری جان لینے میں ایک لمحہ نہ لگاتے۔ ہماری بہن ہمارے اپنے ہی گھر میں درندگی کا نشانہ بن کر ہمیں اپنا دکھ سہنے کے لیے تنہا چھوڑ گئی' کیا کیا سنائیں نرملا اور کتنا سنائیں۔" نرملا اپنا رونا بھول گئی تھی۔

"کتنا کچھ سہا انہوں نے پھر بھی مجھے کچھ نہ کہا۔ کتنے عظیم لوگ ہیں یہ جن سے میں ڈر رہی تھی۔" وہ سوچنے لگی۔

"راستے بھر کسی کا بازو کسی کی ٹانگ کسی کا سر کٹی لاشیں تو کہیں کسی نوجوان لڑکی کی برہنہ لاشیں ہمارے دلوں میں چھید کرتی رہیں۔ مٹی کا رنگ لہو پی پی کر جابجا سرخ نظر آتا رہا اور ہمارے دادا جی......ان کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس سب کے باوجود ہم زندہ ہیں۔ سانس لے رہے ہیں۔ تمہیں بتانے کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ تمہیں سکھوں اور ہندوؤں کی اصلیت بتاؤں کیونکہ اس سب میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ جو کرتا ہے وہی ایک دن جواب دہ ہوگا۔ مقصد یہ بتانا ہے کہ زندگی کسی ایک فرد یا رشتوں سے چھوٹ جانے پر ختم نہیں ہوتی۔ ہجرت کر کے آیا ہر شخص زخم خوردہ ہے۔ ہر شخص قربانیاں دے کر' جانیں گنوا کر' مال متاع' جائیدادیں لٹا کر یہاں پہنچا ہے۔ ہر دل غم زدہ ہے' ہر دل میں ان گنت چھید ہیں' لیکن ہم سب جینا چاہتے ہیں اور جینے کے لیے ہی تو ہم یہاں آئے ہیں۔ زندگی بہت قیمتی ہے نرملا' ہم وعدہ کرتے ہیں آپ سے کہ ہم سے آپ کے لیے جو بھی بن پڑا ہم کریں گے۔"

نرملا سوچوں سے نکل کر اب ہاجرہ کی سن رہی تھی جس کا حرف حرف سچائی سے گندھا ہوا تھا۔ نرملا کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ ایک ایک حرف سچ سن رہی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے اپنے دکھ بانٹ چکی تھیں۔ اب زبانیں گنگ تھیں' دل ایک دوسرے کے دکھ محسوس کر رہے تھے۔

"چلیے اب سوتے ہیں آپ بھی کئی راتوں سے خوف سے سو نہیں سکی ہوں گی اور ہم بھی کئی سیاہ راتوں کے آسیبوں کے ستائے ہوئے ہیں۔" ہاجرہ تخت پر نیم دراز ہوگئی تو نرملا

بھی سرہانہ ٹھیک کرتے ہوئے کروٹ ہاجرہ کی طرف کرکے لیٹ گئی۔

''اگر آپ کو برا محسوس نہ ہو تو میں آپ کا ہاتھ پکڑلوں؟'' نرملا کا خوف مہینوں کا تھا۔ ایک دن میں تو جانے والا نہ تھا ہاجرہ نے خود ہی مسکرا اس کا ہاتھ تھام لیا۔ خیالوں سے الجھتے الٹی سیدھی' مثبت منفی اور بھیانک سوچیں سوچتے دونوں دوشیزاؤں پر نیند کی دیوی آخر مہربان ہو ہی گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

نرملا کی آنکھ کھلی تو وہ کمرے میں اکیلی تھی۔ دوپٹہ شانوں پر ٹھیک کرتی وہ جھکتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اس حویلی کی ہر چیز ہر حصہ اس کا تھا۔ لیکن اب کچھ بھی اس کا نہ رہا تھا۔ کمرے سے نکلی ہی تھی کہ ہاجرہ اس طرف آتی دکھائی دی۔

''اٹھ گئیں آپ کپڑے تبدیل کرلیجیے پھر ناشتہ کرتے ہیں۔'' ہاجرہ نے اس کے پاس پہنچ کر کہا۔

سرخ اینٹوں سے تعمیر ہوئی نرملا حویلی کا باورچی خانہ خاصا وسیع تھا۔ باورچی خانے میں دو دیواروں پر اوپر نیچے چار چار صلیب بنائے گئے تھے۔ چھ صلیب اسٹیل اور تانبے کے برتنوں سے بھرے ہوئے تھے باقی دو پر کھانے پینے کی اشیاء جیسے آٹے' چاول کے کنستر' گھی کی بالٹی اور باقی مصالحہ جات کے ڈبے تھے۔ ابوجی کی بات پر کہ کھانے پینے کی اشیاء تو سب کچی ہیں اس کے اندر تھوڑی ہندو ہیں۔ بواجی نے کھانا تو پکالیا لیکن وہ صاحبہ بیگم کے ساتھ مل کر کھانے کے تمام برتنوں کو تین بار کلمہ شریف پڑھ کر دھونا نہ بھولیں تھیں۔ حویلی کے باورچی خانے میں بھی پانی کا ایک نلکا لگایا گیا تھا جس سے بواجی اور حمیدہ بیگم کو کام کرنے میں کافی سہولت ہوگئی تھی۔ ورنہ آدھا دن تو باہر والے نلکے سے پانی لانے میں گزر جاتا۔ جس طرف چولھا بنایا گیا تھا وہاں سے باورچی خانہ کھلا تھا یعنی آدھا باورچی خانہ بغیر چھت کے تھا۔ اس سے آگ جلاتے وقت دھواں ہوا میں تحلیل ہو جاتا تھا۔

ناشتے کی سوندھی خوشبو پورے گھر میں پھیل رہی تھی۔ سب ہی باورچی خانے کے باہر بچھی چٹائی پر ناشتے کے منتظر تھے۔ اتنے سفاک مناظر دیکھے تھے کہ کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ کھانے کا دل تو کسی کا نہ تھا لیکن جینے کے لیے کھانا بھی ضروری تھا اور پھر آج کئی دنوں بعد سب کو پیٹ بھر کھانا نصیب ہوا تھا۔ ہاجرہ بھی صاحبہ بیگم اور بوا کی مدد کروانے لگی تھی۔ وہ ناشتے کے برتن اٹھا کر چٹائی پر رکھنے رہی تھی۔ نرملا جھجکتے ہوئے ہال میں داخل ہوئی۔ ہال کا داخلی راستا بنا دروازے کا اونچا اور اوپر سے گول بنایا گیا تھا۔ اپنے ہی گھر میں وہ اب اجنبی تھی۔ اس حویلی کے باہر لکھا نام اس کا تھا۔ پر اس کے در و دیوار اب اس کی ملکیت نہیں رہے تھے۔ وہ گول دروازے کے درمیان کھڑی تھی۔ سب لوگ چٹائی پر بیٹھے تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس کے گھر والے بیٹھا کرتے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ سب چوکیوں پر رکابیاں رکھ کر کھانا کھاتے تھے اور یہ لوگ زمین پر کھانا چن رہے تھے۔ اپنے خاندان والوں کی یاد آئی تو اس کا دل بھر آیا' دل کا کرب آنکھوں کے راستے موتی بن کر پھسلنے لگے۔ چنگیری ہاتھ میں تھامے ہاجرہ باورچی خانے سے نکلی تو اس کی نظر ساکت و جامد کھڑی نرملا پر پڑی جس کی نظریں کسی نادیدہ نقطے پر جمی تھیں اور گھنی پلکوں کی باڑ کے پیچھے ادھ کھلی سیپ سے شفاف مائع کی دو نہریں بہہ رہی تھی۔ ہاجرہ نے جلدی سے چنگیری چٹائی پر رکھی اور نرملا کی جانب بڑھی۔ احسن رائے اور احمد رائے بھی متوجہ ہوئے۔ ہلکے گلابی رنگ کی چولی اور ست رنگی سلک کا گھاگھرا نرملا پر الگ ہی چھب دکھا رہا تھا۔ رنگت کی شادابی حالات کی تلخیوں میں ماند پڑ گئی تھی لیکن اب بھی گلابی چولی اس کی رنگت کے ہم رنگ معلوم ہو رہی تھی۔

''نرملا......نرملا۔'' ہاجرہ نے ہولے سے اسے پکارا۔ نرملا گم صم کسی گہری الجھن کو سلجھانے میں مصروف تھی۔

''نرملا......'' ہاجرہ نے اسے شانے سے پکڑ کر ہلایا۔ نرملا گہری سوچ سے باہر نکلی اور نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا؟ اتنے ڈھیروں آنسو بہا ڈالے' آپ جانتی ہیں یہ آنسو کتنے انمول ہوتے ہیں۔ انہیں اس طرح بے مول بہانا ان کی ناقدری ہے۔'' ہاجرہ نے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھ ڈالے۔

''آجایئے......دیکھیے یہاں سب آپ کے منتظر ہیں۔ مل کر ناشتہ کرتے ہیں۔'' نرملا اب بھی خاموش رہی لیکن قدم آگے بڑھا دیے۔ ہاجرہ اس کا ہاتھ تھامے عبداللہ کے سامنے آگئی۔ اور نیچے بیٹھ گئی نرملا اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ احمد کی نظر نرملا کے اداس چہرے پر پڑی۔ جانے کیوں اس اجنبی لڑکی کی ساری اداسی اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

''مایوس نہیں ہوتے بیٹی' اللہ نے چاہا تو جلد ہی آپ

اپنوں کے درمیان ہوں گی۔ ہم کوشش کریں گے آپ کو ان سے ملانے کا جلد از جلد کوئی حل تلاش کرلیں گے۔'' احسن رائے اپنے مخصوص انداز میں بولے تھے۔ نرملا نے گردن ہلا کران کا شکریہ ادا کیا۔

''بھائی جی ٹھیک کہہ رہے ہیں بٹیا رانی' آپ کو ہمارے ساتھ رہنے میں کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔ ہم ہر طرح سے آپ کا بھلا چاہیں گے۔'' بوا نرملا کے سر پہ ہاتھ رکھتیں ہاجرہ کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

''اور آپ جب تک یہاں ہیں میں یہی سمجھوں گی کہ آپ میری سمعیہ جیسی ہیں۔ ایسے جیسے اب بھی میرے پاس ایک نہیں دو بیٹیاں ہیں۔'' صاحبہ بیگم کا لہجہ آبدیدہ ہوگیا اور وہاں بیٹھے ہر شخص کو اس خاندان کی وہ معصوم کلی یاد آگئی۔

☆☆☆......☆☆☆

بوا جی کا نام حمیدہ تھا۔ ان کے شوہر شادی کے دو سال بعد ہی رحلت فرما گئے تھے۔ مشیت الٰہی کہ کوئی اولاد ہی نہ ہوئی۔ مجازی خدا سے ان کو اتنی محبت تھی کہ ساری عمر ان کے نام کردی۔ بیوگی کے وقت ایک بھی بال سفید نہ تھا لیکن انہوں نے ساری جوانی سفید رنگ میں گزار دی۔ شوہر کے گزر جانے کے بعد سفید کے سوا کوئی رنگ نہ پہنا اور نہ ہی اوڑھا۔ احسن رائے ان کے اکلوتے بھائی تھے اور وہ ان کی اکلوتی بہن۔ ان کی والدہ بچپن میں ہی کسی موذی مرض کا شکار ہوکر اس دار فانی سے کوچ کرگئی تھیں اور والد سکھوں کی بربریت کا شکار ہوگئے تھے۔ احسن رائے کی شادی صاحبہ بیگم سے ہوئی تھی اور ان دونوں کی تین اولادیں تھیں دو بیٹیاں ہاجرہ اور سمعیہ اور ایک بیٹا احمد رائے۔ اس ہجرت نے جہاں ان سے ان کا باپ' آبائی گھر' کاروبار اور احباب چھینے تھے وہیں ان سے ان کی سب سے چھوٹی بیٹی گھر کی آنکھ کا تارا سمعیہ احسن رائے بھی چھین لی تھی۔ پاک وطن میں آزادی کے تصور نے ہر مسلمان کو ہر طرح کا دکھ سہنے کا حوصلہ اور ہمت عطا کیا تھا۔ احسن رائے اور ان کا خاندان بھی باہمت اور غیور تھے' اسی لیے نوجوان بیٹی کھونے کے باوجود دشمن کی بیٹی کو کسی بھی قسم کا ضرر پہنچانے کا سوچا تک نہ تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

نیلگوں آسمان کی وسعتوں میں آزاد پنچھی کہیں اکیلے اور کہیں ٹولیوں کی صورت رقص کررہے تھے۔ کہیں کہیں نیلے امبر پر سفید روئی کے گالوں جیسے بادل ہوا کے سنگ ہر سمت ڈول رہے تھے۔ دن پر لگا کر اڑتے جارہے تھے۔ ایسے میں نرملا تھی جسے کسی پل قرار نہ تھا۔ وہ پہروں سوچوں میں ڈوبی رہتی' کبھی آزاد پنچھیوں کو دیکھتی اور ان کی آزادی کو محسوس کرتی۔ اس نے اب رونا چھوڑ دیا تھا لیکن اداسی اور خاموشی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ ایک گہری چپ تھی جو اس کے لبوں کو مقفل رکھتی تھی۔ ہاجرہ دن رات اس کو بہلانے کی کوشش میں لگی رہتی اور وہ تھی کہ ہوں ہاں سے آگے ہی نہ بڑھتی۔ بوا جی اور صاحبہ بیگم بھی اپنی سی کوشش کررہی تھیں کہ اسے ان کے ساتھ اجنبیت محسوس نہ ہو لیکن دس روز گزر جانے کے باوجود وہ آج بھی الگ تھلگ خاموش اور گم صم ہی تھی۔

''ہاجرہ۔'' ہاجرہ نے چونک کر نرملا کو دیکھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ نرملا نے اسے خود سے مخاطب کیا تھا ورنہ اتنے دنوں سے ہاجرہ ہی بہانے سے اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

نرملا ہمیشہ کی طرح زرد چولی اور سبز گھاگرے میں ملبوس تھی۔ زرد دوپٹہ دونوں شانوں پر پھیلا ہوا تھا۔ ہاجرہ نے سفید چوڑی دار پاجامے کے ساتھ لمبی سیاہ قمیص زیب تن کی تھی اور سفید ہی آنچل چہرے کے گرد سلیقے سے لپیٹا ہوا تھا۔ ہاجرہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''پتا ہے ہاجرہ...... اس جگہ بیٹھ کر میں اور سیانی خوب گپیں لگایا کرتے تھے۔ وہ دونوں اس وقت حویلی کے باہر والے حصے میں بیٹھیں تھیں جہاں دور دور تک سبزہ ہی سبزہ تھا۔ حویلی کی حدود کو ظاہر کرنے کے لیے حویلی کے چاروں جانب سرخ اینٹوں کی چند فٹ اونچی دیوار تھی۔ یہ دیوار بس اتنی اونچی تھی کہ دیوار کے پاس کھڑے ہوکر کہنیاں ٹکا کر آرام سے باہر دیکھا جاسکتا تھا۔ حویلی کی حد سے باہر پہلے سبزہ دکھائی دیتا اور کچھ دور سے گھنا جنگل نظر آتا تھا۔ شیشم کے درخت سے رسی لٹکا کر اسے ایک چوڑی لکڑی کے تختے سے باندھ دیا گیا تھا۔ ہوا کے زوردار جھونکے سے جھولے میں ارتعاش پیدا ہوا تھا۔

''میں جب بھی گھر والوں سے ناراض ہوتی تھی تو اس جھولے پر بیٹھ جایا کرتی اور وہ سامنے جامن کا درخت ہے اس سے پیروں کو ٹکرا کر غصے میں انتہائی تیز جھولا لیا کرتی تھی۔ جب یہ جھولا میرے پتاجی نے لٹکایا تھا میں نے بہت

ضد کی تھی کہ اسے جامن کے درخت سے لٹکا دیں لیکن بابوجی نہ مانے‘ میں بہت روئی زمین پر لیٹ گئی۔ بابوجی کو ماننا تھا نہ وہ مانے۔ کہتے تھے جامن کا تنا کچا اور بنا لچک کا ہوتا ہے میری بیٹی گر جائے گی۔“ ماضی کے چراغ روشن ہوئے تو نرملا کا لہجہ اور نین دونوں ہی نم ہوگئے۔

”میری سب سکھیاں کنویں سے پانی لینے پنگھٹ پر جایا کرتی تھی لیکن میرے بابوجی نے حویلی میں ہی کنواں کھدوا دیا تھا اور بعد میں اس پر ہاتھ والا نلکا بھی لگا دیا تھا۔ پورے علاقے میں واحد ہماری حویلی ہے جس میں نلکا لگا ہوا ہے۔ بابوجی کہتے تھے میری نرملا قسمت کی بہت دھنی ہے اس کی قسمت پر بھگوان بھی رشک کرتا ہوگا۔ ہر باپ اپنی بیٹی سے بہت پیار کرتا ہے لیکن میرے بابوجی اور میرا پیار سارے جہان سے نرالا تھا۔ پتا نہیں میرے بابوجی میرے بغیر کیسے سمے بتا رہے ہوں گے‘ مجھے پتا ہے وہ میرے لیے بہت اداس ہوں گے پتا نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوں گے مجھے تو یہ بھی خبر نہیں میرے گھر والے سب زندہ سلامت ہیں بھی یا......“ ضبط کی طنابیں کھنچی تو ہچکیاں بلند ہوگئیں۔ الفاظ ختم ہوگئے‘ احساسات بول رہے تھے‘ ہاجرہ نے دلاسہ دینے والے انداز میں اس کا شانہ دبایا۔

”آپ کب تک سوگ منائیں گی کچھ اچھا کیوں نہیں سوچ لیتیں آپ؟ اگر آپ دکھ میں ہیں تو ہم سب بھی تو اپنا سب کچھ لٹا کر یہاں پہنچے ہیں۔ آپ تو عزت سے اس گھر میں بیٹھی ہیں جس میں آپ کا بچپن گزرا‘ کبھی یہ سوچا آپ نے کہ اگر آپ غلط ہاتھوں میں چلی جاتیں تب کیا ہوتا؟ آپ کی جان و عزت محفوظ ہے اس بات پر شکر ادا کیوں نہیں کرتیں۔ ہم سب اپنا دکھ بھلا کر آپ کا غم بانٹنا چاہتے ہیں مگر نہیں آپ کو تو کسی کا احساس ہی نہیں۔ ویسے بھی آپ کی قوم صرف اپنا ہی احساس کرنا جانتی ہیں ہم بھول رہے ہیں کہ آپ بھی ان میں سے ہیں۔ ہر وقت رونا دھونا اداسی مایوسی کبھی ان سے ہٹ کر کچھ سوچا یا محسوس کیا آپ نے۔ اپنے اردگرد دیکھیے کتنے چہرے آپ کے گرد آپ کو ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتے ہیں۔“ احمد جانے کب حویلی میں داخل ہوئے تھے اور کب سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔

”بھیا بس آپ جائیے اندر۔“ ہاجرہ احمد رائے کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچ رہی تھی۔ نرملا تو جیسے شاک میں رہ گئی تھی۔

”نہیں ہاجرہ مجھے کہہ لینے دیجیے۔ دیکھیے نرملا اس لڑکی کی طرف جس نے اپنی چند روز پہلے جان چھڑکنے والے دادا جان اور اس چھوٹی بہن کو کھویا جو کہتی تھی آپی کے ساتھ ہی سوؤں گی۔ سوچیے برسوں جس بہن کے بغیر یہ لڑکی سوئی نہیں۔ کیا چند دنوں میں اسے بھول گئی ہوگی۔ کیسے ہر رات اسے اپنی بہن کی یاد ستاتی ہوگی‘ کیسے ممکن ہے دن بھر بات بے بات یاد نہ آتی ہو۔ گھر‘ سکھیاں‘ مدرسہ‘ بچپن کا جانا پہچانا علاقہ‘ گلیاں کوچے یہ بھی تو سب چھوڑ کر آئی ہے۔ لیکن جس دن سے آئی ہے آپ سمیت ہر شخص کو مصروف رکھنا چاہتی ہے مختلف موضوعات چھیڑ کر باتیں کرتی ہے۔ یہ بھی تو آپ جیسی ہیں ناں؟ لیکن یہ اپنا زخم چھپا کر ہم سب کی تکلیفیں بانٹ رہی ہیں۔ اللہ کے واسطے رحم کیجیے خود پر‘ ہم سب پر اور ہاجرہ پر۔ مظلومیت کا ماتم کرنا چھوڑ دیں یہاں سب ہی مظلوم ہیں۔“ ہاجرہ جو اتنے دنوں سے خود کو بہادر ظاہر کر رہی تھی بہن کے ذکر پر ساری بہادری ریت کا ڈھیر ثابت ہوئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”ہم ابھی کیمپوں سے آرہے ہیں وہاں سننے میں آیا ہے کہ جو لوگ پاکستان سے بھارت ہجرت کر کے گئے ہیں ان میں سے جس کا کوئی بھی احباب پاکستان میں رہ گیا ہے۔ وہ چند روز بعد فوجی کیمپوں تک لائے جائیں گے۔ وہاں ان کی رپورٹ درج کر کے ان کا مطلوبہ فرد ان کے حوالے کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ اگر آپ کے رشتے دار کسی اور جگہ رہتے تھے تو ان کا نام پتا ہاجرہ کو دے دیجیے میں وہاں بھی معلوم کرلوں گا۔ آپ دل مضبوط اور حوصلہ بلند رکھیے‘ اچھا سوچیں گی تو اچھا ہی ہوگا۔“ وہ اپنی بات مکمل کر کے جا چکا تھا۔ نرملا کا چہرہ ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ ہو رہا تھا وہ دونوں لکڑی کے اونچے موڑھوں پر بیٹھی تھیں نرملا اٹھ کر ہاجرہ کے قریب آئی اور اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا۔ ایک پل کے لیے اس نے ہاجرہ کی طرف دیکھا اور پھر لپک کر اسے گلے لگا لیا۔ دونوں ہی فرطِ جذبات اور اندر کے کرب کی شدت سے بے حال تھیں۔

”مجھے شما کردیں ہاجرہ‘ میں اپنی پریشانی میں آپ سب کا خلوص جان ہی نہ سکی۔“ رندھا ہوا لہجہ شرمندگی سے پُر تھا۔

”ایسے نہ کہیئے نرملا...... ہمیں کبھی اچھا نہیں لگے گا کہ ہماری بہن ہم سے معافی مانگے۔ بھیا کو جانے کیسے اتنا غصہ

آ گیا ورنہ وہ غصے کے زیادہ تیز نہیں۔ آپ خوش نہیں رہ سکتی یہ ہم جانتے ہیں لیکن آپ خوش رہنے کی اداکاری تو کرسکتی ہیں ناں۔ جانتی ہیں نرملا...... ہم نے کہیں پڑھا تھا جب انسان بہت خوش ہو پھر بھی کچھ دیر تک رونے اور اداس رہنے کی اداکاری کرلے تو واقعتاً وہ اداس ہوجاتا ہے' حقیقت میں رونے لگتا ہے۔ ہم نے اس تحقیق کے خلاف کام کیا۔ جب بھی ہم اداس ہوتے ہیں' ہمارا بہت رونے کو جی چاہتا ہے' خاموش رہنے کا من کرتا ہے تو ہم اپنی آنکھوں میں نمی نہیں اترنے دیتے' اپنا دل بہلاتے ہیں کتابیں پڑھتے ہیں' مسلسل بولتے ہیں' ہنستے مسکراتے ہیں۔ ہم خود پر اداسی کو حاوی نہیں ہونے دیتے۔ ایسے کرنے سے ہمارا دکھ کم تو نہیں ہوتا لیکن ہمارا تماشہ بھی نہیں بنتا۔ آپ کو دنیا میں کہیں سکون نہیں ملے گا جب تک آپ سکون تلاش نہ کرنا چاہیں اور ہمارا سکون ہمارے اندر ہی ہوتا ہے بس اسے تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔'' ہاجرہ محبت سے اسے سمجھا رہی تھی اور کسی حد تک ہی سہی وہ اپنا غم بھول گئی تھی۔

''اتنی اچھی باتیں آپ نے کہاں سے سیکھیں ہاجرہ؟''

''اگر ہم سیکھنا چاہیں تو وقت' حالات' ہمارا شعور اور فہم ہمیں ہر لحہ ایک نئی بات سکھاتا ہے' ہر نیا قدم ہمیں ایک نیا سبق پڑھاتا ہے۔ یہ اڑتے رنگین طیور' بنا ستونوں کے کرہ ارض پر چھایا امبر' انسان سے انسان کی تخلیق' پھلوں کے سینکڑوں رنگ اور اقسام' موسموں کا تغیر' سورج چاند کے معمول' رات و دن کے آنے جانے میں سیکھنے کے لیے کتنی نشانیاں ہیں۔ بس سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو اجاگر کرنا ہوتا ہے۔ پتھر کے زمانے سے آج تک جو ایجادات پیدا ہوئیں۔ سب ہمارے اذہان کی سوچیں ہی تو ہیں جو لوگ غور خوض کرتے ہیں وہ زمانے کی دوڑ میں کہیں آگے نکل جاتے ہیں۔'' نینوں کی چھم چھم رک گئی تھی۔ زندگی گزارنے کے لیے نئے اسباق موضوع گفتگو تھے۔

''ایک بات بتائیں ہاجرہ' سب کچھ ویسا کیوں نہیں ہوتا جیسا ہم چاہتے ہیں؟''

''ایسا اس لیے نہیں ہوتا نرملا کہ ہمیں بنانے والا اس کائنات کا مالک ہم سے بہت محبت کرتا ہے اور وہ ہمارے لیے وہ کرتا ہے جو ہمارے حق میں سب سے بہتر ہوتا ہے۔''

''مطلب میرا اپنے پیاروں کے بغیر یہاں رہ جانا اس میں بھی میری بہتری ہے کیا؟'' نرملا متذبذب ہوئی۔

''جی نرملا...... آپ کے یہاں رہ جانے میں یقیناً کوئی نہ کوئی مصلحت چھپی ہوگی۔ جو جلد یا بدیر آپ پر ظاہر ہو ہی جائے گی اور جب یہ راز آپ پر منکشف ہوجائے گا تب مان لیجیے گا نرملا کہ ہمیں تخلیق کرنے والا ہم سے سچی محبت کرتا ہے۔ وہ ہماری بڑی آزمائش ٹالنے کے لیے ہمیں چھوٹے مصائب میں مبتلا کردیتا ہے۔'' ہاجرہ نے دھیمے لہجے میں بات مکمل کرکے نرملا کی طرف دیکھا جو سوچ و بچار میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''نرملا......'' ہاجرہ نے اسے متوجہ کیا۔

''ہوں۔''

''وعدہ کیجیے کہ آپ اب خوش رہنے کی کوشش کریں گی۔'' ہاجرہ نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''میں پوری کوشش کروں گی۔'' نرملا نے اپنا خوب صورت ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ کبوتروں کا پورا جھنڈ شور مچاتا ان کے سر پہ چکر لگا کر پھر سے اسی سمت اڑ گیا جہاں سے آیا تھا۔

''دیکھا امن کا پرندہ بھی اس عہد کا گواہ بن گیا۔'' ہاجرہ نے ہنستے ہوئے پہلے آسمان کی طرف اور پھر ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ نرملا بے ساختہ ہنسی' موتیوں سے سفید دانتوں میں ہیرے جیسی چمک تھی۔ کمرے سے یہیں دیکھتے احمد رائے کو منظر اب مکمل محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

دن بھر کرنیں پھیلاتا سورج اب تھک کر واپس جا رہا تھا' افق کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک نارنجی رنگ پھیلا نظر آ رہا تھا اور اس پھیلے رنگ کے درمیان زرد گول ٹکیا تھی جو آہستہ آہستہ مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ پنچھی اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے۔ پھولوں کی بند کلیاں آہستہ آہستہ کھلنے لگیں۔ رات کی رانی نے بھینی بھینی خوشبو سے فضا معطر کر رکھی تھی۔ ہوا کے جھونکوں سے ساری حویلی میں خوشبو پھیل رہی تھی۔ دلفریب بھینی مہک کے احساس سے نرملا کے حواس بیدار ہوئے تو وہ کسمسا کر آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھی۔ آج بہت عرصے بعد وہ اتنے سکون سے سو پائی تھی۔ اس نے اندازہ لگانا چاہا کہ وہ کتنی دیر سوئی ہے تخت سے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا تو شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ وہ حیران رہ گئی۔ دل ہی

دل میں احمد کا شکریہ ادا کیا‘ اگر آج بھی وہ احساس نہ دلاتا تو وہ اسی ڈگر پر چلتی رہتی۔ ہاجرہ کی باتوں نے بھی اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

”ہاجرہ اور احمد کے انداز میں کتنا فرق تھا۔“ نرملا کو یاد آیا تو ساتھ ہی اس کے منہ کے کئی آڑھے ترچھے زاویے بنے لگے۔

”شاید احمد رائے کو میرا یہاں رہنا ناپسند ہے۔“ وہ بڑبڑاتی دوپٹہ ہمیشہ کی طرح شانوں پر پھیلاتی باہر آگئی۔ راہداری کے اختتام پر اس کی نظر حویلی کے بیرونی حصے پر گئی۔ وہاں احسن رائے‘ بواجی‘ صاحبہ بیگم اور احمد کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ احمد کا رخ اسی کی طرف تھا ایک پل کو سب کو وہاں بیٹھے دیکھ کر اسے خاندان والوں کی یاد سے دل میں درد سا اٹھتا محسوس ہوا چہرے کا رنگ بدلا وہ لمحہ بھر کے لیے جامد ہوئی‘ نمی آنکھوں سے باہر آنے کے لیے اپنا راستہ بنانے لگی۔ احمد بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ شاید پرکھنے کی کوشش کررہا تھا کہ وہ کس حد تک کامیاب ہوا۔ نرملا کے سپاٹ تاثرات دیکھ کر اس کے دل میں ہار جانے کا احساس رقم ہونے لگا۔ لیکن پھر اگلے ہی لمحے حویلی کے چوڑے زینے عبور کرنے لگی۔ نزاکت سے گھاگرا سنبھالتی وہ زینہ عبور کرکے ان کی جانب آئی۔

”شام بخیر۔“ وہ مسکراتی ہوئی بولی چاروں نفوس ازحد حیران ہوئے۔ وہ موڑھا کھینچ کر قریب ہی بیٹھ گئی۔ ان کی حیرانی دوچند ہوئی کہ اتنے دنوں میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ نرملا بنا بلاوے کے ان سب کے پاس آئی اور پھر خود ہی ان سے مخاطب بھی ہوئی تھی۔ سب گنگ تھے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ نرملا نے باری باری سب کی جانب دیکھا۔ احمد کی طرف دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے ناگواری کے تاثرات نمایاں ہوئے جسے اس نے کمال مہارت سے چھپالیے۔ لیکن احمد رائے اسی کی طرف متوجہ تھا اس نے اس کی ناگواری محسوس کرلی تھی۔

”شام بخیر جیتی رہیے۔“ بالآخر احسن رائے کی آواز پر خاموشی کا قفل ٹوٹا۔

”شکریہ چاچاجی‘ میں آپ کو چاچا کہہ سکتی ہوں ناں؟“ وہ جھجکتی ہوئی بولی۔

”ضرور کیوں نہیں۔ لیکن ایک بات ہے چاچا جی بھی کہیں اور شکریہ بھی‘ یہ تو تضاد ہوگیا ناں؟“ وہ مسکراتے ہوئے بولے تو سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”اللہ آپ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے۔“ بواجی بولیں تو سب نے صدق دل سے آمین کہا۔

”آج آپ کو سب کے درمیان دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ آپ پریشان ہوتی ہیں تو ہم سب کا دل بھی نہیں لگتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے آپ ہمیشہ سے اس خاندان کا فرد رہی ہیں۔“ صاحبہ بیگم کا ایک ایک لفظ سچ کی موتی میں پرویا ہوا تھا۔

”میں بہت خوش قسمت ہوں جو مجھے آپ جیسے لوگ ملے۔ میں یہاں سے چلی بھی گئی تو آپ سب کو اور آپ کی محبت اور خلوص کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔“ احمد کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی‘ وہ دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ نرملا اسے نظرانداز کررہی تھی اس کا احمد کو بخوبی اندازہ تھا۔

”واہ...... آج تو محفل میں کمال کے لوگ بیٹھے ہیں۔“ ہاجرہ کے ہاتھ میں پیتل کی ٹرے تھی جس میں چینی کے کپ سلیقے سے سجے ہوئے تھے‘ ہم رنگ کیتلی‘ پیتل کا ہی چائے کا چمچ اور ایک چھوٹا سا چینی دان۔

”بھئی یہ ساری رونق تو ہماری نرملا کے دم سے ہے‘ ہمیں یقین ہے اگر یہ رات میں مسکرائیں تو چودھویں کا چاند بھی ان سے شرما جائے گا۔“ احمد رائے خوش دلی سے بولا تو سب ہی بے ساختہ ہنس دیئے۔ نرملا سب کی ہنسی پر شرما سی گئی احمد کی ایسی بات پر دل ایک لمحہ کے لیے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ لیکن وہ اپنا اصل کیسے بھول سکتی تھی۔ تاثرات چھپاتی نرملا نے دیوار کے ساتھ رکھی لکڑی کی میز اٹھا کر درمیان میں رکھ دی ہاجرہ نے چائے میز پر رکھی تو نرملا اسے منع کرکے خود سب کو چائے سرو کرنے لگی۔ آخر میں احمد باقی رہ گیا تھا نرملا ہچکچا رہی تھی اور کچھ ناراضگی بھی تھی۔ سب کے سامنے کیسے نظرانداز کرتی۔ لہٰذا بادل نخواستہ کپ میں چائے ڈالی۔

”چینی کتنی لیں گے آپ؟“ وہ پہلی بار احمد سے مخاطب ہوئی تھی۔

”ایک چمچ۔“ وہ مسکراتا ہوا بولا مطلب کہ اس نے پہلے ہی سن لیا تھا۔ نرملا نے تین چمچ بھر بھر کر کپ میں ڈال دیئے۔ احمد کا سارا دھیان اس کی طرف تھا ہاجرہ کب سے احمد کی نظروں کی شوخیاں پڑھ رہی تھی۔ نرملا نے چائے میں چینی مکس کی تو ہاجرہ کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ جسے اس نے مسکراہٹ میں چھپالیا۔ نرملا نے احمد کی طرف کپ بڑھایا۔

''نرملا کے ہاتھوں میں بہت ذائقہ ہے میری چائے میں ایک چمچ چینی ہے لیکن میٹھی اتنی ہے جیسے تین چمچ بھر کر ڈال دیے ہوں۔'' ہاجرہ مسکراتے ہوئے بولی نرملا سمجھ گئی کہ ہاجرہ نے اسے دیکھ لیا ہے۔ وہ بھی مسکرانے لگی۔ ہاجرہ نے یہ احمد کو سنانے کو کہا تھا احمد کو بہت زیادہ میٹھا کسی صورت پسند نہ تھا۔

''اچھا واقعی پر مجھے تو چائے پھیکی لگ رہی ہے۔'' احمد نے گھونٹ بھرا اور منہ بنا کر رہ گیا۔ لیکن مزے کی بات یہ تھی کہ وہ بہت مزے سے پورا کپ پی گیا تھا۔ ہاجرہ جی بھر کر حیران ہوئی۔

''کل احسن اور احمد آپ کے دیے ہوئے اس ایڈریس پر جا رہے ہیں جہاں آپ کے عزیز رہائش پذیر تھے۔ ہوسکتا ہے آپ کی واپسی کا کوئی سبب نکل آئے۔'' بوا جی نے نرملا سے مخاطب ہو کر کہا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتا میں کیسے آپ سب کی محبتوں کا شکریہ ادا کروں۔'' نرملا ان کی شکر گزار تھی واقعی کوئی اور ہوتا تو اس کے لیے اتنی کوشش کبھی نہ کرتا۔

''اس کی ضرورت نہیں بیٹا' ہم نے آپ کو زبان سے بیٹی کہا ہی نہیں دل سے تسلیم بھی کیا ہے اور بیٹیاں ماں باپ کا شکریہ ادا کرتیں اچھی نہیں لگتی۔'' صاحبہ بیگم رسان سے بولیں۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے صاحبہ۔'' بوا جی نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''ہم چلتے ہیں کاروبار شروع کرنے کے لیے دکان تلاش کرنی ہے۔ دو تین گھنٹوں تک واپسی ہوگی۔'' احسن رائے اٹھ کھڑے ہوئے اور ساتھ ہی احمد بھی۔

''خیر سے جاؤ خیر سے آؤ۔ اللہ آپ دونوں کو اپنی امان میں رکھے۔'' احسن رائے اور احمد رائے نے باری باری سر جھکایا بوا جی نے دعا دیتے ہوئے دونوں کے سر پہ دستِ شفقت پھیرا۔

''اللہ آپ کو آپ کے مقصد میں کامیاب کرے۔'' صاحبہ بیگم نے احمد کے سر جھکانے پر دل سے دعا دی۔

☆☆☆......☆☆☆

ہوا میں ہلکی سی خنکی ہوگئی تھی۔ یہ خنکی سردیوں کی آمد کی اطلاع دے رہی تھی۔ ہاجرہ نرملا کو تلاش کر رہی تھی وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ وہ اس کے بیرونی حصے میں ہونے کا

> اندھی کالی دکھ کی رات
> لے گئی سب کچھ اپنے ساتھ
> چھن گئیں ساری خوشیاں ہم سے
> رہ گئے ہم تو خالی ہاتھ
> سادہ دلی نے لوٹا ہم کو
> ورنہ تھی انمول یہ ذات
> تنہا بے بس کر کے ایسا
> بول کیا آیا تیرے ہاتھ
>
> ارم شہزادی......تلہ گنگ کی پسند

سوچ کر راہداری سے باہر کی طرف آنے لگی۔ راہداری میں ایک لائن سے تین کمروں کے دروازے تھے۔ یہ وہ کمرے تھے جو اس گھر کے پرانے مکینوں کے زیر استعمال تھے۔ جب تک نرملا یہاں تھی احسن رائے نے سختی سے ان کمروں کو کھولنے اور اس کی کسی بھی چیز کو چھونے سے منع کر دیا تھا کہ کہیں اس بات سے نرملا کی دل شکنی نہ ہو۔ اس لیے سب ہی دروازوں کی چٹخنی چڑھا دی گئی تھیں۔ ایک کمرے کا دروازہ آج کھلا ہوا تھا' ہاجرہ حیران ہوئی اور رک گئی۔ اندر سے کھٹر پٹر کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہاجرہ متجسس ہو کر آگے بڑھی۔

الماری کے دونوں پٹ کھولے وہ یقیناً نرملا تھی۔ ہاجرہ نے اسے گھاگرے سے پہچانا ورنہ اوپر والا حصہ دروازے کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ وہ دھیمے قدموں سے آگے بڑھ آئی۔

''کیا کر رہی ہو نرملا؟'' پشت سے اچانک آواز پر نرملا ذرا سا ڈر گئی تھی۔ پھر ہاجرہ کو دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔

''یہ دیکھیں مجھے کیا ملا۔'' نرملا کے ہاتھ میں کچھ تصویروں کے فریم تھے۔

''یہ دادا جی' باؤ جی' یہ ماتا شری اور یہ میرا ویر ہے۔'' وہ پُر جوش انداز میں اسے ایک تصویر دکھا رہی تھی۔

''اور یہ دیکھیں یہ میرے چاچا جی اور چاچی جی اور یہ ان کے آگے میں کھڑی ہوں۔'' وہ چھوٹی سی بچی کے اوپر ہاتھ رکھے بتا رہی تھی۔

''جب میں سات برس کی تھی یہ جب کی تصویر ہے۔ باؤ جی نے میرے جنم دن پر اس سارے علاقے کے مکینوں کو

نیوتا دیا تھا۔'' ہاجرہ اس تصویر کو دیکھتی رہ گئی۔ سر پہ تاج پہنے نرملا شہزادی لگ رہی تھی۔

''نرملا یہ تصویر مجھے دے دیجیے۔ میں اسے ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ جذبوں سے سرشار لہجے میں بولی۔ نرملا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے تصویر اسے تھمادی۔

''آج اچانک مجھے یاد آیا کہ داداجی کے پاس ساری تصاویر ہوتی تھیں۔ امید تو نہیں تھی پھر بھی میں نے ان کا سارا کمرہ چھان مارا۔ بھگوان کا شکر ہے یہ چند مل ہی گئیں۔ آج بہت عرصے بعد سب کے چہرے دیکھے۔'' نرملا کی خوشی اس کے ہر انداز سے محسوس ہو رہی تھی۔

''ہاجرہ...... آپ کو کیا لگتا ہے میں واپس چلی جاؤں گی ناں؟ میرا پریوار مجھے واپس مل جائے گا ناں؟'' وہ بے یقین سی تھی۔

''مجھے اللہ پر پورا بھروسہ ہے نرملا...... آپ بہت اچھی ہیں اور اللہ اچھے لوگوں کے ساتھ کبھی برا نہیں ہونے دیتا۔'' مؤذن کی آواز آنے لگی تھی۔

''میں چلتی ہوں مغرب کی نماز پڑھ لوں۔ ابوجی اور بھیا بھی آتے ہوں گے۔ امید ہے کوئی اچھی خبر سننے کو ملے گی۔ آپ جلدی سے بال حلیہ درست کر کے باہر آجائیے۔'' ہاجرہ چلی گئی تھی۔ نرملا نے بالوں کی طرف دیکھا۔ وہ نہا کر یہیں چلی آئی تھی۔ اور اب اس الٹ پلٹ میں اس کے کھلے بال الجھ گئے تھے۔

اس نے ایک نظر کمرے پر ڈالی۔ سامنے والی دیوار پر چند تلواریں ہمیشہ لٹکی رہتی تھیں۔ لیکن آج ایک بھی نہ تھی جانے والے اپنا سارا کچھ چھوڑ گئے تھے لیکن آلات جنگ لے جانا نہ بھولے تھے۔ جاتے وقت وہ یہاں سے کچھ ضروری سامان ضرور لے جائے گی۔ اس نے سوچا اور پھر بکھرا سامان یونہی اٹھا کر الماری میں رکھ کر دونوں پٹ بند کیے۔ مورتی دیکھ کر اس کا دل برا ہوا تو اس نے چادر سے مورتی کو ڈھک دیا۔ دوپٹہ سر کے گرد لپیٹا اور پھر جانے دل میں کیا سمائی کہ وہیں بیٹھ کر دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں بلند کر کے آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ دیر اسی حالت میں رہنے کے بعد وہ تصویریں ہاتھ میں تھامے بال سنوارنے کے ارادے سے کمرے میں آگئی۔ تپائی پر کتابوں کے اوپر اس کی وہ تصویر رکھی تھی جو اس سے ہاجرہ نے لی تھی۔ اس پر ایک نظر ڈال کر اپنے ہاتھ میں پکڑی تصاویر نرملا نے اس صندوق نما الماری کے اوپر رکھ دیں۔ بال ابھی بھی ہلکے سے گیلے تھے اس نے انہیں سیدھا کر کے کھلا رہنے دیا البتہ دو لمبی لٹوں کو دائیں بائیں نکال لیا۔ آئینے میں دیکھتے ہوئے انگلی سے ہلکا سا کاجل لگایا۔ آج تصویریں ملنے کی خوشی میں سنورنے کا جی چاہ رہا تھا۔ ذرا سے کاجل سے اس کی سیاہ چمکدار آنکھیں مزید خوب صورت اور دلکش نظر آنے لگیں تھیں۔ گھٹنوں کو چھوتے لمبے سیاہ بالوں نے اس کی پشت مکمل ڈھانپ لی تھی۔ تیاری کے بعد وہ اطمینان سے بڑے ہال کی طرف آگئی۔ جہاں بواجی اور صاحبہ بیگم تخت پر بیٹھی تھیں۔ وہ بھی قریب ہی بیٹھ گئی۔ بواجی کے پاندان سے چھالیہ کے چند باریک ٹکڑے نکال کر منہ میں رکھے۔ باورچی خانے سے کھانے کی اشتہاء انگیز خوشبوئیں آرہی تھیں۔

''واہ آج کھانا ہاجرہ پکا رہی ہیں؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں...... نہیں کھانا بواجی نے ہی پکایا ہے۔ چاول دم پر رکھے تھے ہاجرہ نماز پڑھ کر آئی تو میں نے دم سے اتارنے کا کہہ دیا۔'' صاحبہ بیگم نے جواب دیا۔

''ویسے ایک بات ہے۔ بواجی کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے۔ من کرتا ہے انسان کھاتا ہی رہے۔'' نرملا نے تعریف کی تو بواجی مسکرانے لگیں۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہمیں تو خود بواجی کے ہاتھ کے کھانے کھانے کی اتنی عادت ہوگئی ہے کہ اب اور کسی کا پکایا ہوا پسند ہی نہیں آتا۔'' ہاجرہ باورچی خانے سے برآمد ہوئی۔ حویلی کا اندرونی دروازہ چرچرانے کی آواز آئی اور کچھ ہی لمحوں بعد احسن رائے اور احمد رائے اندر داخل ہوئے۔ صبح سے گئے دونوں شام ڈھلے گھر لوٹے تھے۔

''آپ دونوں کھانا لگا دیں ہم ذرا ان کے ہاتھ دھلوا دیں۔'' بواجی نے صاحبہ اور ہاجرہ سے کہا اور خود احسن اور احمد رائے کے ہاتھ دھلوانے کے لیے پانی لینے چل دیں۔

''بواجی...... وہ اگر آپ کا دھرم اجازت دیتا ہو تو سب کے ہاتھ میں دھلوا دیتی ہوں۔'' نرملا نے کچھ ہچکچاہٹ کے بعد آخر کار کہہ دیا۔

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں۔ ضرور دھلوا دیں۔'' بواجی

چٹائی پر بیٹھ گئیں۔ نرملا پیتل کے لوٹے میں پانی بھر کر ایک خالی گھر اتھال ساتھ لے آئی۔ احسن رائے کے ہاتھوں پر پانی ڈالنا شروع کیا پانی تھال میں گرتا رہا۔

''سدا سکھی رہو۔'' ان کے دل سے دعا نکلی۔

احمد رائے کے سامنے آکر ساری خفگی پھر عود کر آئی دل کر رہا تھا سارا پانی اس کے سر پہ انڈیل دے۔ منہ کا ترچھا زاویہ کر کے احمد کی طرف دیکھا۔ سیاہ چمکتی آنکھوں کا کاجل انہیں اور بھی سیاہ بنا رہا تھا۔ وہ مبہوت ہو کر دیکھ رہا تھا۔ لب و رخسار سے شرارت کرتی دو لٹیں اس کا جی چاہا انہیں چھو کر کان کے پیچھے کر دے۔ اس کی مسلسل گھورتی نگاہوں سے نرملا زچ ہونے لگی تو نظریں نیچی کرلیں۔ سیاہ گھنگھور آنکھیں منظر سے ہٹیں تو اسے ہوش آیا۔ ٹپٹا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ احسن رائے بوا جی کے ساتھ بات کر رہے تھے۔ جلدی سے ہاتھ آگے کئے نرملا نے پانی ڈالا وہ مسکراتے ہوئے ہاتھ دھونے لگا۔ نرملا ہاتھ دھلوا کر جا چکی تھی لیکن احمد ابھی بھی انہیں لمحات کے طلسم میں قید مسکرا رہا تھا۔ باورچی خانے کے دروازے پر کھڑی ہاجرہ حیران تھی ہمیشہ صنف نازک سے دور رہنے والا بھائی بدل گیا تھا۔ آگ اور خون کے کھیل میں محبت پروان چڑھ رہی تھی۔

''یہ دونوں کسی صورت ایک نہیں ہو سکتے بھائی کو روکنا ہی ہوگا۔'' ہاجرہ زیرلب بڑبڑائی۔

کھانا لگ گیا تو بوا جی نے حسب عادت با آواز بلند بسم اللہ پڑھ کر کھانا سرو کرنا شروع کیا۔ نرملا شدت سے کھانا ختم ہونے کے انتظار میں تھی کہ علم ہو سکے احسن رائے اور احمد رائے کو کوئی معلومات حاصل ہوئی یا نہیں۔

''ہم اس ایڈریس پر پہنچے تو پتا چلا وہ لوگ سلونی کور گاؤں منتقل ہو گئے ہیں۔ ہم نے سلونی کور کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن رگھبیر سنگھ نام کا کوئی شخص نہ ملا۔ لیکن اداس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر فوجی کیمپ لگائے گئے ہیں وہاں کل بھارت کے ان گھرانوں سے ایک ایک فرد آئے گا۔ جن کے خاندان کا کوئی بھی فرد یہاں رہ گیا ہے اور دونوں طرف سے پہچان اور تصدیق کے بعد ان کو یہاں سے جانے کی اجازت ہوگی۔ یہ کچھ وہ نام ہیں جنہوں نے رپورٹ لکھوائی ہے۔ آپ دیکھ لیں ان میں آپ کے خاندان کے کسی فرد کا نام ہے کیا؟'' کھانے کے بعد احسن رائے نے تفصیل بتائی اور بات کے اختتام پر احسن رائے نے شیروانی کی جیب سے ایک کاغذ نکال کر نرملا کو تھمایا۔ وہ بے چینی سے کاغذ پر نظریں دوڑانے لگی۔

''کرنل سنگھ، سمرت کور، بھگوان داس، راجن کپور، دلال سنگھ سیتا مودی، نواب سنگھ...... نواب سنگھ......'' اس نے بے یقینی سے دوبارہ پڑھا آنکھیں جھلملانے لگیں۔

''یہ میرے پتا جی ہیں نواب سنگھ یہ وہی ہیں۔'' احسن رائے نے نرملا کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ وہ تڑپ کر ان کے گلے لگ گئی ضبط کا بندھن آج پھر ٹوٹ گیا تھا۔ سب گھر والے اشک بار تھے۔ احسن رائے جیسے مضبوط انسان بھی خود پر قابو نہ رکھ سکے تھے۔ احمد کی آنکھوں کے خواب جو ابھی جوان بھی نہ ہوئے تھے اپنی بے وقعتی کا ماتم کرنے لگے تھے اور ستم یہ کہ وہ رو بھی نہ سکتا تھا۔ ہاجرہ بھائی کا غم اپنے دل میں اترتا محسوس کر رہی تھی۔

تسبیح محبت

مکمل ''دو'' ہی دانوں پر
یہ ''تسبیح محبت'' ہے
جو آئے ''تیرا'' دانہ
یہ ڈوری ٹوٹ جاتی ہے
جو بھی وقت ہوتا ہے
محبت کی ''نمازوں'' کا
''ادا'' جن کی نکل جائے
''قضا'' ہی چھوٹ جاتی ہے
محبت کی نمازوں میں
امامت ایک کو سونپیں
اِسے تکنے اُسے تکنے سے
''نیتا'' ٹوٹ جاتی ہے
محبت دل کا ''سجدہ'' ہے
جو ہے ''توحید'' پر قائم
نظر کے ''شرک'' والوں سے
محبت ''روٹھ'' جاتی ہے

مسز عرفانہ زبیر...... فیصل آباد کی پسند

''رات ہورہی ہے۔ سب اپنے کمروں میں جاکر سو جایئے۔ صبح احمد آپ کو کیمپ لے جائے گا۔ مجھے دکان کے کسی کام سے جانا ہے۔'' احمد نے چونک کر دیکھا دکان کا تو کوئی کام نہ تھا۔ پھر ابوجی نے جھوٹ کیوں کہا۔

☆☆☆......☆☆☆

آدھی رات بیت گئی تھی۔ نیلے آسمان پر سیاہی کا راج تھا۔ جھینگروں کے بولنے کی آوازیں مسلسل آرہی تھیں۔ ہر تھوڑی دیر بعد گیدڑوں کی دھاڑ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائیں دیتی تھیں۔ حویلی کے سارے ہی مکین کروٹیں بدل کر رات گزار رہے تھے۔

''ہم آپ کو بہت یاد کریں گے نرملا'' ہاجرہ کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

''اور میں کیسے آپ کو بھول سکتی ہوں۔ میری ساری عمر بھی گزر جائے جب بھی میں آپ سب کو کبھی نہ بھلا سکوں گی۔ اتنی محبت' شفقت اور پیار مجھے اور کہاں ملے گا۔ میں تو مسلمانوں کو بہت ظالم' شدت پسند سمجھتی تھی لیکن آپ سب کے ساتھ رہ کر اندازہ ہوا کہ میں غلط تھی۔ اتنا کچھ ہوجانے کے باوجود بھی آپ سب نے دشمنوں کی بیٹی کی حفاظت کی' اسے گھر کی بیٹی کا مان سمان دیا۔ کل باؤجی آئے تو میں انہیں ضرور بتاؤں گی کہ دنیا میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کی پوجا کرنے کو من کرتا ہے۔''

''بہت مشکل ہوگا آپ کے بغیر رہنا ہمیں' آپ سے اتنی انسیت ہوگئی ہے کہ ایسا محسوس ہورہا ہے گویا ہمارے بدن کا ایک حصہ ہم سے جدا ہورہا ہے۔ دل پہلے ہی زخموں سے چور ہے نرملا...... ہم بہت مشکل سے سہہ پائیں گے۔ ہم آپ کے لیے بہت خوش ہیں لیکن سمجھ نہیں آرہا آپ کی خوشی میں خوش ہوں یا اپنی بہن جیسی نرملا کے جانے پر اداس۔'' ہاجرہ کا لہجہ ٹوٹ کر بکھر رہا تھا۔ ٹیک لگا کر بیٹھی نرملا سیدھی ہوکر بیٹھ گئی اور ہاجرہ کو گلے سے لگالیا۔ پھر دونوں بے آواز رونے لگی تھیں۔

''سو جایئے...... بہت رات ہوگئی ہے صبح آپ کو جانے کتنا سفر کرنا پڑے۔'' ہاجرہ خود بھی ذرا پیچھے ہوکر لیٹ گئی۔ نرملا حسب عادت اس کا ہاتھ تھام کر لیٹ گئی۔ رات کی مہربان آغوش نے نرملا کو بہت جلد اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ہاجرہ نرملا کا ہاتھ نرمی سے تکیے پر رکھتی دبے قدموں باہر نکل آئی۔ احمد رائے کے کمرے کے پاس پہنچ کر ایک پل رکی اور پھر ہلکی سی دستک دی۔ دروازہ ہلکا سا کھلا ہوا تھا جس سے بلب کی زرد روشنی باہر آرہی تھی۔ رات کے اس پہر دستک پر احمد پہلے حیران ہوا پھر خود دروازے تک آیا۔

''ہاجرہ آپ اتنی رات گئے اندر آیئے' سوئی کیوں نہیں؟'' وہ حیرانی سے بولا۔

''آپ کیوں جاگ رہے ہیں؟'' ہاجرہ اس کے پیچھے چلتی اندر داخل ہوئی اور جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کردیا۔

''بس یونہی کچھ بے چینی سی تھی نیند ہی نہیں آرہی۔'' وہ اس کی طرف دیکھنے سے احتراز کررہا تھا کہ کہیں آنکھوں میں لکھا فسانہ پڑھ نہ لیا جائے۔

''بھیا...... میری طرف دیکھیے جب بھائی بے چین ودکھی ہو' اکیلا اور اداس بھی تو ایسے میں کوئی بہن بھلا کیسے سوسکتی ہے۔'' ہاجرہ نے تڑپ کر اس کا چہرہ اوپر کیا۔ احمد نے بے بسی سے بہن کی طرف دیکھا گویا وہ اس راز سے پہلے ہی واقف تھی۔ سفید شیروانی میں شہزادوں سا حسین نظر آنے والا احمد رائے آج پہلی بار اس قدر شکستہ نظر آرہا تھا۔ شاید حالات کے تھپیڑوں سے تھک گیا تھا' شاید اب کسی اپنے کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا۔

''کیوں ایسے خواب دیکھ لیے بھیا...... جن کی تعبیر ہی ناممکن تھی' کیوں ایسی خاردار راہ چن لی بھیا' جس میں کانٹے ہی کانٹے بچھے ہیں اور ان کانٹوں کے اختتام پر سرحد کی خاردار تاریں آپ کو کبھی منزل پر نہیں پہنچا سکتیں۔ کیوں بھیا...... کیسے بھول گئے آپ اس سماج' روایات اور مذہب کو' جن کے تفاوت نے ہمیں ہجرت پر مجبور کیا۔ وہ الگ دنیا کی باسی ہے بھیا اور آپ الگ وطن کے شہری۔ آپ نے کیسے اپنے دل کی مان لی' کیوں دل کی لگامیں نہ کسیں۔'' احمد کا ہاتھ تھامے وہ بولتی اور روتی رہی۔ احمد میں اتنا حوصلہ بھی نہ تھا کہ وہ اس کو چپ کرواسکتا۔

''یہ جو محبت ہے نا ہاجرہ یہ کی نہیں جاتی' بس ہوجاتی ہے۔ کب' کیسے اور کہاں یہ کوئی نہیں جانتا۔ میں نہیں جانتا نرملا کب میرے دل میں گھر کرگئی۔ مجھے تو آج احساس ہورہا ہے میں نرملا کے بنا ادھورا ہوں۔ آج جب اسے جانا ہے میں ٹوٹ کر بکھر رہا ہوں ہاجرہ۔ کاش کوئی طریقہ ہوتا تو میں اسے

ہمیشہ کے لیے یہیں روک لیتا لیکن اس کی خوشی کے لیے اس کا جانا بہت ضروری ہے۔ میرا کیا ہے میں تو مرد ہوں سمجھا لوں گا خود کو۔'' بھوری آنکھیں کرب اور ضبط سے رنگ بدل رہی تھیں۔ باقی ساری رات دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کو دلاسہ دیتے رہے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

اگلی صبح کا آغاز باقی دنوں سے بہت الگ تھا۔ صبح ناشتے پر سب ہی ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ سب کی سرخ اور سوجی ہوئی آنکھیں شب بھر کا فسانہ سنا رہی تھیں۔ نرملا کو سب سے زیادہ حیرت احمد کو دیکھ کر ہوئی تھی اور نرملا کو ہی نہیں سب ہی بڑوں نے بہت حیرت اور بے یقینی سے اس کا زرد ہوتا چہرہ دیکھا تھا اور پھر جو وجہ سمجھ آئی اس نے سب کو ہی شدید حیرت کا جھٹکا دیا تھا۔ کسی کا بھی کچھ کھانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ سب نے باقیوں کا دل رکھنے کے لیے زہر مار کر کے چند لقمے لیے۔ احسن رائے نے سب سے پہلے ہاتھ کھینچا تھا۔

''میں کسی کام سے جا رہا ہوں۔ احمد آپ نرملا بیٹی کو حفاظت سے کیمپوں تک لے جائیے گا اور نرملا سے نواب صاحب کی تصدیق کے بعد ہی ان کو وہاں چھوڑ کر آئیے گا۔'' وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر کہہ رہے تھے پھر دروازے کی سمت بڑھ گئے۔ نرملا کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ لیا ہو۔

''چاچاجی......'' اس نے بھرائے لہجے میں احسن رائے کو آواز دی۔ احسن رائے کے بڑھتے قدم رک گئے لیکن انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ کیسے مڑتے ان کو لگ رہا تھا آج ان کی ایک اور بیٹی ان سے جدا ہو رہی ہے۔ ایک باپ بھلا اپنی بیٹی کو ہمیشہ کے لیے کسی دوسرے کے سپرد کیسے کر سکتا ہے اور جدائی بھی ایسی کہ پھر ملن ممکن ہی نہ ہو۔ نرملا بھاگتی ہوئی ان کے سامنے آگئی۔

''آپ اس لیے جا رہے ہیں ناں کہ آپ مجھے اپنے سامنے جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتے؟'' وہ ہچکیاں لیتی روتی ہوئی ان سے سوال کر رہی تھی۔ احسن رائے نے اپنا ہاتھ نرملا کے سر پہ رکھ کر اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ دونوں باپ بیٹی جدائی کے اس لمحے میں بے آواز آنسو بہا رہے تھے۔

''اگر آپ چاہتے ہیں میں نہ جاؤں تو میں یہیں رہوں

گی۔'' اس نے ذرا پیچھے ہوتے ہوئے فیصلہ سنایا۔ سب کی سانسیں رک گئیں۔ سب ہی اٹھ کر نرملا کے پاس آگئے۔

''میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا بیٹی۔ یہ تو وہ آنسو ہیں جو آپ سے بچھڑنے کے غم میں بہہ رہے ہیں۔ آپ اس گھر کے لیے اتنی اہم ہوگئی ہیں کہ اب ہم چاہ کر بھی آپ کو بھی بھلا نہ پائیں گے۔ آپ کو بحفاظت پہنچانے کا جو وعدہ ہم نے آپ سے کیا ہے اسے ہم ان شاء اللہ ضرور پورا کریں گے۔ ہمارا دل کہتا ہے کہ نواب سنگھ آپ کے والد ہی ہیں۔'' احسن رائے اس کے سر پہ دست شفقت رکھتے ہوئے بولے۔

''یہ میری بیٹی کے لیے میری طرف سے جو اس کو ہمیشہ یہ احساس دلائے گا کہ اس دنیا میں آپ کو چاہنے والی ماں آپ کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھے گی۔'' صاحبہ بیگم نے گلے میں موجود سونے کی چین اتار کر اس کے گلے میں پہنادی۔

''اور یہ ہماری پیاری سی بھتیجی کے لیے جو اسے ہمیشہ ہماری محبت کا یقین دلاتا رہے گا۔'' بوا جی نے اپنا خاندانی کنگن اسے پہنایا۔ احمد نے ناسمجھی کے عالم میں بوا جی کو دیکھا۔ یہ تو وہ کنگن تھا جو بوا جی اس کی دلہن کو پہنانا چاہتی تھیں۔ کیا بوا جی نے بھی میرا چہرہ پڑھ لیا۔

''یہ سب تو بہت قیمتی ہے۔ میں کیسے لے سکتی ہوں۔'' نرملا ہچکچا رہی تھی۔

''آپ سے زیادہ قیمتی تو نہیں رکھ لیجیے۔'' ہاجرہ نے اس کا بازو تھام کر پیار سے کہا۔

سفری بیگ میں دو سوٹ اور کچھ ضروری چیزیں جو اس نے باقی کمروں سے لی تھی رکھ لی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ آنسوؤں اور دعاؤں میں رخصت ہو رہی تھی۔ بیگ احمد نے تھاما ہوا تھا۔ پیدل کا پندرہ سے بیس منٹ کا راستہ تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

''میری وجہ سے آپ کو رنج پہنچا میری کوئی حرکت یا بات بری لگی ہو تو میں اس کے لیے آپ سے شما چاہتی ہوں۔'' چند منٹ خاموشی سے چلنے کے بعد نرملا مدہم لہجے میں بولی۔

''شرمندہ نہ کیجیے۔ معذرت تو ہمیں کرنی چاہیے کہ ہم نے آپ سے جان بوجھ کر تلخ کلامی کی۔'' احمد نے اپنا بوجھ ہلکا کرنا چاہا۔

''جان بوجھ کر مطلب؟'' وہ چونکی۔

''مطلب ہم آپ کو خوش دیکھنا چاہتے تھے اسی لیے ہم نے موقع دیکھ کر آپ سے جان بوجھ کر ایسی باتیں کیں جن سے آپ خوش رہ سکتی تھی۔ یقین جانیے ہمارا مقصد کچھ غلط نہ تھا۔'' وہ آہستگی سے اپنے گناہ کا اعتراف کر رہا تھا۔

''آپ کی بات کا نتیجہ واقعی بہت اچھا رہا۔ اگر آپ اس دن ہمیں نہ ڈانٹتے تو ہم تو اپنے آپ میں مگن رہتے۔ ہمیں آپ سب کے دکھ کا احساس نہ ہوتا اور نہ ہی ہم سب کے خلوص اور محبت کو جان سکتے۔ اس کے لیے ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں۔'' احمد نرملا کی لمبی چوٹی دیکھ رہا تھا۔ احمد کو اس کی چوٹی کے ہر بل میں اپنا دل اٹکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''احمد...... ایک بات کہیں؟'' چند پل خاموشی سے گزرے تو وہ ایک نظر احمد کی طرف دیکھ کر بولی۔

''ہاں بولو۔'' احمد کے دل کی دھڑکن اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر تیز ہوگئی تھی۔

''ہاجرہ کہتی ہیں کہ اللہ جو کرتا ہے اس میں ہمارے لیے کوئی بہتری ہوتی ہے اور وہ بہتری جلد یا بدیر ہمارے سامنے آہی جاتی ہے۔ بس میں بھی آپ سے یہی کہنا چاہتی ہوں کہ میری طرح آپ بھی اس بات پر یقین کرلیں کہ ہمیں تخلیق کرنے والا کبھی ہمارا برا نہیں چاہ سکتا۔'' احمد خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا۔ مطلب نرملا بھی یہ بات جانتی تھی۔ وہ خود کو ہونق محسوس کرنے لگا۔

''میرے دل میں مسلمانوں کے خلاف بہت سے شکوک وشبہات تھے۔ لیکن آپ لوگوں کے ساتھ رہ کر میں نے جانا کہ سچا مسلمان کسے کہتے ہیں اور انسانیت کیا ہوتی ہے۔ ہاجرہ کو نماز پڑھتا دیکھ کر بہت بار میرا دل کیا کہ میں بھی نماز پڑھوں لیکن مجھے پڑھنا نہیں آتی تھی اور پھر دل میں یہ بات بھی تھی کہ کہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں یہاں رہنے کے لیے یہ کر رہی ہوں۔ مجھے نماز پڑھنا نہیں آتی تھی دعا مانگنا نہیں آتی تھی۔ پھر بھی ایک دن میں نے اس بھگوان سے پراتھنا کی جو ہمیں دکھائی نہیں دیتا لیکن ہم سب کا خالق ہے اور یقین جانیں مجھے ایسا لگا جیسے میں اپنا اصل پہچان گئی ہوں۔'' کیمپ قریب آگیا تھا نرملا اور بھی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اب وقت نہیں تھا۔ احمد فوجی جوانوں کی طرف بڑھ گیا۔ چند منٹ بات چیت کے بعد اس نے اشارے سے نرملا کو بھی اپنی طرف بلایا۔ ایک جوان ان کو ایک طرف لے کر بڑھ گیا۔ وہاں کچھ لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آس پاس فوجی جوان اسلحہ

لیے چوکس کھڑے تھے۔ نرملا خالی نگاہوں سے کچھ پل دیکھتی رہی۔ کرسیوں پر بیٹھے لوگوں میں سے ایک بڑی بڑی مونچھوں والا شخص کھڑا ہوا تھا۔ نرملا دوڑ کر آگے بڑھی۔ اس شخص نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسے روک دیا تھا۔ نرملا حیرت سے وہیں کھڑی رہ گئی۔

''یہ لڑکا کون ہے؟'' وہ سخت لہجے میں بولے۔

''باؤ جی...... یہ احمد ہے۔ یہ لوگ ہماری ہی حویلی میں رہ رہے ہیں۔ باؤ جی...... یہ سب بہت اچھے ہیں۔ ان سب نے میرا بہت خیال رکھا۔'' نرملا باپ کے ملنے کی خوشی میں بے ربط جملے بول رہی تھی۔

''چٹاخ......'' ایک زوردار تھپڑ نرملا کا گال سرخ کر گیا تھا۔

''بدذات...... ایک مسلے کے ساتھ آئی ہے۔ ان کے ساتھ رہتی رہی۔ تو مر کیوں نہیں گئی۔'' نرملا بے یقینی سے منہ پر ہاتھ رکھے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی۔

''بتا اور کس کس سے منہ کالا کروا کر آئی ہے؟'' وہ شخص اب اس کی چوٹی پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ اس کی زبان زہر اگل رہی تھی اور آنکھیں قہر برسا رہی تھیں۔ احمد کو لگا جیسے کوئی اس کے جسم سے جان نکال کر باہر کھینچ رہا ہو۔

نرملا کی آنکھ میں خوف تھا نہ نمی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنی چوٹی چھڑائی اور احمد کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔ قریب پہنچ کر اس کا ہاتھ تھاما اور نواب سنگھ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگی۔

''احمد گھر چلیے۔'' وہاں موجود ہر شخص حیرت زدہ رہ گیا۔

''رک میں بتاتا ہوں تجھے۔ سالی...... سکھ ہو کر مسلوں کے گھر رہے گی۔'' وہ طیش کے عالم میں آگے بڑھا۔

''رک جایئے...... آپ سے کس نے کہا میں سکھنی ہوں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میں گواہی دیتی ہوں اللہ ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ میں مسلمان ہوں۔ میرے ماں باپ اور بہن گھر پہ میرا انتظار کر رہے ہیں۔ چلتی ہوں۔'' وہ احمد کا ہاتھ تھامے حویلی کے راستے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ نواب سنگھ کف اڑاتا پیچھے جانے لگا تو فوجی جوانوں نے اسے قابو کیا۔ کسی جوان کی آواز ان دونوں کے کانوں میں پڑی۔

''ہم تصدیق کے بغیر کسی کو نہیں بھیج سکتے۔'' سارا راستہ خاموشی سے کٹا تھا۔ حویلی پہنچے تو سب ان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ احمد نے مختصر لفظوں میں ساری بات گوش گزار کر دی تھی۔

''وہ میرے باؤ جی نہیں تھے ابو جی...... باؤ جی مر گئے۔ اب میں صرف آپ کی بیٹی ہوں' آپ کی سمعیہ...... اس باپ کی جو بنا کسی رشتے کے بھی میری حفاظت اور پروا کرتا ہے اور میری تذلیل نہیں کرتا۔ مجھے وہ مان چاہیے ابو جی جو ایک باپ اپنی بیٹی کو دیتا ہے۔ بولیے دیں گے ناں؟'' احسن رائے نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسے سینے سے لگا لیا۔

''پر میری ایک شرط ہے سمعیہ بیٹی۔''

''شرط...... کیسی شرط؟'' سمعیہ فوراً سیدھی ہوئی۔

''شرط یہ ہے کہ......؟'' احسن رائے نے ایک نظر سب کی منتظر نگاہوں کو دیکھا۔

''کہ میں اب باپ کے ساتھ ساتھ آپ کا سسر بننے کا شرف بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے ہمارے اکلوتے بیٹے نے آپ کے فراق میں کیا حالت بنا ڈالی۔ بولیے عمر بھر کے لیے یہ قید محبت منظور ہے؟'' احمد خجل ہو کر سر کھجانے لگا۔ سمعیہ کے چہرے پر حیا کی ست رنگی دھنک بکھرنے لگی اور وہ شرما کر کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

خوشیوں بھرے قہقہوں کی گونج نے بہت دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

ہاجرہ ٹھیک ہی تو کہتی تھی۔ ہر کام میں اللہ کی کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ چند روزہ آزمائش کے بعد ایک سچی اور ہنستی مسکراتی خوابوں سی زندگی ان سب کی منتظر تھی۔

بھاپ اڑاتی چائے کا کپ ہاتھ میں لیے وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی' اس کمرے کی کھڑکی سڑک کی جانب کھلتی تھی۔ اسے صبح کا دلفریب منظر بہت پسند تھا' وہ ناشتا کرکے اپنا چائے کا کپ ہاتھ میں لیے یونہی کھڑکی کے سامنے کھڑی ہوجایا کرتی تھی۔ یہ اس کا روز کا من پسند مشغلہ تھا۔ سڑک کے کنارے قطار در قطار لگے درختوں پر سورج کی کرنیں جوں جوں پڑنے لگتیں ان پر پھدکتی' ناچتی' پھڑپھڑاتی چڑیوں کی چہچہاٹیں فضا میں رنگینیاں بکھیر دیتی تھیں۔

سڑک پر زن کرکے آتی جاتی تیز رفتار گاڑیاں' ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتیں' بس اسٹاپ پر چھاتا اجالا آہستہ آہستہ طالب علموں اور آفس جانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اس وقت تو پیدل چلنے والوں پر بھی منزل مقصود تک پہنچنے کی عجلت سوار نظر آتی تھی۔ وہ اپنے تھکے دماغ سے کھڑی چائے کا سپ لے رہی تھی' آنکھیں رتجگوں کی غماز تھیں' دل و دماغ شل اور نہ جانے کیوں بوجھل تھا ورنہ اس وقت کے موسم کو وہ خوب انجوائے کرتی تھی۔ وہ اس وقت نہ جانے کن سوچوں میں گم غائب دماغی سے درختوں کی شاخوں پر بیٹھی چڑیوں کو دیکھ رہی تھی کہ اچانک زن کرتی سلور گرے گاڑی اسٹاپ پر تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ رکی تھی۔ بلو جینز اور بلیک اینڈ وائٹ شرٹ میں ملبوس چھ فٹ سے نکلتا قد آنکھوں پر سیاہ چشمہ پہنے وہ اس ہینڈسم لڑکے کو روز ہی دیکھتی تھی۔ اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی عجلت میں دیکھی اور بس اسٹاپ پر شان بے نیازی سے کھڑی لڑکی کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے' سحرش متجسس سی اپنی کھڑکی میں کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی اس نے اپنے کمرے کی دیوار پر لگی گھڑی کی طرف نگاہ دوڑائی جو سات بجے کا وقت بتا رہی تھی۔ ایک تبسم اس کے ہونٹوں کے کنارے آ کر ٹھہر گیا وہ لڑکا دس منٹ لیٹ تھا۔ اس کے دل نے چٹکی لی بلاشبہ وہ لڑکا سب میں ممتاز نظر آرہا تھا' لڑکی کی شخصیت بھی نوجوان لڑکے سے کچھ کم نہ تھی' پنک شیفون کے سوٹ میں ملبوس ریشمی بالوں کو ہلکا سا جھٹکا دیتی اس لڑکی کی ہر ادا نرالی تھی اور کسی بھی لڑکے کے دل موہ لینے کے لیے اپنی چند ناز و انداز کی ضرورت ہوتی ہے۔

لڑکے کہاں آسانی سے ہاتھ آجانے والی لڑکیوں کی قدر کرتے ہیں' سحرش مبہوت سی اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی جو روز کی طرح آج بھی حسین لگ رہی تھی' وہ اب اس لڑکے کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ لڑکے نے خود آگے بڑھ کر اس کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا پھر ایک گہری سانس فضا کے سپرد کرکے ہاتھ میں پکڑی گاڑی کی چابی گھماتا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دونوں نے اب ایک دوسرے کی طرف مسکرا کر دیکھا تھا یعنی خفگی ختم......

گاڑی زن کرکے آگے بہت سی سڑک پر چلتی گاڑیوں میں شامل ہوکر اس کی نظروں سے اوجھل ہوچکی تھی' وہ لڑکی کرن اس کے محلے ہی کی تھی جو روز یونیورسٹی اپنے کلاس فیلو راحیل کے ساتھ جاتی تھی۔ راحیل اور کرن کی منگنی چھ ماہ پہلے ہی ان کی اپنی پسند سے ہوئی تھی۔ کچھ لوگ پیدائشی خوش نصیب ہوتے ہیں انہیں اپنی خواہشوں کے حصول کے لیے تگ و دو نہیں کرنی پڑتی۔ نصیب خود ہی ان کی جھولی میں آسمان کے تارے چن چن کر ڈال دیتا ہے اور ہم جیسے چاند سورج کو تکتے ہی عمر کی نقدی خرچ کردیتے ہیں لیکن چاند ہر ایک کو بھلا کہاں ملا کرتا ہے۔ اس نے تلخی سے سوچا وہ تصور ہی تصور میں ایسی ہی کسی شاندار گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر براجمان تھی' وہ روز یہ سفر کرتی تھی۔

''کالج وین باہر ہارن دے رہی ہے تم ابھی تک یہاں کھڑی ہو۔'' سحرش بوکھلا گرامی کی کڑک دار آواز پر پلٹی تھی وہ اسے تیز نظروں سے گھور رہی تھیں۔

''جی امی...... میں ریڈی ہوں۔'' اس کے قدموں نے آسمان سے زمین کو چھوا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اپنا کالج بیگ کندھے پر ڈالا اور امی کو الوداعی نظروں سے دیکھتی باہر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

❁......❁......❁

''ہیلو مس...... کہاں گم ہو؟'' لائبہ نے اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی۔

''یہیں ہوں۔'' وہ مدھم آواز میں بولی اور بلاوجہ انگلیوں

کو مسلنے لگی۔

"کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے صبح سے اپ سیٹ نظر آ رہی ہو۔" وہ کینٹین سے دو سینڈوچ لے آئی تھی اور اس کی طرف ایک بڑھا کر بولی تھی۔ یہ بریک ٹائم تھا اور وہ دونوں کینٹین کی ایک طرف قطار میں لگی بنچوں سے ایک بنچ پر بیٹھی تھیں یہ ان دونوں کی مخصوص جگہ تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" سحرش نے کھوئے ہوئے انداز میں جواب دیا جو لائبہ کے دل کو متفکر کرنے کے لیے کافی تھا۔

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے ورنہ روز چہکنے کی والی بلبل آج خلاف توقع اداس نہ ہوتی۔" وہ نرمی سے اس کے سپاٹ چہرے پر نظریں ٹکائے بولی۔

"کبھی کبھی زندگی ایسے موڑ پر لاکھڑا کرتی ہے جہاں سے نکل کر جانے والا راستہ ایک ہی ہوتا ہے ایک ایسا راستہ جو پُرخار بھی ہوتا ہے۔" اس کا لہجہ یہ سب کہتے بھاری ہوگیا تھا۔ آنکھیں نم اور جھکی ہوئی تھیں وہ عجیب بے بسی کی تصویر بنی زمین کو تکے جا رہی تھی کچھ کہتے کہتے رک سی گئی۔

"تم رو رہی ہو۔" لائبہ نے دیکھا اس کی نم جھکی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے اس نے تڑپ کر پوچھا۔

"نہیں تو...... بس ایسے ہی......" اس نے پھیکی ہنسی کے ساتھ اپنی مخروطی انگلیوں سے چہرہ رگڑا اس کی ستواں ناک سرخ ہو رہی تھی وہ اب سوسو کرنے لگی تھی۔

"تم کیوں رو رہی ہو؟ آخر ایسی کیا بات ہوگئی؟" لائبہ نے اس کا سفید چہرہ اپنی طرف موڑا اس کا بھیگا بھیگا مضطرب چہرہ اسے بے چین کر رہا تھا۔ وہ اتنی ہنس مکھ لڑکی اچانک بے وجہ یوں رونا دھونا نہیں کرسکتی تھی یقیناً کوئی ایسی پریشان کن بات ضرور تھی جو وہ چھپا رہی تھی۔ آج تک تو لائبہ سے اس نے کبھی کوئی بات نہ چھپائی تھی وہ اس کی واحد بچپن کی دوست ہونے کے ساتھ ساتھ محلے دار بھی تھی اور اس کے دل میں نہاں ہر بات سے واقف حال بھی تھی۔

"کل رقیہ خالہ کا فون آیا تھا۔" سحرش نے کہنا شروع کیا وہ بہت دھیرے دھیرے سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔

"پھر......" لائبہ نے اس کی طرف دیکھتے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"پرپوزل بھیجا ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا تو لائبہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"کیا...... یہ وہی رقیہ خالہ ہیں نہ جن کے ہونہار بیٹے نے گولڈ میڈل بھی حاصل کیا تھا تین بہنوں کے اکلوتے عفان بھائی۔"

"جی، وہی صاحب ہیں۔" سحرش کے منہ کا زاویہ بگڑا تھا۔

"واؤ یار...... تمہیں تو خوش ہونا چاہیے اتنے اسمارٹ لائق فائق بندے کا رشتہ تمہارے لیے آیا ہے۔ تمہاری بہن کی شادی پر میں نے انہیں دیکھا تھا یار تو گڈ چارمنگ پرسنالٹی۔ ایسی شاندار پرسنالٹی پر تو لڑکیاں مرتی ہیں۔"

"شاندار پرسنلٹی سے زندگی کی مشکلات حل نہیں ہوتیں نہ ہی اپنی خواہشوں کا سفر پورا ہوتا ہے۔ ایسے لائق فائق بندے کا کیا فائدہ جس کے پاس ایک گاڑی تک نہیں، بس بے شمار معاشی مسائل ہیں جنہیں حل کرنے کی ذمہ داری انہی کے کندھوں پر ہے۔" اس کے دل میں اتری کڑواہٹیں

اب لہجوں سے ہوتی اس کے جملوں میں ٹپک رہی تھیں۔
لائبہ کو اس کی باتوں پر افسوس ہونے لگا۔

"محض ایک گاڑی نہ ہونے کے بناء کیا تم اتنا اچھا رشتہ ٹھکرا دو گی۔ تمہاری سگی خالہ ہیں کوئی غیر تو نہیں۔" وہ نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"سگے اور قریبی رشتے ہی اپنوں سے غیر بن جانے میں دیر نہیں لگاتے۔ بینش باجی کی شادی پھوپو کے گھر ہوئی تھی، کتنی محبت سے انہوں نے باجی کا رشتہ مانگا تھا لیکن ہوا کیا پھوپو شادی کے بعد ایسے بدلیں کہ ہم دنگ رہ گئے۔ وہ دن رات سسرال کی خدمت گزاریوں میں لگی رہتی ہیں لیکن ستائش کا ایک جملہ ان کے شوہر یا ساس سسر کی طرف سے انہیں میسر نہیں آتا، الٹا ہر بات پر طنز اور ہر کام میں کیڑے نکالنا ان کی فطرت ثانیہ ہے۔ مجھے بھی اپنی باجی کی طرح اپنا مستقبل نظر آ رہا ہے، امی ابو کی زندگی کا سرمایہ ہم دو ہی بہنیں ہیں جنہیں انہوں نے بہت لاڈ پیار سے پالا ہے۔ لاڈ پیار سے پلی لڑکیوں کے نصیب میں کون جانے کتنا سکھ اور کتنا دکھ لکھا ہوتا ہے سسرال کی دہلیز پر......" سحرش تلخ لہجے میں بول رہی تھی، کہنے کو بینش باجی کے پاس اچھا گھر گاڑی روپیہ پیسہ سب ہی کچھ تھا نہیں تھا تو صرف "عزت"

لائبہ اس کی باتیں سن کر چپ سی ہوگئی، سحرش کا ذہن باجی سے وابستہ تلخ یادوں سے بوجھل تھا۔ وہ اپنے سے جڑے ہر رشتے کو شک کی نظر سے دیکھ رہی تھی، وہ دونوں سر جھکائے اب اپنی اگلی کلاس کی سمت کندھے پر بیگ ڈالے رواں تھیں۔ لائبہ دیکھ رہی تھی کہ سحرش سست قدموں سے چل رہی تھی وہ اس وقت شدید اضطراب کا شکار تھی۔ لائبہ دل سے اللہ سے دعا کرنے لگی کہ اے اللہ اس کے سارے خدشات کو مٹی کا ڈھیر ثابت کر دے اور اسے درست فیصلہ کرنے کی قوت عطا کرے، آمین۔

✿✿✿

وہ دھیرے سے اٹھ کر کمرے کی کھڑکی کی طرف آ گئی، اس نے دیکھا ہر طرف رات کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ رات کے ایک بجے ٹریفک کا شور مدھم پڑ چکا تھا، اب اکا دکا سامان سے لدے ٹرک ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے نظر آ رہے تھے۔ رات کا اندھیرا آج معمول سے زیادہ گہرا لگ رہا تھا، کیا قبر کا اندھیرا بھی اتنا ہی گہرا ہوتا ہوگا۔

اس کے دل نے درد میں ڈوبی آواز سے پوچھا تھا جو لمحہ لمحہ اپنی زندگی کے خوش کن لمحوں سے مایوس تھی۔ وہ دھیرے سے کھڑکی بند کر کے اپنی رائٹنگ ٹیبل کی کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی۔ ٹیبل لیمپ جلایا اور سبز ڈائری کھول لی، ایک سادہ ورق پھاڑنے لگی، اس نے صفحہ کی سلوٹیں درست کیں اور پھر ایک کشتی بنانے لگی، کشتی بنانے کے بعد وہ کاغذ کی اس کشتی کو ہاتھ میں لیے کئی لمحے تکتی رہی۔ وقت خاموش تھا پھر نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس کے دل نے بڑا عجیب فیصلہ کیا تھا۔ سمندر کی تیز موجیں وہ اپنے دل پر چڑھتے اترتے محسوس کر رہی تھی، وہ اس کشتی کو سمندر میں ضرور اتارے گی اسے اس بات کی اب ہرگز پروا نہ تھی کہ کشتی کے مقدر میں جزیرہ ہے یا اس نے بے شمار دشواریوں کے ساتھ سفر کرتے رہنا ہے۔ وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کشتی کے مقدر میں غرق ہونا لکھا ہے یا کسی سرزمین کا فاتح بننا مقصود ہے۔

سحرش نے دھیرے سے مسکرا کر امید کی شمع اپنی زندگی کی کشتی میں روشن کر دی اور پھر زندگی کے کھلے سمندر میں اس کی تلاش کا سفر شروع ہو گیا، نہ جانے کیوں وہ اپنے دل سے شک کے پتھر نہ نکال سکی تھی۔

✿✿✿

رقیہ بیگم صبح فجر کی اذان کے ساتھ اٹھ جایا کرتی تھیں پھر نماز کے بعد گھر کے نہ ختم ہونے والے کاموں کو نبٹانے میں جت جایا کرتیں، وہ اس عمر میں بھی ہر کام پھرتی اور سلیقے سے کرتی تھیں۔ کچن میں ناشتا خود تیار کر کے عفان کو آفس اور تینوں بیٹیوں کو کالج و یونیورسٹی میں لنچ کے ساتھ روانہ کرتیں، جب گھر کا آخری فرد ناشتا کر کے چلا جاتا تو وہ سارے برتن اکٹھے کر کے سنک میں جمع رکھنے کے بجائے ہاتھ کے ہاتھ دھوتی تھیں۔ سحرش کو بھی صبح ہی اٹھنے کی عادت تھی وہ بھی خالہ کی مدد کرنے اٹھ جایا کرتی، خالہ اسے کسی کام سے ٹوکتی نہ تھیں وہ دونوں ساتھ ہی بیٹھ کر ناشتا کیا کرتے تھے۔

رقیہ بیگم محسوس کر رہی تھیں کہ ان کی بہو کو آئے ایک مہینہ ہو گیا تھا وہ ان کی بھانجی تھی، مزاج کو جانتی تھیں۔ زمانہ شناس بھی تھیں ان کی بیٹیوں کی طرح سحرش کو فل اسٹاپ لگائے بغیر باتیں کرنے کی عادت تو نہ تھی لیکن اس کی ہر بات میں ضرورت سے زیادہ محتاط انداز انہیں کھٹک رہا تھا۔ بظاہر سب کچھ اچھا چل رہا تھا لیکن اس کا کھویا ہوا انداز، چپ اور

اپنے ہی خول میں رہنا اس کی عادت ومزاج کا حصہ نہ تھا۔

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر رقیہ بیگم کو چائے پینے کی عادت تھی انہوں نے دیکھا کہ سحرش بالکونی میں بیٹھی منی پلانٹ کے پتوں کو دھیرے دھیرے سہلاتے نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ انہوں نے چائے تیار کی اور ٹرے میں دو کپ رکھ کر بالکونی میں بیٹھی سحرش کی طرف چائے کی پیالی بڑھائی۔ سحرش یوں خالہ کو چائے پیش کرتے دیکھ کر گڑبڑا سی گئی اس کا خیال تھا خالہ اب اسے کھری کھری سنائیں گی وہ کچھ کہہ نہ سکی لب ہلائے ہی تھے کہ خالہ اس کی جزبز ہوتی حالت دیکھ کر مسکرا کر بولیں۔

”کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ؟“ وہ چائے کا گرم گھونٹ حلق میں اتار کر نرمی سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولیں۔

”نہیں......تو......کوئی پریشانی نہیں ہے خالہ......“ دل و دماغ میں چھڑی جنگ کے درمیان خالہ کا یوں آ جانا اسے فوری طور پر جھوٹ بولنا بھی نہیں آ رہا تھا سچ بولنا وہ چاہتی نہیں تھی۔

”اچھا......پھر کیا سوچ رہی تھیں کیا گھر والے یاد آ رہے ہیں؟“ رقیہ بیگم بات کی تہہ کو پالینے کا ارادہ ٹھان کر بیٹھی تھیں۔ ان کی نفیس شخصیت کا عکس ان کی سلجھی گفتگو سے بھی جھلکتا تھا۔ وہ ان کی نرمی کی حدت سے پگھلنے لگی۔

”ایسی کوئی بات نہیں خالہ ہر ویک اینڈ پر امی سے مل آتی ہوں بس ایسے ہی یہاں ہوا خوری کے لیے بیٹھی تھی۔ سوچ ہی رہی تھی کہ آپ کے لیے چائے پکا دوں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ امی بھی مجھے کھڑکی کے سامنے گم بیٹھا دیکھ کر ڈانٹ دیتی تھی۔“ اس نے خود پر قابو پا کر بولا تھا سحرش کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ اپنے دل کے ہر خدشے کو آج خالہ پر وا کر دے لیکن سکی بھی اپنی ذات کی تھی نہ جانے کون سا ایل بھیانک خیال کو حقیقت کا روپ دے ڈالے کیا پتا خالہ کی اپنائیت محض چند روزہ ہو پھر وہ بھی تو اسی ساس بہو کی روایتی چپقلش کا حصہ بن جائیں گی اسے خود کو تیار کرنا چاہیے۔

بظاہر تو سب کے رویے اس سے دوستانہ تھے گھر کا خرچ خالہ کے ہاتھ میں تھا جو وہ سلیقے سے چلا رہی تھیں اس کی تینوں خالہ زاد کزنیں بھی خوش مزاج اور دوستانہ فطرت کی حامل تھیں۔

خالو کا انتقال چند برس پہلے ہو چکا تھا' عفان کی تنخواہ میں اچھی گزر بسر ہو رہی تھی۔ خالہ کو پینشن بھی مل جاتی تھی' تین بیڈ روم کا یہ فلیٹ بہت عالی شان اور فرنشڈ نہیں تھا لیکن خالہ کی تربیت اور ماحول فرنشڈ نظر آ رہا تھا۔ بظاہرہ سب ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے اور انہی مثبت رویوں کو دیکھ کر وہ سوچ رہی تھی کہ نہ جانے جو ڈر اور خوف اس نے اپنے دل میں بسایا ہے وہ کس موڑ پر اس پر آشکارا ہونے والا ہے۔ صحیح اور غلط کی تمیز نہ کرنے والا دل و دماغ باغی ہونے لگا تھا۔

''ہوں......یعنی کوئی بات نہیں' تم خوش تو ہو نہ بیٹا؟'' ان کے انداز میں الجھن تھی جیسے اس کی بات پر یقین نہ ہو۔

''جی......'' اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ اضطراب اس کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا' آنکھیں سرخ ڈورے بن کر نم ہونے لگیں' اسے اپنا آپ ان جہاندیدہ نگاہوں کے مقابل چھپانے میں دقت ہونے لگی' وہ آخر کب تک خود کو سنبھال کر رکھتی دل مچلنے لگا' آنکھوں میں دھند چھا گئی۔

''ایک بات کہوں آپ ڈانٹیں گی تو نہیں؟'' رقیہ بیگم کو اس کی معصوم بات پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ سحرش انہیں الجھی نظروں سے دیکھنے لگی کہ شاید اس سے کچھ غلط ہو گیا وہ خجل سی اپنی پسینے سے تر ہتھیلیاں مسلنے لگی' شرمندگی نے اسے آ گھیرا تھا اب اسے اپنے منہ سے نکل جانے والی بات پر شدید پشیمانی ہونے لگی تھی۔

''بیٹا...... مجھے تمہیں ڈانٹنے کی ضرورت نہیں' یہ خانہ میں نے عفان کے لیے رکھ چھوڑا ہے تم کہو' کیا تمہیں اس سے کوئی شکایت ہے۔'' ان کے ہونٹوں پر تبسم ٹھہرا تھا۔ سحرش نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیا مجھ سے......؟''

''آپ تو بہت اچھی ہیں خالہ بس' مجھے خود سے شکایت ہے اپنی سوچ پر' بس بینش باجی کا سوچ رہی تھی ان کی زندگی کتنی کٹھن ہے۔'' وہ جھجکتے ہوئے بول رہی تھی' رقیہ بیگم نے پیار سے اس کے نرم ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا وہ اپنی گہری نظروں سے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھیں اور شاید پہنچ بھی گئی تھیں۔ وہ ان کے گھر کے ہر فرد کے حالات سے واقف تھی۔

''ہر انسان کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے' ہم اسے ایک ہی کسوٹی پر نہیں پرکھ سکتے' یہ بھی ضروری نہیں کہ جو شخص جیسا نظر آ رہا ہے وہ ویسا ہی ہو بعض اوقات بلاوجہ کا شک بہت سی غلط فہمیوں کو پیدا کر دیتا ہے۔ یہی بدگمانی بن کر رشتوں میں دراڑ کا سبب بنتی ہے بیٹا ہم سب کو بس اپنے اپنے حصے کا حق ادا کرنا چاہیے تم اپنے حصے کا کام نیک نیتی سے کرو بعض لوگوں کو اپنی حصے کا کام صحیح انجام دینے کے لیے کئی محاذوں پر لڑنا پڑتا ہے۔ لڑائی صحیح سمت پر ہو تو نتیجہ مثبت ضرور نکلتا ہے' ماشاء اللہ بینش صابر بچی ہے ایک دن اپنے محاذ پر کامیاب ہو کر دکھائے گی۔ تم اسے حوصلہ دیا کرو' سوچا نہ کرو۔'' اس کے اعصاب پر پڑا بوجھ سرکنے لگا تھا وہ خود کو اب ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ رقیہ خالہ کو مشکل بات آسانی سے کہہ دینے کا فن بخوبی آتا تھا' یہ مشکل کام بھی انہوں نے آسانی سے کر دیا تھا' وہ دونوں کپ ٹرے میں رکھ کر کچن کی جانب بڑھ گئیں اور سحرش ان کی پشت دیکھتی رہی۔

❀......❀......❀

آج صبح کے سورج کی کرنیں بے حد اجلی اجلی سی لگ رہی تھیں' اس نے نیلے شفاف آسمان کی وسعتوں کو مسکرا کر دیکھا تھا' دل کھلکھلانے لگا۔ آج صبح عفان پر آفس جلد پہنچنے کی عجلت سوار تھی' اس کے جانے کے بعد وہ خالہ کے پاس بیٹھ کر ناشتے کے دوران گھر کے کچھ سامان لسٹ ترتیب دینے لگی۔ خالہ نے بھی کچھ ضروری سامان کی اسے چند ہدایتیں دی تھیں۔

آج صفائی والی ملازمہ کے ساتھ اس نے گھر کی تفصیلی صفائی کا بھی جائزہ لینا تھا وہ ہر کام تندہی اور جوش و خروش کے ساتھ کر رہی تھی۔ خالہ کو بھی مشورے دے رہی تھی' رقیہ خالہ کو اس کی باتوں کے انداز سے لگ رہا تھا کہ جو کچھ وہ دل میں اندیشے یا شکوے پال بیٹھی تھی اب اس کے اندر واضح تبدیلی آ رہی ہے' اس کا اعتماد بحال ہوا تھا جس کی خالہ کو دلی خوشی ہو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ہر فرد کا رویہ گھر کے ماحول پر اثر انداز ہوتا ہے' بڑوں کے مثبت فیصلے گھر کے ماحول کو خوشگوار اور آسودہ بنانے میں کارگر ثابت ہوتے ہیں اور وہ اپنے گھر کی جنت میں بسے ہر فرد کو خوش دیکھنا چاہتی تھیں۔

شام تک وہ لوگ گھر کی تفصیلی صفائی مکمل فارغ ہو پائے تھے' ساتھ ساتھ رات کے کھانے کا انتظام بھی کیا گیا۔ شام کے چھ بجنے والے تھے یہ وقت عفان کے واپس گھر لوٹنے کا تھا وہ شاور لینے چلی گئی پھر سرخ اور سیاہ رنگ کے امتزاج کا

نفیس سوٹ پہنا' سرخ رنگ عفان کا پسندیدہ رنگ تھا' اپنے لمبے بالوں کو اس نے برش کیا' دل میں چھپ جانے والا غبار ڈھل کر اس کی شخصیت کو انوکھا روپ دے رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر آئینہ دیکھا' خالہ نے کچھ دیر پہلے اسے بتایا تھا کہ اسے عفان کے ساتھ گھر کا ضروری سامان لینے جانا ہے۔ سامان کی لسٹ انہوں نے صبح ہی تیار کرلی تھی اس نے سرخ لپ اسٹک کا ہلکا سا ٹچ دیا تھا۔ مخروطی انگلیوں میں عفان کی دی ہوئی منہ دکھائی کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ اس نے کانچ کی چند سرخ چوڑیاں بھی پہن لیں' آنکھوں میں کاجل لگا کر اپنا تنقیدی نظروں سے جائزہ لے ہی رہی تھی کہ اس کے عقب میں ایک عکس اور ابھرا۔

''آپ..... آگئے..... خبر ہی نہ ہوئی۔'' اچانک اسے دیکھ کر وہ گڑبڑائی۔

''کیا بات ہے' ابھی تو عید قرباں کی آمد میں کافی وقت ہے اور آپ نے آج ہی سے عید کی تیاری کرلی۔'' وہ شوخ نظروں سے سینے پر ہاتھ باندھے اس سے پوچھ رہا تھا' سحرش گھبرا کر اپنا دوپٹہ اٹھا کر سیٹ کرنے لگی پھر چادر سر پر اوڑھ کر بولی۔

''چلیں دیر ہورہی ہے' آپ چھ بجے کا کہہ کر سات بجے آرہے ہیں۔'' وہ خفگی بھرے لہجے میں بول رہی تھی' اس کی شوخ نگاہیں اور محویت سے وہ گھبرا رہی تھی۔

آج لہجے کی ترنگ کچھ الگ تھی ورنہ وہ آفس سے آتے ہی پہلے کمرے میں گھسنے کے بجائے کچھ دیر ٹی وی کے آگے خود کو ریلیکس کرتا تھا پھر سارے کام سست مزاجی سے کیے جاتے تھے لیکن آج آفس سے سیدھا کمرے میں آنا اسے کچھ نئے پن کا احساس دلا رہا تھا شاید شاپنگ کا ارادہ تھا تو اسے ایسا محسوس ہورہا تھا ورنہ شادی کے بعد وہ اب تک کہیں شاپنگ پر نہیں گئے تھے یہ تو خالہ کے کہنے پر جانا پڑ رہا تھا ورنہ کسی دعوت پر بھی جانا ہوتا تو عفان کی سست مزاجی اس پر غالب آجاتی تھی۔ آج عفان اسے عام دنوں سے زیادہ چست نظر آرہا تھا۔

''چلیں جناب۔'' اس نے گہری نظروں سے سر خم کیا تھا۔

''جی۔'' وہ شرما کر بولی' دل بڑی زور سے کچھ انوکھا ہونے کی نوید دے رہا تھا شاید یہ اس کا اپنا ہی بدلا مثبت انداز تھا جو اسے اب ہر چیز آئینہ کی طرح شفاف نظر آرہی تھی۔

صبح خالہ کے ساتھ کام کرتی ان کے ہر کام کو سراہتی نظروں سے دیکھ رہی تھی ورنہ جب دل بد دل تھا تو اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ آج وہ کچھ اہتمام سے تیار ہوئی شاید اسی لیے بار بار عفان کی خصوصی نظروں کے حصار میں تھی۔ وہ یہی کچھ سوچتی خالہ کے کمرے میں الوداعی جملے بول کر ہاتھ میں پکڑی گھڑی کلائی پر باندھتی بیرونی دروازے کے جانب بڑھی ہی تھی کہ اچانک عفان اس کی کلائی مضبوطی سے تھامے بیرونی دروازے کے باہر تیز تیز قدم اٹھاتا بڑھا تھا' وہ اس اچانک افتاد پر سٹپٹا سی گئی۔ گھر کے باہر گیٹ کے سامنے کھڑی بلیک کرولا نے اسے سچ مچ حیران کردیا تھا اب وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

''آئیے میڈم..... اپنی گاڑی میں بیٹھیے' کیسا لگا سرپرائز؟'' وہ شاک حالت کے ساتھ گاڑی کو تحیر زدہ چھو کر دیکھ رہی تھی۔

''مبارک ہو بیٹا تم دونوں کو' اللہ بہت سی خوشیاں دے آمین۔'' خالہ اور تینوں بہنیں بھی عفان کی گاڑی کو خوشی سے دیکھ کر مبارکباد دے رہی تھیں۔ خالہ نے ہاتھ میں پکڑی مٹھائی سب کو باری باری کھلائی تھی' عفان کے برابر میں خالہ نے اسے بہت محبت سے گاڑی میں بٹھایا تھا اس نے خود پر نچھاور ہوتی اتنی ساری محبتوں کے عوض آسمان کی جانب دیکھا تھا اس کی آنکھیں احساس تشکر سے نم ہوگئی تھیں۔

''اپنے شوہر کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا کیسا لگ رہا ہے؟'' وہ گاڑی ڈرائیو کرتے اس کے دیوانہ وار جذبوں کی وارفتگی کو دیکھ رہا تھا جو گاڑی کی اس سیٹ پر بیٹھے خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کررہی تھی۔ اس کے خواب کو تعبیر مل جائے گی ایسا اس نے کب سوچا تھا۔

''تھینک یو عفان.....'' وہ بمشکل کہہ سکی تھی' جذبات کی شدت سے بے قابو ہوتی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ عفان نے مسکرا کر دھیرے سے اپنا بھاری مضبوط ہاتھ اس کے نازک ہاتھوں پر رکھا اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

حصہ 6

نادیہ احمد

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

مسٹر اینڈ مسز انصاری بظاہر ایک آئیڈیل، خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے تھے۔ ڈاکٹر انصاری ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے آبائی شہر منتقل ہوجاتے ہیں جہاں سالوں کی تگ ودو کے بعد وہ ایک خیراتی ہسپتال احسن طریقے سے چلا رہے ہوتے ہیں۔ اس کام میں ان کی بیوی ڈاکٹر نور انصاری ان کی معاونت کررہی ہوتی ہیں۔ مسٹر اینڈ مسز انصاری کے دونوں بچے سمیر اور فریحہ بھی اپنی چھٹیوں میں ان کے پاس رہنے آجاتے ہیں۔ سمیر اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پہ فائز ہوتا ہے جبکہ فریحہ بھی ڈاکٹر ہوتی ہے جو اسلام آباد سے حال ہی میں اپنی ہاؤس جاب مکمل کرکے آئی ہوتی ہے اور دوبارہ اسلام آباد کے ہی ایک بہت بڑے ہسپتال میں اپنی ملازمت جاری رکھنے کی خواہش بھی رکھتی ہے لیکن ڈاکٹر نور اسے چند دن ہسپتال میں ان کی مدد کرنے پہ بخوشی راضی کرلیتی ہیں۔ علینہ ایک کم گو، الجھی ہوئی اور معاشرتی مسائل کا شکار لڑکی ہوتی ہے۔ وہ مقامی کالج میں زیر تعلیم ہوتی ہے اور امتحانات کے آخری دن مونس کے ساتھ ہونے والے مڈبھیڑ کے بعد مونس کو ایک تھپڑ رسید کرتی ہے لیکن حواس باختہ ہوکر کالج کی عمارت سے نکلتے ہوئے وہ اچانک سمیر کی گاڑی سے ٹکرا جاتی ہے لیکن سمیر وقت پر بریک لگاتا ہے۔ علینہ بے ہوش ہوجاتی ہے اور سمیر اسے زینب وقار ہسپتال اپنی والدہ کے پاس لے آتا ہے۔ علینہ کو جلد ہسپتال سے ڈسچارج کردیا جاتا ہے۔ مونس غصے میں بھرا پہلے اپنے دوستوں کو باتیں سناتا ہے اور پھر اپنی والدہ رخشندہ سے علینہ کی شکایت کرتا ہے جو اپنے لاڈلے بیٹے سے بھی دو ہاتھ آگے ہوتی ہیں۔ خاور علینہ سے ملنے آتا ہے پر وہ اس سے جان چھڑا کر اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ شاکرہ اس کی شکایت اس کی ماں سے کرتی ہے پر علینہ کا انداز ہمیشہ کی طرح لاتعلق اور احساسِ کمتری والا ہی ہوتا ہے۔ شہباز سفینہ کو بے دردی سے مارتا ہے بازو ٹوٹنے کی وجہ سے فاطمہ چاروناچار اسے ہسپتال لے آتی ہے جہاں ڈاکٹر کو اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ نہیں ہوا بلکہ اسے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ڈاکٹر کے سوالوں کا گول مول جواب دے کر وہ گھر چلی آتی ہے پر فاطمہ دل ہی دل میں ماں کی بے جا خاموشی پہ شکوہ کناں رہتی ہے۔ شہباز گھر اور بیوی سے بے پرواجوا کھیلنے چلا جاتا ہے جہاں اس کا اوباش دوست عارف اسے ادھار دیتا ہے۔ ڈاکٹر فریحہ تشدد کا شکار عورت کی بے بسی اور لاچاری پہ جہاں درد محسوس کرتی ہے وہیں اسے اس عورت کی خاموشی پہ کوفت ہوتی ہے۔ سمیر اور اس کے درمیان اس موضوع پہ ہونے والی بحث ڈاکٹر نور کو انتہائی اپ سیٹ کردیتی ہے اور پریشانی کے سائے ڈاکٹر انصاری کے چہرے پہ بھی نمایاں ہوجاتے ہیں۔ سمیر اتفاقاً ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر الجھ سا جاتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کے والدین کے درمیان کشیدگی ان کے ماضی کے کسی راز سے وابستہ ہے۔ علینہ کو لے کر عامر اپنی بیوی کو بے نکت سناتا ہے۔ دونوں کے درمیان دھماکے دار جھگڑا ہوتا ہے جس میں عامر اسے حال اور ماضی کے طعنے دیتا ہے پر وہ خاموشی سے سن کر صبر کرتی ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتی ایک بار پھر اس کا گھر ٹوٹے اور اس کی اولاد کو خمیازہ بھگتنا پڑے۔ سمیر اور کشمالہ کے درمیان ملاقاتوں کے سلسلے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ دونوں کی سالوں پرانی دوستی ایک نئے رشتے کی طرف قدم بڑھا رہی ہوتی ہے یا ایسا صرف کشمالہ سمجھتی ہے۔ علینہ کی سہیلیاں آکر اسے مونس کے حوالے سے ڈراتی ہیں۔ وہ اچھی خاصی پریشانی میں مبتلا ہوجاتی ہے کہ کہیں واقعی مونس اسے کوئی نقصان نہ پہنچادے لیکن وہ خاور سے مدد لینا نہیں چاہتی۔ اندھیرے میں چھت کی طرف جاتے گھر کا داخلی دروازہ کھلا پاکر وہ ٹھٹھک جاتی ہے۔ دروازے میں کھڑے سایے کو دیکھ کر علینہ بے اختیار چیخ مارتی ہے پر اچانک سایہ آگے بڑھ کر

مضبوطی سے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیتا ہے جس سے علینہ کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر زبیر اپنی طرف سے سفینہ کو خود پہ ہوتے ظلم سہنے سے باز رکھتا ہے پر سفینہ کے اندر دم توڑتی عزتِ نفس کو نہ تو ڈاکٹر کی کاؤنسلنگ جگا پاتی نہ ہی فاطمہ کا شکوہ۔ آسیہ کی بیماری اور آپریشن کی خبر جہاں شاکرہ کو پریشان کرتی ہے وہیں علینہ کی ناراضی میں دراڑ ڈالتی ہے۔ وہ بے چین ہے پر دوہا نہیں جانا چاہتی اور شاکرہ اسے اکیلے گھر میں چھوڑنے پر راضی نہیں ایسے میں فریحہ کی خواہش پر اور بیگم انصاری کی ذمہ داری پہ وہ علینہ کو انصاری ہاؤس چھوڑ کر دوہا چلی جاتی ہے۔ علینہ کو انصاری ہاؤس میں بہت محبت سے رکھا جاتا ہے۔ شہباز ایک بار پھر مار پیٹ کر سفینہ سے فاطمہ کی داخلہ فیس کے پیسے لے کر نو دو گیارہ ہو جاتا ہے۔ فاطمہ گھبرا کر زخمی ماں کی مدد کے لیے زبیر کو بلا لاتی ہے۔ خاور کو آسیہ کی بیماری کا پتا چلتا ہے تو دکھ اور پچھتاوا اسے آ گھیرتا ہے۔ سمیر لاہور سے واپس آ رہا ہوتا ہے جہاں راستے میں اس کی گفتگو کشمالہ سے ہوتی ہے۔ علینہ خواب میں بری طرح ڈر کر چیخ مارتی ہے، گھر کے تمام افراد بھاگ کر اس کے کمرے تک پہنچتے ہیں جہاں سمیر گن تھامے پہلے سے موجود ہوتا ہے، چند پل کو وہ شک کے دائرے میں آتا ہے مگر اندر جا کر ساری بات کھل جاتی ہے، سمیر شدید پیچ و تاب اس ذلت پہ کڑھتا ہے۔ دفتر میں سمیر کا پہلا دن اور مصروف زندگی کا آغاز ہوتا ہے، کشمالہ کی ذومعنی گفتگو اور سمیر کا محتاط رویہ۔ آسیہ اپنی والدہ کو علینہ کی ذہنی کیفیت کے متعلق بتاتی ہے۔ عامر کا نازیبا رویہ اور علینہ کی مشکلات کا سن کر شاکرہ بری طرح پریشان ہو جاتی ہیں اور فیصلہ کرتی ہیں جلد از جلد پاکستان واپس جا کر علینہ کی شادی کر دیں گی۔ فریحہ، فارس کی وجہ سے اندر ہی اندر گھل رہی ہوتی ہے تو دوسری طرف فارس بھی گھٹا گھٹا اور پریشان رہتا ہے پر دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ڈٹے رہتے ہیں۔ فاطمہ کے آخری امتحان والے دن ڈاکٹر زبیر اس سے ملنے آتے ہیں، اس کا انداز سرسری پر فکر مندانہ ہے۔ فاطمہ کو زبیر کی فطرت، سیرت اور سوچ متاثر کرتی ہے وہ اس کے لیے عقیدت کا جذبہ رکھتی ہے۔ شہباز کا دوست عارف اپنی مکارانہ فطرت کا استعمال کرتے شہباز کو جوئے اور قرض میں بری طرح جکڑ دیتا ہے اور جوئے کی آخری بازی کھیلتے شہباز اپنی ہی بیٹی کو جوئے میں ہار دیتا ہے۔ عارف سے نکاح کی خبر سن کر فاطمہ سن رہ جاتی ہے جبکہ سفینہ جیتے جی مر جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁

مائے نی میں کینوں آکھاں
درد وچھوڑے دا حال نی
دکھاں دی روٹی، سولاں دا سالن
آہیں دا بالن بال نی مائے
درد وچھوڑے دا حال نی
جنگل بیلے پھراں ڈھونڈیندی
اجے نا پایو لال نی
مائے نی میں کینوں آکھاں
درد وچھوڑے دا حال نی

''امی۔'' سفینہ بت بنی چارپائی پر بیٹھی تھی۔ یک دم فاطمہ نے آ کر اس کا بازو پوری قوت سے جھنجوڑا۔ وہ بے تحاشہ رو رہی تھی۔ اس پل سفینہ کو فاطمہ کا ہر آنسو آہ بن کر لگا تھا۔ زبان سے حرف نہ نکلے تھے پر اس وقت اس کا پور پور شکوہ بنا کھڑا تھا جو فریاد کر رہا تھا کہ ماں یہ کیا ظلم ہونے جا رہا ہے۔ اپنی ذات کو تو پہلے ہی جہنم کے آخری درجے میں گرائے زندگی گزار رہی ہے پر مجھے اس عارضی دوزخ سے نکال کر مستقل جہنم میں دھکیلا جانے لگا ہے۔ یہ ظلم ہے ماں' یہ ظلم ہے اور اس ظلم کی وجہ تیری خاموشی ہے۔ یہ تابعداری وفا نہیں گناہ ہے جو میرے ننھے ننھے خوابوں کو قبر میں اتار رہی ہے۔ تو کیا بیٹی کے خوابوں کا قتلِ عام ہونے دے گی؟ سفینہ کا دماغ شل ہو رہا تھا پر وہ پتھر بنی خاموش بیٹھی فاطمہ کے آنسوؤں میں بھیگی آہیں سنتی رہی۔ ایک لمحے کو تو فاطمہ کو یہ لگا شاید وہ اب دوبارہ کبھی بول ہی نہیں پائے گی۔ اسے خوف نے آ گھیرا۔

''امی کچھ تو بولیں۔'' روتے ہوئے ایک بار پھر اس نے ماں کا شانہ ہلایا۔ سفینہ نے مڑ کر پاس کھڑی فاطمہ کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔

''اپنا سامان باندھو۔'' آنسو پونچھتے فاطمہ نے حیرت سے ماں کا بے تاثر چہرہ دیکھا جو ایک مردے کی مانند سفید اور سرد تھا۔ اسے لگا وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہے۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں؟'' فاطمہ نے بھیگے لہجے میں

سوال کیا۔

"سنائی نہیں دیتا، میں نے کہا اپنا سامان باندھو۔" سفینہ کا پتھر وجود ایک دم حرکت میں آیا تھا۔ وہ بجلی کی تیزی سے اٹھی اور کمرے میں رکھے ٹرنک کو کھول کر سامان نکالنے لگی۔

"یہاں سے بھاگ کر کہاں جائیں گے ہم؟" فاطمہ پیر گھسیٹتی ماں تک پہنچی اور اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھتے مایوسی سے بولی۔ یوں لگ رہا تھا ہر راستہ بند ہے۔ ہر طرف سو سر والے اژدھے پہرے دار بنا کر کھڑے کردیئے گئے ہیں۔ اس جہنم سے نکلتے ہی پھونک سے جلا کر بھسم کردیں گے۔

"ہم نہیں صرف تم۔" سفینہ نے جھڑکنے والے انداز میں سرگوشی کی۔ فاطمہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے اب احساس ہوا تھا کہ ٹرنک سے سفینہ اپنی نہیں بلکہ صرف فاطمہ کی چیزیں نکال رہی تھی۔

"میں؟" سفینہ نے اس کے چند جوڑے ایک بیگ میں جلدی جلدی ٹھونسے۔ وہ اس وقت فاطمہ کی طرف متوجہ نہ تھی۔

"میں کہاں جاؤں گی امی اور میں کیوں جاؤں گی؟ آپ ابا سے بات کریں ناں۔" وہیں فرش پہ بے دم سی ہو کر بیٹھتی فاطمہ افسردہ لہجے میں بولی۔ سفینہ نے سر اٹھایا۔ فاطمہ کے دودھیا چہرے پہ آنسوؤں کی لکیریں نمایاں تھیں۔ آنکھیں بوجھل اور لال ہو رہی تھیں۔

"یہ نشان دیکھ رہی ہو؟" سفینہ نے اپنے چہرے کی طرف اشارہ کیا جہاں شہباز سے مار کے تازہ نشان اس کے ظلم کی داستان رقم کررہے تھے۔ پھٹے ہوئے ہونٹ سے رستا خون اور سوجا ہوا گال چیخ چیخ کر سب کہانی بتا رہا تھا۔ وحشت وخوف کی وہ داستان جسے دیکھ کر فاطمہ بڑی ہوئی تھی۔ جس کا چشم دید گواہ وہ دس سالہ بچہ اس کا چھوٹا بھائی جو آج ڈرا سہا کانپتے ہوئے دور بیٹھا ان دونوں کو تڑپتا سسکتا دیکھ رہا تھا۔

"یہ بات کرنے کے بعد بنے ہیں۔ ایسے کئی نشان آج بھی میرے جسم پہ موجود ہیں اور یہ کبھی نہیں بھریں گے کیونکہ تمہارے باپ کی خصلت نہیں بدلے گی۔" سر جھکائے فاطمہ سفینہ کی بات سنتی رہی۔

"مجھے معاف کردو میری بچی اور اس بات کا یقین کرلو کہ تمہاری ماں ایک کمزور اور بزدل عورت ہے جو ساری زندگی

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اپنے حق کے لیے آواز نہ اٹھاسکی وہ اپنی اولاد کے لیے کیا خاک بولے گی۔'' سفینہ نے فاطمہ کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور یہ تو بس اس کا دل ہی جانتا تھا کہ اولاد کے آنسوؤں پہ حوصلہ کیسے کرنا ہے۔

''تو ٹھیک ہے، پھر ہم سب چلتے ہیں۔ کہیں دوسرے شہر، کسی گاؤں یا قصبے میں۔ اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔ ابا اور ان کے بدمعاش ساتھی کے شر سے نکل کر کہیں تو پناہ مل جائے گی ناں امی۔'' فاطمہ دوٹوک انداز میں بولی اور ٹرنک سے سفینہ کے کپڑے بھی نکالنے لگی۔

''نہیں...... میں ان لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ ماضی کے گناہ کی طرح سایہ بن کر ہمیشہ ہمارا پیچھا کرتے رہیں گے۔ اس وقت تمہارا یہاں سے نکلنا اہم ہے۔ پیچھے سے میں انہیں سنبھال لوں گی۔'' سفینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''پر میں کہاں جاؤں گی امی۔ کون ہے ہمارا جس کے در پہ جا کر مدد کی دستک دیں گے اور پھر میرے جانے پہ ابا آپ کے ساتھ کتنا برا سلوک کریں گے۔'' سوچ سوچ کر فاطمہ کا دماغ شل ہو رہا تھا لیکن کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا جس کو تھام کر اس آزمائش سے نکلا جاسکے۔

''وہ سب تم مجھ پہ چھوڑ دو۔ بس اپنے کاغذات وغیرہ رکھو اور جلدی چلو۔'' بیگ کی زپ بند کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی جبکہ اس کے حکم پر نہ چاہتے ہوئے بھی فاطمہ میز پہ رکھی اپنی ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔ سامان کمرے میں چھوڑ کر سفینہ دبے قدموں باہر نکلی اور ساتھ والے کمرے میں جھانکا۔ بستر پہ شہباز نشے میں دھت ہوش وخرد سے بیگانہ پڑا تھا۔ سفینہ نے انتہائی محتاط انداز میں کمرے کا دروازہ بند کیا اور باہر سے کنڈی لگادی۔ پھر اس کے بعد وہ واپس کمرے میں آئی اور ٹیپو کو ہدایت دی۔

''ٹیپو، میں اور فاطمہ باہر جارہے ہیں۔ خبردار میرے آنے تک ابا کے دروازے کی کنڈی کھولی۔ انہیں ہرگز پتا نہ چلے ہم باہر گئی ہیں۔'' وہ ہونق بنا ماں اور بہن کو دیکھ رہا تھا۔ اس عمر میں اس کے کچے ذہن میں بے تحاشہ سوالات کا انبار تھا لیکن ان میں سے ایک بھی وہ اس وقت ماں سے پوچھ نہیں پایا تھا کہ الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے سوائے اس ایک بات کے جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

''امی آپا کہیں جارہی ہے؟'' فاطمہ نے اسے گلے لگا لیا۔ وہ اب زار و قطار روتی اس کو پیار کررہی تھی۔ کانپتے ہونٹوں سے اس کی پیشانی پہ بوسے دے رہی تھی۔ سفینہ لب بھینچے کھڑی ان دونوں کو دیکھتی رہی۔

''چلو جلدی۔'' ٹیپو اب بھی فاطمہ سے لپٹا ہوا تھا۔ سفینہ کی آواز پہ فاطمہ نے پلٹ کر ماں کو التجائیہ نظروں سے دیکھا پر اس نے نگاہیں چرالیں۔ سفینہ کے پیچھے مردہ قدموں سے چلتی وہ اپنا سامان اٹھائے باہر نکل آئی۔ صحن میں پہنچ کر اس نے ایک نظر اس بند دروازے کو دیکھا جس کے پیچھے ان کی بدقسمتی بند تھی اور پھر اگلے ہی پل وہ تیز تیز چلتی گھر سے باہر نکل گئی۔

❁ ❁ ❁

بیلوں سے ڈھکے اس بنگلہ نما گھر کے باہر پہنچ کر فاطمہ کے قدم رک گئے تھے۔ اس نے الجھی نگاہوں سے سفینہ کی طرف دیکھا جو بناء رکے اب آہنی دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ اپنے پیچھے فاطمہ کے قدموں کی آہٹ نہ پاکر اسے احساس ہوا تو مڑ کر دیکھا۔ اس کی خاموشی میں سوال تھا لیکن سفینہ اپنا وقت جواب دینے میں ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تیز قدموں سے چلتی وہ چبوترے کی طرف بڑھی جس کے آگے عمارت کا داخلی دروازہ تھا۔ اندھیرے میں بس ایک زرد مدہم بلب کی روشنی تھی جو اس پل سچ اور جھوٹ کے موہوم فرق کی طرح اندھیرے اور روشنی کا امتیاز کررہی تھی۔ یہ ایک پرانی شکستہ چھوٹی سی بنگلہ نما عمارت تھی جس کی شکستہ حالی باہر سے واضح تھی۔ ان علاقوں میں اکثر سرکاری رہائش گاہیں کچھ اسی طرز کی ہوتی تھیں۔ دروازے پہ پہنچ کر کچھ سوچتے ہوئے سفینہ نے دھیمی دستک دی۔ دروازہ چند لمحوں بعد کھلا اور مالک مکان کے چہرے پر خوشگوار حیرت امڈی پر اگلے ہی پل اس کی نگاہ فاطمہ کے ستے ہوئے چہرے، روتی آنکھوں اور بکھرے حال سے ہوکر سفینہ کی گھبراہٹ تک پہنچی تو پریشانی کی چند لکیریں صبیح پیشانی پہ نمودار ہوئیں۔ اجازت پاکر وہ دونوں اندر داخل ہوئیں۔ باہر کی نسبت اندر کا ماحول ومنظر مختلف تھا۔ سامان بہت زیادہ نہیں تھا لیکن صاف ستھرا اور قرینے سے آراستہ تھا۔ دوسرے الفاظ میں جگہ آرام دہ تھی۔ کمرے کے وسط میں پہنچ کر سفینہ کے قدم رکے، فاطمہ بھی سر جھکائے چادر میں لپٹی اس کی اوٹ میں کھڑی تھی۔

''آپ کو یاد ہے آپ نے کہا تھا ضرورت پڑی تو آپ میری مدد کریں گے؟'' سفینہ نے بلاتمہید سلسلۂ کلام کا آغاز کیا۔

''جی بالکل میں نے کہا تھا۔'' ڈاکٹر زبیر نے دھیمے لہجے میں اعتراف کیا۔ پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالے وہ مکمل تیار تھا۔ اس کا سفری بیگ کمرے کے کونے میں دھرا تھا۔ یقیناً وہ اب نکلنے ہی والا تھا۔

''تو پھر مجھ سے وعدہ کریں آپ میری مدد کریں گے، میری بات مانیں گے؟'' سفینہ نے یقین دہانی چاہی۔

''آنٹی ہوا کیا ہے، آپ اتنی گھبرائی ہوئی اتنی پریشان اور یہ فاطمہ......'' زبیر کے صبر کی انتہا ہو چکی تھی۔ بظاہر وہ نارمل تھا لیکن اندر ہی اندر اسے اچھی خاصی فکر لاحق تھی۔ وہ متفکر لہجے میں بولا تو سفینہ نے دونوں ہاتھ التجائیہ انداز میں جوڑ دیئے۔

''فاطمہ سے شادی کرلیں۔'' وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔ فاطمہ نے حیرت سے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ وہ تو اس بات پہ سن ہی رہ گئی تھی۔

''جی؟'' اسے شدید جھٹکا لگا تھا۔

''ایک ماں اپنی اولاد کی خاطر آپ کے در پر بھکاری بن کر آئی ہے ڈاکٹر صاحب اس امید کے ساتھ کہ آپ مجھے خالی ہاتھ نہیں لوٹائیں گے۔'' سفینہ نے چادر کا پلو پھیلاتے روتے ہوئے کہا۔ زبیر ٹک ٹک انہیں دیکھ رہا تھا۔ سفینہ کی ذہنی کیفیت کا وہ اس پل اندازہ کیسے کرتا کہ وہ تو اس کی زندگی میں آئے طوفان سے بے خبر تھا۔

''آپ پلیز بیٹھیں تو سہی۔ تسلی سے بات کرتے ہیں۔'' اس کا بازو تھام کر زبیر نے تسلی دی پر سفینہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔

''یہ بیٹھ کر تسلی سے بات کرنے کا وقت نہیں ہے۔ وہ قصائی کسی بھی وقت جاگ جائے گا۔ میری بیٹی کو اس کی حرام کاریوں کی بھینٹ چڑھنے سے بچالیں۔ میں جانتی ہوں آپ بہت اونچے لوگ ہیں۔ ہم خواب میں بھی آپ کی برابری نہیں کرسکتے۔ یہ...... یہ نوکرانی بن کر رہے گی آپ کی۔ کسی کونے میں ڈال دیجیے گا کبھی اف تک نہیں کرے گی۔ بس اسے یہاں سے لے جائیں۔ ابھی اور اسی وقت۔'' ساری بات مختصر الفاظ میں بتا کر سفینہ نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی۔

''آپ بلاوجہ پریشان ہورہی ہیں وہ انسان ہے کوئی جن بھوت نہیں جس سے خوف زدہ ہوکر ایسا احمقانہ قدم اٹھایا جائے۔ یوں رات کے اندھیرے میں چوروں کی طرح میں اسے لے کر چلا جاؤں تاکہ صبح ہونے پر شہر میں آپ کی اور میری بدنامی کے جھنڈے لگ جائیں۔ آپ چلیں میرے ساتھ میں کرتا ہوں بات آپ کے شوہر سے۔'' زبیر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کوئی باپ اس درجہ گر سکتا ہے کہ اپنی ہی بیٹی کا سودا کر آئے۔

''آپ نے کہا تھا آپ میرے بیٹے جیسے ہیں۔ ایک ماں ہاتھ جوڑ کر آپ سے درخواست کرتی ہے۔ میری بیٹی کو ان بھوکے بھیڑیوں سے بچالیں۔ اسے میری طرح معاشرے میں رسوا ہونے سے بچالیں۔ یہ عزت سے جینا چاہتی ہے اسے اپنا نام اور پناہ دے دیں۔'' سفینہ نے ایک بار پھر ہاتھ جوڑے اور زبیر کا غصہ شرمندگی میں ڈھل گیا۔

''ایسے مت کہیں کیوں مجھے گناہ گار کررہی ہیں آپ۔ آپ جو چاہتی ہیں جیسے چاہتی ہیں میں کرنے کو تیار ہوں پر آپ مجھے اس سے بات تو کرنے دیں۔'' عجیب سی سچویشن تھی سفینہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھی جبکہ وہ تو کب سے اسے یہی سمجھا رہا تھا کہ شہباز سے خوف زدہ ہونے کی بجائے اس کا مقابلہ کرے۔ اب بھی وہ یہی کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا ایسے لوگ بس دو ہاتھوں کی مار ہوتے ہیں۔ اتنا تو بحیثیت ڈاکٹر اس کا رسوخ تھا کہ وہ پولیس کو اس معاملہ میں انوالو کرسکتا تھا لیکن سفینہ کی رٹ پہ اسے چاروناچار ہاں کہنی پڑی۔

''امی......'' فاطمہ نے پہلی بار مداخلت کی۔ وہ سراپاء احتجاج بنی ماں کی طرف متوجہ تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی سفینہ نے ٹوکا۔

''چپ...... تجھے میری قسم جو زبان سے ایک لفظ بھی نکالا تو ورنہ اپنی ماں کا مرا ہوا منہ دیکھے گی۔'' وہ لب کاٹتی خاموش ہوگئی۔ ایک نظر سامنے کھڑے زبیر کو دیکھا جو شدید اضطراب میں تھا۔ اسے اپنی حماقت پہ شدید غصہ آیا، یہ خیال بھی اگر چھو کر گزر جاتا کہ اس کی ماں اس وقت زبیر سے مدد مانگنے جارہی ہے اور وہ بھی اس طرح کی مدد جس میں اس کی ساری انا اور عزتِ نفس مٹی میں ملنے والی ہے تو وہ گھر میں ہی زہر کھا کر اس اذیت بھری زندگی سے چھٹکارہ حاصل کرلیتی۔

''وہ انسان کے روپ میں سانپ ہے جو وقت آنے پر

اپنی اولاد کو بھی نگل جاتا ہے اور آپ اس عارف کو نہیں جانتے۔ اکیلا شہباز اتنا خطرناک نہیں پر وہ بدمعاش، میں آپ کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔'' سفینہ ایک بار پھر زبیر کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس نے نہ ماننے والے انداز میں سر ہلایا پر سفینہ کا لہجہ اٹل تھا۔

''کسی کی جان کو خطرہ نہیں ہوگا۔ آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ اطمینان سے بیٹھیں اور میری بات سنیں۔'' زبیر نے کندھا پکڑ کر صوفہ پہ بٹھانے کی کوشش کی۔ سفینہ بمشکل بیٹھی پر وہ بے چین تھی۔

''تمہیں سننی مجھے آپ کی کوئی بھی بات، آپ سمجھ کیوں نہیں رہے۔ مجھے آج اور ابھی فاطمہ کو اس شہر سے نکالنا ہے۔ کسی ایسی جگہ جہاں وہ ظالم لوگ بھی اس تک نہ پہنچ پائیں۔'' وہ تقریباً چیخی تھی۔ ایک ماں ایسا فیصلہ کرتے کس کرب سے گزرتی ہے یہ کون جان سکتا ہے۔ کسی اور کو تو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوسکتا پر وہ کسی صورت فاطمہ کو اس بھیڑیے کی بھینٹ چڑھنے نہیں دے سکتی تھی۔ اسے رات کی سیاہی میں یہ ذلت منظور تھی کہ بیٹی کو چوروں کی طرح ایک شریف انسان کے ساتھ رخصت کردے پر وہ کسی بھی طرح دن کے اجالے میں فاطمہ کی شادی عارف سے ہونے نہ دیتی۔

''ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا۔ وہ لوگ آپ میں سے کسی کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ شاید آپ کو میرے خاندان کی پہنچ کا اندازہ نہیں ایسے لوگوں کو نبٹنا خوب جانتا ہوں میں۔'' زبیر ہار مانتے ہوئے بولا ساتھ ہی پاس کھڑی پریشان فاطمہ کو دیکھا جس کی خشک آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرے پہ لکھا احساسِ اہانت چھپائے نہیں چھپتا تھا۔ زبیر کی نگاہ خود پہ محسوس کرتے بھی اس نے نظریں نہیں اٹھائیں۔ زبیر نے اگلے ہی پل توجہ سفینہ پہ مرکوز کی۔

''لیکن میں یہ نہیں چاہتی، آپ کا نام کسی صورت سامنے نہیں آنا چاہیے۔ آپ ویسے بھی ابھی گھر جا رہے ہیں۔ اسے ساتھ لے جائیں۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔'' سفینہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سفینہ کے لیے اس وقت کوئی بھی دوسری بات قابلِ قبول نہیں تھی۔ یہ بھی علم تھا گھر پر فاطمہ کو نہ پا کر شہباز کتنا واویلا کرے گا لیکن وہ اب اپنی بیٹی کے حوالے سے کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھی۔

''اور کل اس شہر میں آپ کی بیٹی کی گمشدگی کا اشتہار لگا ہوگا۔'' زبیر نے سمجھایا۔

''اپنے باپ کی لگائی آگ میں تمام عمر جلنے سے بہتر ہے یہ بدنامی اور پھر آپ ہی نے تو کہا دنیا کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔'' سفینہ کے پاس ہر توجیح کا بس ایک ہی جواب تھا۔

''آنٹی آپ......'' وہ زچ ہوا۔

''بحث مت کریں وقت بہت کم ہے۔ جتنی جلدی ہوسکے آپ دونوں کو یہاں سے نکلنا ہے۔'' سفینہ فیصلہ کرچکی تھی۔ نہ تو زبیر کا سمجھانا کام آیا نہ فاطمہ کی خاموش التجا۔ زبیر کو اس کی بات ماننے بنی کہ دوسری کوئی بات وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھی۔

''گو میں ایسا نہیں چاہتا پر آپ کی ضد اور خوف کے سامنے بے بس ہوگیا ہوں۔ آپ دونوں رکیں میں نکاح کا انتظام کرکے آتا ہوں۔'' زبیر نے ایک گہرا سانس لیا اور کمرے سے نکل گیا۔ پیچھے سفینہ ہاتھ ملتی بیٹھی رہی جبکہ فاطمہ کا دل چاہا کاش یہ زمین آج اسے زندہ نگل لے پر نہیں اس دنیا میں ہر انسان کی سب خواہشیں پوری نہیں ہوتیں۔ کچھ لوگوں کی زندگی ادھوری خواہشات کے پہاڑ تلے دبی حسرت و مایوسی میں گزر جاتی ہے۔

❁......❁......❁

تقریباً آدھے گھنٹے بعد زبیر اپنے ساتھ نکاح خواں اور چند دوست جو اسپتال کے ہی ڈاکٹر تھے انہیں ساتھ لے کر گھر میں داخل ہوا۔ ان تمام لوگوں کو وہ پہلے ہی ساری بات بتا کر اعتماد میں لے چکا تھا اور اس بات کی تسلی تھی یہ راز ان سب سے باہر نہیں نکلے گا جب تک زبیر نہ چاہے۔ سفینہ کی حالت ابتر تھی کہ زبیر کی بارہا تسلی بھی اس کو اطمینان نہیں دے رہی تھی اس وقت تک جب تک نکاح نہیں ہوگیا۔ ایجاب وقبول کے وقت فاطمہ لب کاٹے خاموش بیٹھی رہی۔ سفینہ کے ہاتھ کا دباؤ کاندھے پہ محسوس کیا تو اس نے بمشکل سر ہلایا اور اس کے ساتھ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جلد از جلد سب کو رخصت کرکے سفینہ کے زور دینے پہ زبیر اب فاطمہ کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

''آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی امی۔ ابا آپ کے ساتھ کیا سلوک کریں گے مجھے سوچ کر خوف آرہا ہے۔'' وہ اپنا اور فاطمہ کا سامان گاڑی میں رکھ چکا تھا۔ فاطمہ نے ماں کا ہاتھ تھامے درخواست کی۔ زبیر ان دونوں کی گفتگو میں مخل نہ

ہوا۔ وہ اس لمحہ کرب میں کچھ بھی کہنے کے قابل نہ تھا۔
''کچھ نہیں ہوگا مجھے، وہی روز کی مار پیٹ ہوگی۔ اب تو عادت ہوچکی ہے۔ میں خاموشی سے سہہ لوں گی۔'' سفینہ کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ ابھری۔
''پر یہ سب میری وجہ سے ہوگا۔'' فاطمہ کو ایک بار پھر اسی تاسف نے آگھیرا تھا۔
''نہیں...... یہ سب میری وجہ سے ہوگا۔ سالوں پہلے تھوڑی ہمت دکھادی ہوتی تو شاید آج چوروں کی طرح بیٹی بیاہنی نہ پڑتی۔ تم فکرمت کرو ایک بار یہاں سب سکون ہوجائے پھر میں اور ٹیپو جلد تم سے ملنے آئیں گے۔'' سفینہ نے اعتراف کیا پھر اگلے ہی پل اسے تسلی دی۔
''آپ پریشان نہ ہوں، فاطمہ کو بابا کے پاس چھوڑ کر میں صبح واپس آجاؤں گا۔'' زبیر بھی اب ان کی گفتگو میں شامل تھا۔
''پہلے ہی آپ کی مقروض ہوں یہی احسان تا قیامت رہے گا مجھ پر۔ میری پریشانی تو ختم ہوگئی۔ آپ کو بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں سب ٹھیک رہے گا۔'' سفینہ متشکر لہجے میں بولی۔ ''اب آپ دونوں کو نکلنا چاہیے۔'' اس سے پہلے کہ زبیر کوئی جواب دیتا سفینہ نے انہیں جانے کا کہا۔ وہ خود ایک ایک پل سانسوں پہ گن رہی تھی۔ پھر فاطمہ کا ماتھا چومتے اس نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور اس وقت تک وہاں کھڑی رہی جب تک گاڑی دھول اڑاتی اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی۔ بے جان قدموں سے چلتی وہ اب واپس گھر جارہی تھی۔

❁......✿......❁

لاہور میں ایک میڈیکل کانفرنس تھی اور ڈاکٹر انصاری مدعو تھے۔ ہاسپتال کی وجہ سے نور ساتھ نہ آسکیں کہ ان کے پاس چند اپائمنٹس تھیں پر فریحہ اچانک چلنے پہ تیار ہوگئی۔ پروگرام صبح سویرے اور اچانک بنا اور ایک دم گھر خالی ہوگیا۔ حسب معمول علینہ گھر پہ ملازموں کے ساتھ تنہا تھی۔ بیگ سے کتابیں نکالیں تو اپنی نوٹس کی فائل کا خیال آیا جو وہ گھر پہ ہی بھول آئی تھی۔ گھر کی چابی اس کے پاس تھی تو بنا کسی سے پوچھے اور بتائے بغیر وہ اپنی فائل لینے گھر کی طرف چل دی۔ ملازمہ نے اسے جاتا دیکھ کر ٹوکا پر اس کے سرد لہجے کی وجہ سے وہ کچھ کہہ نہیں پائی۔ دروازے پہ چوکیدار نے بھی اسے تشویش سے دیکھا اور پھر اس کے نکلتے ہی ملازمہ نے جھٹ نورانصاری کو کال کردی۔ انہوں نے سر پیٹتے پہلے تو ملازمہ اور چوکیدار کی کلاس لی پھر فوراً سے پہلے سمیر کو کال ملائی۔
''سمیر ایک پرابلم ہوگئی ہے۔'' وہ اس وقت ایک میٹنگ سے نکل رہا تھا جب نورانصاری کی کال اس نے اٹینڈ کی۔ پر ان کا متفکر لہجہ اسے ہلا گیا۔ اتفاق سے کشمالہ بھی ساتھ ہی تھی۔ سمیر کے چہرے پہ پریشانی کی لکیریں اسے بھی ڈسٹرب کررہی تھیں۔
''کیا ہوا ممی، فری اور ڈیڈ تو خیریت سے ہیں ناں؟'' اس کا دھیان فوراً ہی اپنے والد اور بہن کی طرف گیا تھا جو اس وقت سفر میں تھے۔
''ہاں اللہ کا شکر وہ خیریت سے ہیں ابھی میری بات ہوئی تھی ان سے پر وہ علینہ......'' نور عجلت میں ساری تفصیل بتائی۔
''اسے کیا ہوا؟'' (حالانکہ نفسیاتی دورے تو اسے پڑتے ہی رہتے ہیں خیر) وہ کچھ ریلیکس ہوا تھا۔
''وہ چلی گئی ہے۔''
''چلی گئی ہے؟'' (خس کم جہاں پاک) وہ متعجب تھا۔ دل میں جو بھی سوچا ماں سے تو بہرحال نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ وہ پریشان تھیں۔
''پر کہاں؟'' دل تو نہیں تھا کچھ پوچھنے کا پر مجبوری تھی۔
''اپنے گھر۔'' نور نے مزید بتایا۔
''ہاں تو اس میں اتنی ٹینشن والی کیا بات ہے۔ آجائے گی۔'' وہ اب قدرے ریلیکس تھا۔ اس کی بلا سے وہ کہیں بھی آئے جائے اسے کیا لینا دینا۔
''تم سمجھ نہیں رہے ہو۔ وہ ہماری ذمہ داری ہے خدانخواستہ کوئی مسئلہ ہوگیا تو میں شاکرہ آنٹی کو کیا جواب دوں گی۔'' نورانصاری نے مفصل بتایا۔
''آپ انہیں کیوں جواب دیں گی، وہ اپنی نواسی کے ڈرامہ سے اچھی طرح واقف ہیں۔''
''مجھے یہاں ایمرجنسی نہ ہوتی تو میں کبھی تمہاری منتیں نہ کرتی۔'' نور چڑ کر بولیں۔ ایک تو پریشانی اس پہ سمیر کا لاپروا انداز۔ انہیں شدید غصہ آرہا تھا۔ پریشانی ہی کچھ ایسی تھی اس پہ وہ بیوقوف لڑکی ان کی کال بھی ریسیو نہیں کررہی تھی۔
''اچھا اب غصہ تو نہ کریں۔ جاکر دیکھتا ہوں اس ڈرامہ

کوئین کو ویسے بس اب یہی کام رہ گیا ہے میرا۔ضلع انتظامیہ چھوڑ کر مس علینہ کو تلاش کرنا۔'' اسے اندازہ نہیں تھا وہ اتنی پریشان ہیں اور ایک دم ری ایکٹ کریں گی۔

''سب خیریت؟'' کال بند ہوئی تو کشمالہ نے سوال کیا۔

''پرفیکٹ۔'' سمیر اب نارمل تھا۔

''مسئلہ ہوا بھی تو تم کون سا شیئر کرلو گے۔'' کشمالہ نے جتایا۔سمیر نے جواب دینے کی بجائے فقط مسکرانے پہ اکتفا کیا۔

''میں آتا ہوں۔ابھی تم سنبھال لینا۔'' اسے ہدایت دیتا وہ فوراً ہی دفتر سے نکل گیا تھا۔بھلے دل سے نہ سہی پر ماں کی خاطر اس محترمہ کو ڈھونڈنا تھا۔

❁……❁……❁

رکشہ تو باہر سڑک سے ہی مل گیا تھا اس لیے جلدی گھر پہنچ گئی۔نانی کے بغیر گھر ویران لگ رہا تھا اس پہ چند روز سے صفائی بھی نہیں ہوئی تھی۔اسے تو وحشت ہونے لگی۔اچھا ہی تھا وہ یہاں نہیں رکی ورنہ اکیلے میں مرتی نہ تو پاگل ضرور ہوجاتی۔نوٹس والی فائل کمرے میں تھی۔ساتھ کچھ دوسرا ضروری سامان جو وہ اس وقت اپنے ڈپریشن میں چھوڑ گئی تھی اکٹھا کرتے وہ جلد ہی واپس پلٹ گئی۔دوپہر کا وقت اور گرمی کے دن ہوں تو سڑکیں بھی خالی ہی ہوتی ہیں۔اردگرد نگاہ دوڑائی اکثر تو چوک پہ رکشے کھڑے ہوتے تھے لیکن اس وقت وہاں کوئی سواری موجود نہ تھی۔یہاں کھڑے ہوکر سواری کا انتظار کرنے کی بجائے یہی مناسب سمجھا کہ چلتی رہے کہیں نہ کہیں آگے جاکر رکشہ مل جائے گا اور اگر نہ بھی ملا تو گھر کوئی بہت زیادہ دور نہیں تھا۔جانے کو تو پیدل بھی جاسکتی تھی۔تیز تیز قدم اٹھاتی وہ سڑک کے کنارے چلی جارہی تھی۔اسی وقت پاس سے ایک موٹر سائیکل زن سے گزری اور کچھ فاصلے پہ جاکر رکی۔موٹر سائیکل سوار پلٹا اور گھوم کر اس کے پاس آگیا۔وہ مونس تھا جسے دیکھ کر علینہ کے قدم تھم گئے۔ایک سنسنی تھی جو ریڑھ کی ہڈی میں لہر بن کر دوڑی۔

''کیا بات ہے جانم بڑی جلدی میں ہو۔'' مونس پوری بتیسی کھولے لچر انداز میں بولا۔موٹر سائیکل سے اتر کر وہ اب سینہ تانے اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔

''شٹ اپ۔راستہ چھوڑو میرا۔'' سڑک پہ نگاہ دوڑائی جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔خشک لبوں پہ زبان پھیرتے علینہ نے ہمت دکھائی اور ایک بار پھر مونس کے گال کا نشانہ لیا۔

''ارے…… ارے، کول ڈاؤن حسینہ۔ابھی وہ پرانا حساب کلیئر نہیں ہوا تم نیا کھاتہ کھولنا چاہتی ہو۔'' وہ پہلے ہی اس کی نیت بھانپ چکا تھا ایک دم اس کی کلائی تھام لی۔

''راستہ چھوڑو ورنہ میں……'' مونس نے اس کا ہاتھ اتنی مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا کہ وہ بلبلا رہی تھی۔

''ورنہ کیا؟'' اس کی کلائی مروڑتے وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔

''تمہاری نانی ہٹلر تو یہاں ہیں نہیں۔باپ تمہارا ویسے تمہیں نہیں پوچھتا' اسی لیے تو کسی کے بھی دروازے پہ پٹخ دیا تمہیں۔'' دانت پیستے اس نے تمسخر کیا۔

''مونس تم اپنی بکواس بند کرو ورنہ میں……'' اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرتے وہ غرائی پر مونس کو یہ موقع دوبارہ کب ملنا تھا۔وہ دو دن پہلے ہی واپس آیا تھا اور آتے ہی علینہ کی ٹوہ میں لگ گیا تھا مگر اسے کیا خبر تھی وہ خود پکے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آگرے گی۔

''ورنہ تم شور کرو گی' چلو کرو شور پھر ہاں' وہ جیسے فلموں میں کہتے ہیں ناں کتے کمینے میں تیرا خون پی جاؤں گی۔'' اس کی طرح اس کی حسِ مزاح بھی بیہودہ تھی۔

''چھوڑو میرا ہاتھ ذلیل انسان ورنہ میں شور مچا کر سب کو اکٹھا کرلوں گی۔'' علینہ چلائی۔سڑک پہ رکتی گاڑی کو ان دونوں نے ہی گردن گھما کر دیکھا اور اس میں سے نکلتے سمیر کو دیکھ کر علینہ کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' پاس آکر وہ سخت لہجے میں بولا۔

اس کا ڈرائیور بھی گاڑی سے نکل آیا تھا۔

''کچھ نہیں یار تم کیا کباب میں ہڈی بن رہے ہو یہ ہمارا پرسنل معاملہ ہے۔'' مونس لاپروائی سے کہتے ایک بار پھر علینہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''چلو کھسکو۔'' یہ سمیر کی برداشت کی حد تھی۔

''پرسنل معاملہ ہے؟'' علینہ کا بازو اس کے ہاتھ سے چھڑاتے وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

''کون ہے یہ علینہ؟'' علینہ اس کی گرفت سے نجات پاکر تیزی سے سمیر کی اوٹ میں چھپ گئی تھی۔

"میرے کالج میں پڑھتا ہے مجھ سے بدتمیزی......"
آنسوؤں کا پھندا اب اس کے گلے میں اٹک گیا تھا۔ مونس کی بدتمیزی ہی کیا کم خوف زدہ کررہی تھی اور اب سمیر کے سامنے یہ بکی۔

"ارے واہ یار تم تو واقعی ہیرو نکلے۔ ون ان ہینڈ ون ان بش۔ اس دن وہ آج یہ کیا بات ہے باس۔" مونس نے قہقہہ لگاتے بائیں آنکھ دبائی۔

"اب اگر بکواس کی نا تو منہ توڑ دوں گا تمہارا۔" سمیر نے مونس کی گردن کا نچلا حصہ اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

"تم گاڑی میں جا کر بیٹھو۔" وہ اب علینہ کی طرف متوجہ تھا جو خوف زدہ و پشیمان اس کا حکم ملتے ہی بھاگ کر گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ جا بیٹھی۔

"اور تم بڑی اوور ایکٹنگ کرنی آتی ہے تمہیں' لگتا ہے انڈین فلمیں بہت دیکھتے ہو۔ چلو آج تمہاری طبیعت صاف کرتا ہوں۔" اس کا کالر پکڑے سمیر نے ایک ساتھ دو تھپڑ اس کے منہ پہ مارے۔ دھان پان سا مونس ہل کر رہ گیا۔ اب بھی اس کی قمیص کا کالر سمیر کی گرفت میں تھا۔

"کالر چھوڑو میرا' تم جانتے نہیں میں کس کا بیٹا ہوں۔" انصاری فیملی کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا اور سمیر کو تو وہ سرے سے جانتا ہی نہیں تھا سوائے اس ایک ملاقات کے جو اتفاقیہ ریسٹورنٹ کے باہر ہوئی تھی۔ اس وقت بھی سمیر کو اس لڑکے کا لہجہ ہی زہر لگا تھا اور آج بھی وہ اسی پنگ میں تھا لیکن سمیر کو روکنے والی کشمالہ نہیں تھی۔ دوسرے جس حالت میں اس نے علینہ کو دیکھا تھا اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

"جانتے تو تم مجھے نہیں لیکن اب جان جاؤ گے بیٹا اور جب جان لو گے تو ہمیں اپنا باپ مانو گے۔" سر سے دھول ہٹاتے سمیر نے پاس کھڑے ڈرائیور کی طرف مونس کو دھکیلا۔

"اسے ایس ایچ او صاحب کے پاس لے جاؤ' کہنا میں نے گفٹ بھیجا ہے۔" وہ خود اب گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ رہا تھا۔ ڈرائیور اونچے لمبے قد کا مضبوط آدمی تھا۔ مونس کو خوب قابو کیا۔ وہ بہتیرا چیخا چلایا مگر وہ اسے گھسیٹتا قریبی تھانے لے گیا۔

❁......❁......❁

گاڑی کا رخ زینب وقار اسپتال کی طرف تھا۔ سمیر کا چہرہ غصے سے سرخ ہورہا تھا۔ سیاہ قمیص کی آستینیں کہنیوں تک چڑھائے وہ لب بھینچے گاڑی چلا رہا تھا جبکہ علینہ سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔

"دل تو کررہا ہے جتنی اسے کان کے نیچے ماری ہیں اتنی تمہیں بھی لگاؤں۔" اسے رہ رہ کر اس لڑکی پہ غصہ آرہا تھا جو جب سے ان کی زندگی میں آئی تھی ٹینشن بنی ہوئی تھی۔

"سمجھتی کیا ہو تم خود کو ایک پرابلم ختم ہوتی نہیں تمہارا دوسرا ایشو شروع ہوجاتا ہے۔ جان عذاب بنا کر رکھی ہوئی ہے ہماری۔" دانت پیستے وہ قدرے اونچی آواز میں بولا تو علینہ دہل گئی۔ بس ایک بار ہی سر اٹھا کر اس نے سمیر کو دیکھا۔ آنسوؤں سے تر چہرہ اور اڑی ہوئی رنگت صاف بتا رہی تھی وہ اس پل کتنی خوف زدہ ہے۔

"جانتی ہو اگر میں وقت پہ نہ پہنچتا تو تمہیں کتنی پریشانی اٹھانی پڑتی اور جوابدہ ہوتے ہم۔" سمیر کچھ دھیما ہوا تھا۔ علینہ کچھ نہیں بولی لیکن اس بار وہ واقعی شرمندہ ہوئی تھی۔

❁......❁......❁

اوہ میرے اللہ...... علینہ بیٹا آپ مجھے بغیر بتائے چلی گئیں۔ کس قدر پریشانی ہورہی تھی مجھے۔" سمیر کے ساتھ علینہ کو دیکھ کر نور انصاری کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی تھی۔ دل ہی دل میں کلمہ شکر کہتے وہ آگے بڑھیں۔

"یہ اتنا رو کیوں رہی ہے؟" علینہ یک دم ان سے لپٹ گئی اور مزید زور زور سے رونے لگی۔

"کچھ نہیں بس راستے میں تھوڑا سا ڈانٹ دیا کہ آئندہ ایسی فضول حرکت مت کرے۔" نور انصاری کے استفسار پہ سمیر نے توجیح دی۔

"سمیر۔" وہ ناراضی سے بولیں۔

"کچھ نہیں ہوا اسے تھوڑا گلوکوز وغیرہ پلائیں کہیں پھر نہ بے ہوش ہوجائے اور الزام لگانے کے لیے تو خادم ہے ناں۔" دو انگلیوں کا اشارہ اپنی طرف کرتے وہ تیز لہجے میں بولا۔

"چپ ہوجاؤ میری جان، اس کی طرف سے میں معذرت کرتی ہوں۔" اسے نظر انداز کیے نور انصاری بس علینہ کی طرف متوجہ تھیں۔ وہ اب بھی ان کے سینے سے لگی سسک رہی تھی۔ اس کے بال سہلاتے وہ پچکارنے لگیں۔ ان دونوں کو ایک دوسرے میں مشغول دیکھ کر سمیر دروازے کی

طرف بڑھا۔

''آپ سنبھالیں انہیں، میں اب چلتا ہوں۔'' نور نے سر اٹھا کر سوال کیا۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟''

''ماما گورنمنٹ مجھے کام کرنے کے پیسے دیتی ہے، سڑکوں پہ آپ کی مہمان کو ڈھونڈنے کے نہیں۔'' طنزیہ کہتے اس نے ایک نگاہ علینہ پہ ڈالی۔ ''چلتا ہوں۔'' نور انصاری نے سر جھٹکا۔ وہ متانت سے چلتا باہر نکل گیا۔

⁂

وہ مایوں بیٹھی نہ ہتھیلی پہ مہندی رچائی، سہیلیوں نے گیت گائے نہ اس کی بارات آئی۔ کیسی رخصتی تھی جو رات کے اندھیرے میں چوروں کی طرح چھپ کر ہوئی جس کے لیے نہ بیاہنے والا دل سے راضی تھا نہ بیاہ کر جانے والی، پھر بھی بس ایک انسان کی ضد کے سامنے مجبور ہو کر گھٹنے ٹیکنے پڑے تھے۔ باپ کی خباثت کا خوف اپنی جگہ پر وہ اس طرح زبیر پر بوجھ بن کر اس کی زندگی پہ مسلط ہونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ایک اچھا انسان تھا یہ وہ پچھلے ڈیڑھ سال سے جانتی تھی مگر اس کی اچھائی کی اتنی بڑی قیمت وصول کرنا سراسر زیادتی تھی۔ مخمل میں ٹاٹ کے پیوند ہمیشہ معیوب لگتے ہیں۔ جوتی پاؤں میں اور ہیرے تاج میں سجائے جاتے ہیں' جگہ بدل دینے سے اوقات نہیں بدلتی ہاں دنیا کی نگاہ میں ضرور کھٹکنے لگتے ہیں۔ پچھلے دو گھنٹے سے وہ اس کی ہمسفر تھی پر نہیں جانتی تھی منزل کیا ہے کیونکہ دونوں کے درمیان ایک بھی لفظ کا تبادلہ نہ ہوا تھا۔ کبھی آنے والے وقت کا سوچ کر دل کانپتا تو کبھی پیچھے ماں اور بھائی کا سوچ کر دل ڈوبنے لگتا تھا۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ ایک ایک سانس اس وقت بوجھل ہو رہی تھی۔ اب تک اتنا رو چکی تھی کہ سر میں شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں لیکن ان آنکھوں کی برسات تھمنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔

''بھوک لگی ہے؟'' اس خاموشی کو زبیر کی گمبھیر آواز نے توڑا تھا۔ فاطمہ نے نگاہ اٹھائے بغیر جھکی گردن کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

''پیاس؟'' سوال پھر کیا گیا۔ جواب اس بار بھی وہی تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا۔

''رونا کسی مسئلے کا حل نہیں فاطمہ۔'' زبیر نے یک دم اس کی گود میں دھرا ہاتھ تھام لیا جو برف سا سرد ہو رہا تھا۔ وہ چونکی۔ محتاط سا وہ سامنے دیکھتا ڈرائیو کر رہا تھا مگر دھیان اسی کی طرف تھا۔

''مجھے امی کے متعلق سوچ سوچ کر خوف آ رہا ہے پتا نہیں ابا ان کے ساتھ کیسا سلوک کریں۔'' نہ اس نے ہاتھ چھوڑا نہ فاطمہ نے ہاتھ چھڑایا۔

''پریشان مت ہو بس دعا کرو۔ میں صبح جا کر انہیں بھی سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ لے آؤں گا۔'' زبیر نے تسلی دی۔

''پکا؟'' فاطمہ نے تصدیق چاہی۔

''بالکل پکا' چلو اب ریلیکس ہو جاؤ۔'' اس کا ہاتھ تھپکتے زبیر نے دھیمے لہجے میں تسلی دی۔ پریشانی اپنی جگہ، بے چینی بھی تھی لیکن زبیر کی بات نے اسے اطمینان دلا دیا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے رونا بند کر دیا تھا۔

⁂

ڈاکٹر انصاری کا ایک روزہ ٹور فریحہ کی بدولت دو دن میں بدل گیا تھا۔ ان دونوں کو لاہور سے نکلتے دیر ہوگئی تو فریحہ کے ساتھ رات کا سفر مناسب نہ سمجھتے ہوئے وہ لوگ وہیں رک گئے تھے۔ گھر میں اب بس سمیر، نور اور علینہ تھے۔

''گھر کتنا خالی خالی لگ رہا ہے ناں فری کے بغیر؟'' ڈنر ٹیبل پہ ان کی کمی کو محسوس کرتے نور انصاری بولیں۔ یہ کمی تو اب علینہ کو بھی محسوس ہو رہی تھی۔ فریحہ کے ساتھ اس کی بہت دوستی نہ سہی مگر وہ اس سے کھل کر بات چیت کر لیتی تھی۔

''یہ یقیناً اسی کی پلاننگ ہوگی رات رکنا ورنہ ڈیڈ تو رات میں بھی واپس آ جاتے۔'' سمیر نے لقمہ توڑتے ہوئے کہا۔

''اسے شاپنگ کرنی تھی۔ اسی لیے ٹائم زیادہ ہو گیا۔'' نور بولیں۔ علینہ سر جھکائے کھانا زہر مار کرتی ان دونوں کی گفتگو خاموشی سے سن رہی تھی اور اس وقت کا انتظار کر رہی تھی جب سمیر نور کو مونس کے متعلق بتائے گا یا پھر اس سے مونس کے بارے میں کوئی بات پوچھے گا۔ دل ہی دل میں شرمندہ وہ وہاں زبردستی بیٹھی تھی۔

''مجھے پہلے ہی پتا تھا۔ ذرا جو یہ ممی آپ پہ گئی ہو۔ مجال ہے جو طبیعت میں تحمل و بردباری ہو۔'' سمیر کی بات سن کر نور انصاری کے لبوں پہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ سب کو ہی کپڑوں جوتوں کا شوق ہوتا ہے اگر اسے بھی ہے تو اس میں نیا کیا ہے۔''

سمیر کی پلیٹ میں سالن ڈالتے انہوں نے بیٹی کا دفاع کیا۔
(پتا نہیں یہ ہٹلر تو ہر کسی میں نقص ہی نکالتا رہتا ہے)
علینہ کو ان کا فریحہ کی سائیڈ لینا بہت اچھا لگا تھا۔ سمیر کا فون بجا تو اس نے معذرت کرتے کال ریسیو کی۔

''ایکسکیوزمی۔''

''جی طاہر صاحب۔'' کمرے میں اب فقط سمیر کی آواز گونج رہی تھی۔

''سر آپ مصروف تو نہیں تھے؟'' دوسری طرف مؤدبانہ انداز میں پوچھا گیا۔

''نہیں مصروف نہیں تھا۔ آپ بتائیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''سر جی اس لڑکے کا کرنا کیا ہے؟'' سمیر ہنسا۔ یہ علاقے کا ایس ایچ او تھا جس کے پاس دوپہر کو سمیر نے مونس کو بھجوایا تھا۔ بعد میں تو اسے فرصت ہی نہ ملی کہ کوئی بات کرتا پر ظاہر ہے ڈی سی صاحب نے بھیجا تھا تو ایس ایچ او یونہی اسے جانے تو نہیں دے سکتا تھا ناں۔

''اچھا اس کا' وہ تحفہ بھیجا تھا آپ کو جو دل چاہے کریں بس اتنا خیال رہے ایک ہفتے سے پہلے باہر نہیں آنا چاہیے۔'' ہلکے پھلکے انداز میں حکم دیا تھا۔ علینہ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ گفتگو کا رخ جس طرف جا رہا تھا اتنا تو وہ سمجھ چکی تھی کہ یہ مونس کے متعلق بات ہو رہی ہے۔

''آپ نے کہہ دیا تو نہیں آئے گا سر۔ ویسے اوکھا بڑا ہو رہا تھا۔ اپنے باپ کی دھونس دے رہا تھا پھر ہم نے بھی دو ہاتھ جڑ دیے۔'' ایس ایچ او طاہر نے جواب دیا۔

''نہیں نہیں ہاتھ نہیں چلانا' بس مہمان بنا کر رکھنا ہے اور خاطر داری کرنی ہے۔ اس کا جو فلمی پن ہے ناں وہ نکال دیں۔'' علینہ جانتی تھی اس کال کے اختتام پہ اب موضوع گفتگو وہ بننے والی ہے۔ اس کی سانس بند ہو رہی تھی۔

''ٹھیک ہے سر پھر دیکھ لیں گے اسے بھی اور اس کے باپ کو بھی۔'' طاہر شاہ ضرورت سے زیادہ میٹھا ہو رہا تھا آخر نئے ضلع کمشنر کا آرڈر تھا اور یہ گولڈن چانس تھا اس کی گڈ بکس میں آنے کا۔

''بہت شکریہ۔'' سمیر کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

''شکریہ کیسا سر جی آپ نے پہلی بار کوئی کام کہا ہے۔ ہم آپ کے خادم بس دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔'' اختتامی کلمات کے بعد کال ڈسکنیکٹ کردی گئی تھی۔ وہ پھر کھانے میں مشغول ہوگیا۔

''خیریت...... کس کے متعلق بات ہو رہی تھی؟'' نور انصاری کے استفسار پہ علینہ کو اچھو لگا۔

''کوئی نہیں' ایک قاصد چوری کرتے پکڑا گیا تھا مان ہی نہیں رہا تھا۔ اسے تھانے بھجوایا تو اسی کے متعلق بات کر رہا تھا۔'' سمیر نے نظر اٹھا کر دیکھا وہ پانی کا گلاس منہ سے لگائے بیٹھی اسے دیکھنے سے اجتناب برت رہی تھی۔ اسے یقین تھا سمیر اب ایک بار پھر نور انصاری کے سامنے اس کی کلاس لے گا مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے بے جھجک بڑے اعتماد سے جھوٹ بولا۔ نور انصاری بھی مطمئن ہو کر کھانے کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ باتوں کا رخ بدل گیا۔

''کافی پلوائیں میں کمرے میں ہوں۔'' کھانا ختم کر کے وہ ماں سے فرمائش کرتا کمرے کی طرف چلا گیا۔

''بھجواتی ہوں مگر کام کے چکر میں زیادہ دیر جاگتے مت رہنا۔'' انہوں نے تاکید کی۔

❁......❁......❁

رات دیر تک جاگنا اس کا معمول تھا۔ آج کل تو ویسے بھی شروعات تھی اور ایک اہم ترین پوسٹ یہ اس کا پہلا تجربہ تو مصروفیت بھی اپنی جگہ تھی۔ بطور نگران تینوں تحصیلوں کے

> تیرے لئے میرے دل کی یہ دعا ہے
> کہ خدا کرے
> تیری زیست کا لمحہ
> ہر پل گلاب ہو جائے
> شاداب ہو جائے
> تیری روح کی تشنگی سیراب ہو جائے
> تیری ذات کا محور
> کوئی مہتاب ہو جائے
> جن پر برستی ہیں
> خدا کی خاص رحمتیں
> ان چند ہستیوں میں
> تیرا شمار ہو جائے
>
> جویریہ ضیاء......کراچی کی پسند

معاملات دیکھنا اتنا بھی آسان نہ تھا وہ بھی ان حالات میں جب نیچے سے اوپر تک ہر شخص کرپشن میں ملوث ہو۔ جہاں افسر مرغی کھاتا ہے تو ماتحت انڈے پہ ہاتھ صاف کرتا ہے۔ کشمالہ کی بدولت اس شہر میں کئی ترقیاتی کام ہوئے پر اس کی نسبت دوسرے علاقوں میں وہ معیار سامنے نہیں آیا تو یقیناً اس کی ٹیم میں جھول تھا۔ بہرحال حالات جیسے بھی تھے انہیں اپنے موافق بنانا تھا۔ کمپیوٹر پہ کام کرتے ہوئے وقت کا احساس ہی نہ ہوا اور جب گھڑی پہ نظر گئی تو دو بج چکے تھے۔ ذہن بوجھل ہو رہا تھا لیکن اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ لیپ ٹاپ بند کرکے وہ یونہی کمرے کی کھڑکی پہ جا کھڑا ہوا۔ پردہ ہٹایا تو باہر پورچ اور لان کا کچھ حصہ دکھائی دیا۔ آسمان پہ تاروں کی جگمگاہٹ توجہ بٹور رہی تھی۔ آج کا دن جس ہیجان کی نظر ہوا تو دھیان اس پل اسی ایک بات پہ جا ٹھہرا۔ اچانک کوئی سفید شے نگاہ سے ٹکرائی تو مارے تجسس وہ اپنی سوچ سے نکل کر اس کا سراغ لگانے لگا۔ ذرا گھوم کر دیکھا تو لان میں ربڑ پلانٹ کے درخت تلے علینہ کھڑی تھی۔ یہ اسی کا سفید دوپٹہ تھا جس کا کونا سمیر نے دیکھا۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ لان میں چلا آیا۔

علینہ سینے پہ ہاتھ باندھے ایک ٹک آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ ذہن میں سوچوں کا سیلاب تھا۔ آج جو کچھ مونس کرنے کا ارادہ رکھتا تھا وہ اگر ہو جاتا' بس یہی سوچ کر جان نکل رہی تھی۔ اسے کہاں اندازہ تھا کہ وہ منحوس انسان ایسے کھلے عام اس کے ساتھ بدتمیزی کرے گا اور اگر سمیر وقت پر نہ آتا تو کیا ہوتا اور اگر چار لوگ وہاں اکٹھے ہو جاتے تو کیا ہی بے عزتی جھیلنا پڑتی۔ خوف سے جھرجھری لیتی وہ پلٹی تو پیچھے سمیر کو کھڑا پایا۔ وہ چونکنے کے ساتھ کچھ محتاط ہوگئی۔ نگاہیں اپنے جوتوں پہ ٹکی تھیں کہ سمیر کی طرف دیکھنے سے بھی اجتناب کیا تھا۔

''تمہیں اس لڑکے کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کی طبیعت صاف ہو رہی ہے اب تمہیں دور سے دیکھ کر راستہ بدل لے گا۔'' اسے شدید حیرت ہوئی تو کیا یہ شخص اس پل اس کا ذہن پڑھ رہا تھا۔ کیا یہ کوئی ٹیلی پیتھی جانتا ہے کہ جو خوف و پریشانی بھرے سوالات علینہ کے دماغ میں چل رہے تھے ان کا جواب دینے چلا آیا۔

''کیا وہ لوگ اسے بہت ماریں گے؟'' کیا ہی واہیات سوال تھا۔ کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ اسے ضرور ماریں اور بہت سا ماریں لیکن ہائے رے اس لڑکی کی عقل۔ ابھی جس کے متعلق سوچ کر جان پہ بنی جارہی تھی اب اس کی پٹائی کی بھی فکر تھی۔

''اونہوں' میں تشدد کے سخت خلاف ہوں۔ بس کچھ دن لاکر میں رہے گا۔ وہاں کا ماحول ہی بہت ہوتا ہے ایسے بیوقوفوں کو سبق سکھانے کے لیے۔'' سمیر نے نفی میں سر ہلایا۔

''لیکن اس کے گھر والے تو واویلا مچادیں گے خاص طور پر اس کی امی۔'' علینہ کے اگلے سوال پہ سمیر متعجب ہوا۔ وہ ضرورت سے زیادہ اپنا کنسرن دکھا رہی تھی۔

''تم کہہ رہی تھی یہ تمہارا کلاس فیلو ہے تو پہلے بھی تمہیں تنگ کرتا تھا یا......'' اسے اچانک خیال آیا۔

''یہ ہمیشہ سے مجھے تنگ کرتا ہے۔ جملے کستا تھا' بیہودہ مذاق کرتا تھا اور اس دن......'' علینہ روہانسی ہوگئی۔

''اس دن......؟'' ابرو اچکائے سوال کیا گیا۔ علینہ نے تفصیلاً بتانا شروع کیا۔

''کالج کا لاسٹ ڈے تھا جب اس نے میرا راستہ روکا سب کے سامنے تو میں نے اس کو تھپڑ مار دیا۔'' سمیر کی ہنسی چھوٹ گئی۔ علینہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تم نے اسے تھپڑ مارا؟ آہاں......امپریسیو۔'' سمیر نے داد دی جو اسے ہرگز داد محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ خود جانتی تھی وہ کتنی بڑی غلطی کر چکی ہے پھر یہ اتنا احمق کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسی باتوں کو سراہے۔

''اب وہ اسی بات کا بدلہ لینے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔'' علینہ نے مزید بتایا۔

''خاصی عقل مند ہیں آپ تو۔ ایک لڑکا کالج میں تمہیں پریشان کر رہا ہے لیکن کالج انتظامیہ یا اپنے گھر والوں کو اس کی شکایت کرنے کے بجائے سیدھا اسے طمانچہ مار دیا۔'' وہ ہرگز احمق نہیں تھا۔ اس کے طنزیہ انداز پہ علینہ خاموش ہوگئی۔

''گھر میں کیوں نہیں بتایا؟'' اس نے مزید پوچھا۔

''میں نانی کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' علینہ نے لب کاٹے۔

''تو اپنے والد سے کہہ دیتی وہ کوئی ایکشن لیتے۔''

''میں انہیں اپنے کسی مسئلے میں انوالو نہیں کرنا چاہتی ویسے بھی مونس کے معاملے میں وہ شاید کچھ نہ کرسکیں۔'' وہ تلخ ہوئی۔

"کوئی خاص وجہ۔" سمیر پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"وہ ان کی دوسری بیوی کا بیٹا ہے۔" یہ انکشاف تھا۔ اتنا قریبی تعلق اور یہ غنڈہ گردی سب کی ناک کے نیچے یعنی اچھا خاصہ سچویشن کو ایکسپلائٹ کیا جارہا تھا۔

"تو کیا ان کے گھر میں رہتا ہے؟" ایک اور سوال۔

"شاید نہیں...... شاید ہاں۔ میرا مطلب میں نہیں جانتی۔" اب اس سے آگے وہ کیا پوچھتا سو ماحول پہ خاموشی طاری ہوگئی۔

"آپ نے آنٹی کو کچھ نہیں بتایا؟" اور یہ پہلی بار تھا کہ علینہ نے خود سے سمیر کو مخاطب کیا تھا۔

"مجھے لگا اس کی ضرورت نہیں' اس لیے انہیں نہیں بتایا اور تم بھی ان سے ذکر مت کرنا، خوامخواہ پریشان ہو جائیں گی وہ۔" سمیر کا لہجہ عام سا تھا۔ علینہ کو اس پل شدید خفت نے آگھیرا۔ وہ متشکر ہوئی لیکن آنکھیں بے اختیار چھلک پڑیں۔

"سوری میں اوورری ایکٹ کر گیا تھا۔"

"مجھے غصہ تھا بعد میں احساس ہوا کہ تمہیں کچھ زیادہ ہی باتیں سنادیں۔" اسے خود بھی احساس تھا وہ علینہ کو کافی سخت کہہ چکا ہے پر وہ موقع ہی کچھ ایسا تھا اور اگر وہ لیٹ ہو جاتا، وہاں نہ پہنچتا تو بات کتنی بڑھ سکتی تھی۔

"جنہیں اپنے اٹھا کر دوسروں کے در پہ پٹخ دیتے ہیں انہیں سب کی باتیں سننے کی عادت بھی ہونی چاہیے۔" انگلی کی پور سے آنکھ کا کونہ صاف کرتے وہ بھیگے لہجے میں بولی اور سمیر کی ساری ہمدردی ہوا میں تحلیل ہوگئی۔

(آہ...... ڈرامہ کوئین) اس کے اندر کسی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر احتجاج کیا تھا۔ وہ پلٹنے لگا پر علینہ اب بھی اپنی جگہ جامد و ساکت تھی۔

"میرے خیال میں اب تمہیں اپنے کمرے میں جا کر سو جانا چاہیے کیونکہ آدھی رات کو لان میں کھڑے ہو کر تو مسئلہ کشمیر حل نہیں ہوسکتا یہ معاملہ تو چھ دہائیوں سے پینڈنگ ہے۔" وہ انتہائی سنجیدہ تھا اور علینہ کا ذہن اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھا جو اس کا طنز سمجھ پاتی۔

"جی......!" وہ چونکی۔

"بچپن میں ممی بتاتی تھیں رات کو درختوں کے نیچے بھوت بسیرا کرتے ہیں۔ اور سنا ہے لڑکیوں پہ تو عاشق بھی ہو جاتے ہیں تو تم ان پیڑ پودوں سے کانفرنس کھبج کر لینا۔"

سمیر کا یہ حربہ کارگر رہا اور علینہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔ کوئی جواب دیئے بغیر وہ تیز قدموں سے چلتی گھر کے اندر چلی گئی۔

"یار یہ کیا چیز ہے قسم سے دماغ کی چولیں ہلادیں اس نے۔" سرگوشی کے انداز میں کہتا وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر چلا آیا۔

❁......❁......❁

آسیہ کی باتوں سے ہونے والے انکشاف نے شاکرہ کو مار ہی ڈالا تھا۔ شرم حیا کو بالائے طاق رکھ کر کوئی یوں بھی اپنی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ کہاں گئی تعلیم اور وہ مہذب پن جو انہیں دنیا کی نگاہوں میں معتبر بناتے ہیں جب اندر جاہلیت بھری ہو۔ وہ شدید غصے میں تھیں حالانکہ آسیہ نے بہت سمجھایا کہ جب ہر بات کنٹرول میں ہے تو پھر غصہ کس بات کا اور باقی ان دونوں میاں بیوی کی آپسی رنجش ہے وہ خود حل کرلیں گے لیکن شاکرہ کے دل کو اطمینان نہیں ہو رہا تھا۔ وہ عامر سے کسی نا کسی طرح بات کرنا چاہتی تھیں۔ اسے احساس دلانا چاہتی تھیں کہ اس سے غلطی نہیں گناہ ہوا ہے۔ اتفاق سے یہ موقع انہیں آج مل گیا تھا۔ آسیہ کو تو وہ مکمل بیڈ ریسٹ کروارہی تھیں اور ایسے میں گھر اور بچوں کی ساری ذمہ داری انہی کی تھی۔ اب بھی وہ کچن میں تھیں جب عامر دوپہر کے کھانے کے لیے آیا۔

"قرآن کہتا ہے جو کوئی نیک کام کرتا ہے تو اپنے سر پر اور برائی کرتا ہے تو اپنے سر پر۔" میز پہ کھانا رکھ کر وہ پاس ہی بیٹھ گئیں اور بلاتمہید بات کا آغاز کیا۔

"جی بالکل ایسا ہی ہے۔" کھانا کھاتے عامر نے سر اٹھایا اور پھر کھانے میں مشغول ہوگیا۔ ظاہر ہے وہ نہیں سمجھا تھا۔

"ہے تو ایسا ہی پر لوگ اس بات کو سمجھتے کہاں ہیں۔" شاکرہ نے برا سا منہ منایا۔ عامر خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔

"احسان جتانے سے باز نہیں آتے حالانکہ اس کا ثمر تو اللہ کے ہاں سے ملے گا پر جو ظلم کرتے ہیں اس کے عذاب سے خوف نہیں کھاتے۔" وہ مزید بولیں اور اس بار وہ چونکا۔

"جی...... ایسا ہی ہے۔" دھیمے لہجے میں کہتے اس نے سر نہیں اٹھایا۔

"رات کے اندھیرے میں کیے گناہ بھی چھپتے نہیں۔ اللہ سے خوف کھانا چاہیے بس۔ اس نے پردے ڈالے ہوں تو

مطلب یہ نہیں کہ کھلی چھوٹ دے رکھی ہے بس رسی ہی دراز کی ہوئی ہے۔'' شاکرہ تو جیسے آج سارا حساب بے باک کرنے کے موڈ میں تھیں پر عامر کا صبر جواب دے گیا تھا۔
''کس کی بات کر رہی ہیں امی۔'' وہ بالآخر پوچھ ہی بیٹھا۔
''دنیا کی ہی بات کر رہی ہوں بیٹا۔ اپنی اور تمہاری۔'' آخری لفظ پہ زور دیتے وہ مسکرائیں۔
''علینہ کی شادی کرنے کا سوچ رہی ہوں میں۔'' ان تمام باتوں کے بعد علینہ کا تذکرہ عامر کے لیے واضح اشارہ تھا۔
''بہت بھٹک لیا اس معصوم نے دردر پہ۔ اب بس اپنے گھر کی ہو۔ بہت سہہ لیں اس نے دنیا کی بری نظریں۔'' شاکرہ نے جتاتے ہوئے کہا۔
''اچھی بات ہے۔'' عامر نے جلدی جلدی نوالے حلق میں اتارے۔ انتہائی سرد لہجے میں کہتا وہ فوراً ہی اپنے کمرے میں چلا گیا۔ آسیہ بستر پہ لیٹی تھی۔ اسے کمرے میں آتے دیکھا تو سنبھل کر بیٹھ گئی۔
''یہ کیا بول رہی ہیں تمہاری امی۔'' اس کا موڈ شدید خراب تھا۔
''کیا ہوا، کچھ کہا انہوں نے آپ سے۔'' آسیہ کا کلیجہ اچھل کر حلق میں آگیا۔
''پتا نہیں کیا احسان اور گناہ، ثواب گنوا رہی ہیں۔ یقیناً تم نے ہی کچھ ان کے کان میں ڈالا ہوگا یا پھر تمہاری اس چہیتی نے۔'' وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا تو آسیہ کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔ آخر اسے ضرورت ہی کیا تھی علینہ کے دفاع میں یہ سب کچھ ماں سے کہنے کی۔
''میں بات کرتی ہوں ان سے۔'' اس نے نظریں چرائیں۔
''میں نے کہا بھی تھا یہ سب حادثہ تھا لیکن تمہیں شوہر کی بات پہ یقین نہیں۔ اب تو خوش ہوگی نا میری رسوائی کر کے۔'' عامر کچھ دھیما پڑا اور اس کے پاس بیڈ پہ بیٹھتے شکوہ کیا۔
''میرا خیال ہے اس موضوع پہ خاصی بحث ہو چکی۔'' اس نے تبصرہ کرنے سے گریز کیا جیسے وہ اس موضوع پر اب کوئی بات کرنا ہی نہ چاہتی تھی۔
''اس کا مطلب تمہیں آج بھی مجھ پہ یقین نہیں آیا۔ کتنی

یقینِ کامل

رات کے پچھلے پہر
سجدے میں گر کر میں نے
جب ربِّ عظیم سے تجھے مانگا
اُسی لمحے میرے اندر
ایک سکون سا اتر آیا ہے
اور
اس کے بعد کا ہر گزرتا لمحہ
مجھے یقین دلاتا ہے کہ
تُو میرا ہے تُو میرا ہے
کرن وفا کی پسند......کراچی سے

تمہیں ہم پیار کرتے ہیں
سنو جاناں
بہت ہی بے سکونی ہے ہماری ذات میں
بہت مصروف رہنا پڑ رہا ہے
بہت سے کام ہیں
جو اپنے ذمے لے رکھے ہیں
مگر انہی سارے جھمیلوں میں
تمہاری یاد کا وہ ایک جگنو اب بھی
چمکے تو......!
یہ آنکھیں بھیگ جاتی ہیں......!!
سدرہ شاہین......پیرووال کی پسند

بار کہوں میں علینہ کو اپنی بیٹی سمجھتا تھا۔'' وہ زچ ہو کر بولا۔
''سمجھنے میں اور ہونے میں فرق ہوتا ہے۔'' آسیہ کی بات اسے شرمندہ کرنے کے لیے کافی تھی۔
''ایک غلطی کو گناہ بنا دیا ہے تم نے۔'' وہ تلملایا۔
''گناہ چھوڑ دیتے تو میں غلطی بھی بھول جاتی۔'' وہ آسیہ کا اشارہ سمجھ چکا تھا۔
''آسیہ وہ سب شوق ہے میری عادت نہیں، تم کہتی تو چھوڑ دیتا۔'' آواز اس بار کچھ اور دھیمی ہوئی۔
''تو کیا میرے کہنے سے چھوڑتے۔ اللہ کے لیے

نہیں؟" یہ وہ سوال تھا جس کے جواب میں فقط ندامت تھی۔ انسان اگر حرام وحلال کی حکمت پہ غور کرے تو احساس ہو کہ اس میں کتنے وسیع مقاصد پوشیدہ ہیں۔ بظاہر یہ سب آپ کو پابندیاں دکھائیں دیتی ہیں لیکن کیسے یہ انسان کی زندگی سے سکون کھا جاتی ہیں۔ کس طرح معاشرے میں ہتک ورسوائی کا سبب بنتی ہیں۔ حرام کا دامن تھام لیں تو رشتے چھوٹ جاتے ہیں پر انسان ایسا غافل کہ اپنے لیے شر کو پسند کرتا خیر سے دور ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں جانتا اس سودے میں سارا خسارہ اسی کے حصے آتا ہے۔

❁ ❁ ❁
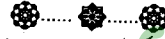
دل بھی اس گھر کی طرح ویران تھا۔ طوفان کے بعد سا سناٹا اندر اور باہر کسی عفریت کی طرح ڈرا رہا تھا۔ کل سے بخار میں مبتلا اسے کوئی دو گھونٹ پانی دینے والا بھی نہ تھا۔ زندگی پہلے بھی کبھی پھولوں کی سیج نہ تھی کہ وہ بہت کم عمری سے ان کانٹوں کا عادی تھا لیکن روح اتنی بوجھل نہیں تھی جتنی اب ہو چکی تھی۔ سالہا سال سے وہ اپنی تنہائی میں جینے کا عادی تھا سوائے ان تین سالوں کے جب وہ اس کی زندگی میں نرم ہوا کے جھونکے کی طرح وارد ہوئی تھی۔ گو اس کے دل کو چاہت نہ تھی پر وہ اس سے محبت کرتی تھی اور اسے جتاتی بھی تھی۔ اپنے رویے سے اس کی اپنی زندگی میں اہمیت کا احساس دلاتی پر ان سب باتوں کا الٹا ہی اثر ہوتا تھا۔ وہ خوامخواہ چڑ جاتا۔ اسے عادت تھی نہ ضرورت کہ کوئی اس کی ناز برداریاں اٹھائے۔ وہ پتھر تھا جسے زمانے کی ٹھوکروں نے لوہے سا سخت بنا دیا تھا۔ ان حالات میں اس کی التفات ونرمی اسے بوجھل لگتی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پہ اسے دھتکارنا، مارنا اور گالی گلوچ دینا اس کا معمول بن چکا تھا۔ وہ جو بلا کا خاموش طبع تھا گھر پہنچتے ہی کسی نہ کسی بات پر اس پہ چیخنے چلانے لگتا۔ اسے ذلیل کر کے اندر سکون سا اترتا جیسے دل کی بھڑاس نکال کر اپنی اذیت سے چھٹکارہ پاتا ہو۔ ان تمام باتوں کے باوجود بھی وہ اس کا خیال رکھتی۔ گھر سنبھالتی، بچی کو دیکھتی اور اسے تو اولاد سے بھی کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ شدید نفرت کرتا تھا وہ اس سے۔ ذرا سا رونے کی آواز کان میں جاتی تو قیامت برپا کر دیتا۔ کیا حیرت تھی کہ کل تک انہی باتوں پہ چڑنے والا آج جب دو روز سے بخار میں مبتلا بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو رہا تھا تو دل میں یہ خواہش سر اٹھا رہی تھی کہ کاش وہ اس پل یہاں موجود ہوتی۔ اس کے دل پہ دھرا بوجھ شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ گھر کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ بدن میں طاقت نہ تھی پھر بھی وہ اس سناٹے سے باہر نکل آیا کہ وہ اسے کسی عفریت کی طرح خوف زدہ کر رہا تھا۔ ایک ہوٹل سے چائے اور کھانا کھانے کے بعد جسم میں بہرحال توانائی محسوس ہو رہی تھی۔ قریبی فارمیسی سے بخار کی دوا لے کر حلق میں انڈیلتے وہ گھر جانے کی بجائے مسجد کے باہر بنے چبوترے پہ بیٹھ گیا۔ جمعہ کی نماز کا وقت ہو رہا تھا اور اسپیکر پہ خطبہ سنائی دے رہا تھا۔ نمازی جوق در جوق اندر داخل ہو رہے تھے۔ وہ سر جھکائے ہاتھ گھٹنوں پہ رکھے بیٹھا رہا لیکن کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔

جب سے اس نے آسیہ کو طلاق دی تھی اس محلے کے لوگ اس سے محدود ہو گئے تھے۔ نہ تو وہ پہلے سی عزت رہی تھی نہ مقام اور اسے چاہیے بھی نہیں تھا۔ لیکن ان دنوں کاروبار بھی بالکل ختم ہو چکا تھا۔ ورکشاپ سے کئی لڑکے فارغ کرنے پڑے کہ سارا دن مکھیاں مارتے۔ معاشرتی ومالی، دونوں طرح سے وہ مسائل کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ زندگی کی مشقت کم ہونے کی بجائے بڑھنے لگی تھی۔ بے اختیار اس کا دھیان خطیب کے لفظوں پر گیا۔

"اللہ کے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ نے حج کے موقع پہ دیئے جانے والے اپنے خطبہ میں واضح الفاظ میں فرمایا کہ اے لوگو! عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تم نے اللہ کو گواہ بنا کر ان کو حلال کیا اور انہیں اپنی امان میں لیا ہے۔ تمہیں اپنی عورتوں پر حقوق حاصل ہیں بالکل ویسے ہی جیسے تمہاری عورتوں کو تم پر حقوق حاصل ہیں۔" لفظ تھے یا کوڑے جو اس کی روح پہ برسائے گئے تھے۔ احساسِ ندامت شدید تر ہونے لگا۔ خوف سے جھرجھری لیتا وہ اپنی ساری توانائی مجتمع کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ان الفاظ کی بازگشت سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ بہت دور جہاں یہ لفظ اس کے کانوں تک نہ پہنچ پائیں پر ایسا ممکن نہ تھا کہ اب بہت سی آوازیں اندر سے آ رہی تھیں۔

"اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے آتی ہے۔" (الشوریٰ۔۳۰)

❁ ❁ ❁

"السلام علیکم آپا۔" موبائل پہ نمبر دیکھ کر مسکراتے ہوئے انہوں نے کال ریسیو کی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو بھابی جان۔" نگہت کا لہجہ ہمیشہ

کی طرح شیریں و شرارتی تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں گھر میں سب کیسے ہیں۔" ان کی مسکراہٹ اور بڑھی۔ حالانکہ وہ ان سے بہت چھوٹی تھی پر وہ اسے ہمیشہ بھابی جان کہہ کر بلاتی تھیں۔ یہ ان کی محبت تھی وہ جانتی تھیں۔

"اللہ کا بڑا کرم ہے۔" ان کا انداز ہلکا پھلکا تھا۔

"اچھا سنو مجھے تمہیں ایک بات بتانی تھی۔ عمیر اگلے ہفتے پاکستان آرہا ہے۔" یوں تو ان کے تینوں نندوں سے گہرے تعلقات تھے پر اپنی بڑی نند سے خاص دوستی تھی۔ وہ ڈاکٹر انصاری کی طرح ہنس مکھ بھی تھیں اور کچھ وہ انہیں مان بھی بہت دیتی تھیں۔ ہمیشہ بھائی سے پہلے وہ انہیں کال کرتیں۔

"کیا واقعی یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ویسے خیریت سے آرہا ہے نا آپا۔" نور خوشدلی سے بولیں۔ یہ لوگ ہمیشہ سے لندن میں رہتے تھے۔ شادی کے بعد سال کے سال ہی ملاقات ہوتی اور مختصر وقت بہترین گزرتا۔ بچے جب سے بڑے ہوئے تھے وہ تو اپنی مصروفیات میں کم ہی آتے تھے پر نگہت آپا اب بھی سال میں ایک مہینہ پاکستان میں گزارتی تھیں۔

"ہاں ہاں بالکل خیریت ہی ہے۔ بس ذرا روٹین تبدیل کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے کہا ماموں ممانی کے پاس ہو آؤ۔" انہوں نے بتایا۔

"تو آپ بھی آجاتیں ساتھ۔ ایک سال سے زیادہ ہوگیا ہے آپ پاکستان نہیں آئیں۔" نور نے محبت بھرا گلہ کیا۔

"میں بھی آجاؤں گی ان شاء اللہ۔ دعا کرو یہ عمیر راضی ہوجائے تو میں فوراً آجاؤں گی۔" وہ اپنے ازلی شرارتی انداز میں بولیں۔

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔" ان کی ذومعنی سی بات نور کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"سمجھ جاؤ گی۔ اچھا چھوڑو یہ سب مجھے بتاؤ سمیر کی جاب کیسی جارہی ہے۔ ماشاء اللہ اب تو ضلع کا کمشنر بن گیا ہے۔" نگہت نے موضوع بدلا۔

"اللہ پاک کا احسان ہے آپا۔ ان دنوں مصروف بہت ہے ویسے میں اسے کہوں گی آپ کو کال کرے گا۔"

"ذمہ داری بھی تو اتنی اہم ہے آخر مصروفیت تو ہوگی۔ میں خود کرلوں گی کال اسے۔" رشتوں کی یہی تو خوب صورتی

ہے۔ بے جا توقعات کی بجائے خود آگے بڑھا جائے تو مان اور محبت دونوں رہ جاتے ہیں۔ عزت گھٹتی نہیں بلکہ محبت بڑھتی ہے۔ شکوے شکایات میں تو بس تعلق بکھرتے ہیں۔ سمیٹنے والے انا نہیں دکھاتے، پیار سے گلے لگاتے ہیں۔

''سچ کہوں تو دل خوش ہو جاتا ہے جب اپنے بھائی کی طرف نگاہ ڈالتی ہوں۔ ہمارے شہر میں کس طرح ہمارے بابا کا نام روشن کیا ہے تم سب نے۔ پہلے اسپتال، اب سمیر کی پوسٹنگ اور سچ پوچھو تو اس کا سارا کریڈیٹ تمہیں جاتا ہے۔''

ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا جب انہوں نے نور کی تعریف کی ہو۔ ویسے تو انہیں سسرال میں سب ہی مان اور عزت دیتے تھے کہ وہ تھیں بھی تعریف کے قابل پر نگہت ان کی اچھی عادات کی شروع سے قائل تھیں۔ تب جب وہ کچھ بھی نہ تھی اور اب جب وہ بہت کچھ ہے۔ اس سارے عرصے میں ان کا سلوک ان سے ایک سا ہی تھا۔

''اس کا کریڈیٹ تو آپ سب کو جاتا ہے آپا۔ میں تو کچھ بھی نہیں تھی، کچھ بھی نہیں ہوں۔ ٹوٹا ہوا تارا تھی جس کی حیثیت بس ایک نوکیلے پتھر سی ہوتی ہے۔ آپ سب کی اسپورٹ نہ ہوتی اور خاص طور پہ ان کی دی ہوئی ہمت نہ ہوتی تو میں کیا کر سکتی تھی۔'' اپنی بات کے اختتام پہ ان کی آواز بھرا سی گئی تھی۔ آنکھ کے نم گوشے کو انگلی کی پور سے صاف کرتے انہوں نے بمشکل خود پہ قابو رکھا کیونکہ فریحہ اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''ہیرا پتھر ہی ہوتا ہے پر سب سے الگ سب سے نمایاں اور اپنی چمک سے ہی پہچانا جاتا ہے۔ تمہاری تربیت بولتی ہے اور مجھے اپنے بھائی کے فیصلے پہ فخر ہوتا ہے۔''

''آپ کی محبت ہے آپا۔'' نگہت آپا کا خلوص انہیں ہمیشہ ہی خاموش کروا دیتا تھا۔

''عمیر کی ٹریول ڈیٹیلز میں اسے کہوں گی تمہیں بھیج دے گا۔ چلو اب رکھتی ہوں فون۔ باقی باتیں پھر ہوں گی۔'' انہوں نے بات سمیٹی۔

''اپنا خیال رکھیے گا آپا۔'' نور محبت سے بولیں اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

نگہت، انصاری صاحب کی سب سے بڑی بہن تھیں۔ ان کے تین بچے تھے۔ دونوں بیٹیوں کی شادیاں وہیں یوکے میں ہو چکی تھیں۔ عمیر سب سے چھوٹا تھا اور ابھی حال ہی میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد بہت اچھی ملازمت کر رہا تھا۔ آخری بار اس سے ملاقات حنا (نگہت کی بیٹی) کی شادی کے موقع پہ ہوئی تھی۔ اس کے بعد اب تقریباً دو ڈھائی سال کے بعد وہ پاکستان آ رہا تھا۔ یہ خبر گھر میں سب کو ہی ایکسائیٹڈ کر گئی تھی۔ ویسے تو اس کی دونوں خالائیں اور ان کے بچے بھی پاکستان میں مقیم تھے پر رہائش انصاری صاحب کے گھر تھی۔

❁......❁......❁

سفینہ ہانپتی کانپتی گھر پہنچی۔ صد شکر شہباز ابھی سو رہا تھا۔ اٹھتا بھی کیسے کہ نجس مائع کا نشہ رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ ٹیپو نے ماں کو بے آواز آنسو بہاتے دیکھا تو سوال کرنے لگا لیکن وہ ابھی ایسی ذہنی کیفیت میں نہیں تھی کہ اس کے معصوم سوالوں کے جواب دے پاتی۔ بہن کی غیر موجودگی بھی اسے پریشان کر رہی تھی پر ماں کی زبان پہ پڑا قفل اس کے سوالات سے نہ کھلا۔ بچہ تھا تھک کر سو گیا۔ پر سفینہ نے تمام رات آنکھوں میں کاٹی۔ آنے والے لمحوں کا خوف اپنی جگہ لیکن اس وقت تو دل فاطمہ کی طرف سے پریشان تھا۔ حالانکہ وہ اپنے فیصلے سے آخری وقت تک مطمئن تھی۔ اسے زبیر پہ پورا بھروسہ تھا پر انجانے وسوسوں کا ناگ دل میں پھن اٹھائے کسی انہونی سے ڈرانے لگا تھا۔ رات کی سیاہ دھاری صبح کی سفیدی میں بدلی پر سفینہ نے آنکھ نہیں موندی۔ ٹیپو اب تک سو رہا تھا۔ کمرے سے کھٹر پٹر کی آوازیں آنا شروع ہوئیں۔ اسے اندازہ ہوا شہباز جاگ چکا ہے۔ وہ محتاط سے انداز میں اٹھی اور باورچی خانے میں چلی گئی۔ حسب معمول شہباز نے ڈٹ کر ناشتہ کیا لیکن بیوی کی سوجی ہوئی بھوری آنکھیں اور ویران چہرے پہ کوئی توجہ نہ دی۔ کھا پی کر اس نے فاطمہ کے متعلق سوال کیا کیونکہ ہمیشہ تو وہ ماں کی مدد کو موجود ہوتی تھی پر سفینہ خاموش رہی۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ چھوٹے سے گھر میں فاطمہ کی غیر موجودگی کا پتا لگانا چنداں مشکل نہ تھا۔ بھید کھل چکا تھا اس پہ سفینہ کی خاموشی نے مہر ثبت کی۔

''بتا کمینی کہاں چھوڑ آئی ہے اسے؟'' اس کی چوٹی پکڑ کر گھسیٹتے وہ دھاڑا۔ باپ کی چیخ و پکار سن کر ٹیپو بھی آنکھیں ملتا باہر نکل آیا۔

''وہاں جہاں تم اور تمہارا وہ مکار بدکار دوست کبھی نہیں پہنچ سکتے۔'' درد سے کراہتے سفینہ نے پہلی بار زبان کھولی۔

''بکواس بند کر ذلیل عورت' بتا کس کے ہاتھ بیچا ہے جو

رات کو چوروں کی طرح لڑکی غائب کردی۔‘‘ کیا غضب بیٹی کا سوال کرنے والا اپنے چنگل سے نکلنے پہ الٹا الزام دھر رہا تھا۔ سچ ہے اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔

’’بیچ تو تم نے دیا تھا، میں تو اسے تمہارے چنگل سے نکال کر محفوظ جگہ پہنچا چکی ہوں۔ شادی کردی ہے میں نے اس کی۔‘‘ سفینہ نے بناء ڈرے کہا۔

’’حرافہ، میری مرضی کے بغیر تو میری بیٹی کی شادی کرنے والی ہوتی کون ہے۔ میں ولی وارث ہوں اس کا۔ نابالغ کا نکاح باپ کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔‘‘ تمام عمر بیوی اور اولاد کی ذمہ داری سے بھاگنے والا آج بیٹی بیاہنے پہ اپنا حق جتانے کھڑا ہوگیا تھا۔

’’جن بیٹیوں کے باپ تمہارے جیسے ہوں وہ یتیم کہلاتی ہیں۔ میری مرضی سے ہوا ہے فاطمہ کا نکاح۔ اس کی ماں کی مرضی سے۔‘‘ سفینہ تقریباً چیخی۔

’’تیری تو......‘‘ شہباز کا غیض وغضب سے برا حال ہورہا تھا۔ اس کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے یہ خبرسن کر۔ جانتا تھا اب عارف اس کا کیا حشر کرے گا کیونکہ فاطمہ سے شادی کے بدلے ہی تو اس نے شہباز کا سارا قرض معاف کیا تھا۔ اب اگر فاطمہ ہی نہ ملی تو وہ اس کے ہاتھ پیر ہی نہیں توڑے گا بلکہ اسے جان سے بھی ماردے گا۔

’’زبان گدی سے کھینچ لوں گا جو ایک لفظ کہا۔ گلا دبا دوں گا تیرا بھی اور تیری اس لاڈلی کو تو میں اور عارف پاتال سے بھی نکال لیں گے۔ اب بھونک جلدی کس کے ساتھ منہ کالا کروایا ہے اس کا؟‘‘ دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دباتے وہ چلایا۔

’’تم آج بھلے مجھے جان سے ماردو، پر یہ تو میں تمہیں مرکر بھی نہیں بتاؤں گی۔‘‘ سفینہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

’’بتائے گی کیسے نہیں بڑھیا تیرے تو پچھلے بھی بتائیں گے۔‘‘ شہباز نے اس کا سر دیوار میں دے مارا۔

ٹیپو کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا مگر شہباز مسلسل اسے لہولہان کررہا تھا۔ سفینہ کی چیخ وپکار سے قیامت کا سماں لگ رہا تھا اس پہ شہباز کا واویلا۔ ٹیپو کو لگا اس کا دل بند ہوجائے گا۔ اس میں اتنی ہمت کہاں تھی آگے بڑھ کر باپ کا ہاتھ روک لے۔ سفینہ کا پورا چہرہ خون سے تر تھا۔ اس کی چادر اور قمیص بھی لہو میں بھیگی تھی۔ شہباز کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو وہ باورچی خانے کے پتھریلے فرش پہ گرتی چلی گئی۔ شہباز نے غصے میں تھوکا اور پیر پٹختا باہر نکل گیا۔

’’امی......امی اٹھو۔‘‘ ٹیپو روتا بلکتا ماں کے بے دم وجود کو ٹٹولنے لگا۔

’’امی کچھ بولو ناں......‘‘ سفینہ ہوش میں ہوتی تو کوئی جواب دیتی۔ ٹیپو نہیں جانتا تھا اس کا ہر سوال لاجواب رہ جائے گا کیونکہ سفینہ وہاں جاچکی تھی جہاں سے کبھی کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔ شہباز آج اپنے ظلم کی آخری حد پار کرچکا تھا۔

’’اور بے شک حد سے بڑھنے والے ہی دوزخی ہیں۔‘‘

❁......❁......❁

سفر طویل اور تکلیف دہ تھا۔ جسم سے زیادہ ذہن تھکا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا فاصلہ میلوں نہیں صدیوں کا ہو۔ وہ شام سے بھوکی پیاسی تھی پھر بھی کسی شے کی حاجت نہ تھی۔ ایک طوفان تھا جو آکر گزر گیا تھا یا پھر ٹھہر گیا تھا کہ ابھی تک سب کچھ دھندلا تھا۔ اسے لگتا تھا وہ ایک منجدھار میں گھری ہے۔ جنہیں پیچھے چھوڑ آئی ان پیاروں کا خوف پل پل تڑپا رہا تھا تو آنے والے لمحوں کا ڈر اسے ہراساں کررہا تھا۔ تمام راستہ چند لفظوں سے زیادہ ان دونوں کے درمیان بات چیت نہ ہوئی تھی۔ فاطمہ پریشان تھی تو زبیر بھی اپ سیٹ لگ رہا تھا۔ گو اس نے متعدد بار فاطمہ کو تسلی دی پر اتنا وہ بھی سمجھ سکتی تھی وہ خود بھی پریشان تھا پر اس کی نسبت خاصہ کمپوزڈ تھا۔ گاڑی شہر کے گردونواح میں داخل ہوئی تو رفتار کم ہوگئی پر فاطمہ کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ گاڑی اب موڑ کاٹ کر ایک ایسی گلی میں داخل ہوئی جہاں بڑے بڑے کوٹھی نما گھر بنے ہوئے تھے۔ اونچی عمارتوں کے باہر نفیس آرائشی لائٹیں روشن تھیں۔ ایسی ہی ایک پُرشکوہ عمارت کے داخلی دروازے کے باہر گاڑی روک دی گئی۔ فاطمہ کی آنکھیں ناقابلِ یقین حیرت سے پھیل گئیں جب ایک نظر اس نے اس شاندار عمارت پہ ڈالی دوسری اپنے ساتھ بیٹھے زبیر کے چہرے پہ جو سنجیدہ تاثرات کے ساتھ اس کی طرف متوجہ تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

وطن کی مٹی گواہ رہنا
وطن کی مٹی عظیم ہے تُو
عظیم تر ہم بنا رہے ہیں
گواہ رہنا......

کمرے میں نیرہ نور کی خوب صورت آواز گونج رہی تھی اور زہرہ بیگم کا دھیان ماضی میں الجھ گیا تھا اور ہونٹوں پر بے اختیار کاظم علوی کا نام آ گیا۔ وطن کی محبت اور کاظم علوی دونوں لازم و ملزوم تھے۔

"کاظم علوی کون کہتا ہے کہ جانے والوں کا غم وقت کے ساتھ ساتھ کم ہو جاتا ہے' میرا تو کم نہیں ہوا' وقت کے ساتھ ساتھ تمہاری یادوں میں شدت آ گئی ہے۔ میں جب بھی یہ نغمہ سنتی ہوں مجھے تمہاری وطن سے محبت یاد آتی ہے' کیسی جنون بھری محبت تھی تمہاری جس میں تم فنا ہو کر بقا کی طرف گئے۔"

زہرہ علوی کے دل میں آج پھر اداسیوں کے ڈیرے تھے۔ زندگی میں ٹوٹ کر محبت کی تھی انہوں نے کاظم علوی سے۔

کاظم علوی جوان کا محبوب شوہر تھا' کاظم علوی کو زہرہ سے بچھڑے ہوئے عرصہ بیت گیا لیکن وہ ان کو زندگی کے کسی بھی موڑ پر بھول نہ پائی تھی۔ زہرہ علوی نے فضا میں گہرا سانس خارج کیا' فضہ نے کمرے کی لائٹ آن دیکھی تو بے ساختہ دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

"ماما کیا ہوا' آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟" یہ کہتے ہوئے جب اس نے پاپا کی تصویر ماما کی گود میں دیکھی تو سمجھ گئی کہ ماما کیوں جاگ رہی ہیں۔

"ماما کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ پلیز سوئیں' اس طرح تو بہت بیمار پڑ جائیں گی۔ ہمیں بہت زیادہ ضرورت ہے آپ کی۔"

فضہ نے زہرہ کی گود سے پاپا کی تصویر اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور ماما کو لٹا کر اوپر کمبل سیدھا کیا اور خود ان کے سرہانے بیٹھ کر آرام سے ان کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔

"ماما آپ تو بہت خوش نصیب ہیں' آپ ایک بہادر شہید کی بیوہ ہیں۔"

"خوش نصیب تو میں ہوں لیکن کاظم کی کمی میں نے زندگی کے ہر موڑ پر محسوس کی ہے۔" زہرہ علوی کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"اچھا یہ بتاؤ رامش نے بتایا کہ وہ کب تک آ رہا ہے؟" زہرہ اپنی بیٹی کو زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی' اس لیے موضوع بدل دیا۔

"نہیں ماما...... ابھی تو آنے کا انہوں نے نہیں بتایا' اچھا اب آپ سو جائیں۔" یہ کہہ کر فضہ خود بھی ماما کے ساتھ لیٹ گئی۔

کبھی کبھی کاظم علوی کی یادیں زہرہ علوی پر اس قدر حاوی ہوتیں کہ وہ رات رات بھر جاگتی رہتیں۔ کاظم علوی زہرہ کے چچا زاد تھے' ان دونوں کی نسبت بچپن سے طے تھی' اونچے لمبے خوب رو سے کاظم علوی جب زہرہ کے گھر آتے تو زہرہ کو لگتا کہ کل کائنات کی خوب صورتیاں ان کے گھر آ گئی ہیں۔ کاظم علوی کو آرمی میں جانے کا جنون تھا اس لیے وہ آرمی میں چلے گئے۔ زہرہ کے ماسٹرز کرنے کے فوراً بعد دونوں کی شادی ہو گئی تھی۔ شادی کے بعد ان کے دو بچے رامش علوی اور فضہ علوی ان کی خوشیوں میں اضافہ کرنے آ گئے تھے۔ شادی کے چھ سال بعد کاظم علوی وطن عزیز کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے' زہرہ علوی کو کاظم علوی کے بغیر رہنا نہیں آتا تھا وہ ان سے کچھ دنوں کی دوری برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ کہاں پہاڑ جیسی زندگی' زہرہ علوی نے بچوں کی خاطر خود کو سنبھالا۔ کاظم علوی کی شدید خواہش تھی کہ ان کا بیٹا بڑا ہو کر آرمی آفیسر بنے' ان کی خواہش کی تکمیل کے لیے زہرہ نے رامش کا شروع سے ہی ذہن بنا دیا تھا کہ اس نے بڑے ہو کر آرمی میں جانا ہے۔ جس دن رامش علوی کیپٹن بن کر ان کے سامنے آیا زہرہ علوی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔

❀......❀......❀

"کیا ملا ہمیں پاکستان آ کر؟ اس سے اچھا تھا ہم کبھی پاکستان آتے ہی نہ۔" یشفین نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ اس کا دل دکھ کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ہمیں کیا پتا تھا کہ ہمارے ساتھ ایسا ہو گا' ہم تو بڑے شوق سے پاکستان آئے تھے۔ میرا جان سے پیارا بھائی...... میں کہاں سے لاؤں اپنی ماں کو...... کہاں سے ڈھونڈوں۔" یشفین بین کرنے لگی تھی۔

''کاش ماما اور بھائی شاپنگ کے لیے مارکیٹ جاتے ہی نہ۔'' دونوں بہنیں خود ہی ایک دوسرے کو سہارا دے رہی تھیں۔ سفینہ بیگم ٹرے میں کھانا لے کر کمرے میں آئیں تو دونوں کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئیں۔

''بیٹا کچھ تو کھالو اتنے دن ہوگئے تم دونوں نے کچھ نہیں کھایا۔'' سفینہ بیگم نے بڑے پیار سے کہا۔

''پھوپو ہمارے حلق سے کچھ نہیں اترتا ہم کیا کریں؟ ہم نے کبھی ماما اور بھائی کے بغیر کچھ بھی نہیں کھایا۔'' یشفین تو غم سے نڈھال ہورہی تھی۔

''میرے بچے تم تو بڑی ہو تم نے ہی ماہم کو سنبھالنا ہے اگر تم حوصلہ ہار دو گی تو اس بے چاری کا کیا بنے گا۔'' پھوپو نے ماہم کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کو گلے سے لگایا۔

''پھوپو میں بڑی کوشش کررہی ہوں خود کو اس سچوئشن سے باہر لانے کی لیکن کیا کروں جوان بھائی کوئی بہن کیسے بھلا سکتی ہے اور ماما کے بغیر رہنے کا میں تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔'' یشفین نے آنسوؤں کا گولہ حلق میں اتارتے ہوئے کہا۔

''میری گڑیا...... میں ہوں ناں ماں تیری پریشان نہ ہو میرا بچہ بس منصور اور آسیہ کی مغفرت کی دعا کرو۔'' سفینہ بیگم کا بھی صدمے سے برا حال تھا لیکن بچیوں کو تسلی بھی تو دینی تھی۔

''میری خاطر کچھ کھالو مجھے سکون مل جائے گا۔'' پھوپو کے لہجے میں بہت منت سماجت تھی اس لیے یشفین اور ماہم کو کچھ نوالے لینے پڑے۔

آسیہ بیگم شوہر کی وفات کے بعد پہلی دفعہ لندن سے پاکستان آئیں تو بہت خوش تھیں وہ اپنے بیٹے کی شادی کے لیے پاکستان آئی تھیں اپنی بہن کے گھر رشتہ بھی طے کرچکی تھیں سب لوگ بہت خوش تھے شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ سب لوگ شاپنگ کے لیے مارکیٹ گئے تھے یشفین کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اس لیے اسے واپس آنا پڑا آسیہ بیگم اپنے بیٹے منصور کی شاپنگ میں لگی ہوئی تھیں کہ اچانک مارکیٹ میں بم دھماکہ ہوگیا اور اس دھماکے میں دونوں ماں بیٹے کی موقع پر ہی ڈیتھ ہوگئی تھی۔ یشفین اور ماہم پر تو یہ خبر بجلی بن کر گری تھی یشفین چاہتے ہوئے بھی خود کو سنبھال نہیں پارہی تھی۔

❀......❀......❀

''ممّا...... بھائی آرہے ہیں آج۔'' فضہ نے خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

''کیا...... آج آرہا ہے میرا بیٹا' چلو اٹھو کھانے کی تیاری کرتے ہیں۔'' زہرہ علوی کے تو خوشی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ ''کب فون آیا تھا؟''

''ابھی فون آیا ہے ماما ابھی تو ان کے آنے میں ٹائم لگے گا۔'' فضہ نے صوفے پر گرتے ہوئے کہا۔

''چلو جی تم تو بس......'' کہتے ہوئے زہرہ بیگم نے دبی سی چیخ میں رامش پکارا تو فضہ پہلے تو حیران ہوئی پھر ماما کی نظروں کے تعاقب میں پیچھے دیکھا تو خوشی سے وہ بھی چیخ اٹھی اور بھاگ کر بھائی کے گلے لگ گئی۔

''بھائی آپ نے ابھی فون کیا تھا کہ آپ نے آج آنا ہے۔'' فضہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''تو آج ہی آیا ہوں ناں اور اگر ٹائم بتادیتا تو یہ سب کچھ دیکھنے کو نہ ملتا۔'' رامش نے ماما کا سر چومتے ہوئے کہا۔

''میرا بچہ پہلے بتادیتا تو میں سارے کھانے تمہاری پسند کے تیار کرتی۔'' زہرہ نے بڑی محبت اور خوشی سے اپنے بیٹے کو

دیکھتے ہوئے کہا۔

"کھانے بھی تیار کرلیجیے گا' ابھی مجھے بھوک نہیں ہے راستے میں کچھ کھالیا تھا۔ آپ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھیں پھر میں نے بابا سے ملنے جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" زہرہ علوی نے پیار سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا' رامش علوی کو عادت تھی سرپرائز دینے کی' کبھی اپنے آنے کے بارے میں بتاتا ہی نہیں تھا اور کبھی دروازے پر پہنچ کر بتاتا۔ ماما سے مل کر وہ بابا کی قبر پر ضرور جاتا تھا اس سے اس کو روحانی تسکین ملتی تھی۔

آج یشفین کی سارا دن طبیعت خراب رہی تھی کیونکہ اس نے پھوپو کے بیٹے اسجد اور پھوپا کی باتیں سن لی تھیں جن میں وہ کہہ رہے تھے کہ اگر یشفین کی شادی اسجد سے ہوجائے گی تو ان کو یشفین کی ساری دولت مل جائے گی۔ ان کے لہجے میں جو لالچ تھا وہ بخوبی سمجھ سکتی تھی۔ شیفین ایک دم سے کھڑی ہوئی اور گیٹ کی طرف چل دی۔ اس نے رکشے والے کو آواز دی اور قبرستان پہنچ گئی اور قبرستان کے گیٹ پر کے پاس بیٹھ کر رونا شروع کردیا۔

"ماما آپ نے تو ہمیں ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا ہے اب ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے نہ ماں' نہ باپ' نہ بھائی...... اس لالچی دنیا میں آپ کے بغیر کیسے جی پائیں گے۔" نہ جانے کتنی ہی دیر وہ ایسے ہی بیٹھی رہی۔ آنسوؤں کا سیلاب تھا جو بہہ رہا تھا' رامش علوی جو اپنے بابا کی قبر پر فاتحہ پڑھ واپس جارہا تھا اور اکیلی لڑکی کو قبرستان میں ایسے بیٹھے دیکھ کر فکر مند ہوا کیونکہ شام ہوچکی تھی اور رات کے آثار نمودار ہورہے تھے۔

"ایکسکیوزمی محترمہ دیکھیں رات ہورہی ہے اور آپ شاید اکیلی ہیں' اس وقت اس طرح اکیلے قبرستان میں بیٹھنا ٹھیک نہیں۔" رامش علوی نے کہا تو یشفین جو گھٹنوں پر سر رکھے اردگرد سے بے خبر بے آواز رورہی تھی' ایک دم سے سر اٹھایا اور حیرانگی سے رامش کو دیکھا۔

"کیوں...... میں اب اپنی ماں کے پاس بیٹھ بھی نہیں سکتی۔" یشفین نے کہا تو رامش علوی نے بڑی حیرت سے اس حزن وملال میں ڈوبی ہوئی حسین مورت کو دیکھا۔

"کیا یہ جگہ بھی محفوظ نہیں ہے؟ کیا یہاں بھی بم دھماکے ہوتے ہیں؟" یشفین نے بڑے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔" رامش نے بڑی حیرت سے کہا تو یشفین ایک دم سے اٹھی اور ایک طرف چل دی۔ رامش کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا تھا فکرمندی سے اس کے پیچھے آیا تھا۔

"پلیز آپ آئیں میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دوں۔"

"کیوں...... آپ مجھے کیوں گھر چھوڑیں گے؟ میں آپ کو جانتی نہیں اور آپ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جاؤں۔" یشفین نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"محترمہ شریف انسان ہوں آپ غلط مت سمجھیں۔" رامش علوی نے یشفین کے مشکوک لب ولہجے کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"کیا لگتے ہیں آپ میرے جو آپ کو فکر ہورہی ہے؟"

"انسانیت سب سے بڑا رشتہ ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر میں محافظ ہوں وطن کا اور محافظ کبھی لٹیرے نہیں ہوتے۔" رامش کو نہ جانے کیوں اس پیاری سی لڑکی سے ہمدردی محسوس ہورہی تھی اس لیے اس کو وضاحت دینی پڑی۔

"آئی ایم کیپٹن رامش علوی...... چلیں میں آپ کو گھر چھوڑ دوں گا۔"

"گھر...... کون سا گھر......"

"کیا ہمارا وطن ہمارا گھر نہیں ہے جس میں ہم بڑے شوق سے رہنے آئے تھے لیکن ہمیں کیا ملا اور آپ کیپٹن ہیں تو میں کیا کروں؟ آپ لوگوں کا ہمیں کیا فائدہ جب آپ ہمیں تحفظ نہیں دے سکتے' دن دیہاڑے قتل وغارت' بم دھماکے بغیر کسی وجہ کے لوگ مارے جارہے ہیں۔ روز کتنے ہی گھر اجڑتے ہیں اور بس ٹی وی پر سب حکمرانوں کی مذمت آجاتی ہے' کیا کرلیتے ہیں آپ لوگ؟" یشفین تو بھری بیٹھی تھی ساری کڑواہٹ رامش پر نکال دی۔ رامش سمجھ گیا کہ اس لڑکی کے ساتھ ضرور کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔

"ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کررہے ہیں کہ ہر شہر میں امن قائم ہوجائے' ہر جان کو تحفظ ملے اور ان شاء اللہ ایک دن ضرور آئے گا جب میرے وطن میں امن ہوگا۔ ہمارے جوان امن کی خاطر بڑی قربانیاں دے رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے رامش کا لہجہ بڑا مضبوط اور جذباتی ہوگیا تھا۔

"چلیں بیٹھیں۔" یہ کہتے ہوئے رامش نے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول دیا تو یشفین کو گاڑی میں بیٹھنا پڑا۔ یشفین نے گھر کا راستہ بتایا اور پھر دونوں طرف خاموشی چھا گئی تھی جب

یشفین گاڑی سے اتری تو رامش بے ساختہ اس کو پکار بیٹھا اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔
"آپ بہادر بنیں اور اللہ اپنے نیک بندوں پر ہی آزمائش ڈالتا ہے' بس آپ دعا کریں کہ ہم سب اس آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلیں۔ مجھے نہیں پتا کہ آپ کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے لیکن اللہ اتنا ہی آزماتا ہے جتنا انسان کا ظرف ہوتا ہے۔" یہ کہہ کر رامش نے اللہ حافظ کہہ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ رامش جب گھر واپس آیا تو اس کے دل کی حالت بہت عجیب سی ہو رہی تھی' پتا نہیں کون سا دکھ اس لڑکی کو ملا ہے جو وہ اس قدر شکستہ حال تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"بھائی...... اس دفعہ تو کوئی لڑکی فائنل کر دیں۔" فضہ نے کھانے کی ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے کب کرنا ہے فائنل بتا دو۔" رامش نے چاول کھاتے ہوئے زیر لب مسکرا کر کہا تو فضہ چڑ گئی۔
"بھائی کیا ہر وقت ٹالتے رہتے ہیں' پلیز بھائی بی سیریس۔" فضہ نے غصے سے کہا تو رامش علوی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔
"تمہیں اگر کوئی پسند ہے تو بتا دو' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" مما نے سنجیدگی سے کہا۔
"ماما ابھی میری آزادی آپ کو گوارا نہیں۔" رامش نے بے چارگی سے کہا تو مما کو غصہ آ گیا۔
"آخر میرے بھی کچھ ارمان ہیں جب شادی کی بات کرو تب ٹال دیتے ہو۔ کیا آسمان سے کوئی حور اترے گی جو تمہیں پسند آئے گی۔"
"ہوسکتا ہے مما اتر ہی آئے۔" رامش نے بات کو مزاح کا رنگ دینا چاہا۔
"تمہارے پاس ایک ہفتے کا ٹائم ہے سوچ سمجھ لو ایک ہفتے کے بعد تمہاری منگنی میں خود کر دوں گی ایک ہے میری نظر میں۔" زہرہ علوی نے رامش کو اچھی خاصی ڈانٹ پلائی۔
"ٹھیک ہے مما...... مجھے تھوڑا سا ٹائم دیں پھر جیسے آپ کہیں گی ویسا ہی ہوگا۔" رامش نے فضہ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔
نظر میں ایک دم سے حزن و ملال میں ڈوبی ہوئی حسین صورت ٹھہر سی گئی تو وہ اپنے آپ پر حیران ہوا تو گویا رامش علوی ایک چہرہ تمہاری نظر میں ٹھہر سا گیا ہے یہ سوچتے ہوئے وہ زیر لب مسکرایا تو فضہ جو برتن اٹھا رہی تھی بھائی کو زیر لب مسکراتے دیکھ کر مشکوک ہوئی۔
"بھائی خیر تو ہے کوئی حسینہ تو نہیں ہے جس کے لیے آپ ہی آپ مسکرا رہے ہیں۔" فضہ نے بڑی ادا سے کہا تو رامش نے ہلکی سی چپت بہن کے سر پر رسید کی۔
"بڑی شریر ہوگئی ہو تم۔" وہ کہہ کر آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ یشفین کے بارے میں سوچتے ہوئے بڑی دیر سے رامش علوی کی آنکھ لگی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

یشفین جلد از جلد پھوپو کے گھر سے اپنے گھر شفٹ ہو جانا چاہتی تھی لیکن اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ پھوپو سے کیسے بات کرے' اُدھر اسجد ہر وقت اس کے آس پاس منڈلانے لگا تھا۔ ابھی وہ پھوپو سے بات کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ پھوپو نے اس کے سامنے اسجد سے شادی کرنے کا آپشن رکھ دیا۔ ہوسکتا ہے وہ اس پرپوزل کے بارے میں سوچتی اگر وہ اسجد اور پھوپا کی باتیں نہ سن لیتی' اس نے پھوپو کو انکار کر دیا تو ان کو اس انکار کا بڑا دکھ ہوا۔ اسجد کو انکار کا پتا چلا تو وہ بڑا سیخ پا ہوا اور یشفین کو باقاعدہ دھمکیاں دینے لگا کہ اگر اس نے اس سے شادی نہ کی تو وہ یشفین کو کسی کا نہیں ہونے دے گا۔ اسی پریشانی میں وہ گھر سے باہر نکل گئی' وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا کرے؟ لندن وہ واپس جانا نہیں چاہتی تھی اور پاکستان میں اس کو رشتے دار سکون سے رہنے نہیں دے رہے تھے۔
"یا اللہ میں کیا کروں؟ میری مدد کر۔" سوچتے ہوئے ایک دم سے اس کو ایک ہمدرد انسان یاد آ گیا جو اس سے کہہ رہا تھا کہ اللہ انسان کو اس کے ظرف سے زیادہ نہیں آزماتا۔
"ہاں' میرا اللہ مجھے بھی اکیلا نہیں چھوڑے گا۔" یہ سوچتے ہوئے وہ بے دھیانی میں چل رہی تھی کہ آگے سے رامش علوی کی گاڑی آتی نظر آئی جو اس کو دیکھتے ہی رک گئی' عین اپنے سامنے گاڑی رکتے دیکھ کر وہ ڈر گئی لیکن جب اس نے رامش علوی کو دیکھا تو اس کو لگا کہ اللہ نے شاید اس کو مدد کے لیے بھیجا ہے۔
"میڈم...... بے دھیانی سے بیٹھتی ہیں' بے دھیانی سے چلتی ہیں' کہاں جا رہی ہیں اس وقت؟" یہ کہتے ہوئے رامش گاڑی سے باہر نکلا۔
"کہیں بھی نہیں ایسے ہی۔" یشفین نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ رامش کو کافی الجھی ہوئی لگی۔

"کیا آپ ٹھیک ہیں؟" رامش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں...... نہیں آئی ایم او کے۔" اس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔
"آپ مجھ پر مکمل بھروسہ کرسکتی ہیں، ہوسکتا ہے میں آپ کی کوئی مدد کردوں۔ بے ضرر انسان ہوں، اعتبار کر کے دیکھیں مایوسی نہیں ہوگی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا اور یشفین کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ یشفین بغیر کسی بحث کے گاڑی میں آ بیٹھی۔ رامش دوسری طرف سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔
"اچھا اب بتائیں کیا مسئلہ ہے؟" رامش نے بڑی نرمی سے کہا تو یشفین نے رامش کو لندن سے آنے کے بعد کے تمام واقعات بتا دیئے۔ ساری بات رامش نے بڑی غور سے سنی تھی، یہ سب سن کر اس کو بہت افسوس ہوا تھا۔
"پتا نہیں یہ دہشت گردی کا ناسور کتنے ہی گھروں کو کھا گیا ہے آپ حوصلہ کریں اللہ سب ٹھیک کردے گا۔" رامش نے اس کو حوصلہ دیا تھا۔ "آپ کا نام تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔" رامش نے سرسری کہا۔
"یشفین افتخار......" یشفین نے آہستگی سے کہا۔
"اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک پرسنل قسم کا سوال کرسکتا ہوں۔" پہلے تو یشفین نے رامش کو حیرانگی سے دیکھا پھر سر ہلا دیا۔ "آپ کہیں انگیجڈ تو نہیں...... آئی مین کسی کو پسند تو نہیں کرتیں؟" رامش کی دل کی بات زبان پر آ گئی تھی۔
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"
"شادی کرنا چاہتا ہوں آپ سے؟" رامش نے گویا یشفین کو چکرا کر رکھ دیا تھا اس نے افسوس سے سر ہلایا۔
"تو گویا آپ بھی کسی مقصد کے تحت میری مدد کرنا چاہتے ہیں۔" رامش نے گاڑی سڑک کی سائیڈ پر روکی اور پوری توجہ یشفین پر مرکوز کردی جس سے وہ نروس تو ہوئی لیکن اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔
"مس آئی ایم ویری اسٹیٹ فارورڈ مین...... سیدھی سی بات ہے آپ مجھے اچھی لگیں، میں نے آپ کو بتا دیا۔" رامش نے سنجیدگی سے کہا۔
"عجیب انسان ہیں آپ دوسری ملاقات میں شادی کی آفر کردی۔ میں فی الحال شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی کیونکہ میری ایک چھوٹی بہن ہے جو میری ذمہ داری ہے۔" یشفین نے پُرزور طریقے سے انکار کردیا تھا جس پر رامش علوی تھوڑا سا مسکرایا اور گاڑی اسٹارٹ کردی تھی۔
"آپ کو اپنی بہن کے بارے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، میری بھی ایک چھوٹی بہن ہے جیسے وہ میری ذمہ داری ہے ویسے ہی آپ کی بہن بھی میری ذمہ داری ہوگی۔"
"کیا آپ کوئی ڈکٹیٹر ہیں، جو اپنی ہی سنائے جا رہے ہیں۔" یشفین نے غصے سے کہا تو اس نے یشفین کو بڑے پیار سے دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی، اس کو لگا کہ اگر وہ اس کی آنکھوں میں کچھ لمحے اور دیکھے گی تو دل ہار دے گی۔
"زندگی کے بعض موقعوں پر ڈکٹیٹر بن جانا ہی اچھا ہوتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے رامش نے گاڑی ایک خوب صورت گھر کے آگے روکی تھی تو اسے ایک دم سے ہوش آیا تھا۔
"یہ کہاں لے کر آئے ہیں آپ مجھے؟" وہ ایک دم سے گھبرا گئی تھی۔
"جہاں آپ نے مستقبل قریب میں آنا ہے۔" اس نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا تو اس کو غصہ آ گیا۔
"میں نہیں جانے والی آپ کے گھر پلیز آپ مجھے گھر چھوڑ کر آئیں۔" اس نے کہا تو رامش بنا کچھ کہے اندر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد نہایت ہی گریس فل خاتون کے ساتھ باہر آیا۔
"مما یہ ہے یشفین...... اور یشفین یہ ہیں میری ماما۔" رامش نے بڑے سکون سے کہا تو زہرہ علوی بڑے پیار سے یشفین سے ملیں اور اس کو بڑے پیار سے اندر آنے کا کہا جس پر چاروناچار اس کو اندر آنا پڑا۔
"بیٹھو بیٹا، پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے آرام سے بیٹھو۔" یہ کہہ کر انہوں نے رامش کو علیحدگی میں بلایا تو مختصراً اس نے ساری باتیں انہیں بتا دیں۔ زہرہ علوی کو یشفین کی مما اور بھائی کا سن بہت افسوس ہوا تھا۔
"اور ایک ضروری بات، لڑکی میں نے فائنل کردی ہے اب اس کو منانا آپ کا کام ہے۔" یہ سن کر زہرہ علوی مسکرا دی۔
"اچھا داد دینی پڑے گی تمہاری پسند کی۔" زہرہ علوی کو بھی یشفین بہت پسند آئی تھی، وہ بات کر کے یشفین کے پاس آئیں تو وہ انہیں کافی پریشان لگی۔
"بیٹا آپ کی مما اور بھائی کا سن کر بہت افسوس ہوا اور

دوسری بات یہ کہ آپ مجھے اپنی ماں ہی سمجھیں۔'' انہوں نے یشفین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے کہا تو یشفین کو وہ بہت اپنی سی لگیں۔ تھوڑی دیر وہ یشفین سے اس کی فیملی کے بارے میں پوچھتی رہی۔

''آنٹی اب مجھے چلنا چاہیے میں گھر میں بتا کر نہیں آئی۔'' یشفین ایک دم سے اٹھنے لگی تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑے پیار سے بٹھادیا۔

''بیٹھو بیٹا...... ایک بات کرنی ہے آپ سے۔'' زہرہ علوی نے گویا تمہید باندھی۔ ''دراصل تم وہ پہلی لڑکی ہو جو میرے بیٹے کے دل کو بھائی ہو اس نے کبھی لڑکیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں جب شادی کی بات کرو تب ٹال دیتا ہے۔ اب تم جو مرضی سمجھو لو ماں ہوں ناں اور مائیں کبھی کبھی خودغرض بن جاتی ہیں۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم اس گھر کی رونق بنو تم پر کوئی پریشر نہیں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ میرا بیٹا بہت اچھا انسان ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا اور جہاں تک تمہاری بہن کا تعلق ہے ایسے سمجھو جیسے تم دونوں میری بیٹیاں ہو۔'' تو گویا رامش علوی نے ساری بات مما سے کرلی تھی' تھوڑی دیر بعد فضہ بھی آ گئی تھی جو اپنی دوست کے گھر گئی ہوئی تھی جب اس کو پتا چلا تو وہ بہت خوش ہوئی۔ یشفین کو ان سب سے مل کر بہت اچھا لگا تھا' رامش جب ڈرائنگ روم میں آیا تو اس کو یشفین بڑی ریلیکس لگی۔

''آنٹی...... اب میں چلوں گی بہت دیر ہوگئی ہے۔'' یشفین نے رامش علوی کی نظروں سے گھبراتے ہوئے کہا تو زہرہ علوی مسکرادیں۔

''کھانا کھائے بغیر تو میں جانے نہیں دوں گی۔''

''پلیز آنٹی مجھے جانے دیں کھانا پھر کبھی سہی۔''

''چلو کھانا میں اپنی دونوں بیٹیوں کے لیے پیک کردیتی ہوں تاکہ ماہم کو بھی پتا چلے کہ اس کا کوئی بہت اپنا ہے۔'' زہرہ علوی یہ کہہ کر کچن کی طرف چل دیں تو یشفین تو گویا ان کے خلوص کی قائل ہوگئی۔

''کیسا لگا' میری مما سے مل کر؟'' رامش نے جیسے اس کے دل کی بات جان لی تھی۔

''بہت اچھی ہیں۔'' اس نے دل سے کہا۔

''ان کا بیٹا بھی بڑا اچھا ہے۔'' رامش نے دلکشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ یشفین کو لگا کہ کائنات کی ساری خوب صورتیاں جیسے اسی چہرے پر ختم ہوجاتی ہیں۔

''کیا دیکھ رہی ہیں؟'' رامش نے گویا اس کی چوری پکڑلی تھی۔

''آپ بھی اچھے انسان ہیں۔'' یشفین کا اعتماد بحال ہوگیا تھا' تب ہی زہرہ علوی آ گئی۔

''یہ لو بیٹا اور اپنا خیال رکھنا۔'' یہ کہہ کر انہوں نے یشفین کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''آنٹی اگر میں آپ کی بہو نہ بھی بنوں تو کیا آپ کے پاس یعنی آپ سے ملنے آ سکتی ہوں؟'' اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا تو زہری علوی نے اس کو اپنے ساتھ لگالیا۔

''کیوں نہیں' میں نے تمہیں اپنی بیٹی کہا ہے اور مائیں کبھی بیٹیوں کو چھوڑتی نہیں۔'' زہرہ علوی نے گویا اپنے خلوص سے اس کو خرید لیا تھا' فضہ سے مل کر وہ رامش کی گاڑی میں آ بیٹھی۔ سارا راستہ خاموشی سے کٹا جب گھر قریب آنے لگا تو رامش نے گاڑی کی رفتار آہستہ کرلی۔

''یشفین......'' رامش نے اس کو پکارا تو وہ متوجہ ہوئی۔

''لڑکیاں مجھے پرپوز کرتی ہیں اور حیرت کی بات ہے میں جسے پرپوز کررہا ہوں وہ انکار پر تلی ہوئی ہے۔ اعتبار کرو کبھی مایوس نہیں کروں گا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ یشفین چاہ کر بھی کچھ کہہ نہ پائی تھی وہ جب گاڑی سے اتری وہ بے ساختہ اس کو پکار بیٹھا تھا' اس نے گردن موڑ کر رامش کو دیکھا جو اپنی آنکھوں میں محبت کے جہان لیے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''دل سے فیصلہ کرو گی تو رامش علوی کے حق میں آئے گا' اللہ حافظ۔'' کہہ کر اس نے گاڑی آگے بڑھادی اور یشفین کو لگا جیسے دل بھی بغاوت پر اتر آیا ہو۔ امجد نے یشفین کو رامش کی گاڑی سے اترتے دیکھ لیا تھا اس لیے جب وہ گھر کے اندر داخل ہوئی تو ایک نیا تماشہ اس کا منتظر تھا۔ پھوپا اور امجد نے ایک طوفان کھڑا کردیا۔

''بی بی یہ پاکستان ہے لندن نہیں جہاں پر تم تین تین گھنٹے لڑکوں کے ساتھ گھومتی رہو۔ ہماری نرمی کا تم غلط فائدہ اٹھا رہی ہو۔'' پھوپا نے نفرت سے کہا تو یشفین کو لگا کہ وہ کہیں پاتال میں جاگری ہے۔ پھوپو نے بولنے کی کوشش کی لیکن پھوپا نے ان کو بھی جھڑک دیا۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے پھوپا کو دیکھا جنھوں نے اسے اپنے کمرے میں جانے کا کہا تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی جہاں ماہم رو رہی

تھی وہ ماہم کو دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔
"کیا ہوا ماہم...... کیوں رو رہی ہو؟" اس نے ماہم کو ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو اس نے جو بتایا وہ اس کو پریشان کرنے کے لیے بہت تھا۔ اس نے بتایا کہ پھوپا اور اسجد کل اس کا اور اسجد کا نکاح پڑھوانے کا پلان بنا رہے تھے' ساری باتیں سن کر وہ بہت پریشان ہوئی۔ ایک دم سے اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اس سے بہتر ہے وہ دونوں لندن واپس چلی جائیں' یہ سوچ کر اس نے اپنا بکس کھولا تو ایک اور آفت اس کی منتظر تھی کیونکہ اس کا اور ماہم کا پاسپورٹ اور تمام ضروری کاغذات غائب تھے۔
"یا اللہ میں کیا کروں؟" وہ بستر پر لیٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"آپی ایک بات بولوں وہ جو آپ کو چھوڑنے آیا تھا کون تھا۔" ماہم نے یہ سوال کیا تو اس نے حیرت سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا جواباً اس نے اپنی اور رامش علوی کی اتفاقاً ملاقات کا بتا دیا۔
"آپی' آپ اس سے شادی کرلیں سارا مسئلہ حل ہوجائے گا۔"
"شادی مسئلے کا حل نہیں ہے سویٹی...... " اسی لمحے پھوپو کمرے میں آئی اور اس سے اپنے شوہر اور بیٹے کے رویے کی معافی مانگنے لگی۔

☆☆☆......☆☆☆

"پھوپو آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے پھوپو کو شرمندگی سے بچانا چاہا' یشفین نے رامش علوی کے بارے میں سب پھوپو کو بتا دیا جس پر انہوں نے اسے رامش کا پرپوزل قبول کرنے کا مشورہ دیا۔
"تم ابھی ان کو فون کرو کہ وہ کل ہمارے گھر آجائیں کیونکہ میں اپنے بیٹے اور شوہر کو اچھی طرح جانتی ہوں جب وہ کسی ضد پر آجائیں تو وہ اس کو پورا کرنے کے لیے ہر حد تک جاتے ہیں۔" تھوڑی دیر بعد اس نے رامش علوی کا نمبر ملایا جو دوسری ہی بیل پر ریسیو کرلیا گیا تھا۔
"آپ صبح آنٹی کو لے کر پھوپو کے گھر آجائیں۔" یشفین کی آواز ہر جذبات سے عاری تھی۔
"کیا ہوا یشفین...... تم ٹھیک ہو؟" رامش کو تشویش ہوئی۔
"ٹھیک ہوں آپ صبح ضرور آجانا۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔ رامش حیران و پریشان ہوگیا تھا کیونکہ اس کو یشفین کا رویہ عجیب سا لگا تھا۔
صبح دس بجے ہی وہ زہرہ علوی کے ہمراہ ان کے گھر پر موجود تھا' پھوپو کو تو وہ دیکھنے میں بڑے شریف اور مہذب لوگ لگے' یشفین آئی تو رامش نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اس نے سب کو سلام کیا جس پر زہرہ علوی نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگالیا اور اپنے پاس ہی بٹھالیا۔ اسجد اور پھوپا ان لوگوں کو دیکھ کر بہت غصے میں آگئے۔
"دیکھیں اسجد اور یشفین کا رشتہ طے ہے اس لیے آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔"
"کیا آپ نے یشفین سے پوچھا؟" رامش نے بڑے تحمل سے کہا۔
"تم کیا لگتے ہو یشفین کے؟" اسجد تو غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔
"دیکھو مسٹر...... میں آج ہی اس لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے سے کرواتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں کہ کیسے اس کے رشتے آتے ہیں۔" عمر صاحب یعنی پھوپا نے بڑی بدتمیزی سے کہا۔
"دیکھیں آپ میری بات تو سن لیں۔" پھوپو نے اپنے شوہر کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے ان کو بھی جھڑک دیا۔
"یشفین تم اپنا ضروری سامان پیک کرو تم ابھی اور اسی وقت ہمارے ساتھ چل رہی ہو۔" رامش علوی نے گویا فیصلہ سنا دیا تھا۔
"اور ہاں ماہم کو بھی لے آؤ۔" جس پر اس نے زہرہ علوی کو دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"یشفین کہیں نہیں جاسکتی' ابھی میں پولیس کو بلوا کر تمہیں اندر کرواتا ہوں پھر تمہیں پتا چلے گا کہ کسی کے گھر میں آکر تماشہ کرنا کیسا ہوتا ہے۔" اسجد نے رامش کو ڈرانا چاہا۔
"شوق سے بلاؤ پھر دیکھتے ہیں اندر کون ہوتا ہے۔" یشفین نے جلدی جلدی اپنا ضروری سامان رکھا۔
"میں تم پر اغوا کا کیس کروں گا۔" اسجد نے جوش میں کہا تو یشفین بول اٹھی۔
"کریں اغوا کا کیس' بڑے شوق سے لیکن یاد رکھنا یہ کیس آپ کے گلے بھی پڑسکتا ہے' چلیں آنٹی۔" یشفین نے زہرہ علوی سے کہا تو انہوں نے گہرا سانس خارج کیا۔
"دیکھیں بہن ہم تو بڑی عزت سے یشفین کا ہاتھ مانگنے

آئے تھی لیکن آپ کے شوہر اور بیٹے نے ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔" زہرہ علوی نے اٹھتے ہوئے کہا' گھر آ کر زہرہ نے یشفین اور ماہم کو بہت تسلی دی تھی۔ وہ اب اس معاملے میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی اس لیے دوسرے دن ہی رامش اور یشفین کا سادگی سے نکاح پڑھادیا تھا۔ رامش علوی تو بہت خوش تھا لیکن یشفین کو اپنی کیفیت سمجھ نہیں آرہی تھی اس موقع پر اسے اپنی مما اور بھائی بہت یاد آئے جس پر وہ بے اختیار رو دی تو زہرہ علوی نے اسے بڑے پیار سے اپنے ساتھ لگالیا۔

"نہ میری بچی...... اب کبھی بھی میں اپنی بیٹی کو رونے نہیں دوں گی۔"

"ماما...... میری طرف سے بھی تسلی دے دیں کہ میں بھی بڑا خوش رکھوں گا۔" رامش نے شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہ بابا اپنی طرف سے تسلی تم خود ہی دے لینا۔" ماما نے دونوں کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا اور بہت سارے پیسے دونوں کے اوپر سے وارے اور ملازمہ کو آواز دے کر اس کو دے دیئے۔

"میری تسلی پتا نہیں ان کو پسند آتی بھی ہے کہ نہیں۔" زہرہ علوی بیٹے کی شرارت سمجھ چکی تھیں' اس لیے اس کو اپنے کمرے میں بلالیا۔

"دیکھو بیٹا...... نکاح کرنا میری مجبوری تھی اس لیے میں نے جلدی میں کردیا' ابھی ایسے سمجھو کہ تمہارا رشتہ طے ہوا ہے' اگلی چھٹیوں پر آؤ گے تو دھوم دھام سے تمہاری شادی ہوگی۔ اتنے عرصے میں ہم سب شادی کی تیاریاں کرلیں گے' ابھی یشفین ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب ہے اسے کچھ وقت دو' میری بات سمجھ رہے ہو ناں۔" زہرہ علوی نے بیٹے کو دیکھا جس نے ان کی بات سن کر اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

"ماما جیسے آپ کہیں گی ویسا ہی ہوگا' ڈونٹ وری۔" زہرہ علوی نے ماہم اور یشفین کا علیحدہ سے کمرہ سیٹ کروادیا تھا۔

"آپی بعض دفعہ اپنے دشمن بن جاتے ہیں اور غیر اپنے بن جاتے ہیں۔" ماہم کو وہ سب بہت اچھے لگے تھے۔

"ہاں یہ تو ہے۔" یشفین گویا پُرسکون ہوگئی تھی' سونے کے لیے آنکھیں بند کیں تو شرارت سے بھرا لہجہ یاد آ گیا تو آپ ہی آپ مسکرادی کیونکہ دل سارے فیصلے رامش علوی کے حق میں دے چکا تھا۔

دوسرے دن ہی رامش کو ڈیوٹی پر پہنچنا تھا اس لیے وہ

یشفین سے ملنے کے لیے اس کے کمرے میں دستک دے کر آیا تو ماہم مسکرادی۔

"کیا اپنی مسز سے پانچ منٹ بات کرسکتا ہوں؟" رامش نے جیسے اجازت چاہی تو ماہم نے مسکرا کر آپی کو دیکھا جو تھوڑی نروس نظر آرہی تھی۔

"کیوں نہیں بھائی آپ جب چاہیں ان سے بات کرسکتے ہیں۔" ماہم یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"کمال کی بات ہے پانچ سال لندن میں رہنے کے باوجود تم اتنی شرمیلی ہو۔" رامش نے بالکل اس کے پاس آ کر کہا تو اس نے رامش کی طرف دیکھا جو بڑے غور سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

"آج جارہا ہوں اپنی ڈیوٹی پر سوچا تم سے مل کر جاؤں' اپنا بہت سارا خیال رکھنا میرے لیے۔" رامش علوی نے بڑے پیار سے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیا اور بالوں کی لٹیں کانوں کے پیچھے سے نکال کر چہرے پر پھیلا دیں۔

"پتا ہے جب یہ لٹیں تمہارے گالوں سے ٹکراتی ہیں تو تم بہت اچھی لگتی ہو۔" رامش نے جذب کے عالم میں کہا اور اسے بازو سے تھام لیا۔ یشفین بہت نروس ہوگئی تھی' رامش نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اس کو چھوڑ دیا تھا۔

"ایک تو تم بڑی جلدی گھبرا جاتی ہو' اچھا چلتا ہوں اس سے پہلے کہ تم خود مجھے جانے کا کہو۔" رامش نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلکا سا دبا کر چھوڑ دیا اور باہر کی طرف چل دیا۔

"سنیں آپ بھی اپنا بہت سارا خیال رکھنا۔" یشفین نے پاس آ کر کہا تو رامش کو بہت اچھا لگا۔

"او کے اللہ حافظ۔" یہ کہہ کر وہ اس کا گال ہلکے سے تھپتھپا کر باہر نکل آیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

رامش کے دوستوں کو جب اس کے نکاح کا پتا چلا تو سب نے اس کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"یار ابھی صرف نکاح ہوا ہے رخصتی نہیں ہوئی' فکر نہ کرو ولیمے پر ضرور بلاؤں گا۔"

"کیا صرف ولیمے پر بارات پر نہیں۔" زین نے حیرانگی سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"یار لڑکی گھر پر ہی ہے۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا' سارا کچھ کر کے آیا ہے لڑکی بھی گھر لے آیا اور رخصتی بھی نہیں ہوئی۔ یہ بدھو کسی اور کو بتانا۔" رامش کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

"یار اس کی مما اور بھائی کی ڈیتھ ہوگئی تھی اس کے رشتے دار اچھے نہیں ہیں اس لیے ایمرجنسی میں نکاح کرنا پڑا۔"

"دل کا معاملہ لگتا ہے۔" زین نے شرارت سے کہا۔

"ہاں جان چھوڑو میری اب بارات' مایوں سب پر بلاؤں گا۔" رامش ان کی بحث سے تنگ آ گیا تھا جس پر سب نے قہقہہ لگایا تھا۔

رامش علوی جب چھٹی لے کر گھر آیا تو اسی دن مایوں کی تقریب تھی کیونکہ زہرہ علوی نے شادی کی تمام تیاریاں بڑے دل سے کی تھیں۔ بارات کا ہال میں انتظام کیا گیا تھا' ہر آنکھ دونوں کی جوڑی کو سراہ رہی تھی۔ ریڈ کلر کے لہنگے میں سجی سنوری یشفین کوئی اپسرا لگ رہی تھی اور آف وائٹ شیروانی میں رامش بہت جچ رہا تھا جب یشفین کو کمرے میں لایا گیا تو کافی تھک چکی تھی۔ پورا کمرہ تازہ سرخ گلابوں سے سجایا گیا تھا' یشفین کو آج اپنے ماں باپ اور بھائی کی بے انتہا یاد آئی۔ رامش جب کمرے میں داخل ہوا تو وضو کرنے کے لیے واش روم میں چلا گیا۔ شکرانے کے نفل ادا کرنے کے بعد اس نے یشفین کو دیکھا جو تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں موندے ہوئے بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

"بھئی آپ تو سادگی میں بھی قیامت ڈھاتی ہیں اتنے کیل کانٹوں کی ضرورت تو نہیں تھی۔" رامش نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑا اور بڑے پیار سے اس کی کلائی میں بریسلیٹ پہنائی جو بہت ہی خوب صورت تھی۔

"میں پروردگار کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے' پتا ہے جب تم نے شادی سے انکار کیا تھا تو میں نے اللہ سے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ اس لڑکی کو میرا مقدر بنادے جس دن تم میری زندگی کی رونق بنوگی میں شکرانے کے نوافل ادا کروں گا۔" رامش نے مسکرا کر کہا تو اسے اپنی قسمت پر رشک ہوا۔

"آپ بہت اچھے ہیں اور میں بھی بہت خوش نصیب ہوں۔" یشفین نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میں ایک سپاہی ہوں اور ایک سپاہی اپنی ڈیوٹی پر کسی بھی چیز یا کام کو فوقیت نہیں دیتا۔ امید ہے تم بہادری سے میرا ساتھ دوگی۔" رامش اس کا اقرار چاہتا تھا' بدلے میں یشفین نے اپنا ہاتھ رامش کے ہاتھ

پر رکھ دیا تھا۔

"میری ماما اور میری بہنوں کا ہمیشہ خیال رکھنا' ماہم اب میری ذمہ داری ہے۔" رامش نے سنجیدگی سے کہا تو اسے شرارت سوجھی۔

"اور میرا کون خیال رکھے گا؟"

"میں ہوں ناں آپ کا خیال رکھنے کے لیے۔" رامش نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے دلکشی سے کہا۔ زہرہ علوی نے صحیح معنوں میں جو کہا وہ کر دکھایا تھا' ماہم اور فضہ میں بہت دوستی ہوگئی تھی۔ یشفین کو انہوں نے رامش کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزار سکیں۔ یشفین کبھی کبھی تو خوشی سے رو پڑتی تھی کیونکہ اسے جتنا پیار رامش اور زہرہ علوی سے ملا تھا اس کی امیدوں سے بڑھ کر تھا۔

شادی کے ایک سال بعد ان کے گھر میں نہایت ہی خوب صورت بچے کی پیدائش ہوئی جس کا انہوں نے محمد کمیل علوی نام رکھا ابھی دونوں ضرب عضب شروع ہو چکی تھی۔ رامش کی پوسٹنگ شمالی وزیرستان میں ہوگئی' زہرہ علوی نے بیٹے کو بڑا حوصلہ دیا تھا' یشفین سے جب ملنے کے لیے وہ کمرے میں آیا تو وہ رو رہی تھی۔

"یشفی...... کیا ہوا' کیوں رو رہی ہو؟" رامش نے کہا تو وہ بے اختیار اس کے گلے لگ گئی وہ بہت گھبرا گیا۔

"ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ کہیں اور پوسٹنگ کروالیں۔"

"کیا......؟ یشفی مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ رامش علوی کی بیوی اس قدر بزدلی کی باتیں کر رہی ہے' خود غرض ہو رہی ہو تم' دہشت گردوں نے میرے وطن کا امن تباہ کیا ہوا ہے۔ کتنی ہی لڑکیاں بے آسرا' بچے یتیم ہو چکے ہیں' تم خود جانتی ہو اس دہشت گردی نے تمہارے گھر کو بھی اجاڑا ہے۔ اس ناسور کو ہم ختم کر کے رہیں گے' چاہے ہماری جان بھی چلی جائے ویسے بھی ایک سپاہی کو شہادت کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے اور شادی کی پہلی رات ہی میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میرے لیے فرض سے زیادہ کچھ بھی اہم نہیں۔" رامش نے جذباتی انداز میں کہا۔

"آئی ایم سوری ہاں واقعی میں خود غرض ہو رہی ہوں' مجھے معاف کر دیں بہت سے رشتوں کو کھویا ہے اس لیے ڈر گئی تھی۔" یشفین نے روتے ہوئے کہا تو رامش نے اس کے آنسو پونچھے۔

"کم آن بی بریو۔" رامش نے اس کے سر کو ہلا کر کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بھئی ہمارے پرنس کہاں ہیں؟" رامش نے بیڈ پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ دادو کا لاڈلہ دادو کے پاس ہے' اچھا اب ماہم اور فضہ سے مل لوں ٹائم تھوڑا رہ گیا ہے۔" رامش نے اس کے سر پر الوداعی بوسہ دیتے ہوئے کہا' وہ روانہ ہونے لگا تو مما اور یشفین دونوں تقریباً بھاگتی ہوئیں اس کے پیچھے آئیں۔

"کیا ہوا ماما؟" رامش نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا تو زہرہ علوی آگے بڑھیں اور بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔

"اپنا خیال رکھنا اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔" رامش علوی کمیل کو پیار کر کے گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

پچیس دنوں بعد رامش کی شہادت کی خبر آ گئی تھی' جو بڑی بہادر سے دہشت گردوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوا تھا۔ تقریباً تین گھنٹے پہلے ہی تو یشفین کی اس سے بات ہوئی تھی جب وہ کہہ رہا تھا۔

"یشفی...... اگر میں شہید ہو جاؤں تو سب کا بہت خیال رکھنا' شہادت کے بعد حوریں بھی تو ملیں گی ناں لیکن تمہاری قسم کسی حور کو دیکھوں گا بھی نہیں سوائے اس کے کہ اپنی حور کا انتظار کروں۔" رامش نے آخری بات مذاق میں کہی تھی' اسے کیا پتا تھا کہ تھوڑی دیر بعد اس کی شہادت کی خبر آ جائے گی۔

"اللہ نے مجھے بڑے رتبے سے نوازا ہے آج...... شہید کی بیوہ تو تھی ہی اب شہید کی ماں بھی ہوں۔ جتنی بڑی قربانی اتنا بڑا اجر دے گا میرا رب۔" زہرہ علوی نے آنسوؤں کے درمیان میں مضبوط لہجے میں کہا تو یشفین جس کو لگ رہا تھا کہ اس کی روح بھی اس کے جسم سے علیحدہ ہو رہی ہے اس وفا کے پیکر اور صبر و حوصلے کی چٹان کو دیکھا تو خود کو بہت مضبوط کرنے کی کوشش کی آخر اس کو بھی ایک نئی زہرہ علوی بننا تھا۔

خون دل دے کے نکھاریں گے رُخِ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

میرے وطن سب تیرے لیے

موناشاہ قریشی

مکمل یونیفارم پہنے وہ آئینے کے سامنے اپنا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ مطمئن ہوکر اس نے کیپ اٹھائی اور اس کے پاس چلا آیا۔ بیڈ کے کنارے پہ ٹکی وہ رونے میں مصروف تھی۔

''رومی کتنی بار سمجھایا ہے تمہیں' تم کوئی نادان بچی نہیں ہو ایک بچے کی ماں ہو۔'' اس کے رونے پہ وہ ٹوکتے ہوئے بولا۔

''تو کیا ماں بن جانے سے جذبات' احساسات ختم ہوجاتے ہیں۔'' وہ سوں سوں کرتی بولی۔

''میں نے کب کہا جذبات' احساسات ختم کرو' بس اتنی گزارش ہے کہ سمجھدار بیویوں کی طرح میرا حوصلہ بڑھاتے مجھے رخصت کیا کرو' یوں ناراض بچوں کی طرح رودھوکر نہیں۔'' اس کے گرد بازو حمائل کرتے وہ آرام سے بولا۔

''کیا کروں' صبح سے تو ضبط کررہی تھی' ایک بار بھی نہیں روئی' اب جب جائیں گے تو رونا تو آئے گا ہی ناں۔'' بھرائی ہوئی آواز میں اس کی معصومیت سے کہی ہوئی بات پہ وہ بے ساختہ مسکرادیا۔

''جو ضبط صبح سے کررہی تھیں اسے اب بھی برقرار رکھنا تھا ناں۔ اب یہ آنسو بہاتی شکل لے کر مجھے الوداع کہو گی تو میرا کیا ہوگا۔ کوئی پیاری سی اسمائل شائل دو تاکہ سفر بھی اچھا کٹے۔'' اس کے شرارت سے کہنے پہ رومانہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ ابھرآئی۔ ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کرنے کے بعد اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ ''یہ ہوئی ناں بات۔'' اسے خود سے لگاتے اس نے ہولے سے تھپکی دی اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ بیڈ پہ سوئے علی کو دھیرے سے پیار کیا۔ مبادا اس کی آنکھ نہ کھل جائے اور مڑ کر اجازت طلب نظروں سے اپنی شریک حیات کو دیکھا۔

''میں پوری شدت کے ساتھ آپ کی واپسی کی منتظر رہوں گی حارث۔'' ہونٹ کاٹتے وہ جذب سے بولی۔

کیپٹن حارث نے اثبات میں سر ہلایا اور کچھ بھی کہنے سے گریز کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے واپسی نہ آنے کے امکانات کی پیش گوئی کی تو وہ پھر سے رونا شروع کردے گی۔ اس لیے خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آیا' جہاں اس کی باحوصلہ ماں ڈھیروں دعائیں لیے ہوئے تھی۔ سعدیہ نے آگے بڑھ کر بیٹے کی پیشانی چومی اور نم آنکھوں سے تکنے لگی۔

''اماں...... اجازت دیں' دعا کیجیے گا میں اپنے مقصد میں سرخرو ہوکر لوٹوں۔'' ماں کے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے وہ بولا تو انہوں نے ہولے سے سر ہلادیا۔ اس کے جانے کے بعد رومانہ کے ضبط کی طنابیں پھر سے چھٹ گئیں اور وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

❁......❁......❁
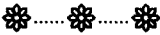
آج سنڈے تھا' گھر کی صفائی ستھرائی سے فارغ ہوکر اس نے فناٹ مشین لگالی۔ پردے' بیڈ شیٹ کئی دنوں سے دھلے نہیں تھے' گوکہ گندے نہ تھے مگر وہ پھر بھی اپنی نفیس طبیعت سے مجبور ہوکر دھو لیتی تھی۔ کپڑوں سے فارغ ہوکر وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ حارث کو گئے ہوئے صرف دو دن ہوئے تھے اور اسے لگ رہا تھا جیسے وہ آیا ہی نہیں تھا' کسی بھی چیز میں اس کا دل لگنے سے قاصر تھا۔ ہر بار حارث کے واپس جانے پہ اس کا دل یونہی اضطراب کی لپیٹ میں آجایا کرتا تھا۔ وہ اپنے ہی دھیان میں مگن بیٹھی تھی کہ سعدیہ بیگم وہاں چلی آئیں۔

''بیٹا...... میں ذرا پڑوس میں قرآن خوانی ہے وہاں جارہی ہوں تم گھر کا دھیان رکھنا۔''

''ٹھیک ہے امی۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''کھانے میں کیا پکانا ہے دوپہر کے لیے۔'' اس نے ایک دم یاد آنے پہ پوچھا۔

''ایسا کرو قیمہ کریلے پکالو۔''

''ٹھیک ہے۔'' ان کے جانے کے بعد دروازہ بند کرکے وہ کچن کی طرف آ گئی۔ سبزی اٹھائے وہ جیسے ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے جلدی سے سامان ٹیبل پہ رکھا اور بھاگ کر کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام!'' وہ بولی۔

''بڑی جلدی کال ریسیو کی ہے لگتا ہے موبائل ہاتھ میں ہی لیے بیٹھی تھی تم۔''

''تو اور کیا یہی سمجھ لیں' جب سے آپ گئے ہیں تب سے ہی آپ کے فون کا انتظار کررہی ہوں اور آپ ہیں کہ کوئی خیال ہی نہیں۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی تو حارث مسکرادیا۔

''مائی ڈیئر......ہم اس وقت جس جگہ قیام پذیر ہیں یہ علاقہ شہر کی حدود سے باہر ہے اور پہاڑی علاقہ ہے' یہاں سگنل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اب کام کے سلسلے میں مجھے شہر کے قریب آنا ہوا تو تمہیں سب سے پہلے کال کی۔'' وہ بولا تو رومانہ ریلیکس ہوگئی۔

''آپ کیسے ہیں ٹھیک تو ہیں؟''

''ہاں میں ٹھیک ہوں' تم کیسی ہو؟''

''میں بالکل بھی ٹھیک نہیں ہوں۔'' اس کے پوچھنے پہ وہ اداسی سے بولی۔

''کیوں......پھر سے دورہ پڑا ہے کیا؟''

''حارث......'' وہ چلائی تو اس کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

''رومی......کب سمجھو گی یار تم۔'' وہ پیار سے اسے رومی بلایا کرتا تھا۔ ''تمہیں کب اس بات کا احساس ہوگا کہ تمہارا شوہر کوئی بزنس مین' ڈاکٹر یا پروفیشنل شخص نہیں' میرے کندھوں پر بہت بھاری ذمے داری ہے۔ میری ترجیحات میں اس ملک کی حفاظت اور یہاں کا امن شامل ہیں۔ تمہارے رونے' منہ بسورنے یا اداس ہونے سے مجھے تکلیف ضرور ہوتی ہے مگر تم سے وابستگی کی خاطر میں اپنی ذمہ داریوں سے منحرف نہیں ہوسکتا۔ تمہیں فراخ دلی سے اس بات کو قبول کرنا ہوگا۔'' وہ ہمیشہ کی طرح اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''کیپٹن حارث کرنل یاور کی کال آئی ہے۔ ہمیں فوراً واپس جانا ہے۔'' کیپٹن کاشف نے اسے اطلاع دی۔

''اوکے ٹھیک ہے۔ رومانہ میں پھر ٹائم نکال کر کال کروں گا تم ازراہ کرم سوچنا ضرور۔'' اس نے کہہ کر کال

ڈراپ کردی۔ موبائل گود میں رکھتے ہوئے وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔ پتہ نہیں کیوں میں اس معاملے میں سیر چشمی نہیں لا پاتی۔ شاید میں بہت پوزیسو ہوں آپ کے معاملے میں۔ اس نے موبائل ٹیبل پہ رکھا اور سوچتے ہوئے سبزی بنانے لگی۔

❁......❁......❁

''مما...... مجھے گیم کھیلنی ہیں۔'' وہ ابھی نہا کر نکلی تھی کہ علی فرمائش لیے آن کھڑا ہوا۔

''اچھا لگاتی ہوں ابھی ایک منٹ ویٹ کرو بیٹا۔'' بالوں میں جلدی جلدی برش چلاتے ہوئے وہ بولی اور لیپ ٹاپ اٹھا کر بیڈ پر دراز ہوگئی۔

''لو اب بتاؤ کون سی گیم لگانی ہے۔'' لیپ ٹاپ آن کر کے اس نے گیمز والا فولڈر نکالا اور اس سے پوچھنے لگی۔

''مما...... وہ آرمی مین والی جس میں وہ بڑے بڑے ٹینکرز سے دشمنوں کو مارتا ہے۔'' وہ اشتیاق سے اسے بتاتے ہوئے بولا تو رومانہ کی پیشانی پر چند سلوٹیں پڑ گئیں۔

''نہیں بیٹا' وہ نہیں آپ کوئی اور گیم کھیل لو۔''

''نہیں مما' مجھے بس وہی آتی ہے پاپا نے مجھے بس وہی سکھائی ہے۔ اتنا مزہ آتا ہے وہ گیم کھیلنے میں...... مما پلیز لگا دیں ناں۔'' وہ اصرار کر رہا تھا اور رومانہ بڑبڑا رہی تھی۔

''کتنے چالاک ہیں میں بھی کہوں یہ بیٹے کو پاس بٹھا کر کیا سکھاتے ہیں۔ اب سمجھ آئی' اپنا شوق اسے بھی دان کرنے کے چکروں میں ہیں۔'' اسی اثناء میں ڈور بیل بجی تھی۔

''میں دیکھ کر آتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''نہیں مما' دادو دیکھ لیں گی۔ آپ مجھے گیم لگا دیں۔'' وہ اس کا بازو پکڑ کر بٹھاتے ہوئے بولا۔

''افف...... باپ کی طرح ضدی ہے۔'' وہ دل ہی دل میں بولی اور گیم لگانے لگی۔ گیم لگا کر اس نے چپل پاؤں میں ڈالی اور باہر نکل آئی۔ باہر کا منظر دیکھ کر اس کے حواس مختل ہوگئے۔ سامنے ہی صحن کے وسط میں دھرے تابوت میں اس کے محبوب شوہر کا جسد خاکی سبز ہلالی پرچم میں لپٹا ہوا تھا۔ چار جوان فوجی آس پاس کھڑے تھے اور سعدیہ تابوت کے سرہانے گھٹنوں کے بل بیٹھی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں۔ اسے لگا اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر پوری شدت سے مسل دیا ہو۔ ایک دھماکے سے اس کا وجود زمین بوس ہوا تھا۔ پھر اسے نہیں خبر کیا ہوا' کیا نہیں' دو گھنٹے بعد اسے ہوش آیا تھا' سعدیہ کب سے اسے ہوش میں لانے کی سعی کر رہی تھی۔ اس نے مندی مندی آنکھوں سے سعدیہ بیگم کو دیکھا۔

''اٹھ جا بیٹا' آخری دیدار کر لے میرے حارث کا۔ اسے اس کی آخری منزل پر پہنچانا ہے۔ اٹھ شاباش۔'' وہ اس کے بال پیچھے کرتے اسے اٹھا رہی تھیں۔ ان کی بات سن کر اس کا سویا ذہن بیدار ہوا۔ وہ تیزی سے اٹھی دائیں طرف ہی تابوت رکھا تھا۔ وہ چیخیں مار مار کر رونے لگی اور تابوت پہ سر رکھ کر سر کو پٹخنے لگی۔

''کیوں حارث کیوں' تمہیں کتنی بار بتایا تھا میں نے' نہیں رہا جاتا مجھ سے تمہارے بنا' کیسے جیوں گی میں' کیسے؟ اماں اسے کہو اٹھ جائے' ایک بار اٹھ جائے۔'' وہ انہیں جھنجوڑتے ہوئے بے تحاشا رو رہی تھی۔ سعدیہ بیگم نے اسے اپنے بازوؤں میں بھرلیا۔

''نہ رو' چپ کر جا میری بچی' اس طرح رونے اور بین کرنے سے تکلیف ہوگی حارث کو۔ اس کا جانا تو طے تھا' تمہیں تو فخر کرنا چاہیے تمہارے شوہر نے اس دھرتی کے امن اور اس کی حفاظت کی خاطر اپنی جان تک وار دی۔'' وہ بڑے صبر سے بے آواز روتی اسے ضبط کی تلقین کر رہی تھیں مگر اس کے آنسو بپھرے طوفان کی مانند

آنکھوں سے بہہ رہے تھے‘ آس پاس بیٹھی خواتین نے بہت ترس سے اس کی جانب دیکھا اور اس کی جوان بیوگی پر اظہارِ افسوس کرنے لگیں۔ جب جنازہ اٹھنے لگا تو اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر تابوت پہ رکھ دیے۔

”میں نہیں جانے دوں گی حارث کو۔ امی دیکھیں یہ ہمارے حارث کو لے کر جارہے ہیں۔ نہیں جانا اس نے کہیں نہیں جانا۔“ وہ چلا رہی تھی‘ سعدیہ بیگم نے دو تین خواتین کے ساتھ مل کر اسے ہٹایا۔ وہ دیوانہ وار اس کی جانب لپک رہی تھی‘ کلمہ شہادت کی گونج میں تابوت کو اٹھایا گیا۔ سعدیہ کے آنسوؤں میں مزید شدت آگئی‘ رومانہ کا کلیجہ شق ہوا جارہا تھا۔ وہ لہرا کر ان کے بازوؤں میں جھول گئی اور ہوش وخرد سے بیگانہ ہوگئی۔

❁......❁......❁
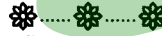
اس نے ہمیشہ سے یہی خواہش کی تھی‘ یہی جنون یہی شوق لے کر وہ بڑا ہوا تھا۔ جذبہ شہادت‘ اس کی رگوں میں لہو بن کر دوڑتا تھا۔ ہر دم‘ ہر آن‘ وہ اسی ایک لمحے کی آرزو کیا کرتا تھا کہ کب وہ اس عظیم خواہش سے ہمکنار ہوگا اور اب وہ اپنے جذبے کو‘ اپنے وجود کو‘ اپنی روح کو اس وطن پر لٹا آیا تھا۔ اس پاک دھرتی پر اس کا وجود مانند قرض تھا جسے اس نے باخوبی چکایا تھا۔ اپنے چوڑے سینے کو گولیوں کی بوچھاڑ میں چھلنی ہوتے دیکھ کر اس کے لبوں پہ فاتح مسکراہٹ در آئی تھی۔ شہادت کا تمغہ سجائے وہ اپنے مقصد میں سرخرو ہوا تھا۔ وہ اسے ایک بات بار بار سمجھایا کرتا تھا کہ اس سے محبت ایک طرف مگر وطن سے عشق اس کی محبت پہ بھاری ہے۔ آج تین ماہ بعد بھی اس کی یادیں اسے توڑ رہی تھیں۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے گریبان میں جذب ہورہے تھے۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ اتنے میں علی‘ گمن سا بک اور کاپی اٹھائے چلا آیا۔ اس نے تیزی سے آنسو صاف کیے اور اس کی جانب متوجہ ہوگئی۔

''مما...... یہ اس کوئسچن کا آنسر رائٹ کردیں یہاں۔'' اس نے کاپی آگے کرتے پینسل پکڑائی اور بک کھول کر کوئسچن بتانے لگا۔ اس کے ہاتھ سے پینسل لے کر اس نے اوپر والے کوئسچنز پر جونہی نگاہ دوڑائی تو یک دم ٹھٹک گئی۔

''یہ اس سوال کا جواب کس نے لکھا ہے یہاں۔'' اس نے انگلی رکھ کر اس سے پوچھا۔ سوال تھا کہ آپ بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہیں اور جواب میں بڑا سا آرمی مین لکھا تھا۔

''یہ......'' علی نے آنکھیں پٹپٹائیں۔''یہ تو ٹیچر نے لکھا ہے۔''

''ٹیچر کو کیا معلوم آپ کیا بننا چاہتے ہو؟''

''ٹیچر نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتادیا۔'' وہ معصومیت سے بولا تو رومانہ خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں۔

''مٹائیں آپ اسے یہاں سے اور یہاں ڈاکٹر لکھیں۔ آپ بڑے ہو کر ڈاکٹر بنو گے۔'' وہ اسے گویا آرڈر دینے لگی' چھ سالہ علی کو یہ بات بالکل ہضم نہیں ہوئی۔

''سنیں مما' مجھے آرمی مین ہی بننا ہے پاپا کی طرح۔ مجھے ڈاکٹر اچھے نہیں لگتے۔'' وہ اس کی بات کی نفی کرتے ہوئے بولا۔

''میں نے کہا ناں آپ کو ڈاکٹر بننا ہے اور بس۔'' ریزر سے مٹا کر وہ جواب میں ڈاکٹر لکھتے ہوئے سختی سے بولی۔

''مما......سنیں مما......''

''جائیں اب آپ یہاں سے ہوم ورک کمپلیٹ کریں۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ درشتی سے بولی تو علی پھولے ہوئے منہ کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔ دروازے میں ہی سعدیہ بیگم کھڑی سب دیکھ رہی تھیں۔

''آئیں امی' اندر آجائیں۔'' وہ انہیں کھڑا دیکھ کر خود بھی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہیں میں نماز ادا کرنے جارہی ہوں' تم ذرا ٹھہر کر میرے کمرے میں آنا تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہتی واپس مڑ گئیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد رومانہ ان کے کمرے میں تھی۔ تسبیح کے دانے گراتی وہ وظائف کا ورد کررہی تھیں۔ انہوں نے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔

''تم حارث سے کتنی محبت کرتی ہو؟'' بات کا آغاز کرتے ہوئے انہوں نے خاموشی کو توڑا۔ رومانہ نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا' مگر کچھ نہ بولی۔

''یقیناً بہت زیادہ کرتی ہو' کیا مجھ سے بھی زیادہ کرتی ہو؟'' ایک اور سوال کیا گیا۔ رومانہ کا سر جھک گیا۔ یقیناً اس بات کا جواب نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایک ماں سے زیادہ انسان سے پیار سوائے رب کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔ ''تم محض سات سال کی محبت میں مرے جارہی ہو' تمہیں اس کے جانے کا درد نہیں بھولتا تو سوچو میں نے اسے پیدا کیا' اسے پالا پوسا اس کی پرورش کی اسے جوان کیا' کیا مجھے درد نہیں ہوتا ہوگا' اس کے جانے کا' میرا اور اس کا ساتھ تو اس کے جنم سے ہے۔ کیا مجھے دکھ نہیں ہے؟'' وہ اس سے سوال پہ سوال کررہی تھیں۔ رومانہ کا سر اثبات میں ہلا۔

''میں ماں ہوں اس کی' مجھے بھی یاد آتا ہے وہ مگر اس کی جدائی کی تکلیف سے زیادہ مجھے اس پر فخر ہے اس کے مقصد کی کامیابی کے لیے ہمیشہ میں دعا گو رہی ہوں' اس راہ میں' میں نے اپنا شوہر قربان کیا' پھر اپنے بیٹے کو تیاگ دیا مگر کبھی اپنا حوصلہ پست نہیں ہونے دیا۔ جانتی ہو کیوں کیونکہ اگر آج میں اپنے شوہر کو' بھائی کو' بیٹے کو یا کسی بھی رشتے کو اس عمل سے ہٹانے کی کوشش کروں گی' ان کے جانے کے خوف کو' ان کی جدائی کی وحشت کو خود

پہ حاوی کروں گی تو مجھے بتاؤ رومانہ اس ملک کے محافظ کہاں سے آئیں گے' کون لڑے گا اس وطن کے لیے' کیا بنے گا ہمارے پاکستان کا؟ یہ جو ہم سکون کی نیند سوتے ہیں گھروں میں اطمینان سے رہتے ہیں اگر ہر ماں یا بیوی موت کے خوف سے اپنوں کو روک لے انہیں اس راہ حق میں شامل نہ ہونے دے تو کیا یہ چین اطمینان قائم رہ پائے گا ہمارا...... اگر وہاں سرحدوں پہ کھڑے محافظ اور ہمارے لیے جنگیں' آپریشنز لڑنے والے شیر دل نوجوان نہ ہوں تو تمہیں کیا لگتا ہے تم جی پاؤ گی اس ملک میں......؟'' وہ ایک تواتر سے بولتیں اسے شرمندگی کے سمندر میں دھکیل گئیں۔

''بیٹا...... اتنی جذباتیت اچھی نہیں ہوتی' کیا تمہیں اس وطن سے محبت نہیں ہے۔'' وہ پیار سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولیں۔

''ہے بہت زیادہ......'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''تو اس محبت کو کھینچ کر باہر لاؤ۔ کہاں چھپا رکھی ہے۔ اس محبت کا صحیح استعمال کر کے حق ادا کرو وطن سے محبت کا۔'' ان کی اس بات پر اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس عظیم عورت کو دیکھا جو اس وطن عزیز کے لیے سراپا وفا اور ایثار کا پیکر بنی ہوئی تھیں۔ جس کا حوصلہ مجتمع تھا اور ایک وہ تھی جذباتی' بیوقوف جو صرف اپنی محبت میں اندھی تھی۔ کیا وہ اس عورت سے مختلف ہے دل' جذبات کے سوا اور کیا مختلف ہے اور یہ دل' جذبات بھی اس عورت کے زیادہ ارفع ہیں۔ وہ بھی ایک بیوی تھی اور ایک ماں بھی...... میں بھی ایک بیوی اور ماں کا مقام رکھتی ہوں' جب وہ اتنی حوصلے اور صبر سے سب قربان کرسکتی ہیں تو میں کیوں نہیں کرسکتی؟ وہ سوچتی ہوئی یک دم ان کے سینے سے لگی اور رونے لگی۔ سعدیہ بیگم نے مسکرا کر اس کی پیٹھ سہلائی اور اسے خود سے الگ کیا۔

''جاؤ جا کر علی کو دیکھو بیٹا' بہت خفا ہو کر نکلا تھا کمرے سے باہر۔'' وہ جی اچھا کہہ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ علی لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھا ہوم ورک کر رہا تھا۔

''بیٹا جانی۔'' اس کے پیار سے پکارنے پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

''ادھر آؤ میرے ساتھ۔'' اس کی گود سے کاپی اٹھا کر صوفے پر رکھتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ پکڑے کمرے میں آ گئی۔ وہ متعجب نظروں سے اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا مگر چہرے سے ناراضگی ہنوز چھلک رہی تھی۔ رومانہ نے مسکرا کر اس کے خفا چہرے کو دیکھا۔ بالکل حارث کی کاربن کاپی تھا وہ۔ ایک ہوک سی سینے میں اٹھی تھی۔ جسے وہ دبا گئی تھی۔ الماری کے پٹ کھولنے کے بعد اس نے حارث کی کیپ نکالی اور پاس کھڑے علی کے سر پہ سجا دی۔ وہ منہ اٹھا کر ماں کو دیکھنے لگا۔

''میرا بیٹا اپنے باپ کے نقش قدم پہ چلے گا اور شجاعت کی اعلیٰ مثال قائم کرے گا۔'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھتے ہوئے اس کے دونوں بازو تھام کر بولی۔ علی کے چہرے پہ یک دم خوشی رقص کرنے لگی۔

''سچی مما......'' وہ خوشی سے دونوں ہاتھوں سے کیپ کو ٹٹولتے ہوئے بولا۔

''ہاں بیٹا جانی۔'' رومانہ نے دھیرے سے اس کی پیشانی چومی اور اسے خود سے لگا کر بھینچ لیا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی موجزن تھی مگر دل پُرسکون تھا۔

❀

میرا پاکستان

نورین مسکان

بادل بھی چھائے ہوئے تھے مگر پھر بھی موسم حبس زدہ تھا۔ ننھے زین نے پلاسٹک کے بیٹ سے چھوٹی سی ربڑ بال کو شارٹ لگا کر دور پھینکا تھا' وہ زمین پر لگ کر بلندی سے اچھلی تھی۔

''کتنی بار کہا ہے اتنی گرمی میں خون گرما دینے والے کھیل مت کھیلا کرو۔'' شازمہ بیٹے کی حرکتوں سے عاجز آئی ہوئی تھیں' وہ سہم کر ماں کی جانب دوڑا۔

شازمہ اسے لے کر اندر بڑھنے ہی لگی تھی جب باہر سے کسی کے چیخنے کی آواز آئی تھی' اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ ساتھ ہی کسی بچے کے رونے کی آواز تھی' وہ زین کا ہاتھ پکڑے گلی میں آئی۔ وہاں ایک بزرگ عورت ایک گھر کے پاس بچے کو گود میں بھرے چیخ رہی تھی۔ اس کی کرلاہٹ سے دل دہل رہا تھے اور وہ بچہ بھی سہا ہوا تھا جیسے اس کی قید سے رہائی چاہتا ہو' ارد گرد کافی لوگ جمع تھے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے' یہ بڑھیا کیوں رو رہی ہے؟'' شازمہ نے پاس کھڑی ایک عورت سے پوچھا جو کپڑا منہ پر رکھے زارو قطار روئے جا رہی تھی' عجیب سا معاملہ تھا نہ کوئی کچھ بتاتا تھا اور نہ ہی کچھ پوچھتا تھا۔

''پتا نہیں اسے کیا ہوا ہے' بس بچوں کو دیکھ دیکھ کر رو رہی ہے اور یہ پڑوس والے سرفراز کا بیٹا پکڑ رکھا ہے چھوڑ نہیں رہی' چھڑواؤ تو روتی ہے۔'' اس عورت نے اپنا پسینہ پونچھتے ہوئے بتایا۔ گلی میں رفتہ رفتہ رش بڑھتا جا رہا تھا۔

''ماں جی میرے بیٹے کو چھوڑ دیں۔'' ضعیف العمر بزرگ خاتون سے سرفراز صاحب نے بہت ادب سے پیش آتے ہوئے کہا تھا۔ وہ سرفراز کو گھور کر رہ گئی البتہ بولی کچھ نہیں' نہ ہی بچہ چھوڑا تھا۔ شازمہ نے زین کو گود میں لے کر اس پر اپنی گرفت سخت کرلی۔

❁......❁......❁
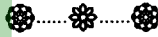
میرے وطن میرے بس میں ہو تو
تیری حفاظت کروں میں ایسے
خزاں سے تجھ کو بچا کے رکھوں
بہار تجھ پہ نثار کردوں
میرے وطن یہ عقیدتیں اور پیار تجھ پر نثار کردوں
محبتوں کے سلسلے بے شمار تجھ پر نثار کردوں

ترانوں کی گونج' سڑک بازاروں میں محبان وطن کا جوش و خروش' ایسا لگتا تھا جیسے آج پاکستان کے متوالے وطن عزیز کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔ آج وطن پاک کی محبت میں دیوانے ہو جائیں گے' بیٹیوں کی قدر' بہنوں کی حرمت جوش مار رہی تھی اگر پاکستان نے کبھی رشک کیا ہو تو وہ آج کا دن تھا۔

دیوانوں نے دیوانگی کی حدیں چھولی تھیں' ساز بج رہے تھے۔ ترانے دلوں کو گرما رہے تھے' ہر طرف پاکستان زندہ باد کے نعرے ایمان کو بڑھا رہے تھے۔ اسکول و کالجز

سڑکوں، گلیوں، بازاروں، ریسٹورنٹس حتیٰ کہ آج تو سینماؤں میں بھی آزادی کی پکار تھی۔ چہروں پر پرچم پینٹ کروانے، پرچمی لباس زیب تن کیے ہر متوالا گویا خیبر شکن تھا۔ کوئی محمد بن قاسم تو کوئی محمود غزنوی کی طرح للکار رہا تھا، سیاستدانوں نے تقریروں سے الگ ایک عالم کو ہلایا ہوا تھا۔ گھروں کو بچوں نے جھنڈیوں سے سجا رکھا تھا۔

ایک طرف یہ عالم تھا کہ دل ہتھیلی پر لیے جان کا نذرانہ دینے کو تیار اور دوسری طرف شہر کے متوسط طبقے کے لوگوں کی ایک گلی میں پھر وہی بڑھیا بچوں کو روک روک کر روتی اور چیختی تھی۔
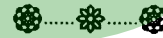
ماؤں نے اپنے بچوں کی انگلیاں تھام رکھی تھیں اور انہیں لیے اسکول کی جانب قدم بڑھا رہی تھیں، آج بچوں کے چہروں پر ایک الوہی سی چمک تھی۔ سبز اور سفید شلوار کرتوں اور فراکوں میں ملبوس ننھے فرشتے پاکستان کی سر زمین کو ایک الگ ہی روپ بخش رہے تھے۔

''کہاں لے کر جا رہی ہو میرے بچے کو......'' راستے میں وہی بڑھیا بیٹھی بین کر رہی تھی اس دن تو اس پر رحم آیا تھا مگر آج اس کے یوں ٹوکنے پر بھی غصہ آ رہا تھا۔

اسے بھلا کیا خبر کہ آج کا دن کس قدر اہم تھا، کتنی بڑی خوشی کو لیے آیا تھا۔

''آپ کو کیا پتا آج کیا ہے، آپ کیوں ہماری گلی میں آ کر بین کرتی ہیں۔ آج تو آزادی کا دن ہے اور آج تو ہمیں آزاد کر دیں، جائیں یہاں سے کہیں اور چلی جائیں۔'' سفید بال بوسیدہ سے دوپٹے سے جھانک رہے تھے اور وہ دم سادھے شازمہ کو سن رہی تھی جس کی حمایت میں باقی عورتیں اور مرد بھی خاموش تھے۔

''آزادی...... مجھے نہیں پتا؟'' عورت ہاتھ اٹھا کر چلائی، اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

''مجھ سے کہہ رہی ہو کہ مجھے کیا پتا...... جس کے سامنے چھوٹے بھائی کو ذبح کیا گیا، جس کی ماں کا کلیجہ نکالا گیا، جس کا باپ دشمنوں نے بے دردی سے شہید کر دیا۔ میں

اپنوں کو اس وطن کے لیے قربان کر کے یہاں آئی ہوں' میرا بیٹا شیر خان اسی وطن کے غداروں کو جہنم واصل کرتا ہوا مرا...... میرا شوہر کارگل کی پہاڑیوں میں لقمہ اجل بن گیا اور تم کہتی ہو......'' شازمہ اس لٹی پٹی عورت کے قدموں میں بیٹھ گئی' زین بھی ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھے اسے دیکھنے لگا' مجمع مزید نزدیک ہوا۔

''مجھے کیا پتا آج کے دن کا......'' وہ پوچھ رہی تھی وہ مغموم سی عورت جو بوسیدہ لباس پہنے بچوں کو پیار سے دیکھتی اور پھر زاروقطار رو دیتی تھی۔

''یہ وطن میرے سامنے آزاد ہوا تھا' ہم کھانے پینے کو ترس گئے۔ چھوٹے معصوم بچوں کو پکڑ پکڑ کر کاٹ دیا گیا' جب وطن عزیز کی طرف ہجرت ہوئی تو خون کی ندیاں بہہ گئیں۔'' وہ چھوٹے بچوں کو میرا پاکستان پکارتی تھی۔

''تم تو صرف آزادی کی رسم ادا کرتے ہو پھر بھول جاتے ہو' اس وطن کا حق کھا رہے ہو' غلامی کی زبان پڑھا رہے ہو۔ تمہارے بچے نہیں جانتے کہ اس وطن کی تاریخ کیا ہے' انہیں کیا پتا راشد منہاس ہیرو کیوں بنا' تم نے انہیں انگریزی کا محتاج کر کے ناکارہ کر دیا۔ انہیں تو وہ کلمہ تک ٹھیک سے نہیں آتا جس کے نام پر یہ ملک حاصل کیا تھا۔'' وہ پھر سے بے اختیار ہو کر رو دی تھی' بہت نڈھال سی ہو رہی تھی۔ وہ کئی مہینوں سے اس گلی میں آ رہی تھی' اسی طرح روتی' چیختی تھی مگر کبھی رونے کی وجہ نہیں بتاتی تھی۔

''یہ پاکستان ہے...... یہ ننھے مجاہد ہیں...... انہیں غلام مت بناؤ' یہ غلام نہیں ہیں ان کی پیشانی پر اللہ نے حکمران لکھا ہے تم کیوں غلامی لکھ رہے ہو' ان کو انگریزوں کا لباس مت پہناؤ جو ہتھکڑی ہے۔ انہیں دشمن دہشت گردوں سے ختم کروا رہا ہے' تمہارا پاکستان مٹایا جا رہا ہے۔ ان کے قلم چھینے جا رہے ہیں' ترانوں کے ساز خاموش ہو گئے' الفاظ ختم ہو گئے۔ ہر جشن سوگ بن گیا' بڑی بڑی تقریریں قدرت نے بے مول قرار دے دیں' سب جھوٹے تھے' سب کھوکھلے تھے' بکے ہوئے تھے' مکر کر رہے تھے۔ بس ایک مقرر سچا تھا' جس کے گرد گلی میں لوگ جمع ہو رہے تھے پھر وہیں گلی میں بیٹھنے لگے تھے۔ کسی کو کچھ سنائی دے رہا تھا' کوئی دوسروں سے پوچھ رہا تھا' وہ عورت جو اسی کے لگ بھگ تھی جس کے منہ میں دانت نہیں تھے جو اپنوں کو قربان کر کے آئی تھی اور ابھی تک زندہ تھی۔ ایک پیغام دینے کو جو بچوں کو 'میرا پاکستان'' کہتی تھی جو اُن کی قلقاریوں سے کھلکھلاتی تھی' جس کے بوسیدہ سے آنچل میں چھوٹی چھوٹی سی ٹافیاں ہوتی تھیں اور وہ ان بچوں کو دے کر ان کی خوشی میں چند پل مسرور ہو جاتی تھی۔

وہی بڑھیا اس ننھے پاکستان کو جو سبز سفید بنا ہوا جا بجا اس کے گرد بیٹھا تھا' دیکھتی دیکھتی وہیں ہمیشہ کے لیے سو گئی تھی۔

❁......❁......❁

کئی سال پہلے وہاں کسی اجنبی راہبر عورت کا انتقال ہوا تھا۔

آج چودہ اگست کی عظیم تاریخ کئی سال بعد پھر سے منائی جارہی تھی اور وہ قبر جو کئی سال پہلے بنائی گئی تھی۔ وہ آج بھی تازہ مٹی اور تازہ پھولوں سے سجائی گئی تھی اور قوم کے نوجوان سلامی پیش کرنے آج اس قبر پر موجود تھے۔

جن میں صف اول میں جانباز میجر زین شفقت اور پائلٹ آفیسر حیدر سرفراز سلیوٹ کررہے تھے۔

''آپ کا پاکستان' آپ کا پڑھایا گیا سبق کبھی نہیں بھولے گا اماں جان اور ایک دن اپنے خون کا نذرانہ پیش کرکے اس سرزمین جنت کو سیراب کردے گا ان شاء اللہ۔'' میجر زین شفقت عہد بندھ رہا تھا۔ تازہ مٹی پر سجے تازہ پھول مسکرادیئے تھے اور اس تازہ مٹی سے جیسے سرگوشی جیسی آواز ابھری۔

''میرا پاکستان' میرے اللہ کے نام پر بنا تھا' اسے کوئی نہیں مٹا سکتا۔ دشمن اسلام اور دشمن پاک سرزمین اس کا بال بھی بیکا نہ کرسکیں گے' مجھے فخر ہے اپنے پاکستان پر......''

وطن کی مٹی کی سرگوشیاں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ کوئی سننا نہ چاہے تو الگ بات ہے' ہوا کا جھونکا آیا تھا اور سرخ پتیاں جابجا اڑ کر گرنے لگی تھیں' شاید وہ بھی ایک پیغام تھا کہ یوں دشمنوں پر چھا جاؤ جیسے پتیاں قبر پر بکھری ہوئی تھیں۔

جھوٹ نجات دہندہ قرار پایا تھا۔ حاتم علی شش و پنج میں مبتلا کھڑا تھا۔ اس کے چہار سو افراد کا ہجوم تھا سب کی بے تاب نگاہیں اس پر ٹکی تھیں۔ اس کی زبان سے نکلے چند الفاظ پر کسی کی زیست و موت کا دارو مدار تھا۔ بے خبر لوگوں کا اژدھام تھا کوئی ذی شعور نہ تھا۔ خودساختہ عدالت' سو کالڈ جج جو خود کو پنچائیت کہلاتے تھے۔ غیر انسانی سزا نافذ کردی گئی تھی اور عمل درآمد کے لیے مشتاق ہجوم منتظر اور بے کل تھا۔

دیبا نصیر کٹہرے میں سر جھکائے اپنی قسمت کے فیصلے کی منتظر تھی وہ فیصلہ جو صرف ایک جھوٹ پر موقوف تھا۔ مگر ادائیگی اس زبان سے ہونا تھی جس نے ان جہلاء کی نگاہ میں خود کو صادق منوا لیا تھا۔

''جناب حاتم علی آپ کو بتانا ہوگا کہ آپ نے اس رات دوران سفر کیا دیکھا؟'' پنچائیت کے سرغنہ نے اپنی بات کو خوب وزن دے کر دہرایا۔

حاتم علی کے ذہن سے اس رات کی کہانی فراموش نہیں ہوئی تھی وہ من و عن بیان کرتا تو کسی کا ناتواں وجود سولی پر چڑھ جاتا اور اس کے برعکس کچھ بولتا تو جھوٹ جنم لیتا وہ جھوٹ جس کے بارے میں بڑوں سے سنا تھا کہ جھوٹے پر اللہ کی لعنت' یہ وعید تو کئی بار ابا اور استاد نے سنائی تھی کہ جھوٹ بولنے والا جہنمی ہے تو کیا کرتا وہ اپنے لیے جہنم خرید لیتا یا کسی کی زندگی جہنم ہونے سے بچا لیتا۔ بڑوں نے یہ بھی تو کہا تھا کہ جو دنیا میں کسی کے عیب پر پردہ ڈالے گا تو قیامت کے روز اللہ اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔

''جناب حاتم صاحب......'' ایک بار پھر بے صبروں نے اسے صدا لگائی۔ حاتم علی نے موت کے خوف سے بے حال دیبا نصیر کو دیکھا اور مجمع کی طرف نگاہ کر کے واشگاف الفاظ میں کہا۔

''نہیں......اس رات ٹرین میں دیبا نصیر سے کچھ غلط سرزد نہیں ہوا تھا۔''

❁......❁......❁......❁

ٹرین نکلنے میں کچھ وقت رہ گیا تھا اور وہ بھاگم بھاگ بیگ کندھے پر ڈالے سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ٹرین دوسرے پلیٹ فارم پر کھڑی تھی اور سیٹی بھی دے چکی تھی۔ حاتم علی نے تیز رفتاری سے ہانپتے ہوئے بناء پیچھے دیکھے ہانک لگائی تھی۔

''اطہر ابا اماں کا خیال رکھنا اور بل سارے بھر لینا کل آخری تاریخ ہے۔'' وہ اپنے انداز میں اطہر کو ہدایت دیتا اور لوگوں کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

''لو بل ہے کہ پانی کی بالٹی بھر لینا۔'' کسی آنٹی نے جگت ماری تھی۔ دھکم پیل تھی ہڑبونگ مچی تھی۔ ہر منہ کی بات ہر کان تک رسائی پا رہی تھی اور ویسے بھی حاتم علی نے سرگوشی کب کی تھی۔

''ہاں تو جو ضرور آتا ہے وہی بھرے گا پانی آتا نہیں ہے بل ہر ماہ آتا ہے۔'' آنٹی بولی تو انکل پیچھے کہاں رہتے؟ منچلا جواب ارسال ہوا تھا۔

''مینا سنبھل کر آگے دیکھ کر چل...... ابا جی آپ کہاں بھاگے جا رہے ہیں ان کو تو دیکھیں۔'' حاتم علی سے چند قدم آگے قدرے فربہ دراز قد چادر میں لپٹی محترمہ نے گود میں اٹھائے بچے کو دوسرے کندھے پر شفٹ کرتے آگے بھاگتی بچی کو پکارا تھا۔ بچی تیز رفتاری میں سیڑھیاں چڑھنے کے چکر میں ہلکان ہوگئی تھی اور ابا جی ان سے اچھا خاصہ آگے خود ریلنگ پکڑ کر ہانپتے ہوئے چڑھ رہے تھے۔ حاتم علی نے ازراہ ہمدردی مینا نامی بچی کو گود میں اٹھا لیا تھا وہ اس کی مدد کی اتنی مشکور ہوئی کہ فوراً اس کے گلے میں بانہیں ڈالے کندھے پر سر ٹکا کر پُرسکون ہوگئی تھی۔ اس کی ماں حاتم علی کے برابر چلنے کی کوشش کرنے لگی کیونکہ اس کی گڑیا جو حاتم علی کے پاس تھی۔

سیڑھیاں کراس کر کے مقررہ پلیٹ فارم پر پہنچ کر ٹرین میں سوار ہونے کا مرحلہ بھی کم محنت طلب نہ تھا۔ حاتم علی نے

مینا کو ٹرین تک لفٹ دی تھی مگر اس کا اور اس کی ماں کا کوئی ارادہ نہیں لگ رہا تھا اس کے کندھے کی سواری کو چھوڑنے کا اور بے مروت وہ بھی رہا نہیں تھا سو مینا کو اس کے خاندان سمیت ان کی سیٹ تک پہنچانے کے بعد وہ ساتھ والی سنگل سیٹ پر جگہ بنا کر بیٹھ گیا تھا اگرچہ اس کی ٹکٹ کسی اور ڈبے کی تھی مگر اس میں مزید خجل خوار ہونے کی ہمت نہیں تھی۔

ٹرین چلی تو اس کے ساتھ کی برتھوں پر مینا اس کا چھ ماہ کا بھائی حسن جسے حاتم علی نے طوطا کا لقب دیا تھا کیونکہ اس کی نان اسٹاپ ٹیں ٹیں کا کوئی اسٹیشن نہیں تھا۔ ان کی ماں اور دادا نے اسے پورے راستے بہت بور کیا تھا کیونکہ وہ فیملی انتہائی بڑ بولی اور غیبت پسند تھی خاندان بھر کا کوئی فرد نہیں تھا جنہیں وہ باتوں سے کاٹ نہیں رہے تھے۔ ان کی گفتگو سے حاتم علی کو خبر ملی کہ مینا کی ماں کا نام دیبا نصیر تھا۔ وہ لاہور اپنے میکے سے واپس سکھر جا رہی تھی جہاں نصیر اس کا میاں اس کا منتظر تھا اور نصیر کے ابا جو اسے لینے آئے تھے رستے بھر اونگھتے رہے تھے۔ مینا کا منہ مسلسل چلتا رہا تو طوطے کو گھڑی بھر کا چین نہیں تھا۔

حاتم علی اپنے ڈبے میں نہ جانے کے فیصلے پر پچھتایا تھا کیونکہ وہ شور میں سو نہیں پا رہا تھا اور سب سے بڑی دقت درمیانی راستے میں لیٹا وہ اجنبی تھا جس نے منہ تک چادر تانی ہوئی تھی اور آنے جانے والوں کی ٹھوکروں سے بے نیاز لاش کی طرح پڑا تھا۔ حاتم علی نے ذرا سخت انداز میں اسے جھنجھوڑنا چاہا تو دیبا نصیر نے روک دیا تھا۔

"رہنے دیں جی آپ کا کیا جاتا ہے؟"

حاتم علی نے اپنا ارادہ موخر کر دیا تھا۔ دیبا نصیر کی ہمدردی کے پیچھے کیا محرک تھا یہ عقدہ تو بعد میں کھلا تھا۔

❁......❁......❁......❁

رات گہری ہوتے ہی بچوں کو بالآخر نیند نے ڈھانپ لیا تھا۔ تب حاتم علی کے موبائل کی اسکرین ہی نہیں دل کی دنیا بھی روشن ہو گئی تھی کیونکہ نازو کے میسج آنا شروع ہو گئے تھے۔

"سرکاروں کہاں تک پہنچے؟" نازو کا انداز مخاطب بھی اداؤں سے بھرپور ہوتا تھا حاتم علی سرتاپا نہال ہو جاتا۔

"جہاں تک بھی پہنچیں لوٹنا تو آپ کے پاس ہی ہے۔" حاتم علی نے بھرپور شوخی سے ایس ایم ایس کا جواب سینڈ کیا۔

"خالی ہاتھ، خالی دل ہی لوٹنا جناب ہم بوجھ اٹھانے کے لائق نہیں ہیں۔" نازو کی عشق و ادائیں جاری و ساری تھیں۔ حاتم علی اس کے پیغامات پڑھ کر جان لیتا تھا کہ یہ سب کہتے ہوئے اس نے ناز سے بالوں کو جھٹکا اور نخوت سے ناک چڑھائی ہو گی۔

"جنابِ من دل پر کیا موقوف ہمارا تو سینہ ہی خالی ہے دل تو عرصہ ہوا آپ نے امانتاً لے لیا۔" حاتم علی ایک الگ ہی جہاں میں محو پرواز تھا۔ ہواؤں میں نازو کی نازک کلائی اپنے مضبوط ہاتھ میں تھامے ایک بادل سے دوسرے بادل پر جمپ کرتے وہ مستانے و بیگانے تھے۔

"امانتاً آپ کے پاس رکھا تھا، ہم نے تو اپنا حق وصول کیا ہے۔" نازو کی یہی شوخیاں تو تھیں جس نے اسے پہلے دن

سے مقید کر رکھا تھا لاہور میں دوران جاب وہ اس کی نئی اپائنٹ ہوئی کولیگ تھی۔ وہ معاشرتی علوم کی ٹیچر تھی مگر اپنے سبجیکٹ سے قطع نظر انتہائی چلبلی، پارہ صفت، سوشل مزاج تھی۔ حاتم علی کو سینئر ہونے کی بناء پر سر جی تو کبھی استاد جی سے مخاطب کرتی تھی۔ وہ کیمسٹری کا ٹیچر تھا مگر نازو اس کے پاس مسئلہ کشمیر اور پاکستان کی تجارت و زراعت ڈسکس کرنے آتی تھی اور اسی غیر متعلقہ ڈسکشن میں بات کہیں سے کہیں جانکلی تھی۔ وہ اس کے شوخ ایس ایم ایس کا عادی تھا تو سڑا سے کوک پینے کا اسٹائل تو دل موہ لینے والا تھا وہ اس کے سامنے ہوتی تو کوک تھمائے اسے تکتا رہتا جسے وہ چسکیوں میں پیا کرتی تھی۔ جب جدا ہوتے تو موبائل کی جان پر بنی رہتی پھر ایس ایم ایس اور رات بھر کالز کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑے رہتے۔ راہیں سہل تھیں جلد ہی دونوں منگنی کے بندھن میں بندھ گئے تھے پھر حاتم علی کے سرکاری طور پر ٹرانسفر کے آرڈرز کے تحت وہ سکھر گورنمنٹ اسکول روانہ ہوگیا تو ملاقات کا واحد جادوئی ذریعہ موبائل ہی تھا۔

"نازو پہلا دن ہے تم سے جدا ہوئے کیسے رہ پاؤں گا متفکر ہوں۔" حاتم علی نے حال دل عیاں کیا۔ وہ حقیقتاً اماں ابا سے زیادہ اسے یاد کررہا تھا۔

"جدا کہاں سے ہیں آپ کے پاس ہی تو ہوں۔" نازو نے چہک کر لہک کر کہا تھا اور ہنسی کے سر بکھیرے تھے۔

"کہاں ہو؟ ذرا میں چھو کر تو دیکھوں۔" حاتم علی نے بھی ٹھہرا گئیں لہجے میں جذبے لٹائے تھے۔

"اوں...... ذرا نیچے دیکھو۔" نازو نے سوچنے کا ایکٹ کرتے ہوئے اسے راہ دکھائی تھی حاتم علی نے فرماں برداری سے سر جھکا کر دیکھا تھا کچھ ہوتا تو دکھائی دیتا بس کھیل تھا اور وہ ترنگ میں تھے۔

"نہیں دکھا، چلو کوئی بات نہیں رائٹ سائیڈ پر دیکھو میرے بال تو ضرور دکھیں گے۔" نازو نے منچلے انداز کو برقرار رکھتے ہوئے شوخیاں سپرد موبائل کی تھیں۔

"اچھا تو رائٹ سائیڈ پر تمہاری عنبرین زلفوں کو......" حاتم علی کچھ حسین بات کہنا چاہتا تھا کوئی مبالغہ کوئی تصور ظہور پذیر ہوا چاہتا تھا مگر وہ چونک گیا تھا موبائل میں بری طرح گم اپنے اردگرد سے بے خبر شوخ کھیل کے دوران اس کی نگاہ دیبا نصیر پر جارکی تھی۔ سامنے کا منظر ایسا تھا کہ وہ موبائل اور نازو کی ادائیں فراموش کر گیا تھا اسے ایک بار پھر اپنے ڈبے میں نہ جانے کے غلط فیصلے پر پچھتاوا ہوا تھا۔

❁......❁......❁......❁

دیبا نصیر پرانے لاہور کی گلیوں میں سکھیوں کے ساتھ کھیل کود کے جواں ہوئی تھی۔ ابا سرکاری ملازم اور اماں محلے کا چلتا پھرتا شادی کا دفتر تھیں، ان کا کام دن بھر تصویریں لیے ایک گھر سے دوسرے گھر چکر کاٹنا تھا۔

چار بہن بھائیوں میں بڑی ہونے کی پاداش میں اسے گھر اور بچوں کو سنبھالنے کی خاطر میٹرک کے بعد تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا تھا اور اس کے باوجود وہ محلے کی سب سے زیادہ پڑھی لکھی حسینہ تھی کیونکہ اس کی سہیلیوں کو تو ڈل بھی ایم اے لگتا تھا۔ تعلیم کم تھی تو کیا ہوا عقل، سمجھ بوجھ میں وہ گھوڑے دوڑاتی تھی۔ سکھی سہیلیوں کے کپڑوں کے ڈیزائن سے لے کر خفیہ سرگرمیوں تک میں اس کی دانائی ساتھ رہتی تھی۔ ایسے ہی کسی دن اپنی سہیلی عالیہ کی ہمدردی میں خفیہ مشن کے دوران وہ علی شیر سے جاٹکرائی تھی۔

لمبا تڑنگا کسرتی شانوں والا علی شیر ایسے خفیہ کاموں کا ماسٹر جانا جاتا تھا، گلیوں میں ٹکرانا بات سلام دعا سے آگے بڑھانا، آتے جاتے اشارے بازیاں اور پرانی کھنڈر عمارتوں میں ملاقاتیں اور بالآخر اللہ حافظ اور قصہ ختم عالیہ، دیبا کو باہر چھوڑے اندر کہیں ماں باپ کی تربیت کو گھن لگانے گئی تھی جب علی شیر کی چرب زبانی سے اس کا واسطہ پڑا تھا۔

بات کہاں سے شروع کرنی ہے اور کن راہوں میں آگے بڑھنا ہے علی شیر گرشکاری تھا تو زیادہ سوچ بچار دیبا نصیر نے بھی نہیں کی کھیل شروع ہوگیا تھا۔ اور اندھیرے بڑھتے جارہے تھے مگر چھوٹے علاقے اور تنگ گلیوں میں بات جتنی جلدی پروان چڑھتی ہے اتنی ہی جلدی آگ بن کر پھیل بھی جاتی ہے۔

اماں شادی دفتر کو گھر لے آئی تھیں اور اپنی دانست میں

بہترین رشتہ جو مقامی ہی تھا دیبا کے لیے چن لیا تھا مگر وہ یونہی سیانی نہیں مانی جاتی تھی۔ اس نے اماں کی تصویروں میں علی شیر کی تصویریں شامل کرکے اس کا رشتہ عالیہ کے لیے منگوالیا تھا پہلے ہی دن بنا لڑکی دیکھے رشتہ لانے والے تین نفوس جس میں علی شیر' اس کا دوست بحیثیت والد اور دوست کی منگیتر بحیثیت والدہ کے دو مٹھائی کے ٹوکرے' پھلوں کے ٹوکرے اور عمدہ جوڑے چوڑیوں کے ساتھ آنا محلہ بھر کو ورطۂ حیرت میں ڈال گیا تھا۔

دیبا اپنی ماں کی ذہنی سطح اور چالوں سے واقف تھی وہ ہمیشہ رشتوں میں سے سب سے اچھا اپنی بیٹی کے لیے ریزو رکھتی تھی اور دوسرے درجے کے رشتوں کو آگے ٹرانسفر کرتی تھی بعد میں وہ رشتے دیبا کو پسند کریں یا نہیں وہ الگ بات تھی اسی لیے دیبا نے انتہائی پلاننگ کے ساتھ ماں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا عین اس کی منشا کے تحت اس کی ماں نے شان سے آنے والوں کو نہایت سہولت سے اپنے گھر کا راستہ دکھایا تھا اور عالیہ کے والدین سے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ انہیں لڑکی پسند نہیں آئی۔ یوں جھوٹ کے چمکتے کاروبار میں دیبا اور علی شیر کی نسبت طے پا گئی۔

مگر جھوٹ جسے ام الخبائث (تمام گناہوں کی ماں/ جڑ) کہتے ہیں کبھی پائیدار نہیں ہوتا۔ سیانی دیبا کو گھاک علی شیر نے دھوکا دیا اور عین شادی کے مقررہ دنوں میں شہر سے یوں غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور دیبا اپنی چالاکیوں سمیت ہاتھ ملتی رہ گئی۔

اس دھوکے کا فائدہ یہ ہوا کہ اسے ہدایت کا راستہ مل گیا تھا وہ خود میں سمٹ گئی اور اجنبیوں سے اعراض کرنے لگی چند ہی ماہ بعد دیبا کی اماں کی پرانی سہیلی جو سکھر میں رہتی تھیں دونوں کی ملی بھگت سے وہ اماں کی سہیلی کے بیٹے نصیر کے ساتھ بیاہ کر سکھر چلی گئی ماضی کو بھلائے اور نئی زندگی کے نشیب و فراز میں گم ہوگئی مگر یہ بھول گئی کہ ماضی کبھی دفن نہیں ہوتا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁
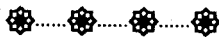
حاتم علی سکھر شہر کے گورنمنٹ اسکول میں بحیثیت پرنسپل اپائنٹ ہوا تھا۔ علاقے بھر میں اس کی اچھی خاصی دھاک

بیٹھ گئی تھی' دو ماہ میں اسے گھر کے معاملات میں مداخلت کرنے کا ٹھیکا مل گیا تھا' کم تعلیم یافتہ ناخواندہ علاقوں میں ذرا سی تعلیم اور ذرا سا عہدہ بہت زیادہ عزت کے حق دار بن جاتے ہیں' اندھوں میں کانا راجہ کے مصداق وہ علاقے کے معاملات میں بھی پیش پیش رہتا تھا گھر والوں سے اور خاص طور پر نازو سے جدائی کا اثر زائل کرنے کے لیے یہ مشغلہ برا نہیں تھا۔

دیبا نصیر اور اس کے اہل خانہ کو اس نے سکھر سے ذرا پہلے یک چھوٹے سے علاقے میں جاتے دیکھا تھا دیبا کے سسر نے حاتم علی سے خاص طور پر علیک سلیک کی تھی اور بلاآخر ت آ گئی ہوگئی تھی۔ دیبا نصیر اور اس کے کسی بھی فعل سے اتم علی کو کوئی سروکار نہ تھا وہ خود تھا اور نازو کی ناز آفریں ہت تھی دن بھر ایس ایم ایس کا دور چلتا اور رات کو خوابوں یالوں پر نازو کا پہرا ہوتا۔ اس کی پوسٹنگ مزید ایک سال ب رہنا تھی پھر وہ لاہور لوٹ جاتا وہ ہوتا اس کی نازو اور اس ی ادائیں ہوتیں اس کی زندگی مکمل اور حیات سہل تھی' ایسے یں اسے بلاوجہ ایسے معاملے میں گھسیٹ لیا گیا تھا جو اس کی جہ کا مرکز کبھی تھا ہی نہیں۔

علاقے کے شیخ صاحب کے بیٹے کی بارات قریبی گاؤں تھی حاتم علی کو دعوت نامہ ملا تھا اور شیخ صاحب نے نکاح ے کاغذات کی لکھت پڑھت کے لیے خاص طور پر اسے ا بھی دیا تھا سو وہ کچھ باعث از کار نہ ہونے کی وجہ سے ت کے ساتھ روانہ ہوگیا تھا مگر وہ جانتا نہیں تھا کہ وہ دیبا ر کے گاؤں جا رہا ہے جہاں اسے بلاوجہ گواہی کا بوجھ اٹھانا ے گا۔

❁ ❁ ❁ ❁
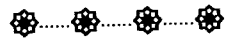
ٹرالر' تانگے کے غیر متوازن تھکا دینے والے سفر میں وہ ی بن کر خود کو عجوبہ محسوس کر رہا تھا اور جب اس کی بیزارگی بزے پر تھی موبائل اسکرین نے اس کے دل کی دنیا نئے میں ڈھال دی تھی' محترمہ نازو کی ایس ایم ایس کی آمد ی تھی وہ خوشبو وجود ستارہ آنکھ اور شوخ ذہن تھی اسے ں کے گر آتے تھے اور اداؤں کے ہتھیار سے لیس تھی۔

حاتم علی نے اس کی کال کاٹ کر ایس ایم ایس کیا۔

"تمہاری رسیلی آواز سننے سے محروم رہوں گا ماحول موافق نہیں کان کے بجائے آنکھ میں سماؤ۔" حاتم علی نے اسے میسجز پر اکتفا کرنے کی ہدایت نرالے انداز میں کی تھی وہ نازو کو سمجھنے اور سمجھانے دونوں صورتوں سے واقف تھا۔

"اگر آپ بات کرتے تو جان لیتے کہ حالات یہاں بھی سازگار نہیں۔" نازو کی اداؤں میں بدلاؤ تھا وہ غم و غصے میں تھی حاتم علی جانتا تھا کہ وہ انگلیوں کو مروڑ رہی ہوگی یہ اس کے غصہ ظاہر کرنے کا انداز تھا۔

"آج جان حاتم غصے میں ہیں منظر دیکھنے لائق ہوگا۔" حاتم علی نے ہلکے پھلکے انداز میں لکھا۔

"نہیں بالکل دیکھنے والا چہرہ نہیں ہے میرا کیونکہ اس پر خون لگا ہے۔" نازو نے علامتاً کہا تھا مگر حاتم علی حقیقتاً دہل گیا تھا اس کے ذہن میں یک دم چہرے پر خون لگے ڈائن کا تصور آیا تھا وہ چپکے سے ہنس دیا کیونکہ باراتی اس کی طرف متوجہ تھے۔

"کس کا خون پی لیا تم نے مجھے ملاوٹ زدہ نازو نہیں چاہیے۔"

"عدیلہ کا۔" نازو نے اپنی انتہائی قریبی سہیلی کا ذکر کیا تھا جس سے حاتم علی واقف تھا وہ بھی ان کی کولیگ تھی۔

"آپ کو پتہ ہے حاتم وہ کتنی جھوٹی ہے؟ آج تو اس نے جھوٹ بولنے کی حد پار کردی۔" نازو حاتم علی کے استفسار پر تفصیلات بیان کر رہی تھی۔

"عدیلہ اور میں دونوں ایک ساتھ شاپنگ کرنے گئے تھے ہم وہ بیگ لے کر آئے تھے آج جب وہ ناصرہ نے چوری کرلیا تو عدیلہ نے جھوٹی گواہی دی کہ وہ میرا نہیں ہے حالانکہ وہ گواہ تھی کہ وہ ہینڈ بیگ میں اس کے ساتھ ہی خرید کر لائی تھی اور ناصرہ کا ساتھ دے کر اس نے جھوٹ بولنے کا ریکارڈ توڑ دیا لعنت ہو اس پر بے حد و بے حساب۔" نازو غصے میں نازو انداز بھول گئی تھی اور عدیلہ کو پیٹ بھر کو سنے دے رہی تھی حاتم علی محظوظ ہو رہا تھا۔

"نازو میری جان ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھوٹ کوئی

معنی نہیں رکھتا اگنور کردو۔'' حاتم علی نے بات کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی۔

''کیا مطلب جھوٹ تو جھوٹ ہے ناں' کیا عام اور کیا خاص بات' اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' نازو موضوع سے ہٹنے کو تیار نہ تھی اور جرح پر اتر آئی تھی۔

''میں جانتا ہوں نازو ناصرہ کے مالی حالات اچھے نہیں اس کے پاس انتہائی خستہ ہینڈ بیگ تھا سو مجھے لگتا ہے عدیلہ نے یہی سوچ کر اس کی فیور کردی ہوگی تم اسے معاف کرکے عدیلہ کے جھوٹ اور ناصرہ کی چوری کا اثر زائل کردو۔'' حاتم علی نے نازو کو نرمی سے سمجھایا جو اس پر اثر بھی کر گیا تھا۔

''جناب من کیا جھوٹ ضرورت پڑنے پر حلال ہوجاتا ہے؟'' حاتم علی اس کی بات کا جواب دینے کی فی الحال پوزیشن میں نہیں تھا کیونکہ سامنے کا منظر توجہ طلب تھا۔

❁ .... ❁ .... ❁ .... ❁

دیبا نصیر شادی کے بعد ایک عام عورت تھی جس کا کوئی چور خانہ نہ تھا ماضی کی لغزشیں وہ میکہ چھوڑ آئی مگر کھوجنے والے چور کے نشان کھوج لیا کرتے ہیں نصیر کے اندر فطرتاً شک کا عنصر تھا اور تنگ نظری کا خانہ ضرورت سے زیادہ وسیع تھا۔ اوپر سے ضرب عالیہ کی ماں نے لگادی تھی جب وہ لاہور دیبا کے میکے گیا تھا دیبا کی ماں نے علی شیر کے رشتے کو جس دھوکے سے اپنے گھر موڑا تھا عالیہ کی ماں کے اندر وہ غصہ پنپ رہا تھا سو موقع ملتے ہی اس نے تیر چلا دیا تھا جب دیبا اور نصیر کھانے کی میز پر موجود تھے تو عالیہ کی ماں نے اپنی طرف سے پیٹھ کیے نصیر کو یک دم جالیا تھا۔

''آؤ علی شیر......آؤ......نہیں نہیں نصیر پتر اوئیں منہ سے پھسل گیا۔'' نصیر کا منہ کی طرف نوالہ لے جاتا ہاتھ تھم گیا تھا۔ زیادہ کہنا سننا تو اضافی فعل تھا اتنی سی بات ہی گرہستی کو آگ لگانے اور زندگی عذاب بنانے کے لیے کافی تھی بعد میں نصیر کی چھان بین نے اسے پوری کہانی بتلادی۔ دیبا نے قسمیں کھا کر اپنی غلطی کی معافی اور اس کے ساتھ ہمیشہ مخلص رہنے کے وعدے کیے اس کی التجاؤں اور بڑوں کی مداخلت سے وقتی طور پر بات دب گئی مگر مینا کی پیدائش کے وقت جب وہ

میکے میں تھی تو ایک دن علاقے میں لگنے والے میلے میں علی شیر اس کے سر پر غضب ڈھانے جانے کہاں سے چلا آیا تھا اس نے اپنی مجبوریوں کی سوپ سیریل بنا کر دیبا کو دکھائی تھی دیبا پہلے جیسے معاملات کی طرف تو نہ لوٹی ہاں ذرا سے نرم رویے کی گناہ گار ضرور ہوئی تھی اور یہی وہ محرکات تھے جو اسے ایک دن سزا کے کٹہرے میں لے آئے تھے۔

❁......❁......❁......❁
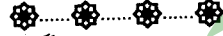
نصیر اور دیبا میں سال بھر شدید ناراضگی رہی وہ اسے ساتھ رکھنے پر آمادہ نہ تھا اس خطا کی وجہ سے جو وہ ماضی میں کر چکی تھی اور دیبا ایک بچی کے ساتھ اپنے گھر کو بسائے رکھنے کی خواہاں تھی بالآخر سال بھر کی ریاضتوں کے بعد نصیر نے جانے کون کون سی قسمیں اٹھا کر اسے اس شرط پر گھر لے جانے کی حامی بھری کہ وہ آئندہ کبھی بھی علی شیر کی شکل تک نہیں دیکھے گی۔ دیبا اپنے وعدوں قسموں پر اٹل تھی مگر علی شیر کے اندر خناس بھرا تھا وہ موقع ملنے پر اس کے راستے میں آتا وراسے بہکانا ترک نہیں کر رہا تھا۔ دیبا نصیر مضبوط تھی اس نے میکے آنا بالکل چھوڑ دیا تھا حتیٰ کہ گھر سے نکلنا بھی علی شیر کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر اس کے ساتھ چلے تو وہ ایک نئی دنیا بسائیں گے مگر دیبا اپنی بنی بنائی دنیا میں خوش تھی۔

انہی دنوں وہ لاہور چھوٹے بھائی کی شادی میں شرکت کے لیے جانے والی تھی نصیر نے حلفاً اس سے اقرار لیا تھا کہ وہ علی شیر سے قطع تعلق برقرار رکھے گی وہ مینا اور حسن کے ساتھ لاہور شادی اٹینڈ کرنے آئی علی شیر اس کے راستے میں کانٹے بچھاتا رہا وہ بچتی بچاتی رہی مگر واپسی سکھر کے سفر میں جب حاتم علی بھی ہمسفر تھا اس سے سرزد ہوئی معمولی خطا اسے دنیا کی نگاہ میں دو کوڑی کا کر گئی تھی۔

علی شیر اس کے منع کرنے کے باوجود اس سفر میں ان کی نوکروں میں لیٹا جبری ہمسفر تھا خود کو مجنوں ظاہر کرتا وہ اس کی ہمدردی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر محبت نامی چڑیا تب اس دیس سے کوچ کر گئی تھی ٹرین سے اترتے وقت نصیر کے ابا کی نظر علی شیر پر پڑ گئی تھی اور یہیں سے اسے جہلاء کی اور پنچائیت کی بھینٹ چڑھا دیا گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁
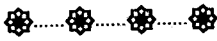
حاتم علی بارات کے ساتھ شور ہنگامے میں گاؤں پہنچا تھا مہذب مہمانوں میں شمار ہوتا نکاح کا گواہ بنتے وقت اسے قطعاً خبر نہ تھی کہ اسے کسی اور بات کا گواہ بھی بننا ہوگا۔

تیسرے دن بارات کے ساتھ لوٹتے ان کی نظر چٹیل میدان میں لگی پنچائیت پر گئی تھی ایک چارپائی پر پانچ نفوس حقے سے شغل کرتے خونخوار نگاہوں سے مجرم کو دیکھ رہے تھے۔ کوئی شخص دھاڑتا ہوا اپنی شکایت بیان کر رہا تھا اور کوئی سر جھکائے اس کی ہر بات پر نفی سے سر ہلا رہا تھا اور سر پھرا ہجوم فوری فیصلے کے لیے بیتاب تھا۔

حاتم علی نہ تو اصل معاملہ جانتا تھا نہ جاننے کی اسے خواہش تھی اندرون سندھ‘ پنجاب کی گلیوں میں ایسے مناظر اس کے دیکھے بھالے تھے مگر یک دم کسی شخص کا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوڑتے آنا اسے حیران کر گیا تھا۔ قریب آنے پر معلوم ہوا وہ نصیر کے ابا اور دیبا کے سسر تھے جو اس کے ہمسفر رہ چکے تھے۔

”تم گواہی دو پتر تم اس رات ہمارے ساتھ تھے۔“ حاتم علی کو کچھ سمجھ آنے سے قبل وہ اسے گھسیٹتے پنچائیت میں لے آئے تھے۔

”دیکھو بھائیو یہ گناہ گار عورت مسلسل میری آنکھوں دیکھی کو جھٹلا رہی ہے آپ کو فیصلے کے لیے گواہ چاہیے تو یہ ہے حاتم علی یہ پورے سفر میں ہمارے ساتھ تھے اور ہر بات کے چشم دید گواہ بھی۔“ حاتم علی کو اصل صورت حال معلوم ہوگئی تھی دیبا کے سسر نے علی شیر کو دیکھتے ہی رات کی کہانی مکمل تیار کر کے بیٹے کے گوش گزار کر دی تھی جو آتش فشاں بنا بیٹھا تھا اس نے دیبا سے کوئی وضاحت مانگنے اور علیحدگی کا شرعی راستہ اختیار کرنے کے بجائے دیبا کو سخت سزا دینے کا قصد کیا اور گھر کی بات کو چوراہے کے بیچ لے آیا تھا۔

کاروکاری کی رسم اور گھناؤنی رسومات سے حظ اٹھانے والے وحشیوں نے میدان سجا لیا تھا‘ پنچائیت ان کے من پسند فیصلے پر مہر لگانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ دیبا کا جھکا سر اور کانپتا وجود اس کے معصوم بچوں کی فریادیں کچھ بھی تو اس کے لیے

سازگار نہیں تھا کوئی سننے والا تھا نہ سمجھنے والا۔
دعویٰ تھا کہ وہ ٹرین میں رات کو علی شیر کے ساتھ غیر شرعی رویے کی مرتکب ہوئی تھی جب کہ دیبا کی آہ وزاری تھی کہ علی شیر اس کے علم میں لائے بغیر وہاں آیا تھا وہ دیبا سے بات کرنا چاہتا تھا مگر دیبا نے اس کی ہر بات رد کی تھی اور اسے رات بھر سختی سے دوبارہ اپنی راہ میں نہ آنے کی تلقین کی تھی۔ مدعی اور ملزم دونوں کے پاس اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے گواہ نہیں تھا۔ اور حاتم علی اس کام کے لیے چنا گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁
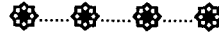
رب تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے کہ۔
"اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہے۔"
حاتم علی نے دو دن قبل ہی تو اسکول میں بچوں کو شہادت کی تفصیل بتائی تھی اس کے علم میں تھا کہ وہ شہادت ایک امانت ہے جسے ادا کرنا لازم ہے اور یہ امانت مدعی کا حق ہے۔ دیبا کا سسر مدعی تھا جس نے حاتم علی کو گواہی کے لیے طلب کیا تھا اس کا عائد کردہ الزام مکمل نہیں تو کسی حد تک درست بھی تھا اس رات جب حاتم علی نازو سے خوش گپیوں میں مصروف تھا تب اس کی نگاہ دیبا نصیر پر گئی تھی جو تنہا نہیں تھی رستے میں پڑی گٹھری سے برآمد ہوا علی شیر اس کے ہمراہ تھا اسے بانہوں سے تھامے ہوئے تھا اور اپنے ساتھ لے جانے پر مصر تھا دیبا کے سسر بھنگ کے عادی تھے۔ قرین قیاس تھا کہ بچے بھی اسی کے زیر اثر گہری نیند میں تھے کیونکہ کسی کی بھی نیند ٹوٹ نہیں رہی تھی دیبا علی شیر سے ملی بھی تھی اور قریب بھی رہی تھی لیکن وہ مسلسل اسے لوٹ جانے اور دوبارہ اس کی زندگی میں داخل نہ ہونے کی تلقین کرتی رہی تھی۔ حاتم علی کی آنکھوں دیکھی حکایت تھی دیبا نصیر گناہ گار تھی مگر حد کے اندر تھی اور شرمسار بھی تھی وہ سچ کہتا تو اس کی اتنی بات سن کر ہی دیبا کو سزا دے دی جاتی کہ علی شیر اس رات ٹرین میں تھا باقی کی بات سننے کی تو کسی نے زحمت ہی نہیں کرنی تھی۔
وہ شہادت کا حق ادا کرتا کہ ظلم کو نافذ ہونے سے روکنے کے لیے جھوٹ پر قناعت کرتا وہ جھوٹ جو حرام ہے مگر شارع نے اسے حلال بھی تو کیا ہے جب جنگ ہو لوگوں میں صلح کرانی ہو بیوی کو راضی کرنا ہو حاتم علی کو جھوٹ ناپسند تھا اس کے لیکچر کا بیشتر حصہ جھوٹ کے خلاف وعید پر مشتمل ہوتا تھا۔ مگر وہ ایسے سچ کو سر کا تاج بنانے کے لیے تیار نہ تھا جس سے دو معصوم بچوں کی شرمسار ماں رسوائی کی موت مر جاتی اور بچے طعنوں کا طوق لیے رسوائی کی زندگی جیتے اور سزا دینے والے دودھ کے دھلے رہتے؟ دیبا کے سسر نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا تھا یا دیبا کا شوہر گناہوں سے ناواقف تھا وہ پانچ پنچایتی فرشتے تھے تو کیا وہ تمام وحشی ہجوم سزا دینے کا مجاز تھا سزا جزا دینے والی ذات تو اللہ کی ہے جو ہر عیب سے پاک ہر سوچ کی رسائی سے بالاتر ہے حق شہادت اسی کی عدالت میں زیبا ہے گلی کوچے کی عدالتیں اور ان کی سزائیں تماشے سے زیادہ کچھ نہیں۔ حاتم علی نے دیبا نصیر کو سزا سے بچا لیا تھا اس نے صاف جھوٹ سے پرہیز کیا اور "توریہ" کا سہارا لے کر کہا تھا۔
"دیبا نصیر سے اس رات کوئی فعل سرزد نہیں ہوا تھا۔"
وہ دنیا کے کٹہرے میں سرخرو ٹھہری تھی اس کا ناگ صفت شوہر مطمئن ہوا تھا وہ ایک نئی زندگی کی طرف لوٹ گئے تھے تماش بین بور ہو کر بکھر گئے تھے تو حاتم علی واپسی کے راستے پر گامزن ہوا تھا۔ اسی راستے سے جہاں اس کا سچ خون بے رحم بہا دیتا اور اس کے جھوٹ نے امن کی نہریں بہا دیں تھیں، اپنی جان، مال، عزت کی حفاظت کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے تو دوسرے انسان کی جان، مال، عزت کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے وہ نازو کے سوال کا تفصیلی جواب ارسال کر رہا تھا۔

❁

"سعیدہ آپا اگست کا مہینہ آرہا ہے۔" اُس کی بات پہ سعیدہ آپا نے حیرت سے اُسے دیکھ کے پوچھا۔

"ارے تو کیا نہ آئے؟"

"نہیں میں نے یہ کب کہا۔"

"تو پھر؟"

"وہ دراصل جیسا کہ آپ جانتی ہیں۔" اگست کے مہینے میں گرمی اور دھوپ اپنے عروج پہ ہوتی ہے تو اس حساب سے مجھے لگتا ہے کہ یہ مہینہ اکثر لوگوں کو نہیں پسند ہوگا۔"

"بھئی میں نے تو اب اپنی عُمر گُزار لی مجھے اب موسموں یا مہینوں کا کیا پتہ۔"

"آپا لیکن مجھے جاننا ہے ناں۔"

"کیوں؟"

"سعیدہ آپا مجھے شوق ہے ناں سب مہینوں کے بارے میں جاننے کا‘ اس لیے میں جاننا چاہ رہی ہوں۔"

"اچھا تو پھر ایسا کرو‘ قیصر آپا سے پوچھ لو۔"

"کیا قیصر آپا آپ کی بھی آپا ہیں؟"

"لو بھئی میری کیا وہ تو سب کی آپا ہیں۔"

"واؤ...... پھر میں اُن سے جا کے پوچھتی ہوں۔ اُنہیں ضرور پتہ ہوگا۔" وہ خوشی خوشی قیصر آپا کی طرف آ گئی‘ یہی کوئی صبح دس بجے کا وقت تھا اور قیصر آپا بہت مصروف تھیں ہاں بہت بہت بہت زیادہ مصروف۔ ارے بھئی اتنی ی میلو دیکھنا اور اُن کے جواب دینا کوئی خالہ جی کا گھر ہے؟ اُس نے اصرار کیا کہ وہ اپنے قیمتی وقت سے بس پانچ منٹ دے دیں۔ ایک تو قیصر آپا اتنی اچھی ہیں اور دوسرا وہ معصوم سی کیوٹ سی تھی۔ بس قیصر آپا نے فوراً ہامی بھر لی۔ اُس نے ساری بات قیصر آپا کو بتائی۔

"اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے بیٹا‘ آپ کچھ لوگوں سے ملاقات کر کے پوچھ لو کیوں کہ اگر لکھ کے پوچھو گی تو ہوسکتا ہے آپ مطمئن نہ ہو اس لیے فیس ٹو فیس پوچھ لوگی تو پتہ چل جائے گا اگلا انسان سچ بتا رہا ہے یا ویسے ہی نمبر بنانے کے لیے جھوٹ کی بھی ملاوٹ کر رہا ہے۔"

اُسے قیصر آپا کی بات بہت پسند آئی لیکن پھر اچانک اُس کا منہ بن گیا۔

"اب کیا ہوا بیٹا؟"

"قیصر آپا...... میں اس سلسلے میں کچھ خاص لوگوں سے جا کے ملنا اور اُن سے پوچھنا چاہ رہی ہوں لیکن اُن کے ایڈریس؟" قیصر آپا نے ساتھ بیٹھے طاہر بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے یہ طاہر صاحب ہیں ناں۔"

"اوہ طاہر بھائی‘ السلام علیکم‘ کیسے ہیں آپ۔"

"وعلیکم السلام الحمدللہ میں ٹھیک ہوں‘ آپ کیسی ہیں؟"

"الحمدللہ میں بھی ٹھیک ہوں تو طاہر بھائی میں آپ کو چند لوگوں کے نام بتاتی ہوں آپ اُن کے ایڈریس دے دیجیے ناں۔"

"ٹھیک ہے میں کوشش کرتا ہوں۔"

اور پھر اُس نے طاہر بھائی کا شکریہ ادا کیا کیونکہ اُن میں سے کچھ لوگوں کے ایڈریس اُن کے پاس نہیں تھے‘ تو اُنہوں نے اپنے ریفرینس سے لے کے دیے۔ جب وہ جانے لگی تو سعیدہ آپا نے پوچھا۔

"کیا ہو گیا مسئلہ حل؟"

"جی ہاں ہو گیا۔"

"چلو شکر ہے۔ ویسے مجھے سمجھ نہیں آرہی۔ اب ایک اگست کے مہینے کے بارے میں لوگوں کی رائے لینے اتنی اتنی دور جاؤ گی اتنی محنت کرو گی۔ صرف اپنی ہی رائے لے لو ناں۔"

"اوہو سعیدہ آپا میں تو ملکہ ہوں۔ مجھے تو ہر مہینہ پسند ہے۔ ہر مہینے کے موسم سے عشق ہے خواہ وہ موسم خزاں کا ہی کیوں نہ ہو۔ میں خزاں کے موسم میں جھڑتے زرد پتوں

میں بھی محبت ڈھونڈ لیتی ہوں۔"

☆☆☆......☆☆☆

وہ اپنے ابو جی سے اجازت رات کو ہی لے چکی تھی۔ اس لیے اگلے دن اُس نے صبح سات بجے ہی تیاری شروع کردی۔ اپنی الماری کھولی تو ہینگر کیے ہوئے سوٹوں میں سے کوئی بھی سوٹ پہننے کا موڈ نہ بنا۔ اچانک اُس کی نظر نچلے خانے میں رکھی گئی اپنی نیلی میکسی پہ پڑی۔ اُس نے خوش ہوتے ہوئے وہ پیکٹ اُٹھالیا لیکن یہ کیا اُسے ہاتھ میں تھام کے پھر اُداس۔ یہ تو بڑی عید پہ پہننے کے لیے ہے لیکن پھر خود سے ہی کہا۔ چلو کوئی نہیں یہ موقع بھی تو روز نہیں آنا عید کے لیے جب باقی دو سوٹ خریدوں گی تو ایک اور بھی خرید لوں گی۔ جلدی سے اُس نے لباس تبدیل کیا۔ پھر اُس نے اپنے بالوں کا جُوڑا بناتے ہوئے اُنہیں کیچر میں قید کیا۔ نیلا اسکارف لپیٹا۔ ہونٹوں پہ گلابی لپ اسٹک لگائی۔ بائیں کلائی پر سفید اور نیلی گھڑی پہنی جبکہ دائیں میں نیلے رنگ کی کانچ کی چوڑیاں۔ ناخنوں پر سفید نیل پینٹ لگایا۔ اُس کے خشک ہوتے ہی اپنا سفید ہیل والا جوتا پہنا۔ اپنا سفید ہینڈ بیگ اُٹھایا۔ اُس میں ضرورت کی چیزیں رکھیں۔ آخر میں سن گلاسز اُٹھائے اور گھر والوں کو بتا کے اپنی کار لے کے گھر سے نکل آئی۔ سب سے پہلے وہ نرمین نعیم سرھیو کے گھر کی طرف گئی۔ گلی میں موجود بچے اُسے کافی اشتیاق سے دیکھنے لگے۔ وہ بھی چلتے ہوئے اُن کے بالوں کو بکھیر کے مُسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ دو منٹ بعد اندر سے آواز آئی۔

"کون ہے؟"

"تم نرمین ہو؟" اجنبی لہجے میں اپنا نام سُن کے وہ چونک گئی۔

"جی ہاں۔ آپ کون؟" اب نرمین اشتیاق سے کی ہول سے جھانکنے لگی۔ جو لڑکی کھڑی تھی اُس کو وہ پہلی دفعہ دیکھ رہی تھی۔

"نرمین تمہاری فرینڈ لسٹ میں ایک لڑکی ایڈ ہے۔ لوگ اُسے ملکہ کے نام سے جانتے ہیں۔ کیا تم اُسے جانتی ہو؟"

نرمین سوچنے لگی۔ کہ ایسی کون سی ملکہ۔ ملکہ تو اُن کے ساتھ والے گھر میں بھی رہتی ہے۔ لیکن وہ اتنی پیاری اور ماڈرن کہاں۔ پھر اچانک اُس کے ذہن میں جھماکہ ہوا اور اُس نے جلدی سے اپنا حُلیہ دیکھا۔ پھر شرمندگی سے فوراً دروازہ کھول دیا۔ اُس سے مل کے پوچھا۔

"کوئی اور بھی ہے تمہارے ساتھ؟"

"نہیں میں اکیلی آئی ہوں۔"

"او...... آؤ ناں اندر۔" وہ اُسے لیے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اپنی امی اور آپی شافیہ انعم سے ملوایا اور پھر خود غائب۔ جب دوبارہ آئی تو اُس نے کپڑے بدلے ہوئے تھے اور اُس کے ہاتھ میں کولڈ ڈرنکس اور دیگر لوازمات تھے۔ ملکہ نے کولڈ ڈرنک اُٹھائی۔ اُس کی آپی اور امی چلی گئیں اور نرمین تھوڑا کنفیوز ہونے لگی کہ کیا بات کروں اور کیا نہ۔ اُس نے خود ہی اپنے آنے کا مقصد بیان کردیا۔

"نرمین دراصل میں جاننا چاہ رہی تھی کہ لوگ اگست کے مہینے کو کیسا سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ میں نے اکثر سُنا ہے کہ لوگوں کو بہت تیز دھوپ کی وجہ سے اور مون سون ہونے والی بارشوں کی وجہ سے یہ مہینہ نہیں پسند۔ اُن کے خیال کے مطابق بارش کے بعد حبس زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" نرمین کہنے لگی۔

"نہیں میں تو اگست کے مہینے کو بہت خاص سمجھتی ہوں۔"

"اچھا کیوں؟"

"کیونکہ ایک تو یہ میرا پیدائش کا مہینہ ہے۔ دوسرا مجھے ایون نمبر بہت پسند ہیں جیسا کہ اگست بھی آٹھواں مہینہ ہے اور تیسرا یہ کہ اگست کے مہینے کا نام سب سے مُنفرد ہے اور یہ بھی کہ پاکستان آزاد ہوا۔ میں پیدا ہوئی اور اگست میں پیدا ہونے والے لوگ تخلیقی صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ سادہ انداز میں ایک طرح سے مجھے اگست کے مہینے سے اپنی وابستگی کی وجہ سے بہت پسند ہے۔ اور اس کا سیزن بہت بہتر ہوتا ہے کہ اس میں مون سون کی بارشیں

ہوتی ہیں جو کہ مجھے بہت پسند ہیں۔ بارشوں کی وجہ سے نیچر زیادہ حسین ہوجاتی ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے نرمین۔ میں اب چلتی ہوں۔ بہت اچھا لگا تمہارے خیالات جان کر۔"

"یار اتنی جلدی؟"

"ہاں مجھے کہیں اور بھی جانا ہے۔" یہ کہتے ہوئے ملکہ نے اپنے ساتھ لایا ایک پیک شدہ ڈبہ اُٹھا کے نرمین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نرمین یہ تمہارے لیے۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی؟"

"گفٹ کی کیسے ضرورت نہیں ہوتی؟ ویسے تو ہر وقت کہتی رہتی ہو۔ اب لے کے آئی ہوں تو کہہ رہی ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ تو رسمی انکار ہے یار جو کہ امی نے سکھایا ہے۔" پھر مسکراتے ہوئے اُس نے ڈبہ تھام لیا اور وہ اُس کی آپی اور امی کو اللہ حافظ بول کے نیچے جانے لگی۔ نرمین اُسے چھوڑنے دروازے تک آئی۔ اور وہ اُسے اللہ حافظ بول کے نکل آئی۔

☆☆☆......☆☆☆

اُس کے بعد ایک خاتون جسے وہ صبا عیشل کے نام سے جانتی تھی اُن سے ملنے گئی۔ لیکن یہ کیا ابھی وہ کار سے نکلی ہی تھی کہ کئی بچے اُس کے آگے پیچھے اُسے اشتیاق سے یوں دیکھ رہے تھے جیسے کسی خوب صورت لڑکی کو اس سے پہلے دیکھا ہی نہ ہو۔ ہاں تو ظاہر ہے انہوں نے نہیں دیکھا ہوگا۔ اب ہر کوئی ملکہ تھوڑی ہوتا ہے؟ خیر بہت مشکل سے وہ اُن کے گھر کے دروازے پہ پہنچی۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ تو ایک پیاری سی اس سے کافی سال بڑی لڑکی نے دروازہ کھولا اور اُس کا پہناوا دیکھ کے تجسس سے پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟"

"کیا آپ اپنی فرینڈ لسٹ میں ایڈ ایک لڑکی کو جانتی ہیں جسے لوگ اکثر ملکہ کہتے ہیں؟" وہ سوچ میں گم ہو گئیں پھر کچھ لمحوں بعد کہنے لگیں۔

"اچھا...... اچھا۔ اندر آؤ ناں ایسے اچانک؟ بتا تو دینا تھا۔" اور پھر اُس کے اندر داخل ہوتے ہی ایک بچے کو روک کے باقی سب کو بھگا دیا۔ جلدی سے اُسے بٹھایا اپنی دیورانی اور اُن کے دو بچوں سے اور پیاری سی عیشل سے ملوایا۔ پھر اُسے کولڈ ڈرنک پیش کی اور ساتھ میں سُگھڑ عورتوں کی طرح جلدی سے سموسے بنا لیے۔ بسکٹ، نمکو اور چپس باہر سے اُس بچے سے منگوا لیے اور فریج سے برفی نکال کے یہ سب اُسے پیش کیا۔ اُس نے سب سے پہلے سموسہ کھایا۔

"واہ صبا باجی کیا ذائقہ ہے آپ کے ہاتھ میں۔" اور پھر برفی کھائی۔ جو کہ اُسے بہت پسند ہے۔ اُس کے بعد وہ اپنے اصلی ٹاپک پہ آئی۔ اُن سے بھی وہی سوال پوچھا اگست کے بارے میں۔ تو وہ مُسکرا کے کہنے لگیں۔

"دراصل میں دو اگست کو پیدا ہوئی۔ اس لیے یہ میرا پیدائش کا مہینہ ہے تو مجھے بہت پسند ہے اور اسٹارز کے لحاظ سے بھی کیونکہ اسد شیر ہے۔ مطلب سب اسٹارز کا اسٹا ہے اور میری شادی بھی دو اگست کو ہوئی۔ اس لیے مجھے بہت پسند ہے۔ لیکن مجھے اس کا موسم نہیں پسند۔ کیونکہ یہاں شدید گرمی ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہے صبا باجی۔ اچھا لگا آپ کے خیالات جان کر۔ اب میں چلتی ہوں۔"

"بالکل نہیں کھانا کھائے بنا ہرگز نہیں جا سکتی۔"

"نہیں۔ مجھے ابھی اور جگہ پہ بھی جانا ہے۔ میں لیٹ ہو جاؤں گی۔" یہ کہہ کے اُس نے ساتھ لایا پیک ڈبہ اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"صبا باجی یہ آپ کے لیے۔" انہوں نے مُسکراتے ہوئے خوشی سے اُس کا تحفہ قبول کیا اور وہ بھی مُسکراتے ہوئے اللہ حافظ کہہ کر وہاں سے آ گئی۔ یہ مت پوچھو کہ کیسے آئی۔ کیسے بچوں کو پیچھے ہٹا کے کار لے کے وہاں سے نکلی۔

☆☆☆......☆☆☆

اُس کے بعد وہ سر محمود ظفر اقبال ہاشمی کے گھر گئی۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ تو انہوں نے ہی دروازہ کھولا۔ لیکن یہ کیا

فوراً اُسے دیکھ کر اندر بھاگ گئے۔ اور وہ اُدھر ہی کنفیوز ہونے لگی کیا کرے واپس چلی جائے یا یہاں انتظار کرے۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ ایک پیاری سی نفیس سی خاتون دروازے پہ آئیں۔ بہت محبت سے اُس سے پوچھا۔

"جی آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"میں سر کی فین ہوں۔ مجھے اُنہی سے ملنا ہے۔"

"اوہ آیئے ناں اندر۔" وہ اُسے لیے اندر آ گئیں۔ اُسے بٹھا کے وہ سر محمود کے پاس گئیں۔ اُن سے جا کے اُس کا نام بتاتے ہوئے کہا۔ آپ کی فین ہے آپ سے ملنے آئی ہے۔ اُنہوں نے پہچان لیا اور اُسے اپنے گھر میں خوش آمدید کہا۔

"سر آپ کے لفظوں میں جادو ہے پڑھنے والوں کا دل موہ لیتے ہیں۔ آپ کے ناول، سفید گلاب، اندھیرے میں جگنو، قلم قرطاس اور قندیل اور حال ہی میں مارکیٹ میں آنے والا ناول میں جناح کا وارث ہوں۔ سب ہی ایک سے بڑھ کے ایک ہیں۔ اور خاص طور پر جو نظمیں آپ لکھتے ہیں وہ بہت کمال ہوتی ہیں۔"

"تشکر۔" اور پھر اُنہوں نے اپنی روایات کے مطابق اُس کی خوب خاطر تواضع کی۔ اُس نے سر کی بیگم کے ہاتھ کے ذائقے کی بھرپور تعریف کی۔ اس ستائش پر اُنہوں نے شکریہ کہا۔ اور پھر اُس نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو سر کہنے لگے۔

"مہینوں سے زیادہ انسان کو اچھا ہونا چاہیے۔ انسان اچھا ہو۔ جس مہینے میں بھی پیدا ہو وہ مہینہ خود بخود اچھا ہو جاتا ہے۔ اندر کا موسم اچھا ہو تو تپتا ہوا جون بھی فروری جیسا ہوتا ہے اور یہ کہ مہینوں اور موسموں کا اچھا یا اچھا نہ ہونا انسانوں کے اچھے ہونے یا نہ ہونے سے جُڑا ہوتا ہے۔"

"سر بہت اچھا لگا آپ کے خیال جان کر۔" پھر اُس نے اپنے ساتھ لایا ہوا ڈبہ اُنہیں دیا۔ لیکن اُنہوں نے سرے سے ہی انکار کرتے ہوئے کہا۔

"میں کسی سے بھی پہلی ملاقات میں تحائف قبول نہیں کرتا۔"

"پھر کب قبول کرتے ہیں سر آپ؟"

"دوسری ملاقات میں آپ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گی پھر۔"

"ٹھیک ہے منظور.....کل دوپہر کو۔" وہ اُن کی دعوت قبول کرتے ہوئے اللہ حافظ بول کے آ گئی۔

☆☆☆......☆☆☆

سر کے گھر سے آنے کے بعد وہ ماورا طلحہ سے ملنے گئی۔ اُس نے دروازہ کھولا اور اُس کا ڈریس دیکھ کے سوچنے لگی۔ بس کسی طرح یہ ڈریس اُس کے پاس آ جائے۔ پھر اُس نے سوچا کہ گُڑیا بہت سوہنی لگ رہی ہے۔ اُس نے امپریس ہو کے جلدی سے پوچھا۔

"جی کون......کس سے ملنا ہے؟"

"تمہاری فرینڈ لسٹ میں ایک لڑکی ایڈ ہے جسے لوگ ملکہ کے نام سے جانتے ہیں۔" اُس کے ذہن میں فوراً اُس کا نام آ گیا۔

"واؤ۔ اندر آؤ ناں۔ مجھے تو حیرانی پلس خوشی ہو رہی ہے۔ پلس سرپرائز۔" وہ جب اندر گئی تو اُس کے بھائی خود ہی وہاں سے اُٹھ کے اندر چلے گئے اور وہ اپنی بھابھیوں اور بچوں سے ملوانے لگی۔ اپنی خالہ کو بھی بلوا لیا۔ اُن سے بھی ملوایا۔ پھر اچھی خاصی خاطر تواضع کی۔ اُس کی بھابھیوں کے بچوں نے وہ کرتب دکھائے کہ ملکہ نے اپنی زبان کو بہت مشکل سے یہ کہنے سے روکا کہ یار ان کو تو سرکس میں ہونا چاہیے۔ پھر اُس نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ وہ تو شروع ہی ہو گئی۔

"بہت بُرا مہینہ ہے۔ برسات کا مہینہ ہے مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ بارش کے بعد حبس اور چپ چپ ہو جاتی ہے وہ بہت بُری لگتی ہے۔ مگر چونکہ اس مہینے میں کچھ خاص دن ہیں اس لیے یہ مہینہ پیارا لگتا ہے۔"

"آہاں کون سے خاص دن؟"

"آٹھ کو میرے پاپا کی سالگرہ، دس کو میرے ہزبینڈ کی، بارہ کو میری بہن کی اور چودہ کو میری، اکیس کو بھتیجے کی،

اٹھائیس کو بھائی کی۔" اُس کے بعد اُس نے شکریہ ادا کیا اور جانے کی اجازت مانگی تو وہ رُکنے کا اصرار کرنے لگی۔ اپنے ساتھ لایا گفٹ اُس کی طرف بڑھایا۔

☆☆☆......☆☆☆

اُس کے بعد وہ سعدیہ عابد کے گھر کی طرف آ گئی۔ اُن کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اُنہیں بھی وہی کہا جو باقیوں کو کہا تھا۔ تو وہ کہنے لگیں۔

"اوہ آپ...... آپ وہی ہیں نا جو ملکہ سیریز لکھ رہی ہیں؟" ملکہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ خوشی سے اُسے اندر آنے کے لیے کہا۔ اُن کے بھائی کمرے میں چلے گئے اور وہ اپنی بھابی اور امی سے ملوانے لگیں۔ اُسے بہت خوشی ہوئی اُن سے مل کر پھر سعدیہ عابد اُس کا بائیو ڈیٹا لینے لگیں۔ پھر ریفریشمنٹ اُس کے بعد اُس نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو وہ کہنے لگیں۔

"اگست کا مہینہ تو ہمارا فیورٹ مہینہ ہے کیونکہ یہ ہماری پیدائش کا مہینہ بھی ہے۔"

"اوہ...... واؤ۔"

"جی تین اگست اور یہ مہینہ بارش کا مہینہ ہے اس لیے بھی پسند ہے۔ اس مہینے ہمارے تین بھائیوں کی بھی سالگرہ ہوتی ہے اس لیے بھی پسند ہے۔ ہمارے لاڈلے بھائی وجی کی بھی سالگرہ ہوتی ہے اس لیے بھی پسند ہے۔ اگست ہمیں ہر حال میں اچھا لگتا ہے۔ چاہے کتنی ہی دھوپ کیوں نہ ہو پھر بھی پسند ہے کیونکہ دھوپ کے ساتھ چھاؤں بھی تو ہوتی ہے۔ اس لیے دھوپ کی بھی پروا نہیں ہمیں۔ جو چیز انسان کو اچھی لگے اُس کی منفی باتیں بھول جانی چاہئیں ہمیں۔ اگست سچ میں ہمارا پسندیدہ مہینہ ہے۔"

"بہت اچھا لگا آپ کے خیالات جان کر۔" پھر اُن کو اپنا لایا ہوا گفٹ دیا تو وہ کہنے لگیں۔

"ایک منٹ۔" اُنہوں نے اپنی کتاب آٹو گراف کے ساتھ دیں اور پھر اُس کا گفٹ لیا۔

☆☆☆......☆☆☆

اگلے دن وہ سر محمود کے گھر جا کے کھانا کھانا اور اُنہیں اپنا گفٹ دینا نہیں بھولی تھی۔ لیکن تب بھی لینے سے پہلے وہ اُسے اپنا گفٹ دینا نہیں بھولے تھے جو کہ اسکارف، پرفیوم اور چوڑیاں تھیں۔

"سر آپ نے مجھے ایویں گھمایا۔ کل ہی لے لیتے گفٹ۔" وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

"پکے رشتے اسی طرح بنتے ہیں۔ سیدھا راستہ ہمیشہ مشکل ہوتا ہے۔ انسان کو خوب گھماتا ہے لیکن ہمیشہ درست منزل تک پہنچاتا ہے۔ جیتی رہیے۔" اُس کے بعد اُس نے "فاخرہ گل" کی در پہ اتنی دستک دی اتنی دستک دی مت پوچھو کہ کتنی دستک دی۔ لیکن پھر بھی اُنہوں نے دروازہ نہیں کھولا۔ فاخرہ گل اے تسی چنگا نئی سی کیتا۔

اب اُس نے گھر کی راہ لی۔ کیونکہ اُس کے پاس کافی انفارمیشن اکٹھی ہو گئی تھیں اور وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ دراصل ہر موسم ہر مہینہ ہمارے اندر کی خوشی سے جُڑا ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا وہ اُن سب لوگوں کے پاس گئی جو جو اس مہینے میں پیدا ہوئے تھے اور اُن سب نے اگست سے گہری پسندیدگی بتائی۔ جن کو نہیں بھی پسند اُنہوں نے بھی۔ کیونکہ اس مہینے اُن کو اپنی پیدائش کی خوشی ہوتی ہے۔ اگر ہمارے اندر کا موسم اچھا نہیں ہے نا تو پھر بہار کا موسم بھی ہمارے لیے خزاں بن جاتا ہے۔ اس لیے کوشش کیجیے کہ اپنے اندر کی دنیا کو نفرتوں، کدورتوں اور سازشوں سے پاک صاف رکھیں۔ ہر حال میں خوش رہا کریں۔ اللہ کا شکر ادا کیا کریں جو نہیں دیا اُس پر بھی۔ دیکھیے گا جب آپ کے اندر کا موسم اچھا ہوگا تو آپ کو ہر مہینے کا ہر دن پیارا لگے گا۔ سال کے چاروں موسم پیارے لگیں گے۔ جیسے ملکہ کو پیارے لگتے ہیں۔

اُن سب لوگوں نے جب ملکہ کے جانے کے بعد اپنے گفٹ کھولے تو اندر سے کیک نکلے جن پر اُن کے خوب صورت نام لکھے ہوئے تھے اور ساتھ میں ہیپی برتھ ڈے کے کارڈ تھے۔ اور اُن سب کو اب سمجھ میں آیا کہ دراصل وہ تو اگست کے بارے میں انفارمیشن اکٹھی کرنے کا بہانہ بنا کے اُن کو ایڈوانس میں اُن کی سالگرہ کی مبارکباد

دینے آئی تھی۔ وہ سب ملکہ کو پیارے پیارے شکریہ کے میسج کرنے کے لیے بھاگے۔ اُن سب کے میسج پڑھ کے ملکہ مُسکرا دی تھی۔ اور اُس نے چپکے سے کہا۔

"سوری سعیدہ آپا، قیصر آپا اور طاہر بھائی۔ کیونکہ اگر یہ بہانہ نہ بناتی تو سب کے ایڈریس کیسے ملتے اُن کو سرپرائز دینے کے لیے۔"

کیا آپ جانتے ہیں کہ ملکہ کون ہے؟

ہاں وہی ہے ملکہ جو یہ الفاظ لکھنے کے ساتھ مُسکرا رہی ہے۔ پیارے پیارے لوگوں کو سالگرہ کی مبارکباد دینے کا یہ انداز صرف ایک ملکہ کا ہی تو ہوسکتا ہے۔ کیوں ٹھیک کہا ناں؟

☆☆☆......☆☆☆

یکم اگست کو ملکہ چھت پہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی چمکتی دھوپ کو دیکھ رہی ہے۔ ویسے تو ہر مہینہ اُسے بہت پسند ہے لیکن اگست کے مہینے سے تو اُسے عشق ہے کیونکہ یہ آزادی کا مہینہ ہے اور یہ اُس کی بھی پیدائش کا مہینہ ہے۔ جی ہاں چوبیس اگست...... اب آپ کو ملکہ کی پیدائش کے دن کا پتہ چل گیا ہے ناں؟ تو کیا اب آپ ملکہ کو گفٹ بھیج کے "ہیپی والا برتھ ڈے" نہیں بولیں گے؟

وہ ایک دفعہ پھر اپنی چھت پہ پھیلی سُنہری دھوپ کی چادر دیکھ کے مُسکرا دی۔ اپنے وطن کی ہواؤں کے سپرد اُس نے یہ خوب صورت سرگوشی کی۔

"میرے وطن پیارے وطن تمہیں ماہِ اگست مبارک ہو۔" اس کے ساتھ ہی آسماں کی طرف نگاہیں اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"اے اللہ کشمیر، شام و فلسطین کے لوگوں کے لیے بھی کوئی قائداعظم پیدا کردے تاکہ اُن کی زندگی میں بھی کوئی مبارک اگست آسکے تب وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ ماہِ اگست کی خوشیاں مناسکیں۔"

دھیرے سے اپنی آنکھ کے کونے سے آنسو صاف کیا اور پھر فاخرہ گل، مصباح نوشین، صالحہ عزیز آپا، فوزیہ احسان رانا، روبینہ شاہین، انا روحی، منتشا ریحان، حوریہ شہزادی، عائشہ سدوزوئی، آمنہ نور، فہمی فردوس، عصرہ خان، حبا آفندی، صبا نور، سحرش علی نقوی، ایمانِ عائشہ، ثمینہ تبسم، عالیہ بُخاری ان سب اگست میں پیدا ہونے والوں کو اور جن کے گھر جا کے کیک دے کے وش کر کے آئی اُن سب کو سالگرہ کی ہیپی والی مبارکباد دیتے اُن کے لیے یہ چھوٹی سی نظم پیش کرتی ہو۔

اگست......!\
عظیم اگست......!\
سب مہینوں سے سُنہرا مہینہ\
جس کی سُنہری دھوپ نے\
وادیوں، پہاڑوں، سمندروں\
حتیٰ کے ہر چیز پر\
کسی ملکہ کی طرح\
اپنا قبضہ جمایا ہوتا ہے\
کہ جب جب تمہاری آنکھیں\
اُس کی دھوپ کو دیکھیں\
تو وہ اُن آنکھوں سے مایوسی کے\
سب اندھیرے ختم کر کے\
اپنا سارا سُنہری پن تمہاری آنکھوں\
کو سونپ کر اُن کو روشن بنا دے\
ہاں! عظیم ماہِ اگست کی سُنہری دھوپ......!

(صباحت رفیق)

''اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے''

محترم و مکرم آنچل اسٹاف اور قارئین السلام علیکم! اگست کا مہینہ ہمارے لیے خاص اہمیت کا حامل ہے جبکہ 14 اگست وہ تاریخ ہے جسے چاہ کر بھی ہم بھلا نہیں سکتے۔ آج ہم جس سرزمین پر اطمینان کا سانس لے رہے ہیں یہ سرزمین اسی تاریخ کو آزاد مملکت کے طور پر وجود میں آئی۔ میں گھما پھرا کر ترچھے الفاظ میں بات کرنے کے بجائے سادہ اور عام فہم زبان میں بات کروں گی ایک تقاضے کی...... وہ تقاضہ جو ہم اپنے وطن پاکستان سے کرتے ہیں یا پھر وہ شکوہ کہ ''پاکستان نے ہمیں دیا کیا ہے؟'' تو سوچیے کہ ''ہم'' نے پاکستان کو کیا دیا؟ سوچیے کہ ہم کس منہ سے پاکستان سے کچھ مانگ رہے ہیں؟ جس سے ہم نے اپنے ملک کی تعریف میں چند الفاظ نہیں کہے۔ کسی برائی کو دیکھ کر کہا جانے والا یہ جملہ ''خیر ہے بھئی...... پاکستان میں سب چلتا ہے'' کیا درست ہے؟ سوچیے کیا ہم نے پاکستان کو جان و مال اور دن رات کی جہد مسلسل سے اس لیے حاصل کیا کہ یہاں جوئے، شراب نوشی اور عصمت فروشی کے اڈے قائم ہوں یا پھر رشوت، چوری، سود اور کسب حرام کے بازار گرم ہوں؟ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کو درپیش سیکڑوں ہزاروں مسائل میں ہمارا ایک کا کام کیا معنی رکھتا ہے تو یہ سوچ غلط ہے، جیسے قطرہ قطرہ کر کے دریا بنتا ہے اور تنکا تنکا کر کے آشیاں بنتا ہے اسی طرح ہمارا ایک ایک کام مل کر عظیم کارِ خیر بنتا ہے۔ اگر ہم کسی اور کو نہیں بدل سکتے، اپنے آپ کو تو بدل سکتے ہیں ناں اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بدلنے سے کیا فرق پڑتا ہے تو یہ سمجھنا بھی بے وقوفی ہے اگر ہمارے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو کم از کم ہم بروز سزا و جزا خالق کائنات کے سامنے جوابدہ تو ہو سکیں گے۔

اب اگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم پاکستان کے لیے کیا کریں؟ تو جواب آسان ہے سب سے پہلے ہمیں اپنے ذہن میں ان مقاصد کو رکھنا ہوگا جو حصول پاکستان کا ذریعہ بنے۔ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور اس کا بنیادی مقصد ہی اسلام کا نفاذ ہے اگر ہم دل و جان سے اسلام کا نفاذ چاہیں گے اور اس مقصد کے لیے متعین روشن اصولوں پر عمل پیرا ہوں گے تو ملک سے رشوت، سود، سفارش، بدچلنی، بدعملی اور تمام ناسوروں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ہماری قوم ایک مضبوط طاقت بن سکے گی وگرنہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا رہنے سے کوئی تبدیلی حاصل نہیں ہوگی۔

جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں......

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو خیال جس کو آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

جی قارئین! تو میں اس تقاضے کی بات کر رہی تھی جسے ہم شکوہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اب میں ایک حیاتیاتی اصطلاح طفیلیت کی تعریف کی روشنی میں وضاحت کروں گی۔

''طفیلیت دو جانداروں کے مابین ایسا تعلق ہے جس میں ایک جاندار (طفیلیہ) دوسرے جاندار (میزبان) کے جسم پر خوراک اور پناہ کے لیے انحصار کرتا ہے لیکن اپنے میزبان کو فائدہ پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچاتا ہے۔'' ذرا سوچیے...... انہماک سے سوچیے کیا ہمارا کردار پاکستان میں ایک طفیلیے جیسا نہیں، ہم پناہ گاہ اور خوراک یا محض بقا کی خاطر ارض وطن کو رفتہ رفتہ ضرر نہیں پہنچا رہے؟ میں افسوس و معذرت سے کہہ سکتی ہوں ''ہاں'' ہمارا کردار بالکل ایسا ہی ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے ستر سال بعد بھی پاکستان ترقی پذیر سے ترقی یافتہ کی صف میں شامل نہیں ہو سکا اور نہ ہو سکتا ہے جب تک کہ ہر شخص انفرادی کردار ادا نہ کرے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے......

برباد گلستان کرنے کو صرف ایک ہی الو کافی تھا
ہر شاخ پر الو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہوگا

ہمیں اس گلستاں میں الو نہیں شاہین کا سا کردار ادا کرنا ہوگا گو کہ......

شاہین کے لیے ذلت ہے کار آشیاں بندی
گھر بنانا ضروری نہیں ہوتا اگر مکین ہو تو گھر خود بن جاتا ہے، ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم مسجدیں بناتے ہیں

پرآباد نہیں کرتے۔
مسجدیں مرثیہ خواہ ہیں کہ نمازی نہ رہے
ہم کنالوں پرکوٹھی بنگلے تعمیر کرتے ہیں محض دکھاوے کے لیے ایک غریب فٹ پاتھ پر سوتا ہے ہم اس کی فکر نہیں کرتے۔ ہم اپنے گھر کی ڈیکوریشن اور گرافکس میں پیسہ خرچ کرتے ہیں مگر ایک ضرورت مند کو پناہ گاہ دلانے میں حصہ نہیں ڈالتے۔

عزیز قارئین! اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر ہم میں اتنی منفی خصوصیات ہیں تو ہمارا وجود قائم کیوں ہے؟ اور یہ وطن 1948' 1965' 1971ء کی جنگوں اور معرکہ کارگل میں ظفریاب کیوں ہوا؟ جواب واضح ہے ''اسلام'' اپنے وطن کے نام پر غور کیجیے ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کیا تمام عالم کے ممالک میں اتنا حسین اور پرکشش نام کہیں ملتا ہے؟ ''نہیں'' کیا ہمارے سفید وسبز جھنڈے ہلالی پرچم جیسا حسین پرچم کسی ملک کا ہے؟ ''نہیں'' بابائے قوم محمد علی جناح جیسے ''رشک راہبر عالم'' رہنما دنیا کی تاریخ میں کہیں ملتے ہیں؟ ''نہیں'' لیاقت علی خان جیسے لائق و قابل وزراء کہیں ہوسکتے ہیں؟ ''نہیں'' ہم آج بھی زندہ قوم اس لیے کہلا رہے ہیں کہ ہمارے ہیروؤں نے اس گلستان کو اپنے لہو سے سینچا ہے۔ راشد منہاس' میجر عزیز بھٹی شہید اور دیگر نشان حیدر وستارۂ جرأت یافتہ بہادر سپوت اس وطن کی مٹی میں سپرد خاک ہیں۔ سپاہی مقبول حسین جیسے شجاع ہماری قوم کا فخر ہیں جو صرف پاکستان زندہ باد کہنے کے جرم میں اپنی زبان تک کٹوادیتے ہیں پھر بھی زنداں کی دیواروں پر اپنے لہو سے وہی الفاظ لکھتے ہیں جو اُن کا جرم ٹھہرے ''پاکستان پائندہ باد۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ڈاکٹر عبدالسلام جیسے مایہ ناز سائنسدان اور ڈاکٹر عافیہ جیسی بیٹی ہمارا فخر ہیں۔ ارفع کریم جیسی کم عمر مائیکروسافٹ انجینئر (اللہ جنت نصیب کرے) ہمارا اعزاز ہے۔ عبدالستار (اللہ جنت بخشے) جیسے خدمت گار ہمارا اثاثہ ہیں اور آنچل و حجاب جیسے قابل تحسین رسالے ہمارے لیے باعث لطافت ہیں۔ قارئین یہی تو ہیں ہمارے ہیرو جن کی کارکردگی کی بدولت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''ہم زندہ قوم ہیں۔''

انہی ستاروں کی خاطر میں تمام مایوسیوں اور نا امیدیوں کو بالائے طاق رکھ کر قوم سے التماس کروں گی کہ آیئے ہم بھی تعمیر وطن میں اپنا حصہ ڈالیں۔
نفرت بھلا کر ایک دوسرے کو گلے لگالیں۔
سازشوں کے جال بُننے کی بجائے ملک وقوم کی ترقی کے لیے تدبیریں کریں۔
نظام کفر و باطل کو شکست دے کر اسلام کے نفاذ کی خاطر فرقانِ حمید کی تفسیریں کریں۔
آیئے ایک شمع جلائیں۔
جس سے راہ گیر راہ دیکھ پائیں۔
آیئے ایک پیڑ لگائیں۔
جس کی چھاؤں سے مسافر سکون پائیں۔
آیئے..... آگے بڑھیے..... ہاتھ بڑھایئے' اپنے حصے کی اینٹ دیوار وطن میں چن دیجیے۔
مت گھبرایئے..... مسجدیں آباد کریں۔
ذکر الٰہی سے دل شاد کریں۔
جذبہ ایمانی سے خود کو سرشار کریں۔
اسلام کا پرچار کریں۔
سب مل جل کر جشن منائیں۔
آیئے! کچھ کر دکھائیں۔
یہ بات یاد رکھیں کہ اگر ہم اس ملک کی ترقی کے لیے اپنے حصے کا دیا جلائیں گے تبھی ہم بلا جھجک' نازاں ہوکر ارض پاک سے تقاضہ کرسکیں گے۔
اے ارض وطن! اب تو تُو دے ہم کو شجر عقیدت کا ثمر
ہم نے کتنی ہی نبھائی ہیں وفائیں تجھ سے
دعاگو اور دعاؤں کی طلب گار' خیر خواہ پاکستانی نیک تمناؤں کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں' فی امان اللہ۔

اسلامی تہذیب

عنزہ یونس

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بتایا وارث
یہ الزام بھی میرے اجراء کے سر جائے گا

تہذیب کسی بھی معاشرے کا آئینہ طرزِ حیات اور طرز معاشرت کا نام ہے۔ ہر قوم اپنی ایک الگ ثقافت پہچان' رسم ورواج اور تہذیب کی علمبردار ہے' انگریزی زبان میں تہذیب کو کلچر اور سولائزیشن کا نام دیا جاتا ہے جبکہ اردو میں تہذیب کو تمدن' ثقافت' رسم و رواج کے زمرے میں رکھا جاتا ہے۔ تہذیب کے پس پردہ کسی بھی قوم کی طرز معاشرت خیالات رسم ورواج اساسی تصور' نصب العین اور نظریہ حیات کارفرماں ہوتا ہے۔ اسی لیے ہر معاشرہ دوسرے معاشرے سے تہذیبی تمدنی' ثقافتی مہذبی لحاظ سے الگ گردانا جاتا ہے۔

اگر ہم پاکستانی طرز حیات کو تہذیب کے آئینہ میں دیکھیں تو ہم بحیثیت مسلمان اسلامی طرز معاشرت کے حامل ہیں۔ ہماری سوچ' فکر' تہذیب وتمدن ثقافت' رسم و رواج اسلام کے آئینہ دار ہیں۔ اسلام ایک مکمل جامع پاکیزہ فلاحی اور سچا دین ہے' اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے"
ال عمران آیت نمبر 19

اسلام کے اندر وہ تمام خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں جو انسانی بقاء' فلاح اور عزت وحرمت کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا معاشرہ باقی معاشروں سے زیادہ پاک صاف اور روحانی سکون سے مالا مال ہے۔

سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار
غلامی سے بدتر ہے بے یقینی.....!

ہماری تہذیبی ورثے کی خوب صورتی اور دلکشی پورے عالم میں مشہور ومعروف ہے۔ ہر دوسرا شخص اس سے متاثر و مرعوب ہے' ہماری تہذیب کی عالمگیریت لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی ہے وہ معاشرے جو اسلام کی وسعت سے خائف تھے آج بلاشبہ یہ کہنے پر مصر ہیں۔

اسلام صرف ایک دین نہیں ہے بلکہ دین غالب وکامل ہے' جو نسل انسانی کے لیے تمام وہ لوازمات رکھتا ہے۔ جس سے ایک مکمل معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ زندگی کے ہر پہلو کے متعلق ہدایت کا سرچشمہ...... یہ ایک ایسی لازوال تہذیب ہے جس کا رنگ ماند نہیں پڑا' یہ ہمیشہ کی طرح آج بھی سدا بہار' دل فریب اور پرکشش ہے۔ شادی' بیاہ' پیدائش' موت' کاروبار' معاملاتِ دنیا' معاملات آخرت' تہذیب' تفکر' سوچ نظریات' رہنمائی مشاورت غرض یہ کہ ہر پہلوئے حیات کے متعلق ہدایت بہم پہنچاتا ہے۔

پھر ہم اس تہذیب سے بےزار کیونکر ہیں؟ کسی بھی معاشرے کا وجود اس تہذیب وتمدن کی پیروی سے ممکن ہوتا ہے اگر قومیں اپنا طرز حیات' ثقافت' رسم ورواج بھول جائیں تو زوال سے ہمکنار ہوتی ہیں۔

جیسا کہ آج ہم......! ہم اپنی تہذیب سے قطعی بے بہرہ' بےزار اور ناآشنا ہیں' اس تہذیب سے دور جو دنیائے عالم میں اپنی خاص الخاص پہچان رکھتی ہے۔ جس کی وسعت عالمگیریت پر دیوان لکھے جاچکے ہیں اور جسے نسل نو اپنی بقا کا ضامن مان چکی ہے۔

کیا یہ ہماری عملی ناکامی نہیں ہے؟

یہود ونصاریٰ جب اسلامی پھلتی پھولتی فصل کو کاٹ نہ سکے تو انہوں نے ایک نئی چال چلی' ہمیں ہماری اسلامی تہذیب سے نہ آشنا کرنے کی۔ انہوں نے پاکستانی معاشرے کو اپریل فول' ویلن ٹائن ڈے اور اس جیسی خرافات میں معلق کردیا اور ہم بھی اندھے بہرے' گونگوں کی طرح اس مغربی تقلید کے علمبردار بن گئے اور بھول گئے اسلامی تعلیمات کیا تھیں؟

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل و آرزو باقی نہیں ہے
نماز' روزہ' قربانی و حج

یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے
قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔“
کیا یہ حکم ہمارے لیے کسی اور تہذیب کا دروازہ کھولتا ہے؟
وہ معاشرے جو اخلاقی گراوٹ کا شکار ہیں حد درجہ بہت ذلیل ورسوا...... آج ہم ان کی تقلید کو باعث فخر سمجھتے ہیں۔ کیا ہم بھول گئے ہیں' ہمارا نظریہ حیات کیا ہے؟ ہمارے اس ملک کی بنیاد کے پیچھے کون سا نظریہ کار فرما ہے؟ محمد علی جناح جنہوں نے ہمیشہ اعلیٰ سوچ تدبر برداشت فہم وفراست سے کام لیا' کبھی کہیں بھی تنگ نظری پست ذہنیت کا ثبوت نہیں دیا۔ انہوں نے بھی مسلمانوں اور لادینوں کے راستے یہ کہہ کر جدا کر دیئے۔
پاکستان کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ ہم مسلمان تھے اور مسلمان رہنا چاہتے تھے' اس لیے ایک خطہ زمین چاہیے تھا جہاں ہم مسلم قومیت کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں اور اپنی زندگیوں کو اسلام کے سنہرے اصولوں کے مطابق گزار سکیں۔ ہمارے دین ہماری تہذیب اور ہمارے اسلامی تصورات نے ہمیں آزادی کے لیے متحرک رکھا۔
وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقلید میں امروز نہیں ہے
لبرل ازم کے چکروں میں پڑ کے ہم اپنی تہذیب سے نگاہیں پھیر رہے ہیں محض دنیاوی جھمیلوں میں خود کو لمحہ بھر کی تسکین دینے کی خاطر ہم اسے قدم اٹھاتے ہیں کہ بعض دفعہ ابلیس بھی دنگ رہ جاتا ہے۔
آخر ایسا کیوں ہے؟
علامہ اقبال نے کہا تھا ”میرا یقین ہے کہ فرد کی زندگی میں مذہب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام ایک تقدیر ہے اور وہ کسی بھی تقدیر کے تابع نہیں ہے؟
مزید یہ کہ......
”اسلام ایک حقیقت ہے' دستور حیات ہے اور ایک بس یہی وہ بات ہے اگر اسے ہم پالیں تو مستقبل میں ہندوستان کی ایک نمایاں تہذیب کے علمبردار بن سکتے ہیں۔
اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ﷺ ہاشمی
علم وعمل کی وہ سب یادداشتیں جو ہماری تہذیب کی آئینہ دار تھیں' آج اغیار کی فتح شدہ ثقافت کی بھینٹ چڑھ گئی ہیں اور ہم تہی داماں رہ گئے ہیں۔
ہمیں اپریل فول ویلن ٹائن ڈے تو یاد رہتے ہیں مگر عیدین' رمضان' محرم' ربیع الاول کی عظمت وشان کا ادراک تک نہیں ہوتا محض خانہ پری کے لیے بھاگم بھاگ چند رسوم ادا کر کے خود کو بری الذماں سمجھتے ہیں۔
کیا ہم سچے پکے مسلمان ہیں؟
رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
”اگر تم میں سے کوئی برائی دیکھے وہ اسے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا ہو تو زبان سے روکے اگر وہ اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔
اس فرمان کی روشنی میں اگر اپنا تجزیہ کریں تو جان پائیں گے کہ ہم کس قدر ایمان کی قوت سے محروم ہیں؟
ناصبوری ہے زندگی دل کی
آہ وہ دل کہ ناصبور نہیں
حق وباطل پر لکھنے والے ہمیشہ سے رہے ہیں تائید و توصیف سے بے بہرہ صرف جہاد کی غرض سے عمل کی شمعیں جلانے میں مصروف ومگن......
مگر حقیقت واضح ہے کہ جب تک عمل پیرا نہیں ہوا جائے گا سب فضول ہے۔ ہماری سوچ فکر' تہذیب' آزادی' جمہوریت روشن خیالی محض حسین خواب ہے۔ اس کی تعبیر کے لیے آگے بڑھنا ہوگا تاکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تکمیل ممکن ہوسکے۔

ہم آزاد ہیں
زیبا مخدوم

السلام علیکم! تمام بہنوں کو ماہِ آزادی مبارک ہو اور یوم آزادی بھی۔ یہ وہ تاریخی دن ہے جس کی اہمیت ہم جیسی بے حس نسل کو محسوس نہیں ہوسکتی حالانکہ یوم آزادی کو حاصل کرنے والی نسل ابھی ہمارے درمیان موجود ہے جنہوں نے اپنی اولادوں کو اپنے سامنے ذبح ہوتے دیکھا۔ اپنی جان مال سب کچھ لٹادیا حتیٰ کہ عزت بھی‘ مگر قربانیاں دے کر انہوں نے یہ ملک حاصل کر ہی لیا کس کے لیے؟ صرف ہمارے لیے‘ اپنی اگلی نسلوں کو آزاد دیکھنے کے لیے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم نے ان قربانیوں کی قدر نہ کی لیکن یہ بھی شکر ہے کہ اس دن کو بچے بڑے سب ہی جوش وخروش سے مناتے ہیں۔ یہ یاد رکھتے ہیں کہ اس دن ہم آزاد ہوئے تھے۔

لیکن سوچنے والی یہ بات ہے کہ کیا ہم واقعی آزاد ہیں؟ غذائی قلت کا ہم شکار ہیں‘ پانی بند کردینے کی دھمکیاں ہمیں ملتی رہتی ہیں۔ ہمارے اسلامی ملک میں عائد کردہ قانون بھی انگریز کا ہے حتیٰ کہ فلموں اور ڈراموں کے لیے بھی ہم دوسروں کے محتاج ہوگئے ہیں تو کیا ہم آزاد ہیں؟

پاکستان جب بھارت کو سالانہ اربوں روپے صرف اس لیے دیتا ہے کہ اس کی قوم بھارتی ڈراموں اور فلموں کی رسیا ہوچکی ہے تو کیا بھارت ہنستا نہیں ہوگا کہ آخرکار اس نے ہمیں ثقافتی طور پر اپنا غلام بنا ہی لیا آخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گیا مگر ہمیں کیا...... ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہم دشمن ملک کو فائدہ دینے کے بجائے اپنے ملک کو فائدہ کیوں نہیں دیتے۔

اور ان فلموں اور ڈراموں کو دیکھنے کے لیے انہیں خرید کر جو پیسے بھارت کو دیتے ہیں‘ آپ کو کیا لگتا ہے کہ آپ کا دشمن ہوتے ہوئے وہ ان پیسوں کو آپ کے مفاد میں استعمال کرے گا؟ کیا پتا انہی پیسوں سے وہ آپ کے ملک میں اور کشمیر میں دہشت گردی کروا رہا ہو اور آپ انجانے میں اپنے ہی بہن بھائیوں کے قاتل بن رہے ہوں‘ جی ہاں آپ...... جانے کتنوں کی قاتل بن چکے ہوں اور ویسے بھی کیا آپ ایسے شخص کو فائدہ پہنچاسکتے ہیں جو ایک دفعہ آپ کا گھر توڑ چکا ہو۔

تو پھر کیوں آپ بھارتی مواد اور مصنوعات خرید کر انہیں فائدہ پہنچاتے ہیں؟ اپنی چیزوں کی قدر کیوں نہیں کرتے‘ یوں دوسروں پر اتنا انحصار کرتے ہیں؟ ایک دفعہ میں کتنی ہی دیر حیرت میں غرق رہی جب میں نے اپنی کلاس فیلو کو یہ کہتے سنا۔

''ہائے مجھے انڈیا دیکھنے کا بہت شوق ہے‘ کاش میں ایک دفعہ انڈیا چلی جاؤں۔''

مسلمان ہونے کے ناطے اس نے حرمین شریفین یا روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے کی بات تو نہیں کی‘ کیا ہمارے بزرگوں کی ارواح یہ سن کر تڑپ نہیں ہوں گی جنہوں نے ہمارے لیے یہ وطن حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لٹادیا۔ اصل بات تو یہی ہے کہ ہم نے آزادی کی قدر نہیں کی‘ اسی وجہ سے ہماری قوم زبوں حالی کا شکار ہے۔ ہم نے خود پر غیر مسلموں کے سحر کو طاری کر رکھا ہے‘ ہم ان کے بچھائے ہوئے جال میں بری طرح جکڑے جاچکے ہیں۔

یہی غیر مسلم مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوشش میں ہیں‘ دنیا میں لاکھوں مسلمانوں پر ظلم ڈھائے جارہے ہیں‘ ان کی آزادی چھینی جاچکی ہے جس کی سب سے بڑی مثال کشمیر اور فلسطین ہیں۔ ہمارے قبلہ اول کی شناخت مٹائی جارہی ہے‘ برما میں مسلمانوں کو قطاروں میں باندھ کر زندہ جلادیا جاتا ہے مگر ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی لیکن ہمیں کیا فکر ہم تو آزاد ہیں۔

ملک قرضوں میں ڈوب چکا ہے مگر کوئی مسئلہ ہی

نہیں کیونکہ ہم تو آزاد ہیں۔
آپ خود سوچیں کہ اگر آپ کسی کے قرض دار ہوں تو کیا آپ قرض خواہ کی مرضی کے بغیر کوئی کام کرسکتے ہیں؟ نہیں نا...... ظاہر ہے وہ آپ کو آنکھیں دکھائے گا تو سوچیں ہمارا ملک قرض خواہوں کی مرضی کے بغیر کیسے اپنی مرضی سے آزادی سے کام کرسکتا ہے؟ لیکن ہم ہیں کہ ہمیں کوئی پرواہ ہی نہیں بس ہر سال آزادی کا جشن منالیتے ہیں اور اپنا فرض پورا کردیتے ہیں مگر آزادی کے معنی و مفہوم سے نابلد...... ہر کسی کی زبان پر ہوتا ہے کہ پاکستان نے ہمیں دیا ہی کیا ہے؟ یہاں مہنگائی ہے' یہاں لوڈشیڈنگ ہے' یہ ہے...... وہ ہے' ہر وقت کسی نا کسی چیز کا رونا اور نہیں تو لطیفوں میں ہی مذاق اڑا دیتے ہیں کہ ''ایک پاکستانی نے یہ کردیا' پاکستانی قوم تو ایسی ہے' چور پکڑنے والی مشین پاکستان میں آکر خود چوری ہوگئی'' حد ہے...... مذاق اڑاتے وقت وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ بھی ایک پاکستانی ہیں اگر وہ خود ہی اپنا مذاق اڑائیں گے تو غیر کیا خاک لحاظ کریں گے۔ انہیں تو موقع چاہیے ہوتا ہے اور یہ موقع انہیں ہم خود فراہم کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں دوسرے ملکوں میں ہماری عزت نہیں ہے۔
لیکن اس سب میں بھی ہمارا ہی قصور ہے' ہم نے آزادی کی قدر نہ کی اور انہیں اتنی شہہ دی کہ وہ ہمارا استعمال کریں۔ ہماری تحقیر کریں لیکن ابھی بھی دیر نہیں ہوئی میں آپ کو یاد دلانا چاہتی ہوں کہ ہم آزاد ہیں دشمن کو بتادیں کہ ہم اس کی دھونس اور رعب میں آنے والے نہیں' نہ ہی ہم اس کی گیدڑ بھبکیوں سے ڈرتے ہیں' اس کی تمام مصنوعات اور دیگر مواد کا بائیکاٹ کریں اس کے لیے یہ بالکل مت سوچیں کہ اکیلا فرد کیا کرسکتا ہے؟ میں بھی اکیلی ہوں اپنے گھر میں جس نے بھارتی مواد کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ اپنے ملک کی اشیاء استعمال کریں تاکہ پاکستان ترقی کرسکے نہ کہ ایسے قرضوں کا بوجھ اس پر لاتے جائیں' دنیا کو بتائیں کہ ہم آزاد ہیں۔ غیر مسلموں کا ساتھی بننے کے بجائے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے آواز اٹھائیں' ان کے حق میں بولیں' دنیا کو بتائیں کہ ہم ان کی دھمکیوں میں آنے والے نہیں۔ آزادی سے مظلوم مسلمانوں کا ساتھ دیں کیونکہ ہم آزاد ہیں۔
کشمیر ہماری شہ رگ ہے تو ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ ہماری شہ رگ سے خون بہہ رہا ہو اور ہم پھر تندرست و توانا ہوں۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم تو آزاد ہوں مگر کشمیر غلامی کی چکی میں پس رہا ہو' اس لیے یہ معاملہ حکومت پر چھوڑنے کے بجائے خود بھی ایک قوم بن کر اس کے لیے آواز بلند کرنی چاہیے تاکہ کشمیر بھی ''آزاد'' ہو۔
جاتے جاتے ایک گزارش کرنا چاہوں گی کہ اگر یوم آزادی پر آپ اپنا گھر جھنڈیوں سے سجائیں تو خدارا بعد میں انہیں سنبھال کر رکھلیں کیونکہ گلیوں بازاروں میں یہ جب پیروں تلے آتی ہیں یا نالیوں میں نظر آتی ہیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہم اگر اپنے پرچم کی ہی نہ قدر کریں تو اپنے ملک کی قدر کیسے کریں گے؟
ان تمام باتوں پر ایک دفعہ غور ضرور کیجیے گا ایک بار پھر سے آپ کو مبارک ہو کہ......
''ہم آزاد ہیں۔''

محبت کے سامنے اپنی روایات سے چشم پوشی ہے، جہاں ہار ہے، وہاں جذبوں کی جیت بھی ہے۔ ہجر کی جان لیوا گھڑیاں اور وصال کی لذتیں بھی ہیں۔ بچھڑنے کا غم اور پھر سے ملنے کی آس بھی ہے اس کے اظہار میں نسوانی وقار کی آنچ بھی ہے اور خودداری اور انا کے ٹوٹنے کا خوف بھی ہے، کہیں بے بسی ہے اور آخر انا کو زمین بوس کیے جس کے دن رات سپنے دیکھتی ہے جسے اپنے دل پر راج کرتے ہوئے محسوس کرتی ہے۔ دنیا والوں کے سامنے اس کا اعتراف بھی کرچکی ہے، اس سے اپنی جیسی محبت کے حصول کی توقعات وابستہ کرلیتی ہے، اس کے بازوؤں کے حصار میں ہمیشہ کے لیے قید ہوجانے کا اظہار کرتی ہے کہ پھر بھی زمانے کے ہاتھ نہ آئے لیکن کتنے دن، مہینے اور سال یہ سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔ بھنورا دوسرے پھول پر بیٹھ چکا ہے آخر اسے بھی تو نیا پن چاہیے جو اس کی فطرت میں رچا بسا ہوا ہے اور وہ محبت و عشق کی دیوانی تنہائیوں کو گلے لگا کر حسرت و یاس میں ڈوب جاتی ہے۔ پروین کی خوشبو میں ایک ایسی ہی لڑکی نے جنم لیا ہے۔ ہمارے معاشرے کے گھٹن زدہ ماحول کے چاروں اطراف ایسی بے شمار لڑکیاں موجود ہیں جو روحانی و جذباتی احساسات اور نسوانی آزادی کی خواہش مند ہیں لیکن معاشرہ اس کی اجازت دینا نہیں چاہتا۔ بدقسمتی سے وہ قیدوبند کی صعوبتوں سے ہمکنار ہیں، جن پر جبر و تشدد کے خلاف بغاوت کرنے کے تمام راستوں پر مختلف رشتوں کی صورت میں پہرے دار موجود ہیں۔ پروین کی شاعری انہیں خوابوں کی آماجگاہ سے باہر نکال کر محبت کی سچائی کا پیراہن پہنا کر اپنے حقوق پر بالادستی حاصل کرنے کی تلقین کرتی ہے، محبت نیکی اور عشق عظمت ہے۔ دیوانگی سراسر عبادت ہے اور ہوس ان تمام مقدس اور معصوم جذبوں کی موت ہے، ایک ان مٹ کلنک بھی ہے۔

محبوب کی پرستش میں گناہ کی آمیزش سے کبھی نہ ختم ہونے والا عذاب سزا اور قیامت کا وارد ہوجانا قدرت کا فیصلہ ہے جو ایک اٹل حقیقت ہے۔ پروین نے پاکیزگی کے اس حسین جذبے میں غلاظت و ذلالت کی ملاوٹ سے رونما ہونے والے حالات کی جانب کھل کر اشارہ کیا جس میں اداسی پشیمانی، مایوسی اور ندامت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ نوجوان نسل کے لیے ایسی بے باک اور بے لگان محبت کے انجام میں ایک درس بھی ہے۔ اس کی شاعری نے جوان دلوں میں انگڑائی لی اور ان کے دلوں کی زبان بنی وہاں اس کے قلم نے نہایت ملائمت اور دھیمے پن سے دوسرے زینے صد برگ پر اپنا قدم رکھ دیا۔

صد برگ میں اس کی دوشیزہ جب دنیا کے نشیب و فراز میں اپنی محبت کو ڈوبتے ابھرتے دیکھتی ہے تو ایک سبق سیکھ لیتی ہے۔ سراب، فریب اور دھوکے کی زبان سمجھنے لگتی ہے۔ محبت اور ہوس کے رشتے میں تفریق کرنے کے تمام گروں سے آشنا ہوجاتی ہے اور سچائی پر یقین و بھروسہ کرتے ہوئے ایک قابل فہم اور تجربہ کار عورت بن کر منظر عام پر براجمان ہوجاتی ہے۔ یہی تو خوب صورتی ہے پروین کی شاعری میں کہ ہر زینے پر قدم رکھنے سے پہلے ایک تجربہ اور مشاہدہ اس کا ہم سفر ہے اس لیے تو وہ اپنے پیش لفظ میں لکھتی ہے کہ صد برگ کے آتے آتے منظر نامہ بدل چکا ہے، میری زندگی کا بھی اور اس سرزمین کا بھی جس کے ہونے سے میرا ہونا ہے۔

ضروری نہیں کہ یہ جذبات سے بھرپور سرگزشت شاعرہ کی ذاتی زندگی کی نشاندہی کرتی ہو وہ اس معاشرے کی ہر لڑکی میں خود کو سمو کر اس کی مجبوریوں، کمزوریوں اور دل آزاریوں کو کھینچ کر سامنے لے آتی ہے۔ وہ یکتا نہیں، اس کی ذات میں کروڑوں لڑکیوں کی شمولیت ہے، اس معاشرے کی ہر گڑیا اس کی ہم جولی ہے، ایک میٹھا دھیما اور نرماہٹ کے پردوں میں پوشیدہ طنز سے بھرپور احتجاج۔

نک نیم

تم مجھ کو گڑیا کہتے
ہو
ٹھیک ہی کہتے ہو......
کھیلنے والے سب ہاتھوں کو میں گڑیا ہی لگتی ہوں
جو پہنا دو مجھ پر سجے گا
میرا کوئی رنگ نہیں
جس بچے کے ہاتھ تھما دو
میری کسی سے جنگ نہیں
سوچتی جاگتی آنکھیں میری
جب چاہے بینائی لے لو
کوک بھرو اور باتیں سن لو
یا میری گویائی لے لو
مانگ بھرو سیندور لگاؤ
پیار کرو آنکھوں میں بساؤ
اور پھر جب دل بھر جائے تو
دل سے اٹھا کر طاق پر رکھ دو
تم مجھ کو گڑیا کہتے
ہو
ٹھیک ہی کہتے ہو

(صد برگ)

حقیقت سے پردہ کشائی کا ایک اور رنگ پروین نے یوں پیش کیا۔

کیا کیا دکھ دل نے پائے
ننھی سی خوشی کے بدلے
ہاں کون سے غم نہ کھائے
تھوڑی سی ہنسی کے بدلے
زخموں کا کون شمار کرے
یادوں کا کیسے حصار کرے
اور جینا پھر سے عذاب کرے
اس وقت کا کون حساب کرے
وہ وقت...... جو تجھ بن بیت گیا

(صد برگ)

خود کلامی کے زینے پر قدم رکھنے سے پہلے اب شاعرہ خود ایک ماں کے عظیم رتبے پر فائز ہو چکی ہے۔ وہ حساس

عورت ماں کے جذبات اور احساسات کو دبا نہ سکی اور فراخ دلی سے اپنی بے لوث محبت کا اعتراف کیا، شب و روز کی مصروفیات میں احساس ندامت نے بھی سکون لوٹا لیکن اس کے بدلے اس نے اپنے بیٹے مراد کے نام اپنی زندگی کا ہر لحظہ لکھ دیا۔ وہ ایک گھریلو ہوم میکر خاتون سے بڑھ کر اولاد پر محبتیں نچھاور کرنے والی ماں ثابت ہوئی، اس کے باوجود اسے معاشرہ ہر وقت فرائض کی یاد دہانی کرانے پر تلا ہوا ہے۔ اس کی بے چینی اور اضطرابی کیفیت میں کڑواہٹ کی آمیزش ہونے لگتی ہے تو وہ احتجاج کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اب اس کی شاعری میں احتجاج کا انداز بدل چکا ہے کیونکہ اب شاعرہ ایک کمسن، ڈرپوک اور محبتوں کے مرغزاروں میں ہلکورے لینے والی لڑکی نہیں رہی۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اونچ نیچ سے اس نے تلون مزاج لوگوں کی جبلت کو سمجھ لیا ہے اس لیے اب وہ سپنوں کی دنیا سے باہر نکل چکی ہے۔ اپنے گھر کو آباد و خوشحال رکھنے کی کاوش میں ہے، اس کی خاطر قربانی و ایثار کے لیے تیار ہے اور اپنی ماں کے کردار سے اس قدر متاثر ہے کہ اس کے نقش پا پر چلتی جا رہی ہے۔

علیشبہ نور...... بھیر کنڈ

اک فسانہ ہے زندگی لیکن
کتنے عنوان ہیں اس فسانے کے
چاک دا ماں کی خیر ہو یارب
ہاتھ گستاخ ہیں زمانے کے

حمیرا قریشی...... حیدرآباد سندھ

جیسے دشت میں شام ہوئی
یوں زندگی تمام ہوئی

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

ان دنوں تیز بہت تیز ہے دھارا میرا
دونوں جانب سے ہی کٹتا ہے کنارا میرا
ایسا عالم ہے نہیں میں بھی میسر خود کو
کیسے اب ہوتا ہے مت پوچھ گزارا میرا

فریدہ فری...... لاہور

لہو کا رنگ یہ ہرگز نہیں ہے سچ بتا ظالم
یہ کس کا پھول سا دل تُو نے پیروں سے کچل ڈالا ہے

ثانیہ مسکان...... گوجر خان

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض اتارے ہیں کہ واجب بھی نہیں تھے

حافظہ چندا ثروت عزیز نوشی...... کوٹھا کلاں

ہم سمندر ہیں ہمیں خاموش رہنے دو
ذرا مچل گئے تو شہر لے ڈوبیں گے

مسز نگہت غفار...... کراچی

سب کو پیار دینے کی عادت ہے مجھے
اپنی الگ پہچان بنانے کی عادت ہے مجھے
کتنا بھی گہرا زخم دے کوئی ساحل
اتنی ہی مسکرانے کی عادت ہے مجھے

فصیحہ آصف خان...... ملتان

وہی توڑ گئے پیارا دل ہمارا
جو بات کرتے تھے تارے ٹوڑنے کی

آمنہ رحمٰن مسکان...... ملکہ کوہسار مری

اُف یہ پست سا لہجہ اور دھیمی سی چال مسکان
کبھی تو یہ شخص بڑا ہی مغرور ہوا کرتا تھا

سدرہ کشف...... خیر پور ٹامیوالی

دیوانے گزر جاتے ہیں ہر منزل غم سے
حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا
آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

بی بی عابدہ...... بھیر کنڈ مانسہرہ

مجھے اور زندگی دے کہ ہے داستاں ادھوری
میری موت سے نہ ہوگی میرے غم کی ترجمانی

بی بی اسماء سحر...... راولپنڈی

اے روشنی کی لہر کبھی لو ٹوٹ کے آ
تجھے بلا رہا ہے دل کا دریچہ کھلا ہوا

زاہرہ فاطمہ...... نامعلوم

میں تیرے ہونٹ کے جس تل کو بہت چومتا تھا
اب وہ خوابوں میں چمکتا ہے ستارے کی طرح

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

جو دل پر نقش ہوتا تھا اسے لکھتے ہیں کاغذ پر
ہمیں یار زمیں لکھا ہے تم نے طنز سے لیکن
کہاں تحریر کرنا تھا' کہاں تحریر کرتے ہیں
تمہیں ہم پھر بھی حسن آسماں تحریر کرتے ہیں

لائبہ زبیر...... کراچی

کرے میری چاہت کا حق ادا وہ
میرے دل میں رہے سدا وہ

کنول خان...... ہری پور ہزارہ

لے کہ تیری یادوں کو اپنے ساتھ جاناں
کھل کے برسا ہے آج آنکھوں میں ساون

انعم علی...... کوٹ قیصرانی

چراؤ نظریں چھڑاؤ دامن بدل کے رستہ بڑھاؤ الجھن
تمہیں دعاؤں سے میں نے پھر بھی جو پالیا تو کیا کرو گے

فضا ناز...... کراچی

بڑی یکسانیت ہے تم میں اور ان بادلوں میں
آتے ہو چھاتے ہو برستے ہو اور چلے جاتے ہو

جازبہ عباسی...... مری

ہیں سبھی کو ہم سے شکایتیں
پر ہمیں کسی سے گلہ نہیں
یہ اصول ہم نے بنالیا
نہ ملا کرو نہ گلہ کرو
مدیحہ نورین مہک...... گجرات

شمع محفل بن چراغ راہ گزر نہ بن
اک زلیخا کا انتخاب کر کسی کا یوسف نہ بن
ناری مغل...... خواجگان مانسہرہ

پہلی خواہش کی بات رہنے دو
تم میری آخری تمنا ہو
کائنات جعفری...... جلالپور سیداں خوشاب

یہ فقط عظمت کردار کے ڈھب ہوتے ہیں
فیصلے جنگ کے تلوار سے کب ہوتے ہیں
جھوٹ تعداد میں کتنا ہی زیادہ ہو
اہل حق ہوں تو بہتر بھی غضب ہوتے ہیں
گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

آج شاعری نہیں بس اتنا سنو مینا
میں تنہا ہوں وجہ تم ہو
مشی خان...... بھیر کنڈ

یوں دی ہمیں آزادی کہ دنیا ہوئی حیراں
اے قائد اعظم تیرا احسان ہے تیرا احسان
حنا قریشی...... مانسہرہ

عید پر کپڑوں کی فکر کیا کرو دوستو
جوتے تو اکثر مسجد میں بھی مل جاتے ہیں
مینا جمال...... کراچی

تُو نے نفرت سے جو دیکھا تو مجھے یاد آیا
کیسے رشتے تیری خاطر یونہی توڑ آیا
کتنے دھندلے ہیں یہ چہرے جنہیں اپنایا
کتنی اجلی تھیں وہ آنکھیں جنہیں چھوڑ آیا
ارم کمال...... فیصل آباد

دوسری بار بھی ہوتی تو اسی سے ہوتی
میں بالفرض محبت جو دوبارہ کرتا
فضہ یوسف...... فیصل آباد

مقرر وقت ہوتا ہے محبت کی نمازوں کا
ادا جن کی نکل جائے قضا بھی چھوٹ جاتی ہے

محبت دل کا سجدہ ہے جو ہے توحید پر قائم
نظر کے شرک والوں سے محبت روٹھ جاتی ہے
حنا کرن...... پتوکی

تجھے خوابوں میں دیکھنے والے
کتنی مشکل سے جاگتے ہوں گے
مہوش عادل...... دبئی

خزاں کی دھوپ سے شکوہ فضول ہے محسن
میں یوں بھی پھول تھا مجھے بکھرنا ہی تھا
کشور عرمان...... کراچی

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے
سحرش علی...... سرگودھا

اہل نظر کے بخت میں کس نے یہ لکھ دیا
رہنا کسی کے ساتھ محبت کسی کے ساتھ
ہوتی ہے اس کے دل کو کسی اور کی طلب
رکھتی ہے عمر بھر اسے قسمت کسی کے ساتھ
نادیہ احمد...... دبئی

اک پل بھی تیری یاد سے غافل نہیں رہا
میں مذہب وفا کا تہجد گزار ہوں
صبا عیشل...... بھاگووال

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
راؤ رفاقت علی...... دنیاپور

یوں تو سورج کے بھی ہیں پجاری بہت لیکن
ڈوبتے وقت تو اسے بھی تنہا دیکھا

bazsuk@aanchal.com.pk

گاجر شیک

اجزاء:۔

گاجر (کش کی ہوئی)	آدھا کلو
چینی	تین چائے کے چمچ
دودھ	ایک پاؤ
ناریل، کشمش، بادام، پستہ، اخروٹ	حسب ضرورت
پانی	آدھا کپ

ترکیب:۔

آدھا کلو گاجر کو باریک کاٹ کر یا کش کر کے جوسر مشین میں ڈال کر اس میں آدھ پاؤ دودھ، چینی تین یا چار چمچ ڈال دیں پھر اس میں تمام ڈرائے فروٹ ڈال کر آدھا کپ پانی بھی مکس کردیں اور پھر اس کو اچھی طرح سے گرینڈ کریں، تیار ہونے پر مزے دار گاجر شیک اپنے مہمانوں کو پیش کریں اور مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

زعیمہ روشن..... آزاد کشمیر جھنگ

چکن ودھ فرائیڈ ویجی ٹیبل

اجزاء:۔

چکن	آدھا کلو
گاجر (گول سلائس کاٹ لیں)	چار سے پانچ عدد
پیاز ثابت (چھوٹی)	پانچ سے چھ عدد
ہری مرچیں	چھ عدد
ٹماٹر پیوری	آدھا پیکٹ
سرخ مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
پیاز (چوپ کرلیں)	دو عدد
ہرا دھنیا گارنش کے لیے	
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھا کپ

ترکیب:۔

دیگچی میں تیل گرم کر کے ابلی ہوئی گاجر اور ثابت پیاز ڈال کر ہلکا سا فرائی کر کے پلیٹ میں نکال لیں۔ اسی تیل میں چوپ کی ہوئی پیاز ڈال کر فرائی کریں، نرم پڑجائے تو چکن ڈال کر ہلکا سرخ ہونے تک فرائی کرلیں۔ ٹماٹر پیوری، نمک، سرخ مرچ پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر اور گرم مصالحہ شامل کر کے اچھی طرح بھون لیں، حسب ضرورت پانی ڈال کر پکائیں، چکن گل جائے تو فرائی کی ہوئی گاجر، پیاز اور ہری مرچیں بھی ڈال دیں، پانچ سے چھ منٹ دم پر رکھیں ہرا دھنیا ڈال کر چولہے سے اتار لیں، سرونگ ڈش میں نکال کر گرم گرم سرو کریں۔

جی کنول خان..... موسیٰ خیل

اسٹفڈ مرچیں

اجزاء:۔

بڑی ہری مرچیں	دس سے بارہ عدد
آلو	دو عدد درمیانے
چیڈر چیز	آدھی پیالی
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ کٹی ہوئی	آدھا چائے کا چمچ
اجوائن	آدھا چائے کا چمچ
پارسلے	ایک چائے کا چمچ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچ
انڈہ	ایک عدد
کارن فلور	دو کھانے کے چمچ
کوکنگ آئل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ہری مرچوں کو دھوکر خشک کرلیں اور اس کے درمیان میں چیرا لگا کر بیج نکال کر اگر تیزی پسند ہو تو تھوڑے سے بیج چھوڑ دیں۔ آلو ابال کر چھیل کر میش کرلیں اور اس میں نمک، کالی مرچ، اجوائن، پارسلے اور سویا ساس ڈال کر اچھی طرح ملالیں پھر چیز کو کش کر کے مکسچر میں شامل کردیں۔ تیار کیے ہوئے مکسچر کو مرچوں میں بھردیں اور انہیں اچھی طرح دبا کر بند کریں، پیالے میں انڈا پھینٹیں اور اس میں تھوڑا تھوڑا کر کے میدہ اور کارن فلور ڈال کر ملالیں (چٹکی بھر نمک اور کالی مرچ بھی شامل کردیں) کڑاہی میں کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر گرم کریں اور مرچوں کو انڈے کے مکسچر میں ڈبوتے ہوئے سنہری فرائی کرلیں۔ گرم گرم

مرچوں کو شام کی چائے پر پودینے کی چٹنی کے ساتھ پیش کریں اور داد سمیٹیں۔

انیقہ احمد......تلہ گنگ

کشمیری پلائو

ضروری اشیاء:۔

چاول	ایک کلو
آئل	سو گرام
پیاز	ایک عدد
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
ڈرائی فروٹ	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
چکن اسٹاک	3 گلاس
خربوزہ	50 گرام
پپیتا	50 گرام
خوبانی	50 گرام
آڑو	50 گرام

ترکیب:۔
چاول صاف کرکے بھگودیں' آئل گرم کریں' پیاز کو لائٹ براؤن کرلیں اس میں ادرک لہسن پیسٹ ڈالیں اور بھونیں اس کے بعد گرم مصالحہ ڈالیں۔ تھوڑا بھوننے کے بعد چکن اسٹاک ڈال دیں' ساتھ ہی نمک ڈال دیں' ابال آجائے تو چاول ڈال دیں جب چاولوں کا پانی خشک ہوجائے تو تمام تازہ پھل کاٹ کر ڈال دیں اور ڈرائی فروٹ بھی ڈال دیں۔ چاولوں کو دم پر لگادیں پندرہ منٹ بعد چاولوں کو چولہے سے ہٹالیں' مزے دار کشمیری پلاؤ تیار ہے۔

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

کھٹے گوشت کا پلائو

اجزاء:۔

چاول	تین پاؤ
املی	آدھا پاؤ
گوشت	آدھا کلو
لہسن ادرک پیسٹ	چار کھانے کے چمچ
ثابت گرم مصالحہ مکس	دو چائے کے چمچ
پسی سرخ مرچ	دو چائے کے چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
پیاز	ایک پاؤ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔
تیل گرم کرکے پیاز سنہری کریں' لہسن ادرک پیسٹ' ہلدی' مرچ اور نمک ڈال کر بھونیں۔ مصالحہ تیل چھوڑ دے تو ثابت گرم مصالحہ ڈال دیں اور پھر گوشت اور دو گلاس پانی ڈال کر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ چاول ابال لیں' املی بھی پانی میں ڈال کر رکھ دیں گوشت گل جائے تو املی مسل کر گاڑھا سا پیسٹ بناکر گوشت میں ڈال کر بھونیں اور آنچ دھیمی کردیں۔ ایک پتیلی میں چاول اور گوشت کی تہہ لگائیں اور پندرہ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس......مانسہرہ

آڑو کا مربہ

اشیاء:۔

آڑو (نیم پختہ)	ایک کلوگرام
چینی	ایک کلوگرام
سبز الائچی	دس عدد
لونگ	دس عدد
روح کیوڑہ	ایک چمچ
کشمش	60 گرام
ٹارٹرک ایسڈ	1/2 گرام
نمک	حسب ضرورت

ترکیب:۔
آڑوؤں کو نمک کے پانی سے دھو کر کپڑے سے ان کا پانی خشک کرلیں' کشمش صاف کرلیں۔ الائچی کے دانے نکال کر قدرے کوٹ لیں' آڑوؤں کو چھیل کر درمیان سے کاٹ کر دو حصے کرلیں۔ گٹھلیاں اور گودے کا سرخ جالا نکال کر پھینک دیں۔ چینی میں آدھا لیٹر پانی ملا کر شیرہ بنانے کے لیے چولہے پر رکھ دیں۔ شربت جھاگ دینے لگے تو اوپر سے میل اتار دیں اور اس میں آڑو ڈال کر پانچ سات منٹ مزید پکنے دیں پھر اتار کر اس میں ٹارٹرک ایسڈ ڈال کر پتیلی کا منہ بند کردیں' ٹھنڈا ہوجائے تو روح کیوڑہ ملا کر مرتبان میں بھرلیں۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

انجیر کا مربہ

اشیاء:۔

انجیر	ایک کلوگرام
چینی	دو کلوگرام
پان کا چونا	پینتیس گرام

ترکیب:۔

پانی میں چونا حل کرکے چھوڑ دیں' چونا نیچے بیٹھ جائے تو پانی نتھار لیں۔ انجیریں دھوکر چھیلیں اور ٹکڑے کرلیں۔ کانٹے سے ٹکڑوں کو گودھ لیں' آدھ گھنٹہ انجیروں کو چونے کے پانی میں رکھیں اور نکال کر سادہ پانی سے دھولیں۔ اسے صاف پانی میں ابالیں نکال کر پانی خشک کرلیں' چینی میں تھوڑا سا پانی ملا کر پکائیں۔ قوام تیار ہوجائے تو اس میں انجیر ڈال دیں' مزید پکائیں' قوام درست ہوجائے تو اتارلیں' مربہ تیار ہے۔

حنا اشرف......کوٹ ادو

اناناس کا مربہ

اشیاء:۔

اناناس	ایک کلوگرام
چینی	ایک کلوگرام
روح کیوڑہ	کھانے کے دو چمچ
زعفران	دو گرام
پھٹکری	چٹکی بھر

ترکیب:۔

پھٹکری پیس لیں' اناناس چھیل لیں' گول گول ٹکڑے کاٹ کرانہیں کانٹے سے گودلیں۔ ایک بڑا چمچ کھانے کا چونا پانی میں حل کرکے کچھ دیر کے لیے چھوڑ دیں' چونا بیٹھ جائے گا پانی نتھار کر الگ کرلیں۔ اناناس کے ٹکڑوں کو اس پانی میں ڈال کر پندرہ بیس منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔

پتیلی میں صاف پانی اور پھٹکری ڈال دیں' اس میں اناناس کے ٹکڑے ڈال کر چولہے پر رکھ دیں' ٹکڑے گل جائیں تو اتار کر پانی نچوڑلیں۔ اناناس کے ٹکڑوں کا پانی بالکل خشک کرلیں' قوام تیار کریں۔ اس میں اناناس ڈال کر پکائیں' چاشنی تین تار کی ہوجائے تو اس میں روح کیوڑہ اور زعفران پیس کر ڈال دیں' مربہ تیار ہے' ٹھنڈا ہونے پر مرتبان میں محفوظ کرلیں۔

جویریہ ضیاء......کراچی

بادام کا مربہ

اشیاء:۔

کاغذی باداموں کی گریاں	ڈھائی سوگرم
خالص شہد	ساٹھ گرام
چینی	پانچ سوگرام
لیموں	ایک عدد

ترکیب:۔

بادام کی گریاں نمک کے پانی میں ڈال دیں' چار روز بعد گریوں کو نمکین پانی سے نکال کر تازہ پانی سے دھولیں چھلکے اتار لیں۔ پانچ سو ملی لیٹر پانی میں گریاں اور شہد ڈال کر ابالیں۔ کئی ابال آجائیں تو گریاں نکال کر تازہ پانی میں دھولیں' گریوں کو گودلیں 250 گرام چینی پانی میں ملا کر قوام بنائیں۔ قوام یک تار کا ہوجائے تو اس میں گریاں اور آدھا لیموں نچوڑ کر قدرے پکائیں اور ٹھنڈا کرلیں۔ تین دن بعد باقی چینی کا پھر ایک تار کا قوام بنائیں اور گریوں کو پہلے قوام سے نکال کر تازہ قوام میں ڈالیں' قوام کو پھر پکائیں اور گاڑھا ہونے پر ٹھنڈا کرکے مرتبان میں رکھ لیں۔

صباء عیشل......بھاگووال

چیری کا مربہ

اشیاء:۔

چیری	حسب ضرورت
چینی	حسب ضرورت
سرخ رنگ	حسب ضرورت
پانی	حسب ضرورت

ترکیب:۔

بازار میں دستیاب چیری کے ٹن حسب ضرورت حاصل کرلیں اگر ایک ٹن کا مربہ بنانا ہو تو چیری کو ٹن سے نکال کر ایٹ تک ابلتے ہوئے پانی میں رکھیں۔ ایک کپ چینی کو دو کپ پانی میں ڈال کر شیرہ پکاتے رہیں۔ چٹکی بھر کھانے والا سرخ رنگ بھی ڈال دیں' شیرہ تار دینے لگے تو اتار کر ٹھنڈا کرلیں اور استعمال کریں۔ اسی طریقے سے چیری کے جتنے ٹن کا مربہ درکار ہو بنا سکتے ہیں۔

سمیہ عثمان......ملتان

آرائش حسن

حدیقہ احمد

ہر قسم کی جلد کے لیے ایسٹر جنٹ لوشن

لیموں والا ایسٹر جنٹ لوشن

لیموں کا رس	2 بڑے چمچ
ڈسٹلڈ واٹر	16 بڑے چمچ
ٹنکچرف بینزوئن	ایک بڑا چمچ

ان تمام اجزاء کو باہم مکس کرکے روئی کی مدد سے رات کو سوتے وقت چہرے گردن اور ہاتھوں پر لگائیں اور صبح منہ دھولیں آپ کی جلد دلکش اور حسین نظر آئے گی۔

شہد والا فیس ماسک

شہد	ڈیڑھ چمچ
لیموں کا رس	ایک چائے کا چمچ
ملتانی مٹی کا پاؤڈر	دو چائے کے چمچ
پانی	حسب ضرورت

ملتانی مٹی کے پاؤڈر کو آدھے گھنٹے کے لیے پانی میں بھگودیں پھر اس میں لیموں کا رس اور شہد ملائیں اور اچھا سا پیسٹ بنالیں۔ اس پیسٹ کو چہرے پر بیس منٹ لگا کر چھوڑ دیں اور خشک ہونے پر پہلے نیم گرم پھر ٹھنڈے پانی سے دھوئیں۔

للی ایسٹر جنٹ لوشن

ڈسٹلڈ واٹر	دو لیٹر
للی کے پھول	500 گرام
سوڈیم بینزویٹ	ڈیڑھ چمچ

ابلتے ہوئے پانی میں للی کے پھولوں کو ایک گھنٹہ بھگو کر رکھیں پھر اس پانی کو چھان لیں اور چھنے ہوئے پانی میں سوڈیم بینزویٹ مکس کرلیں' روئی کو اس مکسچر میں بھگو کر چہرے اور گردن پر لگائیں اور خشک ہونے پر چہرہ اور گردن پر دوبارہ لگائیں اور خشک ہونے پر چہرہ اور گردن دھولیں۔

یہ چہرے کو نکھار اور ملائمت بخشے گا' یہ بات یاد رکھیں کہ کوئی بھی بیوٹی ٹریٹمنٹ دینے سے آپ کی جلد کو دلکش کم عمر اور تازگی بخشتا ہے اگر آپ کسی بھی ٹریٹمنٹ کے کیے بغیر میک اپ کریں گے تو آپ کی جلد فریش نظر نہیں آئے گی۔

رابعہ عمران چوہدری......رحیم یار خان

خواتین کے لیے سورج سے بچاؤ

خواتین کی جلد کو ایسے لوشن کی ضرورت ہے جو اسے یو وی اے اور یو وی بی دونوں اقسام کی شعاعوں سے محفوظ رکھ سکے لہٰذا آپ کو چاہیے کہ اپنی جلد کے سورج سے تحفظ کے لیے جو لوشن خریدیں اس میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہوں۔

یہ خاص طور پر دن میں استعمال کے لیے ہو۔

آپ کی جلد سے مطابقت رکھتا ہو۔

اس لوشن میں یو وی اے سے پیدا ہونے والے سانولے پن اور یو وی بی سے جلد کو جلنے سے بچانے کی بھرپور صلاحیت ہو۔

ہمیشہ پرہیز کریں

عام کریم اور لوشن سے پرہیز کریں کیونکہ ان میں سورج کی الٹراوائلٹ شعاعوں سے بچاؤ کا کوئی مدافعتی عنصر نہیں ہوتا اور اس کے استعمال کے بعد باہر دھوپ میں نکلنے سے بجائے فائدے کے نقصان بھی ہوسکتا ہے۔

سن اسکرین

سن اسکرین لوشن گرمی کے موسم میں آپ کی جلد کے تحفظ کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ لوشن آپ کی جلد کو یو وی اے اور یو وی بی شعاعوں سے مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے' گرمی کے موسم میں سن اسکرین کے استعمال میں غفلت نہ برتیں یہ آپ کی جلد کی قدرتی خوب صورتی کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ قبل از وقت پیدا ہونے والی جھریوں سے بچاتا ہے۔

تیز دھوپ

تیز دھوپ کی تمازت انسانی جلد کے لیے نا صرف تکلیف دہ ہوتی ہے بلکہ یہ جلد کو اندرونی اور بیرونی طور پر نقصان بھی پہنچاتی ہے اور خاص طور پر خواتین کی نازک جلد

تیز دھوپ سے بہت جلد متاثر ہوسکتی ہے لیکن ان سب نقصانات سے آخر کس طرح بچا جاسکتا ہے؟

Melenin انسانی جسم میں پائے جانے والے ایسے عناصر ہوتے ہیں جو جلد پر پڑنے والی براہ راست تیز دھوپ کے نقصانات سے جلد کو محفوظ کرتے ہیں جب کہ گہری رنگت والے لوگ قدرتی طور پر اپنی باڈی میں Melenin کی مناسب مقدار ہونے کی وجہ سے دھوپ برداشت کرلیتے ہیں۔

لیکن پھر بھی اگر دھوپ بے حد تیز ہو اور آپ لمبے عرصے تک تیز دھوپ میں کام کریں تو یہ تیز دھوپ جسم کے مختلف حصوں پر براہ راست پڑنے کی وہ سے آپ کو بھی خاصا نقصان پہنچاسکتی ہے لہٰذا کوشش کریں کہ ایسے دنوں میں جب بھی سورج کے عین نیچے کام کریں تو جسم کے تمام حصوں کو اچھی طرح ڈھانپ لیں اور سر پر بھی کیپ یا چادر وغیرہ کا استعمال کریں۔

دھوپ کے خطرناک نتائج تقریباً چوبیس گھنٹوں کے بعد نمایاں ہوتے ہیں اور ان میں مختلف قسم کے لوگوں میں مختلف ردعمل دیکھا جاسکتا ہے ایسا ہوتا ہے کہ تیز دھوپ ایشیائی لوگوں میں جلد کے اوپر حصے کو یا پھر اپی ڈرمیز کو متاثر کرتی ہے اور جلد تیز دھوپ کی تمازت کے باعث سرخی مائل یا پھر تیز گلابی ہوجاتی ہے۔ ہاتھ لگانے سے بھی تکلیف ہوتی ہے' بہت حساس ہوجاتی ہے اور بعض وجوہات کی بنا پر اس میں الرجی بھی ہوجاتی ہے۔

تیز دھوپ اور اس کے انتہائی خطرناک نقصانات سب سے زیادہ چھوٹے بچوں یا ان لوگوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں جن کی جلد انتہائی حساس اور پتلی ہوتی ہے اس میں تیز دھوپ جلد کے اوپری حصے کی مختلف لیئرز اپی ڈرمیز اور جلد کی اندرونی بافتوں کو بھی نقصان پہنچاتی ہے لیکن اس قسم کے لوگ ایشیا میں کم ہی پائے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نومولود بچے تیز دھوپ کے موسم میں گھروں میں ہی رہا کرتے ہیں۔

تیز دھوپ کے دیگر نقصانات میں سر درد' بخار اور نزلہ عام ہیں۔ گرمیوں کے دنوں میں اور خاص طور پر جون' جولائی کے مہینوں میں صبح دس سے دوپہر دو بجے تک کی دھوپ نقصان دہ ہے لہٰذا ان اوقات میں کوشش کریں کہ گھروں سے باہر نہ نکلا جائے اور اگر بحالت مجبوری ایسا کرنا پڑے تو سن اسکرین کا استعمال اور مناسب کپڑوں کا استعمال ہرگز نہ بھولیں۔ ہاتھوں کے لیے دستانے اور پیروں کے لیے موزوں کا استعمال کریں اکثر دیکھا گیا ہے کہ دھوپ کی تپش سے متاثرہ افراد مختلف ذرائع سے آنے والے اشتہارات سے متاثر ہوکر ان پروڈکٹس کو استعمال کرنا شروع کردیتے ہیں' ایسے خواتین و حضرات سے گزارش ہے کہ غور کریں آیا کہ یہ پروڈکٹس کام بھی کررہی ہیں یا نہیں؟

ان دنوں میں پانی کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں اور پھلوں کے تازہ جوس اور تازہ سبزیوں کا استعمال بھی یقینی بنائیں۔ تیز دھوپ سے آنے کے بعد ٹھنڈے پانی سے بھیگا ہوا تولیہ متاثرہ حصوں پر استعمال کریں' یہ عمل فوری سکون پہنچاتا ہے' سر میں درد ہونے کی صورت میں دوا استعمال کریں اور اگر خدانخواستہ طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہو تو فوراً ڈاکٹر سے رجوع کریں سن اسکرین کا استعمال خاص طور پر بچوں میں ہرگز نہ بھولیں تو پھر دھوپ اور اس کے نقصانات سے کافی حد تک بچا جاسکتا ہے۔

ارمان

بہت ارمان تھا مجھ کو
بڑا ہی مان تھا مجھ کو
میں اپنے دیس کی مٹی کو خود سونا بناؤں گی
لہو سے اس کو سینچوں گی
بہاروں سے سجاؤں گی
یہاں جو ظلم ہوتا ہے
اسے میں ختم کردوں گی
اور اک عدل وانصاف کا معاشرہ
تشکیل دینے میں
میں سارے ہنر سارے گُر آزماؤں گی
مگر افسوس اے دنیا!
مجھے پہلے قدم پر ہی
میری مٹی کے لوگوں نے
منہ کے بل گرایا ہے
میرے رستے میں مشکلوں کے خار رکھے ہیں
مجھے پاگل کہا ہے اور سنگ مجھ پہ اٹھایا ہے
میں جشن آزادی دھرتی، مناؤں کس طرح اب کے؟
باتوں کے دھنی لوگوں نے عمل کو چھوڑ کر دامن مجھے
یوں خون رلایا ہے
کہ گل مجھ کو......
میرے اسلاف سے شرمندگی محسوس ہوتی ہے
مجھے دھرتی کی مٹی سے نگاہیں تک ملانے کی نہیں ہے
تاب اب
لیکن......
میں پھر بھی اپنی اک کوشش
دعا کے رتھ پر رکھ کر بھیجتی ہوں آسمانوں میں
جہاں بیٹھا ہوا ہے کون ومکاں کا جو مالک
اسے درخواست کرتی ہوں
میرے مولا! میرے اللہ......
میری دھرتی کے سینے پر، محبت، امن، اخوت اور رواداری
کے سارے موسموں کو بھیج دے اب کے
یہاں پہ امن قائم کر، خوشی، خوشحالی واسلام کے پرچم
بلند کردے
میری دھرتی کو اے اللہ!
محمد علی جناح جیسا اک رہبر عطا کردے
آمین

سباس گل......

انتخاب: عثمان عبداللہ......کراچی

غزل

شکوہ عشق نہیں، جرأت گفتار نہیں
میرے ہاتھوں میں جبر کی کوئی تلوار نہیں
ابن آدم ہوں انسان سے محبت کی ہے
آگ کا، چاند کا، پتھر کا پرستار نہیں
میں نے مانا کہ تُو یوسف سا حسین ہے لیکن
یہ میرا دل ہے کوئی مصر کا بازار نہیں
اے خدا مجھ کو محبت دے عبادت کے عوض
میں تو تیری کسی جنت کا خریدار نہیں
جس نے انسان سے محبت ہی نہ کی ہو اقبال
درحقیقت وہ خدا کا بھی طلب گار نہیں

شاعر: علامہ محمد اقبال

انتخاب: عائشہ رحمٰن ہنی......ریالی، مری

غزل

تھکن تو اگلے سفر کے لیے بہانہ تھا
اسے تو یوں بھی کسی اور سمت جانا تھا
وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی
اسی پر ضرب پڑی جو شجر پرانا تھا
متاع جاں کا بدل ایک پل کی سرشاری
سلوک خواب کا آنکھوں سے تاجرانہ تھا
ہوا کی کاٹ شگوفوں نے جذب کرلی تھی

تبھی تو لہجہ خوشبو بھی جارحانہ تھا
وہی فراق کی باتیں وہی حکایت وصل
نئی کتاب کا ایک ایک ورق پرانا تھا
قبائے زرد نگار خزاں پر سجتی تھی
تبھی تو چال کا انداز خسروانہ تھا

شاعر: افتخار عارف

انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... برنالی

محبت مر نہیں سکتی

ہزاروں دکھ پڑے سہنا محبت مر نہیں سکتی
ہے تم سے بس یہی کہنا محبت مر نہیں سکتی
تیرا ہر بار میرے خط کو پڑھنا اور رو دینا
میرا ہر بار لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی
کیا تھا ہم نے کیمپس کی ندی پر ایک حسیں وعدہ
بھلے ہم کو پڑے مرنا محبت مر نہیں سکتی
جہاں میں جب تلک پنچھی چہکتے اڑتے پھرتے ہیں
ہے جب تک پھول کا کھلنا محبت مر نہیں سکتی
پرانے عہد کو جب زندہ کرنے کا خیال آئے
مجھے بس اتنا لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی
وہ تیرا ہجر کی شب فون رکھنے سے ذرا پہلے
بہت روتے ہوئے کہنا محبت مر نہیں سکتی
اگر ہم حسرتوں کی قبر میں ہی دفن ہوجائیں
تو یہ کتبوں پر لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی
پرانے رابطوں کو پھر نئے وعدے کی خواہش ہے
ذرا اک بار تو کہنا محبت مر نہیں سکتی
گئے لمحات فرصت کے کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں
وہ پہروں ہاتھ پر لکھنا محبت مر نہیں سکتی

کلام: وصی شاہ

انتخاب: ثناء اعجاز قریشی...... ساہیوال

نظم

ہر کسی کے چہرے میں
اک ضیاء سی ہوتی ہے
رخ کے ایک حصے میں

حسن کے علاقے میں
اک اداسی ہوتی ہے
اس کو ہم نے دیکھا تھا
گرم خو مہینوں میں
اک خوشی کی محفل میں
شہر کے مکینوں میں
اک طرف کھڑے تنہا
جس طرف کو رہتے تھے
جن کی سادہ گلیاں تھیں
جن میں لوگ بستے تھے
بے کشش مکانوں میں
جیسے چاند راتیں تھیں
اس کے سرد چہرے پر
خوشگوار آنکھیں تھیں

شاعر: منیر نیازی

انتخاب: کرن شہزادی...... مانسہرہ

غزل

اڑتے بادل، بزرگوں کی شفقت، بنے دھوپ میں لڑکیاں مسکراتی رہیں
جب سے جانا اب کوئی منزل نہیں، منزلیں راہ میں آتی جاتی رہیں
رات، پریاں، فرشتے، ہمارے بدن، ناگ کر برف میں جل رہے تھے مگر
کچھ شبیہیں، کتابوں کے بجھتے دیئے، کاغذی مقبروں میں جلاتی رہیں
سارے دن کی تپی ساحلی ریت پر دور تک پیاسی ہوئی مچھلیاں سو گئیں
اپنے ملنے کی وہ آخری شام تھی لہریں آتی رہیں لہریں جاتی رہیں
ننگے پاؤں فرشتوں کا اک طائفہ آسماں سے زمین پر اترنے لگا
سربرہنہ فلک زادیاں عرش سے آنسوؤں کے ستارے گراتی رہیں
اک دریچے میں دو آنسوؤں کا سفر رات کے راستوں کی طرح کھو گیا
نرم مٹی پر گرتی ہوئی پتیاں، سونے والوں کو چادر اڑھاتی رہیں

شاعر: بشیر بدر

انتخاب: جویریہ وسمی...... ڈونگہ بونگہ

یوں بھی عید ہوتی ہے

یوں تو ہمیشہ سے عید آیا کرتی ہے
خوشبوؤں کی پھولوں کی

اور نگار صبحوں کی
لوگ باتیں کرتے ہیں
بے وجہ سنورتے ہیں
پر کبھی یہ سوچا ہے؟
دل کے یوں دھڑکنے کا
جب چلن بدلتا ہے
جب قریب لگتا ہے
درمیاں میں سایہ بھی
اک رقیب لگتا ہے
تب کی عیداے ہمدم
کچھ جدا سی ہوتی ہے
رنگ باتیں کرتے ہیں
پھول مسکراتے ہیں
اس طرح کے موسم میں
چودہویں کی راتوں میں
چاندراتیں ہوتی ہیں
ان چاندراتوں میں
دل تو یوں اجلتے ہیں
پرسکوں سی جھیلوں میں
پرسکوں سے منظر میں
چاندی کے دیپ جلتے ہیں

شاعرہ: عائشہ ثروت
انتخاب: نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ ڈسکہ

غزل

وقت رخصت کہیں تارے کہیں جگنو نظر آئے
ہار پہنانے مجھے پھول سے بازو آئے
بس گئی ہے مرے احساس میں یہ کیسی مہک
کوئی خوشبو میں لگاؤں تیری خوشبو آئے
میں نے دن رات خدا سے یہ دعا مانگی ہے
کوئی آہٹ نہ دو در پہ میرے اور تُو آئے
اس کی باتیں کہ گل لالہ پر شبنم برسے
سب کو اپنانے کا اس شوخ کو جادو آئے

ان دنوں آپ کا عالم بھی عجب عالم ہے
زخم کھایا ہوا جیسے کوئی آہو آئے
اس نے چھو کر مجھے پتھر سے پھر انسان کیا
مدتوں بعد میری آنکھوں میں آنسو آئے

شاعر: بشیر بدر
انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

غزل

تیرے غم کے مارے ہم
مر گئے بے چارے ہم
کیا بتلائیں جان من؟
کتنے ہیں دکھیارے ہم
تجھ سے بچھڑ کے جی نہیں سکتے
سچ کہتے ہیں پیارے ہم
رسوائی سے نادم ہیں ہم
عشق بتاں کے مارے ہم
عشق ترے میں شب بھر اکثر
گنتے ہیں اب تارے ہم
کیا بتلائیں تجھ سے بچھڑ کے
پہنچے گور کنارے ہم
تخت وری کے رانجھن بن کے
آ گئے تخت ہزارے ہم
سوز کے شعروں سے ہی بے شک
مست ہوئے ہیں سارے ہم

شاعر: ڈاکٹر جاوید سوز
انتخاب: سدرہ کشف...... خیرپور ٹامیوالی

غزل

یہاں سچائی مہنگی ہے مگر ایمان سستے ہیں
خداوند تیری بستی میں کیسے لوگ بستے ہیں
نئے منتر کرو ایجاد یا تریاق ہی ڈھونڈو
سپیرو آج کل انسان، انسانوں کو ڈستے ہیں
زمین سے پیاس اگنے لگ پڑی ہے خشک سالی سے
یہ بادل جب برستے ہیں تو دریا پر برستے ہیں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

سنبھل کر چل ذرا رہرو کہیں رہزن رہبر نہ ہو
بڑی سنسان گلیاں ہیں' بڑے ویران رستے ہیں
نہ دو تم کسی کو زندگی کی بددعا علیم
ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو مرنے کو ترستے ہیں
شاعر: علیم

انتخاب: بی بی عابد...... بھیر کنڈ مانسہرہ

غزل

سمجھ رہے ہیں اور بولنے کا یارا نہیں
جو ہم سے مل کر بچھڑ جائے وہ ہمارا نہیں
سمندروں کو بھی حیرت ہوئی کہ ڈوبتے وقت
کسی کو ہم نے مدد کے لیے پکارا نہیں
جو ہم نہیں تھے تو کون تھا سر بازار
جو کہہ رہا تھا کہ بکنا ہمیں گوارا نہیں
ابھی سے برف الجھنے لگی ہے بالوں میں
ابھی تو قرض ماہ وسال اتارا نہیں
ہم اہل دل نہیں محبت کی بستیوں کے امین
ہمارے پاس زمینوں کا گوشوارہ نہیں
شاعر: افتخار عارف

انتخاب: گل میناں خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

غزل

ابھی تم سا تھا کوئی روبرو' تمہیں یاد ہم نے بہت کیا ہے
بڑی رس بھری تھی وہ گفتگو' تمہیں یاد ہم نے بہت کیا
وہی مست آنکھوں کی مستیاں' وہی چاند چہرے کی چاندنی
وہی عرض حال تھا ہو بہو تمہیں یاد ہم نے بہت کیا
وہی ہونٹ تھے' وہی پھول تھے' وہی بے مثال اداسیاں
وہی خواب تھا' وہی آرزو' تمہیں یاد ہم نے بہت کیا
وہی آرزوئے وصل تھی جو روز و شب کی مثال تھی
وہی دلکشی' وہی رنگ و بو' تمہیں یاد ہم نے بہت کیا
حرا قریشی

انتخاب: مشی خان...... بھیر کنڈ' مانسہرہ

محبت کے قصے

محبت کے تجھے قصے سنانے ہیں چلے آؤ
تری زلفوں میں ہم نے گل سجانے ہیں چلے آؤ
جنہیں تاریکیاں پیدا کریں ایسے خداؤں نے
کہاں جگنو، دیے، سورج بنانے ہیں چلے آؤ
جسے ظالم زمانے نے خوشی سے توڑ ڈالا ہے
اسی دل میں محبت کے خزانے ہیں چلے آؤ
یہاں دل کی کوئی قیمت نہیں، چہروں پر مرتے ہیں
یہاں تم نے بڑے دھوکے ہی کھانے ہیں چلے آؤ
پرندے پر کٹے گرچہ ہوا میں اڑ نہیں سکتے
ضمیر اپنے چمن میں آشیانے ہیں چلے آؤ
شاعر: ضمیر حیدر ضمیر

انتخاب: صباء عیشل...... بھاگووال

غزل

شب وصال کے روز فراق میں کیا کیا
نصیب مجھ سے مرے انتقال لیتے ہیں
ترے اسیر جو صیاد کرتے ہیں فریاد
تو پھر وہ دم بھی زیر دام لیتے
ہم ان کے زور کے قائل ہیں زور بازو میں
جو عشق میں دل مضطرب کو تھام لیتے ہیں
جھکائے ہے سر تسلیم ماہ نو پر وہ
غرور حسن سے کس کا سلام لیتے ہیں
ترے قتیل بتاتے نہیں تجھے قاتل
جب ان سے پوچھا جل ہی کا نام لیتے ہیں
قمر کا داغ بھلا آئے کس حساب میں داں
وہ مول ایسے ہزاروں غلام لیتے ہیں
ہمارے ہاتھ سے اے ذوق وقت مے نوشی
ہزار ناز سے وہ ایک جام لیتے ہیں
شاعر: ابراہیم ذوق

انتخاب: نیلم صدیقی...... حسن ابدال

alam@aanchal.com.pk

خوش تحریر

ہما ذوالفقار

تشریح قرآنی آیات

۱۲۔۳۷ سورۃ الجاثیہ

اللہ کی ساری کائنات کا نظام عدل وحکمت پر قائم ہے‘ اس پر ایمان لا کر حق وصداقت کے لیے آزمائشوں سے گزرنے والوں کا انجام اچھا اور بدی کی راہ پر چلنے والوں سے مختلف ہوگا۔

جس شخص نے جائز وناجائز‘ حلال وحرام کی پروا کیے بغیر دنیا کی خوشیوں کو ہی سب کچھ سمجھا اور اپنی خواہشات کی غلامی کی اس نے گمراہ ہوکر آخرت کو بھلا دیا۔

آخرت کے منکر محض بدگمانی سے‘ کہتے ہیں کہ اگر دوبارہ زندگی ہے تو ہمارے باپ‘ دادا کو اٹھا لاؤ جبکہ یہ خود دیکھتے ہیں کہ اللہ نے چاہا تو یہ وجود میں آئے اللہ جب چاہے گا یہ مرجائیں گے اور اللہ ہی انہیں قیامت میں دوبارہ زندہ کرے گا‘ قیامت میں گمراہوں پر واضح ہوجائے گا کہ وہ خسارے میں رہے۔

روز حشر کی ہیبت سے سب ہیکڑ مجرم لرزتے ہوں گے‘ ہر فرد اور گروہ کا مکمل اعمال نامہ پیش ہوگا۔ ایمان لا کر نیک عمل کرنے والے اللہ کی رحمت سے داخل جنت ہوں گے جبکہ اللہ کے احکام اور آخرت کے منکر متکبر مجرموں پر ان کے اعمال کی برائیاں کھل جائیں گی‘ ان پر معافی کے دروازے بند ہوں گے اور وہ جہنم رسید ہوں گے۔

سب تعریف اللہ عظیم وبرتر کے لیے ہے جو زمین وآسمان کا مالک اور پروردگار ہے۔

غلام سرور...... نارتھ ناظم آباد‘ کراچی

ارشاد مصطفی ﷺ

ارشاد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے افضل اور بلند درجہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔“ (بخاری 7423‘ عن ابی ہریرہؓ)

شازیہ ہاشم صوابی عرف تمثال ہاشمی...... قصور

سب سے افضل صدقہ

حدیث پاک: حضرت سعدؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ سب سے افضل صدقہ آپ کے نزدیک کون سا ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”پانی پلانا۔“

(سنن ابی داؤد 1679)

اقراٗ مزمل...... ظاہر پیر

حقیقت

اگر دیکھنے والا دیکھ کر\
سننے والا سن کر\
اور سہنے والا سہہ کر\
خاموش ہوجائے تو سمجھ جاؤ\
کہ......\
معاملہ اللہ کی عدالت میں پہنچ گیا ہے

صدف مختار...... بوسال مصور

کردار

عورت ذات پتنگ کی طرح ہوتی ہے ”کردار“ کی ڈور اسے سہارا دیتی ہے اور وہ بلندیوں تک پرواز کرتی ہے یہی ڈور اسے اوپر اٹھاتی ہے۔

مگر......

جوں ہی ڈور ٹوٹ جائے\
وہ پستی میں اتر جاتی ہے پھر کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔

شہزادہ شبیر...... دوکھوا

سکندر اعظم

سکندر اعظم سے کسی نے پوچھا۔

”اتنی چھوٹی سی زندگی میں اتنی بڑی دنیا کو کیسے فتح کیا؟“

سکندر نے جواب دیا۔

”دو کاموں سے......

دوستوں کو کبھی نہیں چھوڑا کہ وہ دشمن بن جائیں۔

دشمنوں کو اتنا مجبور کیا کہ وہ دوست بن گئے۔

شزا بلوچ...... جھنگ صدر

اقوال دانش

❖ عقل کی حد ہوتی ہے لیکن بے عقلی کی کہیں حد نہیں ہوتی (ایمرسن)۔

❖ آدمی کا بہترین معلم تجربہ ہے اور زندگی کی ٹھوکریں اعلیٰ تعلیم (ہربرٹ)۔

❖ آدمی کا بہترین مطالعہ آدمی ہے (بالمورتھ)۔
❖ دنیا کی کوئی تفریح اتنی سستی نہیں جتنی مطالعہ کی عادت ہے (ایوڈی مانٹینگ)۔
❖ مطالعہ کی بدولت ایک طرف آپ کی معلومات میں اضافہ ہوگا اور دوسروں طرف آپ کی شخصیت دلچسپ بن جائے گی (والیٹی)۔
❖ کتابوں کی اوراق کی نسبت انسانوں کے چہروں کا مطالعہ زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہوتا ہے (بالمورتھ)۔
❖ جب کوئی کتاب پڑھتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہے اور مجھ سے باتیں کررہی ہے۔ (سولفٹ)

کرن شہزادی...... مانسہرہ

آج کی بات

جب تمہیں ہچکی لگے تو پہلی ہچکی پر کلمہ طیبہ پڑھ لیا کرو ان شاء اللہ ہچکی رک جائے گی اور اس عمل کو اپنی عادت بنالو اور جب تمہیں موت آئے گی تو پہلے ایک ہچکی آئے گی اور تمہاری عادت کی وجہ سے تمہاری زبان سے کلمہ طیبہ جاری ہوجائے گا۔

نورین انجم...... کراچی

اک نظر ادھر بھی

❖ جب تم نے ہوا پر اپنا راز ظاہر کردیا ہے تو اب ہوا اسے درختوں پر ظاہر کردے تو تم ہوا کو برا مت کہو۔
❖ جو شخص تمہاری خوشیوں میں شریک ہوتا ہے لیکن تکالیف میں ساتھ نہیں دیتا' وہ جنت کی سات دربانیوں میں سے ایک کی کنجی کھو بیٹھتا ہے۔

صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد سندھ

درد

میرا جی چاہتا ہے سارے پتھروں پر "آئی مس یو" لکھوں اور پھر وہ سارے پتھر اٹھا کر آپ کو ماردوں تاکہ آپ کو پتا چلے کہ آپ کی یاد کتنا درد دیتی ہے۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

خوب صورت زندگی کا آغاز

فجر کی نماز کو اپنا نصیب بنالو۔
ظہر کی نماز کو اپنا مقصد بنالو۔
عصر کی نماز کو اپنا ضمیر بنالو۔
مغرب کی نماز کو اپنی امید بنالو۔
عشاء کی نماز کو اپنا مستقبل بنالو آمین۔

زعیمہ روشن...... آزاد کشمیر' جھنگ

عشق کی بیماری

جب مرد کو عشق کی بیماری لگتی ہے تو شروع میں بہت شدید ہوتی ہے پھر اس کی شدت میں کمی آجاتی ہے اور پھر یہ بیماری دم توڑ دیتی ہے۔
مگر جب یہی بیماری عورت کو لگتی ہے تو شروع میں کم ہوتی ہے آہستہ آہستہ شدید ہوتی چلی جاتی ہے اور آخر میں عورت دم توڑ دیتی ہے۔

شزا بلوچ...... جھنگ صدر

اچھی اچھی باتیں

❖ قلب پر اکثر مصیبتیں آنکھ کے راستے آتی ہیں۔
❖ رب کی محبت گناہ سے دور کردیتی ہے اور گناہ کی محبت رب سے۔
❖ عبادت ایسی کرو جس سے روح کو لطف آئے کیونکہ جو عبادت دنیا میں لطف نہ دے وہ آخرت میں کیا جزا دے گی۔
❖ عروج وزوال زندگی کا حصہ ہیں کیونکہ آپ جب عروج پر ہوتے ہیں تو آپ کے دوستوں کو پتا چلتا ہے اور جب آپ زوال پر ہوتے ہیں تو آپ کو پتا چلتا ہے کہ آپ کے دوست کون ہیں۔
❖ میرے پاس وقت نہیں ان لوگوں سے نفرت کرنے کا جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ میں مصروف رہتا ہوں ان لوگوں میں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

لطیفہ

ایک آدمی نے بکرا عید کے چھ ماہ بعد خواب میں دیکھا کہ جنت میں سب بکرے کھیل رہے ہیں مگر اس کا بکرا بیٹھا ہوا ہے اس نے اپنے بکرے سے پوچھا۔
"اوئے تو کیوں نہیں اٹھ کے کھیلتا۔"
بکرے نے جواب دیا۔"او جناب میری اک لت ہلے دی تُو اوڈے فریزر وچ پئی اے میں تین لتاں نال کیویں کھیڈاں۔"

آمنہ نثار اقرأ...... سانگلہ ہل

ہمارے ٹوٹکے

قارئین آج ہم آپ کو ایسے مفید مشوروں سے نوازیں گے جو بیوٹی گائیڈ سے متعلق ہیں اور آپ کو ساری عمر یاد رہیں گے۔

❖ گال کو لال کرنے کے لیے بلش آن کی بجائے پسی ہوئی مرچ لگائیں آپ کے گال ایسے لال ہوں گے کہ گالوں کی لالی بار بار منہ دھونے سے بھی نہیں اترے گی۔

پلکیں لمبی کرنے کے لیے دن میں پانچ مرتبہ اپنی پلکوں کو لائف بوائے شیمپو سے دھوئیں آزمائش شرط ہے۔

❖ اگر آپ پیلے دانتوں کی وجہ سے پریشان ہیں تو اپنے دانتوں پر دروازے کھڑکیوں پر ہونے والے روغن میں سے کوئی سا بھی کلر لے کر اپنے دانتوں پر کریں امید ہے پیلا رنگ بالکل چھپ جائے گا۔

❖ ہاتھوں پاؤں کے ناخن بڑھانے کے لیے آپ ناخن کاٹنا چھوڑ دیں آپ کے ناخن جتنے چاہیں بڑھ جائیں گے۔

❖ اور ہمیں پتا ہے آپ اپنے طرح طرح کے ہیئر اسٹائل سے بہت پریشان ہیں تو ہم آپ کو آسان سے مشورہ دیتے ہیں وہ ہے ٹنڈ۔

اچھا جی اللہ حافظ دعاؤں میں یاد رکھنا۔

نور المثال شہزادی...... کھڈیاں قصور

سو لفظوں کی ایک کہانی

''جاؤ کہہ دو اماں سے میں نے نہیں آنا۔'' رانی نے بدتمیزی سے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا۔

''مگر آپی! اماں کہہ رہی تھیں آج رانی کے پاس بیٹھنے کا بڑا دل کر رہا ہے۔ اسے کہہ بیٹا تیرا چہرہ بھی بھول گئی ہوں میں۔ آج جب میکے آئی ہے تو میرے کمرے میں آ۔ میری باتیں سن جا لاڈلی!'' اس نے آٹھ سالہ علی حیدر کو کھری کھری سنا کے بھیج دیا۔

''اماں سے کہہ دے میں ٹی بی نہیں کروانا چاہتی' طلاق دیتے وقت جب اس کا شوہر بولا میں بانجھ بیوی نہیں رکھ سکتا تو بلا اختیار اسے ماں یاد آئی تھی۔

انیلا طالب...... گوجرانوالہ

سچا دوست

سچا دوست اکثر غلطی نہ ہونے پر
بھی خاموش رہتا ہے۔

کنول خان...... ہری پری ہزارہ

تنہا کھڑی ہوں

صحرا کے تپتے ریت میں
آسمان کے سائے میں
ارمانوں کے جنازے پر
خوابوں کی موت پر
کہکشاؤں کے درمیان
پہاڑوں کے درمیان
میں......
تن تنہا کھڑی ہوں
تنہا کھڑی ہوں

اقرا جٹ...... منچن آباد

غرور کا انجام

ایک دن آلو نے بھنڈی کے موبائل فون پر اسے ''آئی لو یو'' کا میسج کیا' بھنڈی نے جواباً کہا۔

''شٹ اپ! تُو اتنا موٹا اور میں اتنی اسمارٹ' تیرا میرا کیا جوڑ۔''

آلو کو بہت دکھ ہوا' اس کے بعد آلو نے اتنی سبزیاں پھنسائیں کہ ہر سبزی کے ساتھ اس کا جوڑ بن گیا یعنی آلو گوبھی' آلو گاجر' آلو پالک' آلو بینگن' آلو میتھی وغیرہ جب کہ بھنڈی آج تک اکیلی ہے اسے کہتے ہیں غرور کا انجام۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

قناعت

اگر ہمارے بار بار کوشش کرنے پر بھی وہ چیز حاصل نہ ہو جسے ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو جان لیں کہ اس میں ضرور کوئی مصلحت ہے جو وہ قادر مطلق بہتر طور پر جانتا ہے لیکن یہ ہمارا بے لگام دل جو خواہشوں کا ڈھیر لیے اندر دبتا چلا جاتا ہے تب ہم مایوسی کے گھیرے کو اپنے اردگرد بڑھتا ہوا محسوس کرنے لگتے ہیں۔ یہ مایوسی ذہن پر بھی سوار ہونے لگتی ہے اور شکوہ تو زبان پر گھر کر لیتا ہے اور ہر آنے والے لمحے کو اپنے زہر سے تو اضع کرتا ہے تب انسان اکیلا رہ جاتا ہے اس لیے خود کو خواہشوں کے ڈھیر سے نکال کر جو ہے اس پر قناعت اور شکر بجالائیں۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

سخت سردی کا موسم تھا لوگ اپنے گھروں میں لحاف اوڑھے دبکے پڑے تھے بادشاہ محمود غزنوی کسی ضروری کام کے لیے باہر نکلے۔ ایک جگہ سے گزر ہوا تو انہوں نے دیکھا ایک فقیر تنور کے قریب لیٹا ہوا ہے اس قدر شدید سردی میں کھلے آسمان کے نیچے اس طرح فقیر کا لیٹنا بادشاہ کے لیے حیرانی کا باعث ہوا لیکن کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے وہ اس بات کو

بھول گئے جب صبح ہوئی تو بادشاہ کو فقیر کا سردی میں تنور کے پاس سونا یاد آیا ایک خادم کے ذریعے فقیر کو بلوایا جب فقیر دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے پوچھا۔

"بابا رات کو میں نے آپ کو تنور کے پاس سوتے دیکھا شدید سردی تھی بتایئے رات کیسی گزری؟"

فقیر نے نہایت بے تکلفی سے جواب دیا۔

"محمود! آدھی رات تمہاری طرح گزری اور آدھی تم سے بہتر گزری۔" محمود غزنوی یہ سن کر اور بھی زیادہ حیران ہوئے اور کہا۔

"بابا! آپ اپنی بات واضح کریں میری سمجھ میں نہیں آئی۔" فقیر بولا۔ "بات یہ ہے کہ آدھی رات تک تنور گرم رہا اس کی گرمی سے مجھے نیند آ گئی سو جانے کے بعد بادشاہ اور فقیر ایک طرح کے ہوتے ہیں اس لیے پہلی آدھی رات تو تمہاری طرح گزری لیکن جب تنور ٹھنڈا ہوا تو پھر مجھ کو نیند نہیں آئی اور میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو گیا رات کا یہ حصہ تم سے بہتر گزرا۔" یہ جواب سن کر محمود غزنوی حیران رہ گئے۔

مسز نگہت غفار...... کراچی

تم اور میں......

ایک مرتبہ خلیل جبران اپنی محبوبہ کو تصویر بناتے ہوئے دیکھ رہا تھا جس میں وہ رنگ بھر رہی تھی اچانک خلیل جبران نے اپنی محبوبہ سے کہا۔

"سات لفظوں میں دنیا کی تعریف کرو۔" اس کی محبوبہ نے سوچ کر جواب دیا۔

"خدا، حسن، پیار، زندگی اور دھرتی۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور کہا کہ "باقی دو لفظ تم بتاؤ۔"

خلیل جبران نے کہا۔ "باقی دو لفظ تم اور میں اگر یہ دونوں الفاظ نہ ہوتے تو ان پانچ لفظوں کے معنی بھی نہ ہوتے۔"

آمنہ رحمان مسکان...... ملکہ کوہسار

ذرا سوچیے......

نماز کو چھوڑنا اللہ کو ناراض کرنا ہے۔

فجر...... چھ منٹ۔

ظہر...... پندرہ منٹ۔

عصر...... آٹھ منٹ۔

مغرب...... دس منٹ۔

عشاء...... اٹھارہ منٹ۔

کل ستاون منٹ ہیں، کیا آپ کے پاس اپنے رب کے لیے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ بھی نہیں ہے۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

خوشیاں

جو لوگ اپنی دعاؤں میں دوسروں کو شامل رکھتے ہیں۔

خوشیاں سب سے پہلے ان کے دروازے پر دستک دیتی ہیں۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

ذرا مسکرائیں

ایک دفعہ ایک خاتون چڑیا گھر گئی تو دیکھتی ہے کہ سب جانور تو ہنس رہے ہیں مگر گدھا ایک کونے میں چپ چاپ کھڑا ہے۔ اتفاق سے وہ دوسرے دن جب چڑیا گھر گئی تو دیکھا کہ گدھا بڑے زور زور سے ہنس رہا ہے اور باقی سب جانور چپ ہیں، خاتون نے نگران کو بلایا اور سبب دریافت کیا تو نگران نے جواب دیا۔

دراصل بندر نے کل ایک لطیفہ سنایا تھا جو سب جانوروں کی سمجھ میں آ گیا تھا لیکن گدھے کی سمجھ میں آج آیا ہے......

سائرہ خان...... محمد پور دیوان

نظم

تم
لو
مجھ کو یوں لگتے ہو
شب کو جیسے
دور افق پر
تاروں کی اک بھیڑ میں
چاند ہو نکلا
بالکل تنہا اور اکیلا......

سباس گل...... رحیم یار خان

shukhi@aanchal.com.pk

جوہی احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ رب العزت کے پاک نام سے ابتدا ہے جو خالق دو جہاں ارض وسماں کا مالک ہے۔ آپ بہنوں کو یوم آزادی مبارک ہو۔ اگست کا شمارہ پیش خدمت ہے یوم آزادی ایثار وقربانی کے سب رنگوں کو کہانیوں میں سمونے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ہم اپنی کاوش میں کہاں تک کامیاب رہے اس کے لیے آپ سب کی آراء وتجاویز بے حد ضروری ہیں۔ آیئے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے تبصروں کی جانب جہاں آپ سب کے حسین خیالات حسن خیال کی محفل میں اضافہ کررہے ہیں۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ پیارے حجاب، پیاری جوہی پیارے دوستو! تم سب نے یاد کیا تو کوثر دوڑی چلی آئی آج کل آپ کی کوثر کا سخت امتحان ہورہا ہے جس کا اظہار آج کی لکھی اس تازہ ترین نعت میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے عقل مند سمجھ ہی جائیں گے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کی ہمیشہ جیت ہوئی ہے ان شاء اللہ ہم بہت جلد سرخرو ہوں گے۔ بیوہ اور مطلقہ فرزانہ کے چھ بچوں میں سے تانیہ ناصر کو ہم نے طویل جنگ کے بعد اپنی بیٹی بنا کر ہی دم لیا ہے چھٹیاں ختم ہوتے ہی اسکول داخل کروادیں گے۔ قرآن اور نماز بھی پڑھائیں گے ان شاء اللہ، وہی گھر والے اور رشتہ دار گھٹنے ٹیکنے کے بعد نارمل ہوئے مگر دیگر مسائل ابھی حل طلب ہیں جسے ہم سے پیار ہے وہ دعا میں شامل ہوجائے کہ بیٹے نے گھر سے کھانا بالکل بند کردیا ہے۔ مجھے پروا نہیں کیونکہ میں کسی بے گناہ کو اس کے کہنے سے پڑھانا نہیں چھوڑ سکتی۔ امید ہے اللہ جلد ہی کوئی راہ نکال کر ہدیٰ سے سرفراز فرمائے گا میرا خیال ہے آپ آج کی نعت ضرور گوش گزار کرنا پسند فرمائیں گے تو پھر سنئے۔ ہم تو کوئی گھر والا ٹی وی اب نہیں دیکھتے تھے مگر تانیہ کارٹون اور نعتیں وغیرہ لگا لیتی ہے ایک نعت سماعت سے گزری جس میں نعلین شریف کا ذکر تھا بس پھر دعا ہوئی اور چند گھڑیوں بعد آمد آدھی لکھی تو نیند آ گئی اور آج ابھی اسے پورا کرنے کی سعادت ملی۔

میری بھی آرزو ہیں نعلین آپ ﷺ کے
جنت کی خوشبو ہیں......
عشق محمدی ﷺ میں مرکر حیات ہے
ہاں روح کی جستجو ہیں......
اپنا معیار زندگی آقا ﷺ کی ذات ہے
آنکھوں کے روبرو ہیں......
آقا ﷺ جی میرے دل کو مدینہ بنایئے ناں
مدینے میں ہر سو ہیں......
بدیوں سے دور ہوکر مجھ کو ملا قرار
نیکی کا آب خو ہیں......
حق سچ کی راہ میں ہیں انگارے بے شمار
اس راہ میں جنگجو ہیں......
اپنے پرائے ہوگئے دشمن تو کیا ہوا
ہر طرف سرخرو ہیں......
محشر کی بات ہو تو ٹھنڈا کریں کلیجہ
ٹھنڈک میں ایک لو ہیں......
قلب سلیم بخشیں خوئے کلیم لائیں
کوثر سبز سرو ہیں......

جوہی ہر خط پر آپ کا تبصرہ میرے لیے سند ہے، پلیز خط میرا ہو یا کسی اور کا آپ کی چند لفظی پذیرائی کی اشد ضرورت محسوس کرتی ہوں اب حاضر ہے حجاب پر تبصرہ ما بدولت کا۔ بات چیت دعا ہے اللہ سیلاب کہیں نہ لائے آمین۔ حمد ونعت زبان زد عام جگمگا رہی ہیں بڑے شعراء کا صدقہ ہمیں بھی بلند پایہ الفاظ عطا ہوں تو بات بن جائے۔ ''پری وش'' نائلہ! بھئی ناراض تو ہم بھی کسی سے نہیں ہوئے چاہے کوئی

بمبار الفاظوں سے سر پھوڑ دے مگر لوگ ہم سے شدید ناراض ہیں کیا کیا جائے۔

ہمارا دل تو پتھر کا ہے
لوگوں کا ہے آب گینہ

میشاۃ الحیا ارے ہم تو بھونچکے رہ گئے گڑیا جی پریشانی میں ہنسانے کا شکریہ۔ام النبین' والدہ انیلا' بہت لطف آیا زندہ دل کھلونے سے مل کر دور منا آپ کے ایک رمنا ہمارا ہے جو آج کل شدید ناراض ہے۔ اپنے رمناؤں سے کہیں دعا کریں' جمنی اقبال' کچھ کچھ میرے جیسی ہو۔ "تم ملے تو عید ہوئی" واقعی بجا فرمایا۔ "میری جیت امر کردو" کر ہی دیں گے میرے اللہ جلد...... "میرے خواب زندہ ہیں" کسی کی کیا جرأت کہ انہیں مار سکے۔ "حقیقی عید" مل جل کر رہیں امیر غریب تو ضرور ہوتی ہے۔ "دل کے دریچے" یتیموں کے لیے کھول رکھے ہیں۔ "دعا کی صورت تم ملے" تو غاز ہوگئی۔ "خوب صورت لمحات" جو اللہ کی یاد میں گزریں۔ "تحفہ عید" میرے لیے' ایک سچی مسکراہٹ۔ "شب آرزو تیری چاہ میں" ہم جان و دل گنوا بیٹھے۔ "خوشیوں بھری عید" جو سرتاج کے سنگ گزرے "ناکام عورت" جو رب سے دور ہو۔ "ڈھل گیا ہجر کا دن" اور پکا وصل پالیا۔ "لائف پاغل' ارے پھر نیلم پری کا نام ہماری بہن عالیہ کو ابا نیلم پری کہتے تھے۔ "چاند سامنے عید کا" کیا کام پھر گفت وشنید کا۔ "خوشیوں بھری عیدی" جو دو سخا کی مرہون منت ہے۔ "چاہت سنگ عید" خدا سب کی کرے۔ "چاہتوں کی نوید دین احمدی میں پوشیدہ ہے۔ "سچی عید" انسانیت سے پیار میں ہوتی ورنہ "جیسا میں نے دیکھا" ویسا سب نے پایا' پروین تجھے سلام۔ بزم سخن' ماہ نور......

ہم کسی کے لیے کسی کو چھوڑا نہیں کرتے
خود کو توڑتے ہیں کسی کو توڑا نہیں کرتے

مدیحہ نورین......

مر جائیں گے مگر ضبط کو جانے نہیں دیں گے
مظلوم کے پاس ظالم کو آنے نہیں دیں گے

راؤ رفاقت میں نے یہ شعر یوں لکھا تھا:

میرا ہر لفظ تیری ہر بات سے اچھا ہوگا
میرا ہر دن تیری ہر رات سے اچھا ہوگا

آخر میں عید کا شعر لبوں پر مچلا ہے......

عید تو بس ہے بچپن کی یا ساجن کی بانہوں میں
یا پھر روزہ داروں کی یا پھر دین کی راہوں میں

عالم میں انتخاب' راؤ رفاقت' حنا مہر' سب نے شاعری لائیں۔ شوخی تحریر......

دل ہاروں کہ جاں ہاروں
تجھ پہ سب ارماں ہاروں
کوثر کی یہ خواہش ہے
زیست کا سب ساماں ہاروں

رہ گیا حسن خیال...... رنگ برنگے خیالات جھلملا رہے ہیں' پروین' فریدہ سے لے کر ارم انجم تک ہزاروں بہنوں بیٹیوں کو دل کوثر کا محبت بھرا سلام پہنچے۔ میری حمد کی تعریف ودعا کا شکریہ۔

یوم آزادی مبارک سب کو اللہ حافظ۔

صائمہ سکندر سومرو...... ای میل۔ السلام علیکم ڈیئر جوہی! جولائی کا حجاب 23 تاریخ کو ملا جو کے میری آنکھوں سے سیدھا دل کے نہاں خانوں میں مقیط ہوگیا وجہ ٹیم کی انتھک محنت ہے' سب سے پہلے دوڑتی ہوئی ریحانہ آفتاب کی تحریر پڑھی بے اختیار منہ سے واہ واہ نکلتا رہا جس سے آس پاس بیٹھی خواتین نے بھی بغیر پڑھے ہی ریحانہ کی تحریر کو سراہا۔ مرے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر ریحانہ کے لکھنے کی خاصیت یہ ہے کہ خوشگوار ماحول میں گہرائی والا پیغام دے جاتی ہیں۔ ماورا طلحہ کا مکمل ناول بازی لے گیا بہت اچھے سے ناول سے انصاف کیا' سب کی نوک جھونک مزا دے گئی جملوں کی ادائیگی سے لے کر منظر نگاری سب کمال لگا۔ نائلہ طارق میرے پاس آپ کے لکھے لفظوں کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں مل رہے آپ بہت بہترین انداز میں کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ سیم نام یعنی صائمہ قریشی میرے گھر کی کہانی آپ کی زبانی' ہاہاہا بہت انجوئے کیا ہنس ہنس کے برا حال' خوب لکھنا مزاح لکھنا آسان کام نہیں۔ کہانیاں بس اتنی ہی پڑھ پائی ہوں۔ بات چیت کر کے آگے گئی حمد ونعت سے روح کو سرشار کیا۔ بزم سخن میں عائشہ پرویز' شازی الطاف' نادیہ

سمیت سب کے اشعار پسند آئے۔ کچن کارنر میں کھجور کے بولز، شاہین جبران، شیر خورمہ ہما فہیم کی ریسپی ٹرائی کروں گی۔ عالم میں انتخاب صباء عیشل، عائشہ سلیم فاطمہ کا انتخاب بے حد بھایا۔ شوخئ تحریر سارا ہی بہت اچھا لگا۔ حسن خیال میں مدیحہ نورین، پروین افضل، رمشا خالد، ثناء فرحان، زمین سرھیو کے تبصرے جاندار لگے۔ حیدرآبادیوں کو ویلکم حجاب میں سارا حجاب بیسٹ رہا۔

زینب شاهد...... ای میل۔ سب سے پہلے تو ماورا طلحہ آپ کو میٹھی میٹھی مبارک باد دینا چاہوں گی۔ خوب صورت تحریر لکھنے پہ جو عید کے موقع پہ حجاب ڈائجسٹ کی زینت بنی اور چٹ پٹا مزیدار ناول پڑھنے کو ملا۔ آپ کے سارے افسانے پڑھ چکی ہوں اور اس ناول کے بارے میں رائے دیتے وقت میرے خیالات ذرا مختلف ہیں اور حیرت کا جھٹکا بھی ساتھ لگا کہ یہ آپ نے لکھا ہے بلاشبہ اچھی کہانی ہے۔ میرا یہ کہنا لکھاری بڑی محنت سے اپنے خیالات سوچ اور احساسات کو اپنے قلم سے لکھتا ہے لکھتے وقت کون سے کردار کو کیسے نبھانا ہے اور کیسے رشتوں کی اہمیت کو ہمیشہ اولین ترجیح دینی ہے کبھی کہانی پڑھتے وقت لگتا یہ کردار ہمارے ہی ہیں۔ مجھے یہ ناول پڑھتے وقت خوب مزہ آیا اور موڈ خوش گوار ہو گیا مزے کی نوک جھونک شرارتوں سے بھرپور۔ ہنسی مذاق اور کہیں تھوڑے سے اداس لمحات بھی آئے اور شکر کے اینڈ اچھا ہوا جی تو میں بات کر رہی ہوں اپنی پیاری دوست کے ناول "تم ملے تو عید ہوئی" ماورا جی ایک واری فر ڈھیر ساری مبارک کے آپ کی ہر آنے والی تحریر ہر پڑھنے والے کو متاثر کرے اور وہ بھی کہہ سکے یہ سب سے منفرد لکھتی ہیں کمال کے الفاظ کا چناؤ کرتی ہیں آپ کہیں بہت زیادہ تکلیف دہ الفاظ کا استعمال کرتی ہیں جب محبت روٹھ جائے بچھڑ جائے یا بہت دور ہونے لگے وہ رشتہ جو ہمارے لیے ضروری بھی ہوتا ہے اور عزیز بھی بہت گہرے جذبات لکھ دیتی آپ، کہیں بھی بوریت کا عنصر شامل نہیں تھا مختصر ناول اپنے اندر بے شمار رنگ سموئے ہوئے نظر آیا ہر کردار اپنے رنگ میں خوب سجا واہ کیا کہنے آپ کے (مکھن) محبتوں بھرا آنگن بچپن کا ساتھ شرارتیں اور پھر سارا وقت گزرتے ہوئے وہ وقت آن پہنچا جہاں رشتے نازک بھی ہو گئے اور احتیاط بھی برتنا بھی ضروری ہو گیا کیسے وقت سب بدل دیتا ہے جیسے محبت ہو جائے تو سب کچھ بدل جاتا وہ کیفیت جذبات احساسات کیسے مراحل سے گزر کے جب ملتی ہے بے ساختہ دل کہہ دیتا ہے تم ملے تو سب خوشیاں میرے آنگن میں رقص کرنے لگی۔ محبتوں بھرا آنگن جہاں کے سبھی مکین ایک دوسرے سے ہمیشہ جڑے رہے اور آپس کی محبت کو کم نہ ہونے دیا تایا چچا کے بچوں میں آپس کی محبت ایک دوسرے کو دلوں میں بڑھتی رہی کہیں اظہار مشکل کہیں تکلیف بھی دی گئی ایک دوسرے کو بروقت آنے پہ پتہ چلتا محبت سے بڑا طاقت ور جنگی ہتھیار کوئی نہیں جو وار کر جائے تو کہیں چین نہ پا سکے۔ کرداروں میں نفیسہ بیگم، پریشے اہمینے صارم، آدم ہر.......نفیسہ بیگم نے بن ماں کی بچیوں کی تربیت اچھے انداز میں کی کہ گھر داری بھی سکھائی اور تعلیم کو بھی اولین ترجیحات دی کے لڑکیوں سب کچھ آنا چاہیے۔ ایک اچھا پہلو مجھے یہ لگا بالکل ایسا ہی رشتہ کرتے ہوئے ہمارے بڑے اکثر غلط فیصلہ کر دیتے اور پتہ نہیں ایسا کیوں ہوتا کے گھر میں سلجھی ہوئی لڑکیاں بچیاں موجود ہوں جن کو بیٹی کہتے نہیں تھکتے ان کے لیے خیال کیوں نہیں آتا۔ خیر دیر آید درست آید کبھی اولاد بھی احساس دلا دیتی کے فیصلے غلط ہیں جہاں اولاد فرمابردار اور فیصلوں پہ اپنی دل کی خوشی بتانے سے قاصر ہوں وہاں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ دل کے ارمان پورے نہیں ہوتے ہیں شکر اس کہانی کے کردار سمجھ دار نکلے اور بروقت اچھا فیصلہ سب کی زندگیوں میں پھر سے رونق لے آیا۔ عید مبارک ایسے ہی لکھتی رہیے اچھی اچھی کہانیاں اور ہم سب سے داد وصول کرتی رہیے آپ اور اللہ پاک زور قلم میں مزید اضافہ کرے آمین ثم آمین۔

ڈیئر زینب! مکمل تبصرہ صرا ایک ہی تحریر کے حوالے سے لکھا، کیا باقی مصنفین سے کوئی ناراضگی ہے یا انہیں پڑھ کر مزہ نہیں آیا۔ آئندہ اس بات کا خیال رکھیں کہ دوستی اپنی جگہ لیکن کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

عائشہ پرویز صدیقی...... کراچی۔ اسلام علیکم! بحوالہ قلم مراحل خیریت درکار ہیں زیادہ لمبے تبصرے سے گریز کروں گی وجہ اب میں مشرقی لڑکی اپنے منہ سے کہتی اچھی لگوں گی کہ ماہ دولت کچھ دن بعد پیا گھر سدھارنے والی ہیں (آہم آہم) اس کے بعد جو دیدار حجاب ہوا تو آنکھیں ماڈل سے دوچار ہو گئیں۔ یکا یک صفحہ پلٹا اور فہرست پر نظر دوڑائی افسانے ہی افسانے (میرا بھی تھا) ہی ہی پھر اپنی مدیرہ سے بات چیت کر کے حمد و نعت سے فیض یاب ہوئے۔ "میرے خواب زندہ ہیں، دل کے دریچے" اور "شب آرزو تیری چاہ میں" پر جو نگاہیں پھسلیں تو گویا اٹھنے سے انکاری ہو گئیں اور اختتامی صفحے پر باقی آئندہ دیکھ کر بوجھل دل نے کتاب زیست کو بند کر دیا مگر جب قرار جاں ہی اس سے منسلک ہو تو کیسے ممکن تھا چین و اطمینان ہنوز رہتا۔ ہاتھوں کو جنبش دی اور دوبارہ صفحات پلٹنے لگے کہ اب کی بار نظر میں "دعا کی صورت میں تم ملے" نے آن روکا اور اسے پڑھ کر بذات خود موازنے چشم نم کر دی اور بے ساختہ ایک دعا نے لبوں کا احاطہ کیا کہ رب ذوالجلال اپنے بندوں کی تمام جائز دعائیں یونہی قبول فرمائے، آمین۔ "ڈھل گیا ہجر کا دن" نادیہ احمد کے قلم سے لکھی تحریر ہو اور اچھی نہ ہو اور پسند نہ آئے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا ابھی تو آغاز ہے آگے آگے دیکھتے ہیں اس کہانی میں کیا کیا خوب صورت موڑ آتے ہیں فی الحال تو آگے ہماری اسٹوری آئی ہے (آہم)۔ تمام افسانے "میری جیت امر کردو" سے لے کر "سچی عید" تک نئے لکھاریوں کی محنت و کوشش کا زندہ جاوید ثبوت تھے۔ جیسا میں نے دیکھا پروین شاکر کی آواز نے دل کو چھو کر بے اختیار ان لمحوں کو یادگار بنا دیا بزم سخن میں شاعری غمگین سہی لیکن اچھی لگی۔ کچن کارنر میں سب ہی ڈشز پکائی آتی ہیں پر کبھی پکائی نہیں۔ آرائش حسن مستقبل میں میرے کام آنے والا

ہے۔ حسن خیال میں سب کے خیالات نمایاں تھے۔ یہ تو تھا جولائی کے حجاب پر تبصرہ جو شاید نا کافی ہو کیونکہ حجاب کی تعریفیں چند لفظوں میں سمیٹی نہیں جاسکتیں اسکی مثال کوزے میں دریا بند کرنے جیسی ہے۔ اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا گو ہوں حجاب کا معیار و ذوق روز بروز یونہی عروج باکمال ہوتا رہے اور ڈھیر ساری کامیابیاں عطا فرمائے' آمین فی امان اللہ۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ۔ السلام علیکم! چم چم چمکتے ستاروں کے جھرمٹ میں جھلملاتا شفاف اور روشن چاند حجاب (جس کی پرنور چاندنی ہمارے قلب کی دھرتی کو شادابی و دلکشی بخشنے کے ساتھ ساتھ ہمارے دماغ کو بھی اپنی روشنی میں نہلا کر معطر کر دیتی ہے) پڑھنے والوں اور اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں خوب روشنی بکھیر رہا ہے اسے سمیٹ لو کہیں بھیگ نہ جائے' ٹھیک بھابی جان کی صدا میں بھی یہ پیغام پنہاں کہ حجاب کو اپنے حجاب میں لپیٹ لو کہیں دادی جان کی پیاری نظروں کو ہی پیارا نہ ہو جائے۔ ہم نے دل ہی دل میں بھابی کو غائبانہ مسکراہٹ سے داد دی اور دھک دھک دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے نازک' خوب صورت دست مبارک سے حجاب کو خود میں سمو لیا۔ ماڈل کی شان بے نیازی نے ٹائٹل کو شاندار بنایا ہوا تھا۔ ذکر اس پری وش کا سب پریوں نے اپنی آن اور شان سے محفل خوب سجائی ہوئی تھی' ہیشاۃ الحیاتم تو اپنی جیسی لگی۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' شازمہ کی موت اور عرش کی کیفیت پر دل شدت غم سے لبریز ہو گیا' سچ ہے حرام کی کمائی کے پیسے سے کسی کی زندگی نہیں بچائی جاسکتی۔ حاذق کی سفاکی پر بہت غصہ آیا' دراج کے انوکھے روپ سامنے آرہے ہیں الٰہی خیر۔ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' ناول میں دلچسپی مفقود تھی۔ ''تم ملے تو عید ہوئی'' صارم اور امینے کی جنگ نے خوب ہنسایا' نفیسہ بیگم کی عقل کو داد دینی پڑے گی' کیا پلان بنایا تھا ویری گڈ ماورا طلحہ۔ ''تجھ سنگ عید'' اللہ تعالیٰ کو غرور و تکبر سخت ناپسند ہے فصیحہ آصف کی یہ سبق آموز تحریر دل کو لگی۔ ''حقیقی عید'' دل خوب صورت ہونا چاہیے' چہرے کی خوب صورتی وقت کے ساتھ ماند پڑ جاتی ہے' عشنا کا والدین کا خیال کرنا نوفل کی طرف بڑھنا اور پھر نوفل کے ساتھ مل کر بہنوں کو سبق سکھانا اچھا لگا' بہت خوب سباس آپی۔ ''دعا کی صورت تم ملے'' خلوص دل سے مانگی گئی دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ میرب اور اشعر کے ملن سے دل خوش ہوا۔ ''خوشیوں سے بھری عید'' شازیہ مصطفیٰ کا یہ ناول حقیقت کے قریب لگا' معاف کر دینا اللہ کو بہت پسند ہے معاف کر دینے والوں کے دل بہت وسیع ہوتے ہیں۔ شعیب خان نے جہاں معاف کر کے اپنے گھر کے آنگن کو خوشیوں سے مہکا دیا وہیں اللہ کے ہاں بھی معتبر ٹھہرا۔ ''سچی عید'' پڑھ کر تو یہی لگا جب ہم کسی کی خوشی کا باعث بنتے ہیں تو اللہ بھی ہم سے کتنا خوش ہوتا ہے' ہمارا ایسا عمل ایسا کام جس سے دوسرے خوش ہوں ہمارے لیے تو وہی سچی عید ہے۔ دل و دماغ کو چھوتی ہوئی یہ تحریر ہمیشہ کے لیے دل میں اپنا تاثر چھوڑ گئی' ویل ڈن جی ثمینہ فیاض۔ ''چاند سامنے ہے عید کا'' ریحانہ آفتاب کی ہر تحریر بیسٹ ہوتی ہے' زلیخا کا اپنے رب کی طرف رجوع کرنا اچھا لگا' اللہ تمام مسلمانوں کے دل اپنی طرف پھیر دے' آمین۔ عالین کا زلیخا کو مہندی لگانا اور پھر اس کے ہاتھ پر بیل بوٹے بنانا بے ساختہ مجھے اپنے بھائی کی یاد آئی' ایک مرتبہ بھائی نے مہندی لگائی میرے ہاتھ پر سورج مکھی کا پھول بنایا حالانکہ پھول پیارا لگ رہا تھا لیکن اس کی شاخ اور پتے بنا کر اسے عجیب بنا دیا' صبح عید پر سب کے کمنٹ سننے پڑے اسے پانی مت دینا یہ دوسرے پھولوں کی طرح بڑھے گا نہیں بلکہ اترے گا۔ ''آپ کو تو ایسا بنانا بھی نہیں آتا'' جب میں زچ ہو کر جواب دیتی سب کے ساتھ میری پردادی جان بھی بھرپور قہقہہ لگاتیں' کھنک کھنک کھنکتی تحریروں کی کھنکار سے نکل کر بزم سخن کی فضا میں مہکتی سانسیں اپنے اندر اتار دل کو سرشار کیا۔ فیاض اسحٰق' تمنا شاہ' پروین افضل شاہین' اقرا لیاقت' لبنیٰ شکیل اور ماہ نور بلوچ کی شاعری اچھی لگی۔ کچن کارنر تو ہمیشہ کی طرح بیسٹ ہوتا ہے مزے مزے کی ڈشیں جو سیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ لیجیے جناب حجاب کی شہزادیوں نے حجاب کی ریاست (حسن خیال) میں قدم رنجا فرما کر ریاست کی شان کو بڑھا دیا ہے' بہاروں سے کہیں پھول برسائیں ہم بھی ایک عدد تبصرے کے ساتھ آئیں ہیں (آہم)۔ مدیحہ نورین مہک' پروین افضل شاہین' فریدہ فری' ثناء فرحان اور نرمین سرھیو کے تبصرے جاندار تھے' جا رہے ہیں جناب حالانکہ دل اس خوب صورت محفل سے جانے کو تیار نہیں' فی امان اللہ۔

مشی خان...... بھیر کنڈ۔ السلام علیکم! پیاری جوہی احمد کیسی ہیں؟ سب سے پہلے جولائی کا شمارہ 12 کو ملا' سرورق کچھ خاص نہیں لگا پھر دوڑ لگا کر پڑھا اپنا فیورٹ ناول ''میرے خواب زندہ ہیں'' پڑھنے کی کوشش کی مگر فرصت نہ ہونے پر پوری نہیں پڑھی۔ نادیا آپی یہ مسٹر ایڈم جو ہیں کہیں حورین خاور حیات کے سابقہ شوہر مسٹر احتشام تو نہیں' یہ میرا خیال ہے پلیز ماریہ کے ساتھ کچھ برا نہ ہونے دینا۔ فراز بے چارے کی پوزیشن جلدی کلیئر کریں تاکہ وہ واپس آکے لالہ رخ کی مشکلات حل کرے۔ لگتا ہے مہرو کو جس سے محبت ہوئی ہے وہ کامیش شاہ ہے جلد ٹاکرا کروائیں' باقی کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں اس لیے معذرت۔ بزم سخن میں لبنیٰ شکیل' ماہ نور بلوچ' رمشا مسکان کے اشعار پسند آئے' اگلے ماہ تک کے لیے اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ۔ جوہی اپیا اینڈ ڈیئر رائٹرز اینڈ ریڈرز کیسے ہو آپ سب؟ یقیناً پہچان لیا ہوگا (آخر اتنی مشہور شخصیت جو ہیں) حسن خیال میں میری انٹری کیسی لگی؟ ماہنامہ حجاب کا نومبر کا پہلا شمارہ جب ہاتھ آیا تب سے اب تک سوچتے ہی رہے کہ بزم حسن خیال میں شرکت کرنی ہے' بہت سی کہانیوں نے لکھنے پر مجبور بھی کیا لیکن بعض وجوہات کی بناء پر نہ لکھ پائی' آنچل کے ہر سلسلے میں بلا شرکت ایرے غیرے (بلکہ زبردستی) ہر سلسلے میں (گھسے براجمان نظر آتے سو آج حسن خیال میں آنے کی ٹھان لی اور اپنی بھرپور شرکت

سے حسن خیال میں آٹھ چاند لگانے کی ٹھانی (چار چاند تو پہلے سے لگے تھے اب میرے آنے سے کتنی رونق ہوگئی ہے' ہاہاہا۔ خیر تبصرے کی طرف آتے ہیں تو حجاب اس دفعہ کچھ اپنی سستی کی وجہ سے 12 کو ملا خوب صورت ٹائٹل نے موڈ پر خوشگوار اثر ڈالا' جلدی سے آگے بڑھے راستے میں قیصر آرا آنی سے بات چیت کی حمد و نعت کو عقیدت واحترام کے ساتھ پڑھا۔ ذکراس پری وش کا چاروں بہنوں سے مل کر اچھا لگا لیکن میشاۃ الحیا کا تعارف یونیک لگا پھر بڑھے سلسلہ وار ناولز کی طرف "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ فاطمہ رضوی خوب لکھ رہی ہیں' لگتا ہے ماریہ اور ابرام کا تعلق احتشام سے ضرور ہے شاید فراز ہی ماریہ کی مدد کا وسیلہ بنے۔ دوسری طرف سونیا کامیش جیسے بندے کے لائق ہی نہیں تھی' سونیا ضرور پچھتائے گی پھر بڑھے "شب آرزو تیری چاہ میں" نائلہ طارق کی یہ تحریر بھی بہت عمدہ ہے۔ دراج زرکاش کو محبت کا جھوٹا جھانسا دے کر ضرور اس کی فیملی سے بدلہ لے گی۔ اس اسٹوری میں مجھے عرش کا کردار اچھا لگا پھر بڑھے "ڈھل گیا ہجر کا دن" یہ تحریر بھی مجھے بہت اچھی لگی۔ مسز انصاری کا تعلق مجھے ماضی کی فاطمہ سے ملتا جلتا لگتا ہے' آگے آگے بہت سے راز کھلنے والے ہیں مکمل ناول "خوشیوں بھری عید" نمہریزہ کا بدگمان رویہ اس کے حالات کی وجہ سے تھا اور معاف کرنے میں ہی سب کی بہتری تھی سوا سے بھی عقل آ گئی۔ صائمہ قریشی کا افسانہ "لائف ان پاگل خانہ" بھی ہلکی پھلکی تحریر تھی اور باقی کے افسانے رہتے ہیں پھر مستقل سلسلوں میں بزم سخن میں رمشا مسکان' ماہ نور بلوچ اور ماروی یاسمین کے انتخاب' عالم میں انتخاب میں طلعت نظامی اور صدف آصف کے انتخاب شوخی تحریر میں پروین افضل شاہین' صبا زرگر اور مدیحہ نورین مہک کے انتخاب پسند آئے جبکہ حسین خیال میں تمام بہنوں نے خوب تبصرے کیے اب اجازت چاہتی ہوں اپنے آدھے ادھورے تبصرے کے ساتھ زندگی نے وفا کی تو آئندہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی' اللہ حافظ' پاکستان زندہ باد۔

ماورا طلحہ...... وزیر آباد۔ السلام علیکم۔ حجاب انتظامیہ' سب لکھنے والوں اور پڑھنے والوں کو تہہ دل سے گزری عید مبارک (بھئی عید گزر چکی پر مبارکباد تو ادھار تھی نا) جولائی کا حجاب جو کہ عید نمبر بھی تھا' سارا ڈائجسٹ بہت خوب صورت تھا اور اندر موجود مواد اس سے اعلیٰ۔ یہ تو ہوگئی اجتماعی تعریف اب ذرا انفرادی ہوجائے۔ حجاب کور ہمیشہ کی طرح خوب صورت رہا۔ مدیرہ قیصر آرا آپا کی بات چیت نہایت غور سے پڑھی۔ حمد اور نعت بلاشبہ بہت باکمال تھیں۔

میں تو خود ان کے در کا گدا ہوں اپنے آقا کو میں نذر کیا دوں
اب تو آنکھوں میں کچھ بھی نہیں ہے ورنہ قدموں میں آنکھیں بچھا دوں

ذکراس پری وش کا سے ہوتے ہوئے مکمل ناول "تم ملے تو عید ہوئی" پہ آئے۔ میں نے تو مزے لے کر پڑھا آپ کو کیسا لگا یہ آپ کے تبصرے پڑھ کر پتا چلے گا۔ "خوشیوں سے بھری عید" شازیہ مصطفیٰ نے بہت اچھا لکھا اور ناول میں عید کی خوشیاں بکھیرتی نظر آئیں۔ اب بات کروں گی سلسلے وار ناولز کی تو تمام رائٹرز سے دلی معذرت۔ مصروفیت کے باعث پڑھ نہ پائی اور ویسے بھی صدف آپی اور نادیہ آپی تو مجھے ناول گفٹ کریں گی تب میں دھواں دار تبصرہ کروں گی (ہائے رے خوش فہمی)۔ "دعا کی صورت تم ملے" اشعر اور میرب کی جوڑی پیاری لگی۔ کچھ کھٹی میٹھی سی اور خوب صورت اختتام کے ساتھ خوب صورت ناولٹ۔ اب آتے ہیں افسانوں کی طرف اف...... ایک سے بڑھ کے ایک نام' کس کا نام لوں اور کس کا نہ لوں (فیلنگ پھنسنے والی) خیر عید نمبر تھا تو سب عید کو ہی موضوع گفتگو بنائے ہوئے تھے۔ نزہت جبین ضیاء' بہت حلیم مزاج آپا ہیں ہماری اور یہ ہی خصوصیت ان کی کہانیوں میں ہوتی ہے۔ بہت مبارک باد آپا۔ فصیحہ آصف خان کا افسانہ بھی اچھا لگا۔ افشاں شاہد کا موضوع بھی اچھا تھا اور افشاں نے موضوع کو بھرپور نبھانے کی کوشش کی۔ صائمہ آپی' ہاہاہاہا ہی نہیں رک رہی تو تبصرہ کیا کروں' عید کا مزا دوبالا کر دیا۔ ریحانہ آپی بہت خوب صورت افسانہ لگا۔ عینی تحفہ عید لیے ہوئے حجاب میں براجمان تھیں۔ ویل ڈن عینی بہت اچھا لکھا۔ بچی عید ثمینہ فیاض نے بھی اچھا لکھا۔ سباس آپی' ندا آپی یہ دو نام ایسے ہیں جو میرے لیے بہت محترم ہیں۔ ان کی تحاریر کی تعریف کرنا مطلب سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ میں جب بھی ان دونوں کا ذکر کرتی ہوں تو یہ ضرور کہتی ہوں یہ میری پیاری آپیاں ہونے کے ساتھ روحانی استاد بھی ہیں۔ بہت خوب صورت افسانے تھے آپ دونوں کے' ایسے ہی لکھتی رہیں۔ آمین (آہم) سارے ذرا ہوشیار ہوجائیں کیونکہ اب باری ہے صبا عیشل اور حنا اشرف کی۔ صبا آپی تو لکھتی ہی کمال ہیں اور اس کے لیے ڈھیروں داد مگر یہ حنا ہاہاہا بچی ڈر گئی۔ پریشان نہ ہو تم نے بھی بہت خوب صورت لکھا چھوٹا سا افسانہ (اب گھوریاں نہ ڈالو نئی چھوٹا ہے) عائشہ پرویز! اس پہ مجھے غصہ ہی بہت ہے اور سب بھی جانتی ہے یہ' اچھا بھلا لکھتی مگر...... شاباش بچی بہت اچھا لکھا تم نے بھی لکھتی رہو۔ (خبردار کوئی بچی بچی کہنے سے مجھے بڈھی نہ سمجھ لے' میں معصوم سی بچی ہوں) مستقل سلسلے سب ہی خوب تھے مگر چونکہ عید تھی تو ہم نے مہندی سے خوب لطف اٹھایا وہ علیحدہ بات ہے عید گزر چکی تھی مگر مہندی کا کوئی وقت تھوڑی ہے۔ اب آپ سب سے رخصت چاہوں گی اگر کچھ برا لگا ہو تو معذرت۔ ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہیں اور دوسروں میں محبتیں بانٹتے رہیں۔ اللہ حافظ۔

حناء اشرف...... کوٹ ادو۔ السلام علیکم کیا حال ہے آپ سب کا' اللہ پاک کے فضل وکرم سے میں تو بالکل ٹھیک ہوں اور آپ سب کی خیریت مطلوب چاہتی ہوں سب سے پہلے تو ڈائجسٹ کی ٹیم کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جن کی محنت ولگن سے حجاب بھی آنچل کی طرح ترقی کی منازل تیزی سے طے کرتا جارہا ہے اور ہمیں بہترین سلسلوں کے ساتھ اچھی تحاریر پڑھنے کو مل رہی ہیں۔ اب بات ہو

جائے اس ماہ کے شمارے پر اس بار افسانوں کی تعداد کافی زیادہ تھی اور ان میں چمکتے پیارے پیارے حسین نام جو چاند تاروں کی طرح جگمگا رہے تھے دل کو بھلے محسوس ہوئے اور بے پناہ خوشی تو اس بات کی میں بھی ان حسین ناموں میں شامل تھی۔ سب سے پہلے تو اپنا چھوٹا سا افسانہ پڑھا جو پہلے بھی کئی بار پڑھ چکی آہم مگر ڈائجسٹ میں پڑھنے کا اپنا مزہ ہے۔ اس کے بعد ماورا طلحہ کو مبارکباد پیش کرنا چاہوں گی جن کا پہلا مکمل ناول شائع ہوا۔ ماورا آپ کے افسانے پڑھے تھے آپ اچھا لکھتی ہو مکمل ناول بھی کافی اچھا لکھا۔ دعا ہے ایسے ہی مزید کامیابیاں سمیٹو آمین۔ عابدہ سبین آپی آپ کے خوب صورت اور سادہ الفاظ ہمیشہ دل کو چھو جاتے ہیں، ہمیشہ ایسے ہی اچھا اچھا لکھتی رہیں اور کامیابیاں سمیٹتی رہیں۔ "دعا کی صورت میں تم ملے" بھی ایک دلکش تحریر تھی خاص کر اس کے یہ الفاظ تو بے حد پسند آئے۔ "انسان ہر مشکل مصیبت سہہ لیتا ہے زندگی بھر محنت کر کے بھی کہیں تھکتا نہیں ٹوٹتا مگر اولاد کا دکھ انسان کو توڑ دیتا ہے لڑکیاں اللہ پاک کی رحمت ہوتی ہیں مگر ان کے نصیبوں سے ہر انسان ڈرتا ہے" ویل ڈن سبین آپی۔ شازیہ مصطفیٰ کا مکمل ناول بھی اچھا تھا "ڈھل گیا ہجر کا دن" نادیہ احمد کے اس ناول کی تعریف کافی سنی مگر ابھی تک پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا اگر اس کا اینڈ پتہ ہوا تو جب یہ اختتام پذیر ہوگا تو تمام قسطیں ایک ساتھ پڑھ لوں گی۔ نائلہ طارق تو میری پسندیدہ لکھاری ہیں ان کی تحاریر مجھے بے حد پسند ہیں جو ہمیشہ دل پر نقش ہونے کے ساتھ گہرا اثر چھوڑتی ہیں۔ "شب آرزو تیری چاہ میں" یقیناً ایک خوب صورت تحریر ہوگی۔ اسے بھی تب پڑھوں گی جب مکمل ہو جائے گی۔ آپی صائمہ قریشی واہ کیا نام سلیکٹ کیا اسٹوری کا "لائف ان پاغل خانہ" کس قدر دلچسپ اور منفرد نام ہے اناڑی پیا کے سنگ تو آپ ہمیشہ چھا جاتیں اب کی بار ایک اور انٹری ویسے کتنا مزہ آتا جو اناڑی پیا کے کردار بھی اس پاغل خانے کی سیر کرتے' ہاہاہا بہت خوب' شاباش آپی ڈیئر۔ آپی ریحانہ آفتاب، صباعیشل، نزہت جبین آپا قرۃ العین سکندر، سباس گل آپی، عائشہ پرویز، آپی ثمینہ فیاض، افشاں شاہد، فصیحہ آصف، ندا حسنین، آپ سب افسانوں کے سنگ تشریف لائیں اور چھا گئیں۔ دعا ہے اللہ پاک آپ سب کو مزید کامیابیوں سے نوازے آمین اور آخر میں اپنی بہت پیاری دوست بشریٰ خان کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جس نے میرے افسانے کا نام "چاہتوں کی نوید" سلیکٹ کر کے دیا' بہت بہت جزاک اللہ پیاری سدا خوش رہو آمین۔ ایک لکھاری کے لیے اس کی تحریر پر کہے گئے چند الفاظ بھی بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اب تک میری جتنی بھی تحاریر اس ادارے میں شائع ہوئی ہیں ان پر کہے گئے قارئین کے الفاظ میرا سیروں خون بڑھا جاتے ہیں سو بہت بہت جزاک اللہ ان سب کا جو پڑھ کر رائے دیتے ہیں۔ بے شک میں مکمل کہانیاں نہ پڑھوں مگر مجھے آنچل وحجاب کے تمام سلسلے بے حد پسند ہیں اور میں شوق سے ان کو پڑھتی ہوں سو جو رائٹرز مصروفیت کے باعث جلد ناول نہیں بھیج سکتیں وہ ان سلسلوں کے ذریعے ہی دیدار کروا جایا کریں مہربانی ہوگی۔ میں ان سطور کے ذریعے آپی منزہ عطاء کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنہوں نے کئی بار اپنے خطوط میں میرا ذکر کیا اور آخر میں آنچل وحجاب کی تمام لکھاری اور قاری بہنوں کے لیے بھی بہت سی دعائیں نیک تمناؤں کے ساتھ' جہاں بھی رہیں خوش رہیں شاد و آباد رہیں' آمین۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہمارے وطن عزیز کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنا دے۔

ہم تو مٹ جائیں گے اے ارض وطن لیکن تم کو
زندہ رہنا قیامت کی سحر ہونے تک

آمین

قابل اشاعت:

جستجو تمنا' حیات ہوئی مہتاب' حجاب' شکر ونمائش' تتلیوں کے رنگ' یہ راہ مشکل نہیں' سوال' تجھ سنگ عید منانی ہے' چاہت سنگ عید' حقیقی عیدئیوں نہ چاہا تھا' وجہ تم ہو' انوکھی عید' یہ وطن تمہارا ہے۔

ناقابل اشاعت:

بوٹی' مجھے لے چل اپنے دیس' اعتبار' محبت' بددعا' تربیت' عید کے رنگ اپنوں کے سنگ' نایاب کی زندگی' وہ لڑکی' یوم آزادی' بلاعنوان۔

✿

husan@aanchal.com.pk

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

ذیابیطس (Diabetes)

ہمارے ملک میں بے شمار لوگ ذیابیطس یا پیشاب میں شکر آنے کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ کسی زمانے میں یہ ایک لاعلاج مرض سمجھا جاتا تھا جو مریض کی جان لے کر ہی چھوڑتا تھا لیکن آج مناسب اور بروقت علاج کی بدولت یہ بیماری اتنی مہلک شکل اختیار نہیں کرتی اگر پابندی کے ساتھ ادویہ اور پرہیز کو جاری رکھا جائے تو مرض قابو میں رہتا ہے اور مریض معمول کی زندگی گزار سکتا ہے۔

ذیابیطس کا مرض اگر ایک بار شروع ہوجائے تو مریض کو بہت زیادہ دوا' احتیاط اور پرہیز کی ضرورت رہتی ہے۔ ذیابیطس ایک پیچیدہ مرض ہے اسے عام بیماری سمجھ کر بے پروائی نہیں کرنی چاہیے۔ اس مرض میں جسم کے تمام اعضاء متاثر ہوتے ہیں جس میں خاص طور پر آنکھیں' دانت' جگر' گردے' دل' دماغ اور دوران خون کا نظام شامل ہے۔ ذیابیطس کے مریض کو اپنی جسمانی کمزوری سے پوری طرح واقف ہونا چاہیے تاکہ وہ علاج اور پرہیز میں بے پروائی نہ کرے۔

ذیابیطس کیا ہے؟

ذیابیطس کی دو اقسام ہیں

(۱) ذیابیطس میلے ٹس (Diabeted Mellitus)

(۲) ذیابیٹیز انسپڈس (Diabetes Insipidus)

Diabeted Mellitus:۔

ذیابیطس شکری یا ذیابیطس مار Diabetes Mellitus یہ دونوں لاطینی زبان کے الفاظ ہیں Diabetes کے لغوی معنی ToGo Through یا (باہر نکل جانا) Mellitus کے لغوی معنی شہد Honey کے ہیں۔

عام طور پر ذیابیطس اس مرض کو کہتے ہیں جب جسم میں ایک بہت ضروری رطوبت یعنی ''انسولین'' کی کمی کی وجہ سے خون اور پیشاب میں شکر آنی شروع ہوجاتی ہے۔

انسولین کیا ہے؟

جسم میں شکر کس طرح بنتی ہے اور خون اور پیشاب میں اس کی زیادتی کیوں اور کس وجہ سے ہوتی ہے اسے جاننے کے لیے جسم اور غذا کے نظام کو سمجھنا ضروری ہے۔ انسانی جسم کی مثال ایک انجن سے دی جاسکتی ہے جس میں ایندھن کے جلنے سے قوت اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔ جسم کو زندہ اور تندرست رکھنے کے لیے غذا کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جو غذا ہم کھاتے ہیں ان کے الگ الگ اجزاء ہیں جو جسم کی مختلف ضروریات پوری کرتے ہیں جن میں کاربوہائیڈریٹ' پروٹین' چکنائی' وٹامن اور نمکیات شامل ہیں۔

ذیابیطس ایک ایسا مرض ہے جس میں خون میں گلوکوز یا شکر کی مقدار غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے اور خاصی مقدار میں گلوکوز مریض کے پیشاب کے راستے باہر نکل جاتی ہے۔ خون میں گلوکوز کی نارمل مقدار 0.06 سے لے کر 0.12 فی صد ہوتی ہے اگر خون میں شکر کی مقدار 0.18 فی صد ہوجائے تو پیشاب کے ہمراہ شکر کا اخراج ہونے لگتا ہے۔

اسباب مرض

پنیکریاز

لبلبہ کے اندرونی خلیات کا نام IsletOfLangerhens ہے یہ خلیات دو قسم کے ہارمونز خارج کرتے ہیں (۱) انسولین (Insoline) (۲) اور گلوکا گون (Glucagon)۔ انسولین خون میں شکر کی مقدار کو کم کرتی ہے اور گلوکا گون خون میں شکر کی مقدار کو بڑھاتا ہے اگر کسی وجہ سے انسولین کم مقدار میں بنے یا گلوکان زیادہ مقدار میں بنے تو دونوں صورتوں میں ذیابیطس شکری ہوجاتی ہے یہ خرابی لبلبہ کی سوزش' کینسر' چوٹ' پتھری یا انفیکشن کی وجہ سے ہوتی ہے۔

ہارمونز

کسی بھی خرابی کی وجہ سے جسم میں کسی ایسے ہارمونز کے افراز کی زیادتی ہوجائے جس کے اثر سے انسولین کا اثر زائل ہوجائے۔

انفیکشن

انفیکشن جو کہ اسفیلو کوکس کی وجہ سے ہوتی ہے ذیابیطس شکری کا باعث بن سکتی ہے۔

چوٹ

دماغی چوٹ' جذباتی دباؤ اور صدمات بھی ذیابیطس شکری کا باعث بن سکتے ہیں۔

وراثت:۔ موروثی مرض ہے۔

گروتھ ہارمون

گروتھ ہارمون کے زیادہ افراز سے ذیابیطس شکری ہوجاتی ہے۔

ایڈرنالین

ایڈرنالین ہارمون کی زیادتی انسولین کے اثر کو ضائع کررہی ہے لہٰذا جگر میں موجود گلائیکوجن' گلوکوز میں تبدیل ہوکر خون میں شامل ہوجاتی ہے اور اس طرح خون میں شکر کی مقدار نارمل سے بڑھ جاتی ہے۔

حمل

حمل کے دوران خارج ہونے والے ہارمونز انسولین کے اثر کو زائل کرکے خون میں شکر کی مقدار کو بڑھادیتے ہیں اس کے علاوہ تھائی رائیڈ گلینڈ کے ہارمون کی زیادتی بھی خون میں شکر کی مقدار کو بڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔

یہ مرض بچپن میں نہیں ہوتا عموماً 25 یا 30 برس کی عمر کے بعد ہوا کرتا ہے' مردوں کو بمقابلہ عورتوں کے یہ مرض زیادہ ہوتا ہے۔ کبھی یہ مرض موروثی بھی ہوتا ہے' میٹھی اشیاء اور نشاستہ دار غذاؤں کا بکثرت

استعمال اور ورزش نہ کرنا یا ورزش کرنے کے بعد جب کہ جسم ابھی گرم ہی ہو یکا یک ٹھنڈا پانی پی لینا۔ زیادہ شراب پینا' بہت زیادہ دماغی محنت کرنا' فکر وغم یا دیگر امراض کا ہونا مثلاً سر یا ریڑھ کے ستون میں یا شکم پر چوٹ لگنا لبلبہ یعنی پنکیریاز کا چھوٹا ہو جانا اس میں ناقص رطوبت کا پیدا ہونا بھی بھی معیادی بخار یا ملیریا بخار یا شدید نمونیا کے بعد بھی یہ مرض ہو جایا کرتا ہے۔

جب یہ مرض زیادہ میٹھا وغیرہ کھانے اور انتڑیوں میں فتور کی وجہ سے واقع ہو تو اس کو ذیابیطس معدی کہتے ہیں۔

جب جگر کی خرابی یعنی کھانے پینے میں بد پرہیزی یا شراب نوشی کی وجہ سے ہو تو اس کو ذیابیطس جگری کہتے ہیں۔

(۳) جب کثرت محنت دماغی یا سر یا ریڑھ وغیرہ پر صدمہ پہنچنے کی وجہ سے یہ مرض ہو تو اس کو ذیابیطس عصبی کہتے ہیں۔

بدقسمتی سے شروع بیماری میں اس مرض کی واضح علامات ظاہر نہیں ہوتیں مثلاً درد یا بخار وغیرہ اس لیے اکثر مرض کی پہچان میں دیر کر دی جاتی ہے۔ شکر زیادہ آنے لگے تو عام طور پر مریض کو بہت زیادہ پیاس لگتی ہے منہ خشک رہنے لگتا ہے' بھوک لگنے اور جلدی جلدی کھانا کھانے کے باوجود وزن گر جاتا ہے۔ کمزوری محسوس ہوتی ہے' پیشاب زیادہ مقدار میں اور جلدی جلدی آتا ہے اکثر رات کے وقت بھی پیشاب کے لیے اٹھنا پڑتا ہے اگر کھلی جگہ پیشاب کیا جائے تو مٹھاس کی وجہ سے اردگرد چیونٹیاں جمع ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ پورے جسم میں خارش شروع ہو سکتی ہے خاص طور پر بغلوں' پیشاب و پاخانہ کے مقامات پر ٹانگوں میں درد ہوتا ہے' پھوڑے پھنسیاں اور زخم جلدی ٹھیک نہیں ہوتے۔

اکثر تندرست لوگوں کو بھی پیاس کی زیادتی' تھکان یا زیادہ پیشاب آنے کی شکایات ہو جاتی ہیں لیکن اگر یہ شکایات زیادہ دنوں تک رہے تو پیشاب کا معائنہ ضرور کروالینا چاہیے تاکہ شکر کی موجودگی یا غیر موجودگی کا پتا چلایا جاسکے۔ ذرا سا بھی زخم ٹھیک ہونے میں نہیں آتا' جسم میں پانی کی کمی' جلد خشک' نبض تیز' خون کا دباؤ کم ہوگا۔ سانس سے فروٹ کی طرح کی خوشبو آتی ہے' پیشاب کے ٹیسٹ سے شکر کی موجودگی کنفرم ہو جاتی ہے۔

مرض ذیابیطس کی پانچ علامات خاص ہیں۔

(۱) پیشاب کا بار بار آنا اور مقدار میں زیادہ آنا۔

(۲) پیشاب میں شکر کا آنا۔

ذیابیطس سادہ

(DiabetesInsipidusPolyuria)

اس مرض میں پیشاب بہت آتا ہے لیکن وہ صاف اور بے رنگ ہوتا ہے اور اس کا وزن مخصوصہ بھی کم ہوتا ہے اور اس میں شکر یا البیومن نہیں ہوتی۔ پیاس شدت کی لگتی ہے' جسم کی جلد خشک اور کمزوری ہوتی ہے اور مریض کو جسمانی و دماغی کمزوری بہت محسوس ہوتی ہے۔

علاج و پرہیز

ذیابیطس کے مرض پر قابو پانے میں غذا کی بہت اہمیت ہے' چالیس سال سے اوپر کے مریض اکثر صرف کھانے پینے میں ہی احتیاط برت کر اپنی بیماری پر قابو پا سکتے ہیں۔ مریض کی عمر' حالت اور بیماری کی نوعیت دیکھ کر ڈاکٹر اس کے لیے دوا کی گولیاں یا انسولین کے ٹیکوں کی درست خوراک تجویز کردے گا۔ وہ مریض کو غذا سے متعلق پرہیز اور احتیاط کے بارے میں بھی بتائے گا' ڈاکٹر کی ہدایت پر پوری طرح عمل کرنا ضروری ہے' دوا یا ٹیکے لینے کے ساتھ ہر روز پیشاب کے معائنے یا ٹیسٹ کی بھی ضرورت ہوگی تاکہ دوا کی خوراکوں میں کمی بیشی کی جاسکے۔

اس مرض میں غذا کا مناسب انتظام ضروری ہے' میٹھی اور نشاستہ دار غذاؤں سے پرہیز لازمی ہے جب مرض زیادہ شدید نوعیت کا نہ ہو تو غذا کا مناسب خیال رکھنے سے مریض کو فائدہ ہوتا ہے لیکن جب مرض کا حملہ شدید ہو تو نشاستہ دار غذا کو بالکل ترک دینا مناسب نہیں ہوتا کیونکہ مریض اس سے جلد ناتواں اور لاغر ہو جاتا ہے۔

مریض کو روٹی کم کھانی چاہیے البتہ موٹے آٹے کی روٹی یعنی چوکر والے آٹے کی روٹی گاہے بگاہے کھانی چاہیے' کبھی کبھی چاول کھانے چاہئیں۔

سبز ترکاریاں مفید ہیں' البتہ چقندر' شلغم' گاجر اور آلو وغیرہ کم کھانے چاہئیں۔ آلو بمعہ چھلکا گھی میں بھون کر کھا سکتے ہیں' ہر قسم کے نشے سے پرہیز ضروری ہے۔

علاج

یورنیم نائٹریکم:

اس مرض کی اعلیٰ دوا ہے اگر ذیابیطس کے ساتھ کھانسی اور پھیپھڑوں میں ٹی بی کے آثار بھی موجود ہو تو یہ دوا بے حد کام آتی ہے۔

سائزی جیئم

اس دوائی کے دینے سے پیشاب میں شکر کا آنا بند ہو جاتا ہے۔

فاسفورک ایسڈ:

ذیابیطس عصبی کی یہ دوائی بہت اعلیٰ ہے جب غم' فکر' تردد کی وجہ سے یہ مرض لاحق ہوا ہو۔

آرنیکم:

جب مریض بہت کمزور اور پیاس بہ سخت لگتی ہو' بے چینی ہو' جسم جلتا ہو تو یہ دوائی نافع ہوتی ہے۔

پلمبم میٹ:

جب کہ قبض سخت ہو اور کمزوری بہت ہو جبکہ گردوں کے فعل میں نقص بھی ہو۔

اس کے علاوہ پوڈوفائلم' کاربالک ایسڈ' نیٹرم سلف' ارجینٹم میٹ اپنی اپنی علامات مخصوصہ میں کام آتی ہے۔

ہائوس فل

عیدالفطر پر ریلیز ہونے والی پاکستانی فلموں نے دھوم مچا دی۔ ریلیز کے پہلے ہی ہفتے سینما گھروں میں ہاؤس فل کے بورڈ لگ گئے۔ فلم مہرالنساوی لب یو نے ریلیز سے لے کر اب تک چار کروڑ کا بزنس کرلیا۔ دوسری طرف فلم یلغار نے بھی فلم بینوں کو سینماؤں تک لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ (اس کی وجہ؟) فلم نے ریلیز سے اب تک سات کروڑ کمالیے ہیں۔ فلم کو دیکھنے کے لئے ابھی بھی سینما گھروں میں شائقین کی بڑی تعداد آرہی ہے۔

زارا شیخ

اداکارہ زارا شیخ نے کہا ہے کہ پاکستانی فلم میکرز وقت کے ساتھ بہتری کی طرف جارہے ہیں اگر کوئی اچھی آفر ہوئی تو ضرور فلم کروں گی۔ (یعنی ابھی آفرز آنا بند ہیں) جب تک فلم میکر باکس آفس کے تقاضوں اور فلم بینوں کے مزاج کو سمجھ کر فلم نہیں بنائے گا اسے کامیابی نہیں مل سکتی۔ ہمارے ہاں بہت عرصہ پہلے ہی فلمساز اور ہدایتکاروں نے فلم میکنگ کے حوالے سے وقت کے ساتھ بدلتی ٹیکنالوجی پر توجہ ہی نہیں دی، جس کا خمیازہ ہمیں فلم انڈسٹری کے ایسے شدید بحران کی صورت میں بھگتنا پڑا کہ اسٹوڈیوز کے ساتھ سینما انڈسٹری بھی زوال پذیر ہوگئی۔ ابھی فلم میکنگ بہتری کی طرف گامزن ضرور ہوئی ہے مگر اس کا مطلب ہرگز نہیں لینا چاہیے کہ ہم اپنی منزل پاچکے ہیں ابھی بہت کچھ مزید کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

سکندر

اداکار معمر رانا نے اپنی ذاتی فلم سکندر کے حوالے سے گفتگو

کرتے ہوئے کہا کہ میں اس فلم کو رواں برس کے دوران مکمل کر لوں گا۔ (کوشش جاری رکھیں) انہوں نے کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ ہماری فلم انڈسٹری اب دوبارہ معیاری فلمیں بنانے کی طرف گامزن ہے۔ فلم سکندر کے اسکرپٹ، میوزک اور دیگر تمام شعبوں پر بھرپور محنت کررہا ہوں، امید ہے کہ عوام کو فلم سکندر ضرور پسند آئے گی۔ (امید کے ساتھ محنت بھی کریں)

نامعلوم افراد

پاکستانی فلم نامعلوم افراد کی کامیابی کے بعد نامعلوم افراد پارٹ 2 اس سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر سینما گھروں میں نمائش کے لئے پیش کی جائے گی۔ فلم والا پروڈکشن اور ایکسیلینسی فلمز کی نامعلوم افراد پارٹ 2 کی مشترکہ پیشکش ہے۔ اس فلم کے ہدایت کار نبیل قریشی جبکہ فلم کا اسکرپٹ فضاء مرزا نے مشترکہ طور پر لکھا ہے۔ اس جوڑی نے نامعلوم افراد اور ایکٹران لاء جیسی کامیاب فلموں کے حوالے سے بے پناہ داد وصول کی ہے۔ (دونوں فلمیں بھارتی فلموں کی چربہ بھی ہیں) نامعلوم افراد پارٹ ٹو دراصل 2014 میں بننے والی کامیاب فلم نامعلوم افراد پارٹ ون کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے اور

ایک بار پھر اس فلم میں کام کرنے والے ستارے اپنے ماضی کی کارکردگی کی روشنی میں آگے بڑھتے ہوئے نظر آئیں گے۔ فلم کی کاسٹ میں فہد مصطفیٰ، جاوید شیخ، محسن عباس حیدر اور عروہ حسین ایک بار پھر نامعلوم افراد پارٹ ٹو ایک ساتھ جلوہ گر ہونگے اور ان کے ساتھ حانیہ عامر بھی شامل ہونگی۔ اس فلم کی شوٹنگ زیادہ تر کیپ ٹاؤن سٹی اور کراچی میں کی گئی ہے۔ یہ فلم 2 گھنٹے اور 10 منٹ کے دورانیے پر مشتمل ہے۔ فلم کے کردار ایک بار پھر تین سال کے وقفے کے بعد سامنے آئیں گے۔ اس فلم کی کہانی تین سال گذرنے کے بعد کے واقعات، تبدیلیوں، اور ہنگامہ خیزیوں پر مشتمل ہیں۔

موم

پاکستانی اداکار عدنان صدیقی نے بالی ووڈ کی بہترین فلم "ناگن" کی کامیاب اداکارہ سری دیوی سے شادی کرلی۔ ارے بھئی حیران نہ ہوں یہ شادی انڈین فلم "مام" کے لئے کروائی گئی جس میں عدنان صدیقی بالی ووڈ اداکارہ سری دیوی کے شوہر جبکہ پاکستانی اداکارہ سجل علی عدنان اور سری دیوی کی بیٹی کا کردار نبھایا۔ فلم 'یلغار' میں جاندار پرفارمنس سے شائقین کے دل جیتنے والے عدنان صدیقی اور سجل علی کی پہلی انڈین فلم 'مام' سری دیوی کے ہمراہ 7 جولائی کو ریلیز ہوئی جو بھارت سمیت دنیا بھر کے ممالک میں دکھائی گئی۔

حنان سمید

ٹی وی اسٹار حنان سمید آنے والی نئی فلم عشق والا لو میں جلوہ گر ہوں گے، اس سے قبل وہ ٹی وی ڈراموں میں مختلف کردار ادا کرتے رہے ہیں جبکہ یہ پہلا موقع ہے جب وہ کسی فلم میں مرکزی کردار ادا کررہے ہیں۔ اس حوالے سے حنان نے کچھ یوں بتایا کہ یہ فلم بھی دوسری فلموں کی ہی طرح ہے، اس میں کچھ خاص مختلف نہیں تاہم ڈائریکٹر نے فلم میں کھوئے ہوئے حقیقت پسندی کے نظریے کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

سجل علی

اداکارہ سجل علی نے کہا بے حد خوش ہوں کہ میری پہلی بالی ووڈ فلم مام پاکستان میں ریلیز ہورہی ہے، فلم کو لے کر کافی توقعات ہیں۔ میڈیا سے گفتگو میں اداکارہ نے کہا کہ یہ فلم میرے کیریئر میں گیم چینجر ثابت ہوگی، اس فلم کے بعد خود کو بطور اداکار زیادہ مضبوط محسوس کرتی ہوں، میڈم سری دیوی کو فلموں میں دیکھا، سب کی طرح ان کی پرستار ہوں (مکھن) کبھی وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کے ساتھ اپنی پہلی بالی ووڈ فلم میں کام کرنے کا موقع ملے گا۔

میگھا

فلم، ٹی وی اور اسٹیج کی معروف اداکارہ، ماڈل اور پرفارمر میگھا نے کہا ہے کہ اسٹیج سے ہزاروں خاندانوں کا روزگار وابستہ ہے اسٹیج عام آدمی کی تفریح کا شاندار ذریعہ ہے۔ میگھا نے کہا کہ میں نے اپنے فنی کیریئر میں بے شمار ڈرامے کیے، ڈانس پر عبور رکھنے کے باوجود کبھی مغرور نہیں ہوئی (اففف......!) میں نمبرون کی قائل نہیں ہوں ہر فنکار کا فن اپنا لوہا منواتا ہے، سب سے بہترین منصف پرستار ہوتے ہیں جو فیصلہ کرتے ہیں کہ کس کا کام اچھا ہے۔ رقص ہماری ثقافت کا حصہ ہے اور اسٹیج کا

مستقبل روشن ہے۔معیاری ڈراموں کی نمائش سے تھیٹر کی رونقیں دوبارہ آباد ہوسکتی ہیں۔

پنجاب نہیں جاؤں گی

رواں سال کی چند بڑی پاکستانی فلموں میں سے ایک ''پنجاب نہیں جاؤں گی'' کا پہلا آفیشل ٹریلر ریلیز کردیا گیا ہے۔اس کا ٹیزر تو اپریل میں سامنے آ گیا تھا تاہم اب باضابطہ ٹریلر جاری کیا گیا ہے۔فلم میں ہمایوں سعید،مہوش حیات،عروہ حسین،احمد علی بٹ،صبا حمید اور دیگر فلم میں اہم کردار ادا کرتے نظر آئیں گے۔

میری زندگی

نامور اداکارہ ثناء نے کہا ہے کہ 8 برس کی ازدوجی زندگی میں میرے شوہر نے مجھے بہت عزت دی ہے مگر میری دوستی میرے شوہر سے زیادہ ساس سے ہے جو مجھے ہمیشہ گائیڈ کرتی ہیں۔خصوصی انٹرویو میں شوہر کی کسی بری عادت کے بارے میں سوال کے جواب میں ثناء کا کہنا تھا کہ میرے شوہر فخر امام میرے ہمراہ جانے میں ہمیشہ دیر کردیتے ہیں جبکہ میں وقت کی پابند ہوں، چونکہ میرے شوہر میرے دیگر کاموں میں بھرپور تعاون کرتے ہیں اس لئے ہماری ازدوجی زندگی کامیابی سے ہمکنار ہے۔

صوفیانہ کلام

پاکستان کی عالمی شہرت یافتہ صوفیانہ کلام گائیک عابدہ پروین نے کہا کہ درگاہی کلام یعنی صوفیانہ کلام، اب کسی ایک خطے تک محدود نہیں رہا بلکہ یہ پوری دنیا میں پھیل چکا ہے، پوری دنیا اس کلام میں داخل ہورہی ہے اور اسے قبول کررہی ہے۔ عابدہ پروین اور اسرار کا مشترکہ کلام پھول کھل جائیں سوشل میڈیا پر جاری کردیا گیا،یہ کلام فلم رنگریزا کے میوزک کا حصہ ہے،اس کلام کی شاعری اسرار نے تحریر کی ہے جب کہ اس کی موسیقی جے علی نے ترتیب دی ہے۔

مہوش حیات

اداکارہ مہوش حیات نے کہا ہے کہ ایکٹران لا کی کامیابی کے بعد میں خود پر بھاری ذمے داری محسوس کرنے لگی ہوں (کون سی ذمہ داری.....؟) میوزک کے شعبے میں بھی اچھا رسپانس ملا ہے (کیسے.....؟) اور مستقبل میں مزید کام کرتی دکھائی دونگی۔اپنے ایک انٹرویو میں مہوش حیات نے کہا کہ ایک طرف تو اپنے پرستاروں کی امیدوں پر آئندہ بھی پورا اترنے کے لیے کڑی محنت کرنا ہوگی اور دوسری جانب پاکستان فلم انڈسٹری کو انٹرنیشنل مارکیٹ تک لے جانے کے لیے ایسا کام کرنا ہوگا جو ہر اعتبار سے بین الاقوامی مارکیٹ کے مطابق ہو۔ (آپ کا اشارہ آئٹم سانگ کی طرف ہے) میں نے تو ابھی سے اس سلسلہ میں کام شروع کردیا ہے۔

اداکارہ میرا

گلوکارہ واداکارہ متیرا نے کہا ہے کہ فن کسی کی میراث نہیں،نہ ہی کوئی ڈگری شوبز انڈسٹری میں کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے'شوبز انڈسٹری جتنے بھی نامور فنکار، گلوکار، موسیقار، رائٹر، ڈائریکٹر آئے ان میں سے اکثریت اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر سامنے آئے۔(آپ تو.....مینڈک) خصوصی گفتگو میں متیرا نے کہا کہ پاکستان میں تو ایکٹنگ سمیت دیگر شعبوں میں تربیت دینے کے لیے باقاعدہ کوئی ادارہ نہیں مگر اب کچھ سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں میں ایکٹنگ اور فلم میکنگ کو پڑھایا جانے لگا ہے۔انہوں نے کہا کہ یہ ایک خوش آئند بات ہے کیونکہ اس سے شوبز انڈسٹری میں آنے کے خواہشمند لوگوں کو کسی حد تک کیریئر کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوگی۔

میوزیکل البم

گلوکارہ شبنم مجید کے میوزیکل البم کے ایک گانے کی ویڈیو بھارت سے ریلیز کردی گئی۔ذرائع کے مطابق گلوکارہ شبنم مجید نے بھارتی شاعر وکمپوزر سردار جسپال سنگھ کی ایک میوزیکل البم مکمل کی تھی جس کے ایک گانے کو ریکارڈنگ کرنے والی کمپنی نے دنیا بھر میں ریلیز کردیا ہے۔اس ویڈیو گانے کا ٹائٹل سونگ ''نی امی اے'' ہے اور اس ویڈیو گانے کو سوشل میڈیا پر بھی ریلیز کردیا گیا ہے۔شبنم مجید کے گائے ہوئے گانے کو دنیا بھر سے پذیرائی مل رہی ہے۔علاوہ ازیں شبنم مجید لاہور میں آج کل اپنی ایک اور آڈیو البم کی تیاریوں میں مصروف ہیں جس کا 90 فیصد سے زیادہ کام مکمل ہوچکا ہے۔

غازی

ٹی وی اداکارہ اور ماڈل سائرہ شہروز نے کہا کہ فلم چلتے ساتھ کے بعد فلم پراجیکٹ غازی اپنی نوعیت کی منفرد ٹیکنالوجی سے مرصع فلم ہے جس میں میرا کردار شائقین کو متاثر کریگا، فلموں میں اکثر خواتین کو کمزور دکھایا جاتا ہے لیکن اس میں پاور فل عورت نظر آئیگی۔ اس فلم میں نیکی و بدی کی جنگ میں عورت کا کردار سب سے اہم ثابت ہوگا۔ ماڈلنگ سے جو

شہرت ملی اسے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ البتہ منتخب اداروں کو ترجیح دیتی ہوں۔ اپنی فلم کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ فلم میں ہمایوں سعید، شہریار منور، طلعت حسین و دیگر فنکار میرے ساتھ ہیں ان سینئر فنکاروں سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا، اس میں کام کر کے جو لطف آیا اسے الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

قندیل بلوچ

قندیل بلوچ کی زندگی پر بننے والے ڈرامے "باغی" کی کاسٹ میں ایک بڑے نام کی جھلک کو ریلیز کر دیا گیا ہے۔ عثمان خالد بٹ اس میں قندیل بلوچ (صبا قمر) کے محبوب کا کردار ادا کرتے نظر آئیں گے۔ اس ٹیزر میں دونوں کو ایک مزار میں دکھایا گیا ہے اور عثمان خالد بٹ اپنی خواہش کا اداکارہ سے اظہار کر رہے ہیں۔ قندیل نے دونوں کے تعلق کے حوالے سے کچھ زیادہ انکشاف نہیں کیا مگر پہلی بار دکھایا گیا کہ وہ کتنی خوفزدہ ہے۔ اس سے پہلے سامنے آنے والے ٹیزر میں قندیل بلوچ کا اپنے شوہر سے تعلق دکھایا گیا۔ جو بیوی کو کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور تشدد کرتا ہے۔

شور شرابا

اداکار ریمبو نے کہا ہے کہ پاکستانی فلموں کی کامیابی سے انڈسٹری پر مثبت اثرات مرتب ہونگے جس سے فلمسازی کے رجحان میں بھی اضافہ ہوگا، بھارتی فلموں میں کام کی پیشکش ہو چکی ہے لیکن میرا بھارت میں جا کر کام کرنے کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں۔ ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ پاکستان میں عید الفطر پر بڑی فلموں کی ریلیز سے مقامی انڈسٹری کو سہارا ملا ہے جبکہ "شور شرابہ" کی نمائش کو ملتوی کر کے اچھا فیصلہ کیا گیا کیونکہ اس سے پاکستانی فلموں کے ٹکراؤ سے اپنا ہی نقصان ہونا تھا۔

فضا علی

نامور اداکارہ فضاء علی نے کہا ہے کہ زندگی میں قسمت کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے، شوبز کو خیر باد کہنے کے حوالے سے سامنے آنے والی خبریں بے بنیاد ہیں اور جب تک ہمت ہے اس شعبے سے وابستہ رہوں گی۔ (آفر نہ ملنے کی وجہ) ایک انٹرویو میں اداکارہ نے کہا کہ بہت سے خوبصورت چہرے گھروں میں کام کاج اور سڑکوں پر بھیک مانگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جبکہ شوبز میں ایسے بہت سے چہرے ہیں جو صرف اپنے فن کی وجہ سے شہرت کی بلندیوں پر ہیں اس لئے میں سمجھتی ہوں کہ کسی بھی انسان کی زندگی میں اس کی قسمت کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ مختلف پراجیکٹس میں مصروف ہوں اور ہمیشہ معیار کو ترجیح دی ہے (معیار سے مطلب معاوضہ ہے؟) جس اسکرپٹ میں میرے کردار میں مارجن نہ ہوا سے ہرگز قبول نہیں کرتی۔

ہمایوں سعید

اداکار ہمایوں سعید نے کہا ہے کہ معمول سے ہٹ کر کردار ادا کرنا چاہتا ہوں، فلم "یلغار" میں منفی کردار کو بھی لوگوں نے پسند کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ پہلا تجربہ تھا کہ ہمایوں سعید لوگوں کو شدت پسند کردار میں نظر آیا، منفی کردار ادا کرنے کیلئے بہت پر جوش تھا مگر اسے ادا کرنے کی تیاری انتہائی مشکل ثابت ہوئی۔ میرے خیال میں یہ اس فلم کا سب سے جاندار کردار ہے اور میں ناظرین کے خیالات و احساسات کو جاننے کا شدت سے منتظر ہوں۔ 22 ممالک میں فلم کی بیک وقت ریلیز سے ہمیں بھی اچھا رسپانس ملا ہے۔ امریکہ و برطانیہ میں پریمیئر شوز میں جو پذیرائی ملی انہیں الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

ماریہ واسطی

ٹی وی کی مقبول اداکارہ ماریہ واسطی نے کہا کہ فلموں کا سنہرا دور واپس آ رہا ہے، اگر معیاری فلموں کا تسلسل اسی طرح برقرار رہا تو ہم انٹرنیشنل مارکیٹ میں اپنی پہچان بنالیں گے۔ معیاری کہانیوں پر مزید فلمیں بناتے رہنا ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ دور کے ڈرامے عوام میں ماضی کی مقابلے میں زیادہ پسند کیے جا رہے ہیں، نئے تقاضوں کے مدنظر ڈرامے بن رہے ہیں، آج ہر فنکار کی مصروفیات میں اضافہ ہو رہا ہے، سابق آموز ڈرامے شائقین زیادہ پسند کر رہے ہیں۔ ٹی وی کے معیار کو برقرار رکھتے ہوئے نت نئے موضوعات پر کام کا سلسلہ جاری رکھنا ہوگا، انہوں نے کہا کہ موجودہ فلموں کی کامیابی پر تمام فلم میکرز اور فنکاروں کو مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ ہمیں آپس میں ایک دوسرے کو سپورٹ کرتے ہوئے آگے کی جانب یوں ہی بڑھتے رہنا ہوگا۔

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

عرق گلاب

آج سے بیس تیس سال پہلے ہمارے ہاں کی خواتین اپنے چہرے کی دلکشی کے لیے قدرتی اجزا سے بنی ہوئی اشیاء استعمال کرتی تھیں جن کی وجہ سے ان کی صحت و تندرستی اور حسن و شادابی بالکل نوجوانوں کی طرح برقرار رہتی تھی۔ قدرتی اشیاء اور جڑی بوٹیوں کے استعمال سے ان کا چہرہ صاف شفاف اور تروتازہ رہتا تھا۔ ایسی خواتین حسن و زیبائش کے لیے اور خصوصاً جلدی امراض سے بچنے کے لیے گلاب اور عرق و رلیموں کا رس استعمال کیا کرتی تھیں بعد میں جدید طب نے ان دونوں چیزوں کو دلکشی اور جلد کی صحت کا امین قرار دیا۔ آج جلدی امراض کے بڑے بڑے ڈاکٹر عرق گلاب اور دیگر قدرتی چیزوں کی آمیزش کے ساتھ ایسی قدرتی ادویات استعمال کرنے کی ہدایت کرتے ہیں جن کی وجہ سے انسانی جلد ہمیشہ ترو تازہ اور صحت مند رہ سکتی ہے اور انسان مصنوعی اور بازاری ادویات سے بچا رہ سکتا ہے۔

عرق گلاب انسانی جلد کے لیے ایک گوہر نایاب ہے اور جلدی امراض کے ڈاکٹر انہیں متعدد بیماریوں کے لیے استعمال کراتے ہیں مثلاً......

عرق گلاب جلد کی قوت مدافعت بڑھاتا ہے یہ جلد میں پانی کی صحیح مقدار قائم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے جس کی وجہ سے جلد ملائم چمکدار اور ہموار رہتی ہے۔

عرق گلاب جلد سے پانی کے ضرورت سے زیادہ اخراج کو روکتا ہے عموماً گرمیوں کے دنوں میں جنہیں زیادہ پسینہ آتا ہے عرق گلاب کا استعمال انہیں پسینے کی بدبو سے نجات دلاتا ہے۔

سردیوں میں انسانی جلد بہت خشک ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے جلدی امراض مثلاً ایگزیما لاحق ہوجاتا ہے عرق گلاب اس بیماری سے بچاتا ہے۔

سردیوں میں بچوں کے چہرے پر سفید اور کھردرے نشان بن جاتے ہیں جن کو عموماً کیلشیم کی کمی سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ نشان **Pityrisasis-Alba** کہلاتے ہیں جو ایک جلدی بیماری ہے۔ عرق گلاب کے مسلسل استعمال سے نہ صرف اس مرض کا علاج ممکن ہے بلکہ اس مرض کی روک تھام کے لیے یہی قدرتی دوا سستی اور موثر ترین ثابت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عرق گلاب اور گلیسرین برابر مقدار میں ملا کر بچوں کے چہرے اور جسم پر لگانے کی ہدایت کرتے ہیں۔

فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدور، مستری، راج وغیرہ ایسے لوگ ہیں جن کو سیمنٹ اور کیمیکلز سے الرجی ہوجاتی ہے ان کی جلد سرخ اور سخت ہوکر پھٹ جاتی ہے جبکہ ہاتھ پاؤں بھی پھٹ جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کام نہیں کرسکتے۔ اس خوفناک مرض کے لیے عرق گلاب میں گلیسرین کی آمیزش کرکے انہیں دوائی استعمال کرائی جاتی ہے۔

جھائیوں سے نجات حاصل کرنے اور جلد کی رنگت میں نکھار پیدا کرنے کے لیے عموماً بازاری کریمیں استعمال کی جاتی ہیں مگر جلدی امراض کے ماہر ڈاکٹر عرق گلاب کو ترجیح دیتے ہیں۔ نیز انہی ڈاکٹروں کا یہ مشورہ بھی ہوتا ہے کہ چہرے کی خشکی اور جھریوں سے بچنے اور رنگت گوری کرنے کے لیے عرق گلاب اور گلیسرین اور لیموں کا رس ملا کر استعمال کیا جائے تو مطلوبہ نتائج برآمد ہوں گے۔

گھریلو خواتین جن کے ہاتھوں کی انگلیاں کپڑے اور برتن دھونے والے صابن سرف اور رم سے کھردری ہوکر پھٹ جاتی ہیں اور ان میں زخم بن جاتے ہیں ایسی خواتین گلیسرین اور عرق گلاب روزانہ تین چار مرتبہ استعمال کیا کریں تو اس موذی مرض سے بچا جاسکتا ہے۔

بعض مرد و خواتین کی ایڑیاں پھٹ جاتی ہیں اگر وہ عرق گلاب اور گلیسرین کا مکسچر لگائیں تو ان کی یہ بیماری ختم

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد | صائمہ اکرام | عُشنا کوثر سردار | اشفاق احمد
نمرہ احمد | سعدیہ عابد | نبیلہ عزیز | نسیم حجازی
فرحت اشتیاق | عفت سحر طاہر | فائزہ افتخار | عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو | تنزیلہ ریاض | نبیلہ ابر راجہ | ہاشم ندیم
نگہت سیما | فائزہ افتخار | آمنہ ریاض | مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ | سباس گُل | عنیزہ سید | مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ | رُخسانہ نگار عدنان | اقراء صغیر احمد | علیمُ الحق
رفعت سراج | اُمِ مریم | نایاب جیلانی | ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہوجائے گی۔

عرق گلاب' زیتون اور شہد کے ساتھ مل کر جلد اور معدہ کی حفاظت کے متعدد امور انجام دیتا ہے خصوصاً صرف عرق گلاب پینے سے قبض دور ہوجاتا ہے اور یہ انتڑیوں کو جراثیم سے پاک وصاف کرتا ہے گویا عرق گلاب حسن اور صحت کا ایسا مظہر ہے جس کے اندر قدرت نے انسانوں کے لیے شفا رکھی ہے۔

عرق گلاب جلدی امراض کے علاوہ انسان کے ہر عضو کے لیے کارآمد دوا کی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید طب نے عرق گلاب کو آنکھوں کا نور کہا ہے اور آج ماحولیاتی آلودگی کے زمانے میں اس کا استعمال ناگزیر قرار دیا ہے۔

عرق گلاب دل اور دماغ کے لیے ایک مقوی اور راحت آمیز دوا ہے۔ یہ کمزور دل اور دماغ کو توانا اور چست کردیتا ہے۔ ہمارے ہاں ڈپریشن اور اعصابی دباؤ کی وجہ سے اکثر لوگ سکون آور ادویات کا استعمال کررہے ہیں جس کی وجہ سے ان کے معمولات زندگی بدل کررہ گئے ہیں۔ یہ لوگ فطرت سے اس قدر دور ہوچکے ہیں کہ ان کی زندگیاں بے سکونی کا شکار ہوکررہ گئی ہیں۔ انہیں سکون اور راحت کے لیے مہنگی ادویات کا سہارا لینا پڑتا ہے جن کے استعمال سے وہ وقتی طور پر سکون کی نیند پوری کرلیتے ہیں مگر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب یہ ادویات ان کے ساتھ کمبل کی طرح چمٹ جاتی ہیں اور وہ مختلف عوارض میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ زندگی کی گہما گہمی کا شکار لوگ عرق گلاب' شہد اور اسپغول کو اپنی خوراک کا حصہ بنالیں تو انہیں ان تمام عوارض سے نجات مل سکتی ہے۔

گلاب کے پھول میں قدرت نے بے شمار بیماریوں کے لیے شفا رکھ چھوڑی ہے۔ یہی ساری خصوصیت عرق گلاب میں منتقل ہوجاتی ہے۔ اطباء کا کہنا ہے کہ عرق گلاب کان کی متعدد بیماریوں کے لیے بھی فائدہ مند ہے اگر کسی کے کان میں درد ہو تو دو دو قطرے کان میں ڈالنے سے درد سے نجات مل جاتی ہے جبکہ نکسیر پھوٹنے کی صورت میں اگر عرق گلاب کے چند قطرے ناک میں ڈال لیے جائیں تو نکسیر فوراً بند ہوجاتی ہے۔

عرق گلاب ایک خوشبو' دوا' غذا اور مشروب ہے۔ سخت گرمیوں میں دو چمچے شہد ایک گلاس پانی میں گھول کر اس میں چند قطرے عرق گلاب کے ملالیے جائیں تو یہ ایک فرحت بخش مشروب ثابت ہوتا ہے اس سے بدن کی گرمی دور ہوتی ہے اور گرمی کی شدت سے بھی بچاتا ہے۔ علاوہ اس سے بدن میں چستی اور طاقت پیدا ہوتی ہے' عرق گلاب کے چند قطرے مشروبات میں ملانے سے فرحت اور تازگی کا احساس ہوتا ہے مگر جب اسے میٹھے کھانوں خصوصاً کیک' پڈنگ' فرنی وغیرہ میں استعمال کیا جائے تو اس کا ذائقہ ایک نئی لذت سے آشنا کرے گا۔

عرق گلاب منہ کے جملہ امراض کے لیے بھی ایک سود مند اور کارگر دوا ہے۔ یہ دانتوں کو چمکاتا اور مسوڑھوں کو صحت مند بناتا ہے۔ عرق گلاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اسے جس قدرتی دوائی کے ساتھ استعمال کیا جائے یہ اپنی خاصیت برقرار رکھتا ہے' عرق گلاب کے چند کمالات دیکھیے۔

☆ سیاہ مرچ کو عرق گلاب میں پیس کر دانتوں پر اس کا لیپ کردیا جائے تو درد سے فوراً نجات مل جاتی ہے جبکہ عرق گلاب میں سیاہ مرچ کو پکا کر اس کا ماتھے پر لیپ کیا جائے تو سردی کا نزلہ دور ہوجاتا ہے۔

ناخنوں پر دھبے پڑجائیں تو عرق گلاب میں لیموں کے چند قطرے برابر ڈال کر ناخن دھولینے سے دھبے اتر جاتے ہیں اور ناخنوں کی قدرتی چمک اور افزائش برقرار رہتی ہے۔

پروین افضل......لاہور

❀